ہیں جن میں ناک۔ ہونٹھ۔ گال میں زیور پہنتے ہیں اور پستانوں اور سرینوں کے
بڑے بڑے گوشت کے ٹکڑے لٹکاتے ہیں بعض قومیں انوں اور پیروں کے تلووں سے
بھری ہوئی انگلیوں کو صاف کرتے ہیں بعض قوم میں سوا بادشاہ کے اور سب کی اولاد
محروم الارث ہوتی ہے۔ بھائی بھانجوں کو وراثت ملتی ہے۔ کہیں صرف بھانجوں کو۔ بعض
قوموں میں جائداد اور اسباب کا یہ انتظام ہے کہ بادشاہی مجسٹریٹ تمام زراعت کی نگاہداشت
اور تقسیم پیداوار لوگوں کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ ہر شخص حسب ضرورت پیداوار لے لیتا ہے
کسی قوم میں بچّوں کے مرنے پر روتے ہیں بوڑھوں کے مرنے پر دعوتوں کے جلسے کرتے
ہیں لیکن عورتیں خاوندوں کے بیوفائی کے سبب انھیں چھوڑ دیتی ہیں اور اور خاوند
کر لیتی ہیں لیکن عورتوں کی وہ درد شا ہوتی ہے کہ مرد اپنی دیس کی تمام عورتوں کو
مار ڈالتے ہیں اور ہمسایہ سے اور عورتیں مول لے کر بیاہ کر لیتے ہیں۔ کہیں مرد بے سبب بیوی
طلاق دے سکتا ہے مگر بیوی خواہ کیسا ہی سبب قوی ہو مرد کو طلاق نہیں دے سکتی ہے
خاوند کو اختیار ہوتا ہے کہ اگر بیوی بانجھ ہو تو اُسے بیچ ڈالے۔ کسی قوم میں مردوں کی
لاشوں کو اُبال کر گلتے ہیں اور اُس کا ایک لوندا بنا لیتے ہیں اور شراب میں ملا ملا کر کھاتے
ہیں۔ بعض قوموں میں مُردوں کو کتوں اور پرندوں کے کھانے کے لئے رکھ دیتے اور
اسی کو اچھا سمبادہ جانتے ہیں بعض قومیں یہ یقین کرتی ہیں کہ ارواحیں کھلے میدانوں میں
آزاد پھرتی ہیں اسلئے وہاں اِن کے لئے ہمہ نعمت کا سامان تیار رکھتے ہیں اور جانتے ہیں
کہ اُن کی آواز کی گونجیں جو ہوتی ہیں وہ اُن کی باتوں کا جواب ارواحیں دیتی ہیں بعض
قومیں یہ سمجھتی ہیں کہ ارواحیں پانی پر رہتی ہیں۔ اور تیرتی جاتی ہیں اور تیر جگر دوز ماری
جاتی ہیں۔ بعض قومیں کندھوں کے اونچا کرنے اور سر کے جھکانے کو نہایت اطاعت کی علامت
جانتی ہیں۔ بعض قومیں بادشاہوں کے دربار میں جوتیاں اُتار کر جاتی ہیں۔ بعض جگہ بادشاہ
محلوں میں جو خواجہ سرا رہتے ہیں اُن کی ناک اور ہونٹھ کاٹ کر بدصورت بنا دیتے ہیں کہ محل کی

کوئی عورت اُن پر عاشق نہ ہو جائے۔ بعض قوموں میں پیشوا دین آنکھیں اپنی نکال ڈالتے ہیں
کہ مراقبہ میں شیطانوں کو اچھی طرح دیکھیں اور پیشین گوئیوں کے لئے باتیں ذہن میں اچھی طرح
آئیں۔ ہر شخص اپنے پیشے اور شوق کے موافق اپنا معبود مقرر کرتا ہے۔ سپاہی شیر یا لومڑی کو
پھیرے کسی مچھلی کو۔ اور علی ہذا القیاس اور اہل پیشہ۔ بعض قوموں میں قسم کھانے کا یہ طریقہ
کہ نیچے زمین کو چھوتے ہیں اور اوپر آسمان کو دیکھتے ہیں۔ بعض قومیں گوشت و مچھلی دونوں کچا
کھاتے ہیں۔ بعض قوموں میں قسم کھانے کا یہ طریقہ ہے کہ متبرک آدمیوں کی قبر پر انگلی رکھتے
ہیں۔ بعض قوموں میں یہ دستور ہے کہ ہر سال نوروز کو بادشاہ ہر شاہزادہ اور امیر اور اپنے
متوسلین کے گھر تحفۃً آگ بھیجتا ہے۔ اُس کے آنے پر پہلی آگ ساری بجھادی جاتی ہے۔ اس
پاس ہمسایہ کے لوگ سب کے سب اُس نئی آگ کو لیتے ہیں اگر نہ لیں تو بادشاہ کے بڑے
بدخواہ سمجھے جاتے ہیں۔ بعض قوموں میں یہ دستور ہے کہ اگر کوئی بادشاہ تختِ سلطنت سے ہاتھ
اُٹھا کر تارک الدنیا ہو جائے تو ضرور ہے کہ جو اُس کا قائم مقام ہو وہ بھی سلطنت کو چھوڑ کر
تارک الدنیا ہو۔ اور کوئی تیسرا شخص سلطنت کرے۔ بعض قومیں بسبب ضرورت و منفعت سلطنت
کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی بادشاہ کو معزول کر کے کسی بڑے بوڑھے کو بادشاہ بنا دیں
کبھی سلطنت جمہوری قائم کر لیتے ہیں۔ بعض قوموں میں عورت اور مرد دونو کا اصطباغ
اور ختنہ ہوتا ہے۔ بعض قوموں میں اگر سپاہی لڑائیوں کے میدانوں میں فتحیاب ہو کر دشمنوں کے
سات سر بادشاہ کے روبرو پیش کرے تو وہ امرا میں داخل ہو جاتا ہے۔ بعض قوموں میں
سلام کرنے کا یہ دستور ہے کہ زمین پر ایک انگلی ٹیکتے ہیں اور پھر اُس کو آسمان کی طرف اُٹھاتے
ہیں۔ بعض قوموں میں مرد سر پر اور عورت کندھے پر بوجھ اٹھاتے ہیں بعض قوموں میں
عورتیں کھڑی ہو کر اور مرد پالتی مار کر پیشاب کرتے ہیں بعض قوموں میں دوست
آپس میں ایک دوسرے کو تحفۃً اپنا ناخون بھیجتے ہیں یہ کمال اتحاد کی نشانی ہے۔ بعض قوموں
میں چار گوتھ بچا کر شادی کرتے ہیں بعض قوموں میں بچوں کو دودھ مائیں چار برس تک

اکثر بارہ برس تک پلاتی ہیں بعض قوموں میں بچے کو پیدائش کے روز دودھ پلانا زہر قاتل سمجھا جاتا ہے۔ بعض قومیں سب طرح کے نباتات کھاتی ہیں جنہیں بدبو نہ ہو۔ بعض قومیں اپنی سب چیزوں کو کھلا رکھتی ہیں مکانات اُن کے بڑے تکلف کے ہوتے ہیں اُن کا ساز وسامان بیش بہا ہوتا ہے مگر دروازہ گھر کی صندوق قفل لگانے کے لئے نہیں ہوتا۔ وہاں چوروں کو سخت سزا ہوتی ہے۔ بعض قومیں چوہوں کو بندر کی طرح دانتوں کے تلے دبا کر مارتی ہیں۔ ناخنوں پر مارنے کو عیب سمجھتی ہیں۔ بعض قومیں ساری عمر میں نہ بال منڈاویں نہ ناخن ترشواویں۔ بعض قومیں داہیں ہاتھ کے ناخن کترواتی ہیں اور باہیں ہاتھ کے ناخن بڑھاتی ہیں۔ اس کو ایک آلہ حرب سمجھتی ہیں اور بہادری کی نشانی اور خوبصورتی جانتی ہیں۔ کہیں سر کے آدھے بال داہیں طرف کے بڑھاتی ہیں اور باہیں طرف کے آدھے بال منڈاتی ہیں اور انھیں کے پاس کے اضلاع کے آدمی آگے پیچھے کے بال سر پر بڑھاتی ہیں ادھر اُدھر کے بال منڈاتی ہیں بعض قوموں میں والدین اپنے بچوں کو اور خاوند اپنی جوروؤں کو مہمانوں کے حوالہ کردیتی ہیں۔ اور اُن سے کچھ روپیہ لے لیتی ہیں بعض قوموں میں جلسوں میں بغیر کسی تعلق وقرابت کے بچوں کو آپس میں بدل لیتی ہیں بعض قوموں میں آدمیوں کا گوشت کھاتی ہیں بعض قومیں اس کو برا نہیں جانتیں کہ بیٹا باپ کو ایک خاص عمر میں مار ڈالے بعض قومیں اپنے بچوں کو ماؤں کے پیٹ کے اندر ہی بیچ ڈالتی ہیں اور جب وہ پیدا ہوتے ہیں تو مائیں کبھی پال پوس کر اُن کو دیتی ہیں کبھی یونہیں حوالہ کردیتی ہیں۔ اب تک عادت نے یہ نہیں سکھایا کہ عورتوں کی سلطنت جمہوری ہو اور وہ میدان جنگ میں صف آرا ہوں۔ اُن کی فوجیں آپس میں لڑ رہی ہوں۔ عادت بعض وقت وہ کام کرتی ہے کہ نہ علم کام کرے نہ حکمت۔ بعض جاہل گنواروں میں وہ وہ دانائی کی خوبیاں پیدا کردی ہیں کہ اگر حکیم اپنا سر مارتے اور ساری حکمت خرچ کرتے تو بھی وہ نہ پیدا ہوتیں۔ بعض قومیں ایسی ہیں کہ وہ موت کو نہایت حقارت سے ہی نہیں دیکھتے بلکہ مرجانے کو اپنی

عورت سمجھتی ہیں۔ وہ غضب کا استقلال ہوتا ہے کہ سات برس کے بچے پر اتنے کوڑے پڑیں کہ وہ مرجائے مگر اُس کے چہرہ کا رنگ متغیر نہیں ہوتا۔ دولت کو ایسا ناچیز جانتے ہیں کہ کیسہ زر اگر پڑا ہوا ہو تو اُس کے اُٹھانے کے لیے نہیں جھکتے۔ بعض اضلاع میں ساری خدا کی نعمتیں پیدا ہوتی ہیں مگر وہاں کے باشندے صرف ساگ روٹی پانی پر گذارہ کرتے ہیں اور کسی چیز کو نہیں کھاتے۔ یہ عادت ہی کا معجزہ تھا کہ ایک مقام میں سات سو برس تک کسی عورت کی ایسی کوئی حرکت نہیں معلوم ہوئی کہ وہ عصمت کے خلاف ہو+

(۲۶) دُنیا کا کوئی بُرا بھلا کام ایسا نہیں ہے کہ جس کو عادت نے نہ کیا ہو یا وہ نہ کرتی ہو یا وہ آیندہ نہ کرے۔ اسی لیے ایک حکیم نے اس کو خطاب ملکہ جہاں یا شہنشاہ عالم کا دیا ہے۔ ایک شخص باپ کو مارتا تھا جب لوگوں نے اسے لعنت ملامت کی تو اُس نے کہا کہ یہ ہمارے خاندان کی عادت ہے۔ اسی طرح میرے باپ نے میرے دادا کو اور میرے دادا نے میرے پردادا کو مارا تھا۔ اور پھر اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ جب اس کی عمر میری برابر ہو تو وہ مجھے مارے گا جب بیٹا باپ کو گلی میں گھسیٹتا ہوا لیجاتا تھا تو باپ نے کہا کہ اب ٹھیر جا۔ یہ دروازہ جو تیرے سامنے ہے یہیں تک میں نے اپنے باپ کو گھسیٹا تھا۔ یہی حد ہمارے ہاں باپ کے گھسیٹنے کی مقرر ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ طبیعت کو بھی عادت ضعیف کر دیتی ہے۔ اور اس کے خلاف کام کراتی ہے۔ خلقت کے سبب سے آدمی ایک دوسرے کو اتنا بُرا نہیں کہتے جتنا کہ عادت کے سبب سے+

(۲۷) عادت کی ایک حکایت ظرافت آمیز

اس حکایت لکھنے کے لئے ہم نے تھوڑی سی جگہ کاغذ میں سے چُرائی ہے۔ اہل فرانس کا قاعدہ ہے کہ انگلیوں سے ناک کو سنک کر رینٹھ پھینکنے کو غلیظ پن سمجھتے ہیں اُس کو رومال میں نکال جیب میں رکھتے ہیں۔ ایک شخص ظریف اور حاضر جواب بڑا تھا اس نے یہ اپنی عادت ڈالی کہ انگلیوں سے ناک سنکتا اور رینٹھ کو نکال کر پھینک دیتا۔ اس پر بہت سے آدمی اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے اور

اس کو بڑا غلیظ سمجھتے ایک دن اس نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ میری اس نفاست کے کام کو لوگ غلیظ
جانیں اور اپنے غلیظ کام کو نفیس سمجھیں - بھلا یہ کیا نفاست ہے ؟ کہ ایک پاکیزہ رومال میں ناک
کی غلاظت لی جائے اور پھر لپیٹ کے جیب میں رکھی جائے اور اس کا بوجھ ہر وقت ساتھ
رکھا جائے - یہ غلاظت کا کام ہے یا میرا کام غلیظ ہے کہ میں ناک کی غلاظت کو ایسا ہی بدن
سے دور کر دیتا ہوں جیسے کہ اور غلاظتیں دور کی جاتی ہیں - باوجودیکہ دلیل اس کی لاجواب
تھی مگر عادت اس دلیل کو کب سننے دیتی تھی - لوگ اس کی اس حرکت سے کراہیت ہی کرتے
ہے - مگر وہ بھی مجبور تھا کہ اپنی عادت نہ چھوڑ سکا +

(۲۸) خرق عادت

نیچر کی جہالت سے نہ اس کی اصالت سے انسان میں یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ وہ خرق عادت کو
نہیں مانتا - عادت نے یعنی ایک چیز کو ایک ہی طرح ہمیشہ دیکھنے نے عقل کو اندھا کر دیا ہے کہ
دوسری طرح دیکھ ہی نہیں سکتی - یہ دلیل برخلاف ان لوگوں کے بیان کی جاتی ہے جو
معجزات اور خرق عادت کے قائل نہیں یہ عادت ہی کہ ہم حبشیوں کو جس تعجب کی نظر سے دیکھتے
ہیں اسی تعجب کی نگاہ سے وہ ہمیں دیکھتے ہیں ہم ان کو اور وہ ہم کو دیکھ کر متعجب ہوتے ہیں
اگر آدمی انصاف کی نظر سے دیکھے تو دونو کے تعجب کے لیے ایک ہی دلیل ہے عقل انسانی کا
ایک رنگ ہی جو سب انسانوں کی رایوں اور طریقوں میں چھا ہوا ہے خواہ وہ کسی صورت
کی ہوں اس کا مادہ بے انتہا ہی - اس کی بوقلمونی بے حد ہی - جس کو تم اوپر کے بیان
سے سمجھ سکتے ہو +

(۲۹) جن قوانین کو کونشنس کہتے ہیں کہ وہ نیچر (فطرت) سے پیدا ہوئے ہیں - وہ عادت سے
پیدا ہوتے ہیں جن عادتوں کا رواج اقوام میں مروج ہے انکا ادب اس قوم کے ہر فرد میں
موجود ہے - وہ جانتا ہی کہ ان کے اختیار کرنے میں میری عزت و آبرو ہی اس لیے وہ کبھی ان سے
بطیب خاطر جدا ہونا نہیں چاہتا - گریٹ میں جب کسی پر لعنت بھیجتے تھے تو دیوتاؤں سے

یہ دعا اُس کے لئے کرتے تھے کہ وہ بُری عادتوں میں مبتلا ہو۔ عادت کی زبردست قوت نے
اپنے جال کے پھندوں میں ایسا پھنسایا ہے کہ اس سے نکل کر یہ سوچنا مشکل ہے کہ اُس کے
ارشادات اور ہدایات کے اچھے بُرے ہونے کا وزن کریں۔ اور سوچیں کہ وہ کیا ہیں جب سے
پیدا ہوئے ہم نے ماں کے دودھ کے ساتھ اس قوت کی عادت کو چوسا۔ باپ کے نطفے کے اثر نے
اُس کو ہمارے دلوں میں موجود کیا۔ آنکھ کھول کر جو دنیا کو دیکھا تو اُس کی ہر صورت میں
عادت کا غلبہ اور جلوہ دیکھا۔ چاروں طرف اُسی کی تعریف کا غلغلہ سُنا۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ اسی کے طریق پر چلنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے
کہ جو چیز ہماری عادت سے دور ہے وہ عقل سے بھی دور ہے۔ گو اس استدلال کا بہت سا حصہ
نامعقول ہے مگر واللہ اعلم بالصواب کیوں وہ عالم کو مقبول ہے۔ ہر قوم اپنی ہی عادتوں
سے خوش رہتی ہے اور اُسکو پسند کرتی ہے۔ انھیں کو بھلا جانتی ہے اور سب قوموں کی عادات کو بُرا
دارا نے یونانیوں سے کہا تھا کہ جو قومیں مردم خوار رہتی ہیں اُن کی (جنکا یہ مقولہ تھا کہ
آدمی کے پیٹ سے زیادہ کوئی عمدہ مدفن آدمی کے لئے نہیں ہے) عادت کو تم کیوں نہیں
چھڑا دیتے تو یونانیوں نے جواب دیا کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ وہ اُن کو دی جائے
جب وہ اپنی یہ عادت چھوڑ دیں جب بتدریج اُن کو یہ فہمائش کی گئی کہ تم یونانیوں کی
طرح مُردوں کو جلایا کرو تو اس تحریک کو انھوں نے نہایت خوفناک کہا۔ ہر ایک آدمی ایک ہی
کام کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کیونکہ عادت نے اصلی صورت چیزوں کی ہم سے چھپا دی ہے
قوانین عادت کی پابندی کے لئے کوئی وجہ پوچھنے کی ضرورت نہیں بغیر سمجھے بوجھے اُس پر
عمل کرتے ہیں تمام خانگی امور میں۔ شادیوں میں بیاہوں میں تحفہ تحائف دینے میں
وصیت ناموں میں۔ خرید و فروخت میں یہ وہ قوانین ہیں اُن کے چھاپنے کی ضرورت
ہے نہ زبان سے کہنے کی حاجت ہے بغیر اسکے سب بسر و چشم قبول کرتے ہیں +

(۳۰) علم کا اظہار بیہودہ طور پر

بعض عالم علم کا اظہار ایسا بیہودہ طور کرتے ہیں کہ جن سے علم کی قدر و منزلت کم ہوتی ہے اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے اہل علم کی حقارت ہوتی ہے۔ عالم کہلانے سے غیرت آنے لگتی ہے اس سبب دنیا میں بہت آدمیوں کی یہ رائے ہو گئی تھی اور ہے کہ آدمی میں علم کی وجہ سے وہ لیاقت کم ہو جاتی ہے جو فرمانروائی اور حکومت کے عہدوں و سپاہ کی افسری اور حکمرانی کے لئے درکار ہے اب تم پوچھو گے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس شخص کا دل علم کی دولت سے مالا مال ہو اس میں تیزی عقل و فہم اتنی بھی نہ ہو جتنی کہ ایک جاہل گنوار میں ہوتی ہے جس سے وہ اپنی اصلاح اور ترقی کرتا ہے۔ میں تمہارے جواب کے لئے بعض بڑے بڑے عاقل عالم حکیموں کی رایوں اور مباحثوں کا خلاصہ لکھتا ہوں جب کسی عالم کے ذہن میں بیگانہ خیالات اور بڑے بڑے مضامین جمع ہو جائیں تو اس کے دماغ میں لغات اور علوم کا ہجوم اصل دماغ کو بھیچ کر چھوٹا کر دیتا ہے اور یوں اپنے لئے جگہہ خالی کر لیتا ہے۔ جیسے جڑ میں بہت پانی دینے سے درخت بالکل جل جاتا ہے یا ڈوب جاتا ہے اور بہت تیل پڑنے سے چراغ بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح بہت مطالعہ کی شدت سے فہم کی جودت کند ہو جاتی ہے۔ ہزاروں خیالات اور مضامین ایسا سمجھ کو آن کر گھیرتے ہیں اور دق کرتے ہیں کہ اس کو ان قیدوں سے رہائی اور آزادی نصیب نہیں ہوتی کہ وہ خود اپنی حدت اور جودت دکھائے۔ دماغ علوم اور لغات کے بوجھ کے تلے دب کر ضعیف و ناتوان ہو جاتا ہے۔ مگر بعض عاقل اس بات کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دماغ میں جتنی چیزیں آتی جاتی ہیں اتنا ہی وہ پھولتا اور پھلتا جاتا ہے۔ اسی لئے پہلے زمانہ میں اکثر عالم فاضل منتظم کامل اور افسری سپاہ کے قابل ہوتے تھے۔ علما اور حکما کا فرقہ ایک ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی تکمیل نفس کے خیال میں ایسا پھنسا رہتا ہے کہ وہ دنیا کے معاملات و مقدمات پر التفات نہیں کرتا وہ ایسا بیخبر ہوتا ہے کہ اگر اس کے ہمسایہ کا حال اس سے پوچھیے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ کیا کام وہ کرتا ہے مشکل سے بتا سکتا ہے کہ وہ انسان ہے یا کوئی اور حیوان ہے۔ بادشاہ اور گڈریے چرواہے

گوالئے میں کچھ تمیز نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ کامل گڈریہ دودھ دوہنے۔ اپنی بھیڑوں کے گلہ کی اون کترنے میں مصروف رہتا ہے۔ مگر گڈریہ سے زیادہ سخت اور ناہموار ان کاموں میں بادشاہ ہے اگر کوئی شخص اس سے یہ کہے کہ میرے پاس دو دو سو دہات ہیں تو وہ اپنے تئیں یہ سمجھ کر کہ میں دنیا کا مالک ہوں اس جائداد پر ایک قہقہہ لگائے گا اور کہے گا کہ کیا یہ بھی کوئی جائداد ہے اگر کوئی شخص اس کے سامنے یہ شیخی کرے کہ میرے خاندان میں امارت اور شرافت سات پیڑھی سے چلی آتی ہے تو وہ کہے گا کہ نیچر کی تصویر کا تصور تمہارے ذہن میں درست نہیں ہر شخص کے باپ دادا دولت مند۔ غریب۔ بادشاہ۔ غلام۔ مہذب۔ وحشی ہوتے آئے ہیں۔ اگر تم کسی پیغمبر کی پندرھویں نسل میں بھی ہو تو تم کو اس پر کچھ فخر اور غرور کرنا نہیں چاہیئے اس کو بخت و اتفاق جاننا چاہیے۔ ایسے حکیموں کو بھی لوگ احمق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کام کے نہیں وہ مجسٹریٹی کے ڈھب کے ہیں نہ ججی کے نہ کپتانی کے۔ ان کو ایک نرالی قسم کا آدمی سمجھ کر ان کے اوضاع اور اطوار پر ہنستے ہیں۔ بعض اہل دنیا ان کو نہایت ذلیل اور خوار سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ دنیا کی ادنیٰ اور معمولی چیزیں بھی نہیں سمجھتے ہیں اور اپنے پندار اور غرور پر مرتے ہیں ایک وہ عالم ہیں کہ جو اپنے تشخص اور تعزز پر مرتے ہیں۔ بات بات میں علمیت کا اظہار کرتے ہیں رات دن اس بتلانے اور جتلانے میں بسر کرتے ہیں کہ ہم دنیا کے معمولی عہدوں اور کاموں کے سرانجام کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے بلکہ ان کاموں کے انصرام کرنے کے واسطے جو اوروں سے سرانجام نہیں ہو سکتے۔ اپنی ذات کو اوروں سے برتر جانتے ہیں۔ طرز معاشرت بھی اپنی نرالی رکھتے ہیں گفتگو بھی ان کی انوکھی ہوتی ہے۔ اوروں کی طرح بولنے سے ان کو ننگ و عار آتا ہے بات کا بتنگڑ بناتے ہیں بڑی لفاظی خرچ کرتے ہیں وہ موٹے موٹے لفظ بولتے ہیں کہ لغت میں بھی ڈھونڈھنے سے نہیں ملتے۔ ایسے لوگ حکومت اور فرماں روائی کے عہدوں اور سرداری کے لئے سزاوار نہیں ہوتے۔ خود ان کے اوضاع و اطوار سے کمینگی اور رذالت ٹپکی پڑتی ہے۔ ان کو لوگ سفلہ اور اوچھا اور چھچھورا جانتے ہیں جو لوگ اپنی حکمت میں بکبک کرتے ہیں اور کام

کچھ نہیں کر سکتے وہ حقارت کے قابل ہوتے ہیں علم حکمت میں انھیں علما کو فخر حاصل ہوتا ہے جو علم صناعت میں اپنا ہنر و جوہر دکھاتے ہیں مہندس ارشمیدس کو یہ خیال آیا کہ مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے علم کو اپنے ملک کی حفاظت کے کام میں لاؤں۔ اسی سوچ بچار میں رہتا تھا کہ یکایک اس کے ذہن نے ایسی کلیں اختراع کیں جن کو اس نے بنایا تو وہ ملک کی حفاظت میں کام آئیں کہ جو کسی کے خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ باوجودیکہ یہ کام ایسی عظمت و شان کا تھا مگر وہ اس کو ہمیشہ لڑکوں کا کھیل سمجھتا تھا۔ اور ایسا ادنے تجربہ بتلاتا رہا جب حکیم اپنی حکمت عملاً دکھاتا ہے تو لوگوں پر کھلتا ہے کہ اس کا ذہن کس رتبہ اور شان کا ہے اور وہ کس بلندی پر چڑھا ہے اشیا کا علم اس کا کیسا وسیع ہے حکیم تھالیز نے باتوں باتوں میں کہہ دیا تھا کہ دولت جیسی ہیچ اور ذلیل چیز کے واسطے کیوں اتنے لوگ محنت و مشقت اٹھاتے ہیں اس پر ایک شخص نے طنزاً کہا کہ آپ کی بھی حالت لومڑی کی سی ہے کہ جو چیز ہاتھ نہ آئے اس میں عیب بتلائے اس طعن آمیز سخن کو سن کر اس حکیم نے اپنی ساری توجہ اس طرف مصروف کی کہ دولت کسی طرح پیدا کیجیے۔ پھر اس نے اس سلیقہ سے تجارت کی کہ دولت تھوڑے دنوں میں وہ کمائی کہ کوئی دوسرا شخص اس کی برابر نہیں کما سکتا تھا غرض معاملات دنیا کے کسی قسم کے ہوں وہ حکمت اور علم کے ذریعہ سے بہت خوبصورتی سے طے ہو سکتے ہیں *

(۱۳) جو خرابیاں علم اور حکمت سے پیدا ہوتی ہیں وہ اس سبب سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم ان کا مطالعہ اور پڑھنا بری طرح سے شروع کرتے ہیں۔ وہ طرز تعلیم اختیار کر رکھی ہے کہ جس سے نہ معلم نہ متعلم کبھی دانشمند۔ قابل۔ عالم بڑا ہو۔ ماں باپ اپنی اولاد کی تعلیم میں ساری دولت اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ اس کو علم حاصل ہووے۔ اس کی پروا نہیں ہوتی کہ وہ عقل اور نیکی کی الف بے تے بھی پڑھ جائے۔ اگر لوگوں میں سے ایک شخص کو عالم کہو دوسرے شخص کو نیک تیسرے شخص کو احمق۔ تو اول شخص کی تعظیم کرنے میں کوتاہی نہیں کرینگے۔ دوسرے کو پوچھینگے بھی نہیں تیسرے شخص کو کہینگے کہ اس نے عربی فارسی سنسکرت کیوں نہیں سیکھی نظم و نثر کیوں نہیں

لکھی غرض علم کیوں نہیں سیکھا جو احمق رہا۔ مگر وہ اصلی بات جو عقل و ہوشیاری سے تعلق
ہے اُس کا ذکر نہیں کرینگے۔ ہم کو زیادہ تر نظر اس پر چاہیے کہ عالم نیک عاقل ہو نہ یہ کہ وہ بڑا عالم
جس نے خوب محنت کرکے علم کو اپنے حافظہ میں ٹھوس ٹھوس کر بھر لیا ہو۔ عقل و فہم اور کوشش
کو خالی رکھا ہو۔ غرض اس طرف خیال نہیں ہو کہ علم ہماری عقل بڑھائے۔ دل کو نیکی کا خیال
دلائے۔ ہمارا حال اُن چڑیوں کا سا ہی کہ وہ کھیت پر دانہ چگنے کے لئے گئیں وہاں سے
چونچ میں دانہ لے کر اپنے گھونسلے میں آئیں۔ اور وہ دانہ جوں کا توں اپنے بچوں کے مُنہ میں رکھ دیا
اور کوئی مزہ اُس کا خود نہ چکھا۔ ایسے ہی ہم علم فقط شیخت کے لئے پڑھتے ہیں کتابوں میں سے
کہیں یہاں سے کہیں وہاں سے علم کو چگتے ہیں اور اس کو نوک زبان کرتے ہیں اور سُننے والوں کے
مُنہ پر تھوک دیتے ہیں۔ ہم کتابیں چند جمع کرکے مطالعہ کرتے ہیں اُن میں سے جو فقرات پسند آئے اگر
حافظہ اچھا ہوا تو ان کو یاد کر لیا نہیں انکو لکھ لیا۔ گویا کہ ایک کیاری کی پود اکھیڑ کر دوسری کیاری
میں لگا دی اور اس کو اپنی تصنیف بتلانے لگے۔ حالانکہ جیسی وہ پہلے پرائی تصنیف تھی اب بھی
ویسی ہو نقل اُتارنے سے تو اپنی تصنیف نہیں ہو جاتی۔ غرض اپنی گرہ کی پونجی کچھ نہیں رکھتے
کوئی بات اپنے دماغ سے نہیں پیدا کرتے۔ پرائی باتیں اور کہانیاں کہی ہوئی طوطے کی طرح
دُہراتے ہیں۔ چھوٹے سکوں کی طرح صرف گننے کے کام کے ہیں چلنے کے کام کے نہیں
ہم یہ بھی بکا کرتے ہیں کہ اس بات میں افلاطون کا یہ ارشاد ہو ارسطو کا یہ قول ہو۔ بو علی سینا
کا یہ مقولہ ہو بطلیموس کا یہ مسئلہ ہو۔ ہمارا حال ایسا ہوتا ہو جیسے کسی علم کے شوقین امیر کا کہ وہ
ہر علم کے صاحب کمالوں کو نوکر رکھ لیتا ہو۔ اگر دوست احباب سے کسی علم کے مسئلہ میں بحث
آن پڑی تو وہ اُس علم کے عالم سے خود پڑھ کر اُسے سمجھ لیتا ہو۔ پھر بحث کرنے کے لئے
ہو بیٹھتا ہو۔ یا ایک بڑا کتب خانہ جمع کرتا ہو کوئی سوال اس سے پوچھیے وہ کتب خانہ سے کتاب
نکال کر اس پر بحث کرنے کے لئے ہو بیٹھتا ہے۔ کوئی لغت کی تحقیق ہو کتابیں کی کتابیں موجود
ہیں۔ غرض اپنا دماغ خالی ہو مگر کتب خانہ کتابوں سے پر ہو۔ اسی کے سہارے سے چلتے ہیں

یہی حال ہمارا ہی کہ ہم اپنے حافظہ کے بل پر چلتے ہیں۔

ہماری عادت ہی کہ غیروں کے علم اور رایوں پر بھروسا اور اعتماد کرتے ہیں مگر ایسا علم عمیق کچھ نہیں ہوتا۔ رائیں بھی بھس بھسی اور تھوتھی ہوتی ہیں۔ انھیں کو ہم اپنا علم اور اپنی رائے کہنے لگتے ہیں۔ ہمارا حال بعینہ ایسا ہوتا ہی کہ ہم کو آگ کی ضرورت ہوئی ہمسایہ کے ہاں اُسے لینے گئے۔ مگر وہاں جاکر چولہ کے پاس اپنے تئیں گرم کرنیکے لیے ہو بیٹھے اور آگ لانی بھول گئے۔ اس سے کیا فائدہ ہی کہ گوشت سے پیٹ بھرا ہو۔ مگر وہ ہضم ہو کر جز و بدن نہ ہوتا ہو نہ تحلیل کا بدل ہوتا ہو۔ بس ایسا ہی اس علم کا حال ہے کہ وہ ہمارے حافظہ میں بھرا ہوا ہے۔ مگر ہماری نہ عقل کو بڑھاتا ہو نہ نیکی کے خیال کو پیدا کرتا ہو۔ ہم اوروں کے بازوؤں پر اتنا بھروسا کرتے ہیں کہ اپنے بازوؤں کی قوت کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر موت کا خوف پیدا ہو تو اُس کے علاج کو اخلاق جلالی کی ورق گردانی کرینگے۔ اور اُس صفحے کو پڑھینگے جس میں علاج خوف موت لکھا۔ اگر ہم کو اپنی عقل وفہم کے استعمال کا طریقہ ٹھیک معلوم ہوتا تو ہم خود ہی خوف موت کا علاج اپنے ذہن سے جان جاتے۔ ہم عالم تو غیر آدمیوں کے علم سے بن سکتے ہیں۔ مگر عاقل دوسروں کی عقل سے نہیں بن سکتے۔ جو شخص اپنی ذات کے معاملات میں عاقل نہیں اُس کی عقل حقارت کے قابل ہے۔ جو شخص اپنی ذات کو اپنی عقل سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا وہ عاقل نہیں ہے جاہل ہے۔ اگر طلبہ کی طبیعت کی اصلاح اور عقل کی ترقی تحصیل علم سے نہ ہو تو بجائے علم حاصل کرنے کے بہتر ہے کہ وہ گلی ڈنڈا کھیلا کریں جس سے بدن کی تو اصلاح ہو گی اعضا میں چستی چالاکی تو پیدا ہوگی۔ ایک شخص پندرہ سولہ برس تعلیم پاکر مدرسہ سے باہر نکلا۔ اب اُس کو کوئی ایک زبان آتی ہے بعض علوم کے اجزا معلوم ہیں۔ اب وہ اپنے اُس علم پر پھولا نہیں سماتا جانتا ہی کہ میں نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔ ہر جا اپنے علم کی نمود ہو۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ علم کچھ علم نہیں ہی۔ میرا حال ایسا ہی جیسا پہلے مدرسہ میں داخل ہونے سے تھا۔ علم پر جب فخر ہو کہ عقل کو بڑھائے نیکوکاری کی طرف خیال ہو۔ کوئی بات اپنے دماغ سے پیدا کرے۔

(۳۲) بعض عالموں کو یہ خبط ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے زیادہ کوئی نوع انسان کا فائدہ پہنچانے والا نہیں گمراہوں کو راہ مستقیم پر لانا ہمارا کام ہے۔ اہل ضلالت کی ہدایت و دلالت ہم پر منحصر ہے۔ اگر غور کر کے دیکھئے تو اُن سے اتنا فائدہ بھی نہیں ہوتا جیسا کہ راج مزدور اور لوہار سے ہوتا ہے۔ کسان اور موچی جس کام کو کرتے ہیں اسے جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو کچھ وہ اپنے کام کی نسبت بیان کرتے ہیں درست ہوتا ہے۔ مگر یہ عالم مصنوعی تو فقط آپس میں لڑنے کے لئے مورچہ بندیاں کرنی جانتے ہیں۔ دماغ کے باہر جو علم ان کے تیر رہا ہے اسی کو اترا اترا کے بے معنی طور پر بیان کرتے ہیں اور اپنی مشیخت بگھارتے ہیں۔ اُن کا حال ایسا ہی جیسے کہ گدھے پر کتابیں لاد دیں۔ یا کسی چیز پر بار تول سے چھپے اٹھا دئے قانون و شرح اسباب ازبر ہے مگر کسی مریض کا علاج نہیں کر سکتے۔ قوانین دیوانی و فوجداری نوک زبان ہیں مگر فیصلہ نہیں لکھ سکتے۔ اسی لئے گورنمنٹ نے اپنے تمام اعلیٰ عہدوں کے لئے جو امتحان مقرر کئے ہیں انہیں مقدمات میں رائے بھی لکھانا داخل امتحان کیا ہے۔ علم و عمل دونو کا امتحان لینا عین دانائی ہے۔ علم تو بغیر عمل کے حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر عمل بغیر علم کے نہیں آ سکتا ہے۔ اسلئے امتحان میں مقدمات کی رائے لکھنے پر زیادہ توجہ چاہئے۔ علم بے عمل عقیم اور عمل بے علم سقیم اور ازدواج علم و عمل منتج نتائج عظیم۔ خلاصہ اس تمام مضمون کا یہ ہے کہ علم اُس کا نام نہیں ہے کہ پرانی باتیں یاد کر لیں اور اُن کو لکھنے لگے۔ اور اپنے تئیں عالم سمجھ کر بن پر کی اڑانے لگے۔ خود شیخی غرور کرنے لگے۔ علم وہ ہے جو عالم۔ عاقل نیک کردار بنائے۔ جب تک یہ تین صفتیں علم۔ عقل۔ نیکی کی آدمی میں نہ ہوں وہ گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدوں کے لائق نہیں ہوتا۔ جو عالم۔ عاقل اور نیک کردار نہ ہو اُس کے واسطے علم ایسا ہی جیسے کسی اناڑی کے ہاتھ میں کوئی ہتیار دیدیا جائے کہ وہ اُس کو اس طرح پکڑے جس سے وہ خود زخمی ہو جائے جیسا یہ ہتیار اُس آدمی کے واسطے دہشت ناک ہے۔ ایسا ہی علم اُس عالم کے واسطے ہے +

(۳۴) انسان اپنے نفس پر اوروں کا قیاس کرتا ہے

المرء یقیس علی نفسہ یعنی انسان اپنے نفس پر اوروں کا قیاس کرتا ہے کیا سچی اور اچھی بات ہے مگر افسوس یہ ہے کہ آدمی اوروں کے نفس پر اپنے نفس کی برائیوں کا زیادہ تر قیاس کرتا ہے اور نیکیوں پر کمتر۔ اس مرض میں اکثر آدمی مبتلا ہیں اُن کو اس سے بچنا چاہئے اور اوروں پر اپنا قیاس نہ کرنا چاہئے۔ سب آدمیوں کا نفس ایک سا نہیں بنا۔ بلکہ اُن میں ایسا اختلاف ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کام کرنے میں جس میری نیت ہو اس کی ضد دوسرے آدمی کی اُسی کام کرنے میں ہو۔ انسان کی خصائل اور عادات۔ اور طبائع و طرز معاشرت ہزاروں طرح کی ہوتی ہیں۔ اُن میں جیسا اختلاف ہوتا ہے ایسا اتفاق نہیں ہوتا ہم کو اپنی بدنفسی کے سبب سے نیک نیت آدمیوں کی برائی کا قیاس کرنا نہیں چاہئے۔ بلکہ اُن کی تعظیم اور عظمت کرنی چاہئے۔ اور یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم اپنی شامت سے بدنیتی کی بلا میں مبتلا ہیں۔ اوروں کے پیچھے ناحق یہ بلا کیوں لگائیں غرض آدمی کو ہرگز یہ زیبا نہیں کہ وہ اوروں کے کاموں کی بُرائی بھلائی کا فیصلہ اپنے نفس پر قیاس کرکے کرے۔ گویہ کنوئے کے بہنگ ہے تھوڑے بہت سب ہی اُس کے نشہ میں مبتلا ہیں جو ساری دُنیا کو چور جانتا ہے۔ بے دیانت کے خیال ہی میں نہیں آتا۔ کہ دنیا میں کوئی دیانت دار بھی ہوتا ہے۔ یہ کیسی صریح غلطی ہے کہ جو چیز اپنے میں نہ ہو دوسرے میں یقین نہ کرے۔ آپ لامذہب ہو تو کسی کو بامذہب نہ مانے۔ اُس کو یقین کرنا چاہئے کہ اوروں میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ مجھ میں نہیں ساری دنیا میری ہی تقلید تو نہیں کر رہی ہے۔ کہ جو میں کروں وہی اور کریں اس قیاس پر رائے قائم کرنے کی جگہ عدالت اور صداقت پر رائے مبنی کرنی چاہئے۔ یہی اوروں کے کاموں کے فیصلہ کرنے کا شاہانہ طریقہ ہے مگر جب زمانہ کسی قوم کی بداخلاقی کا آتا ہے تو وہاں نیکی کا مفہوم دل سے اُٹھ جاتا ہے نیک کام کرنا تو درکنار رہا دوسرے کا نیک کام کرنا سمجھ میں نہیں آتا خیر کا خیال کرنا

بیوقوفی سمجھا جاتا ہے جیسے اور گپ شپ اُڑاتے ہیں ایسے ہی کبھی نیکی کا ذکر مسخرگی کے ساتھ کرتے ہیں۔ جیسے پتھر کو بت سمجھ کر پرستش کرتے ہیں۔ مجاز سے حقیقت پر نہیں پہونچتے اسی طرح وہ نیکی کو فقط الفاظ میں ذکر کرکے نکوکاری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کی نوک زبان پر ذکر ایسا ہوتا ہے جیسے طاق میں کھلونے جو محض زیبائش اور آرائش کے واسطے رکھے جاتے ہیں ایسی بےنفسی پھیل جاتی ہے کہ دل میں کسی نیکی کا لحاظ اور ادب نہیں رہتا۔ نکوکار کی نیکی کی تاویلیں کرکے بدی بنادیتے ہیں کسی بزرگ شجاع۔ سخی نے خواہ کیسی ہی نیک نیتی کے سبب کام کئے ہیں یہ اُس کی وجوہ بیہودہ بنائیں گے۔ اگر کسی بڑے عالم کے علم کا بیان ہو تو کہدینگے کہ واللہ اُس کو علم سے بہرہ نہیں ہے فقط چند مسائل علمیہ یاد کر رکھے ہیں۔ اُن کا حال حیوانات کا سا ہے جو افعال اور اقوال انسانی کی نقل اُتارتے ہیں جیسے طوطے اور بندر۔ ایسے ہی زاہد متبرک کو ریاکار اور عابد مقدس کو مکار بتلادینگے کہ اُنھوں نے تزویر کا جال عوام کے شکار کرنے کے لئے پھیلا دیا ہے۔ غرض وہ اپنے اوپر قیاس کرکے ساری دنیا کو بدافعال و بدسرشت جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی بہت سے کام۔ اخلاق۔ عدالت۔ شجاعت کے کرتے ہیں جو عوام کی نظر میں نیک معلوم ہوتے ہیں مگر اُن کی محرک خود غرضی ہوتی ہے نیکی نہیں ہوتی۔ اُن کے کرنے میں مطلب سعدی دیگر است معلوم نہیں فقیر کیا ڈالتا ہے اور کیا نکالتا ہے۔ ایسا ہی حال ساری دنیا میں لگا ہے جو نیکی کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں اُن کو ریاکاری میں ایسا ملکہ ہوتا ہے کہ اپنے حب جاہ اور شہرت اور ناموری کے اغراض کو رفاہ عام اور جمہور انام کے فائدہ عام کے لباس میں بالکل چھپا دینا اُن کے نزدیک کوئی بات نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس قوم میں وہ لوگ اپنی بدکاری نفس پر قیاس کرکے ساری دنیا کو اپنا ہی سا سمجھتے ہیں بلکہ اپنے سے بھی بدتر ادبار کے گڑھے میں روز بروز گرتے جاتے ہیں نہ اُسمیں یک رنگی اور یکجہتی پیدا کرتے ہیں۔ نہ ایک دوسرے کی عزت دل میں رکھتے ہیں اور نہ دوسری قوموں میں عزت اور اعتبار پیدا کرتے ہیں بلکہ اور زیادہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اسلئے اپنے نفس پر قیاس کرنا چھوڑ دو چھوڑ دو۔

(۳۴) ہم ایک ہی چیز کے لئے روتے اور ہنستے ہیں

کیا تماشا ہے کہ ہم ایک ہی چیز کے واسطے گریہ و خندہ کرتے ہیں اسی کو شادی اور غم توام کہتے ہیں تاریخ میں صدہا مثالیں لکھتے ہیں کہ بادشاہوں کی میدان جنگ میں معرکہ آرائیاں ہورہی ہیں اور طرفین سے اپنے ہمسروں کے سر کاٹنے کے لئے لاکھوں روپے کے انعام کے اشتہار دئے جا رہے ہیں مگر جب ہمسر دشمن کے سر کٹ کر آگئے تو روتے ہیں سکندر جب دارا کے نزع کی حالت میں گیا ہے تو اسکا حال ان اشعار نظامی سے معلوم ہوتا ہے ؎

سکندر ببالید کای تاجدار — سکندر منم چاکر شہریار
چہ بودے کہ مرگ آشکارا شدے — سکندر بہم آغوش دارا شدے
سکندر بر آن شاہ فرخ نژاد — شبانگاہ بگریست تا بامداد
درود ید برخویشتن نوحہ کرد — کہ دارا ہماں زہر بابست خورد

انسان کے نفس کی عجب کیفیت ہے کہ وہ اپنے ایک جذبہ پر ایسا دو رنگہ نقاب الٹتا ہے جس کے اوپر رنگ خوشنما اور روح افزا اور اس کے نیچے رنگ غم افزا اور جاں گزا ہوتا ہے۔ جب دولتمند کے مورث مرتے ہیں تو ان کے وارثوں کے آنسو نقاب کے اندر مسکراتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں نفس میں ایسی ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ متضاد جذبات جوش خروش میں آتے ہیں بعض واقعات کے پیش آنے سے جیسا کہ ہمارے چہرہ کا حال ہوتا ہے کہ ایک رنگ اسپر آتا ہے دوسرا رنگ جاتا ہے اور پھر حالت اصلی پر آجاتا ہے۔ وہی حال ہمارے نفس کا ہوتا ہے کہ وہ رنگ بدلتا ہے مگر کسی رنگ کو ثبات نہیں ہوتا ہے۔ ہر چیز بہت سے رخ رکھتی ہے اور صورتیں بھی اس کی کچھہ کم نہیں ہوتیں۔ بس نفس ابھی ایک رخ دیکھہ رہا تھا تو اس کی اور کیفیت تھی کہ وہ دوسرے رخ کو دیکھنے لگا تو جھٹ اس کی کیفیت بدل گئی۔ بچوں کو جو تسخیر کی خالص اطاعت کرتے ہیں دیکھو کہ وہ ایک ہی چیز کے لئے ابھی ہنستے تھے ابھی رونے لگے۔ ہم جب کبھی ایسے سفر میں جاتے ہیں جسکی صدہا تمنائیں اور آرزوئیں دل میں

رکھتے ہیں تو اپنے عزیز اور اقربا اور دوست احباب سے رخصت ہوتے ہیں تو آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آتے ہیں۔ سبور ہوتے ہوئے گھر سے سفر میں جاتے ہیں۔ ایسے ہی مدت کی مفارقت کے بعد جب کہ عزیز آپس میں ملتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں جاہل گنواروں میں تو عورتیں آپس میں ملکر ایک رونے کا تار باندھ دیتی ہیں پھر آپس میں ہنسی خوشی کی باتیں ہونے لگتی ہیں میکہ سے نئی دلھنیں برات کو دولھا کے گھر جاتی ہیں یہ دن اُن کی خوشی کا وہ ہوتا ہی جو عمر بھر میں دوسرا نہیں ہوتا جس کی رات کو تخت کی رات یا جشن کی رات کہتے ہیں۔ وہ رخصت کے وقت دولھا کے گلے میں ہاتھ ڈال جو گودی میں چڑہتی ہیں تو روتی ہوئی سواری تک جاتی ہیں۔ محرم کی مجلس عزا میں جو ہزاروں آدمی آہ و بکا کرتے ہیں اگر اُن کے دل میں یقین ہو کہ یہاں کا ہمارا زار زار رونا وہاں جنت کی بہار دکھائے گا تو یہ غم کسی مبارک شادی سے کم نہیں۔ یہ سارے رونے خوشی کے رونے کہلاتے ہیں۔ ابھی ہم اپنے نوکر کو گالیاں دیتے تھے اُس پر کوئی غصہ کی حد نکالنے کی باقی نہیں تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد میاں بھائی کہہ کر اُس سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ ابھی نوکر کو غصے میں آنکر سور گدہا کہا تھا مگر ان ناموں کی دُم ان کے پیچھے ہمیشہ نہیں لگاتے۔ پہر بھلا مانس اشرف کہہ کر پکارتے ہیں۔ ابھی بیوی سے سرد مہری تھی کہ جانتے بھی نہ تھے کہ کون ہی یا تھوڑی دیر میں گرم اختلاط ہونے لگے۔ نیرو نے ماں کو دریا میں ڈبونے کے لیئے بھیجا تھا جب وہ ملنے آئی تو چہرہ غمگین بن گیا بعض حکیم کہتے ہیں کہ سورج روشنی کا مخزن ہی اُس سے سارا عالم منور ہوتا ہی وہ نت نیا اپنے تئیں بناتا ہی پہلی شعاعوں کی جگہہ نئی شعاعیں نکالتا رہتا ہے۔ غرض اُن کے نزدیک شعاعیں علی الاتصال متواتر نہیں نکلتی رہتی ہیں۔ بلکہ شعاعوں کی وہ ریل پیل کرتا ہی کہ اُن کے نکلنے میں جو وقفہ ہوتا ہی وہ ہمکو معلوم نہیں ہوتا ہی۔ بس یہی حال ہمارے نفس کا ہے کہ وہ جذبات کے بھالے ایسے جلد چلاتا ہی کہ ہم کو خبر نہیں ہونے دیتا۔ زرگزیس شاہ ایران اپنی فوج کو دیکھہ رہا تھا کہ وہ یونانیوں سے لڑنے کے لیئے دریا ہلیسپانٹ سے عبور کر رہی تھی خوشی کے

چہرہ ہشاش بشاش تھا۔ کہ لاکھوں آدمیوں کا میں حکمران ہوں۔ مگر دفعۃً چہرہ بدل گیا۔ آنکھوں میں آنسو اس خیال سے بھر آئے کہ سو برس کے اندر اندر ان آدمیوں میں سے کوئی زندہ نہ رہے گا۔ غرض نفس اپنی آنکھ بدل کر چیزوں کے ایک رُخ کو چھوڑ کر دوسرے رُخ کو دیکھنے لگتا ہے۔ عزیز اور اقربا۔ دوستوں کے ساتھ اپنے خیالات کو دیکھو کہ نفس اُن کی تواضع میں کیا کیا رنگ بدلتا ہے۔ غرض نفس جب کسی کام کرنے کا اظہار کرتا ہے یا اُس کو شروع کرتا ہے تو بہت سرتیا اور ہوشیار چالاک ہو جاتا ہے جس سے زیادہ کوئی اور شے چالاک نہیں ہے۔ وہ ایک جذبہ کو دوسرے جذبہ سے جلد ہی جلد ہی بدلتا جاتا ہے۔ اگر اس قوا ر جذبات کو ہم ایک چیز خیال کریں تو ہم اپنے تئیں فریب دیتے ہیں +

(۳۵) آدمی کو اپنے پیشہ و ہنر و عہدہ و منصب کے متعلق اوصاف پیدا کرنے مقدم ہیں

بعض آدمیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ جو اوصاف اُن کو اپنے منصب و پیشہ کے متعلق سیکھنے چاہئے وہ اُن پہ توجہ نہیں کرتے بلکہ اور اوصاف گو فی نفسہ اچھے ہوں حاصل کرتے ہیں۔ مگر اُن کے مناسب حال نہیں ہوتے۔ یہ بلا زیادہ تر اس ملک کے روسا۔ امرا۔ راجاؤں۔ نوابوں۔ والیان ملک کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ ایک والی ملک ہے اُس کی تعریف کیا ہوتی ہے کہ وہ گاتا خوب ہے۔ شکار کھیلتا خوب ہے۔ گھوڑے پر چڑھنے میں تو جواب نہیں رکھتا۔ یہ ساری خوبیاں اُس کی ذات میں جب محمود سمجھی جائیں کہ عدالت اور سیاست کا علم اُس کو ہوتا اور رعایا کو ہر حال میں خوش حال رکھنا جانتا ہوتا۔ یا ہر اپنی سلطنت کے کاموں میں خوب ماہر ہوتا۔ اس لئے طبقات بابری میں جو اُس نے فطرت کے چیزوں کے بیان میں فصاحت و بلاغت ترکی زبان میں دکھائی ہے کمال اُس کا سمجھا جاتا ہے۔ فلپ کے دربار میں جو سفیر گئے تھے اُنھوں نے ڈیموستھنیز کو لکھا کہ بادشاہ بہت خوبصورت ہے فصیح و بلیغ بڑا ہے۔ شراب خوب پیتا ہے۔ تو اس دانشمند نے کہا کہ اِن تعریفوں میں سے ایک تعریف

عورت کی ہی - دوسری سفیر یا وکیل کی - تیسری اسفنج کی - بادشاہ میں جن اوصاف ہونے
چاہئیں اُن میں سے کوئی نہیں ہے - بادشاہ وہ ہی جو میدان جنگ میں دشمن کو مغلوب کرے
اور مغلوب کرنے کے بعد اُس پر رحم کرے - وکیل عدالت میں تقریریں کرے - نجومی فلکی اجرام
اور سیارات کا بیان کریں مگر بادشاہ قوموں پر فرماں روائی کے ڈھنگ جانے جو شخص اپنے
اعلیٰ درجہ کے کام کے تعلقات چھوڑ کر ادنیٰ کاموں پر متوجہ ہو کر کوئی خوبی پیدا کرتا ہے تو وہ
خود یہ شہادت دیتا ہی کہ میں نے اپنا وقت جو ضروری اور فائدہ مند کاموں میں لگانا چاہیے
تھا وہ اور کاموں میں بیہودہ طرح صرف کر دیا - فیلقوس شاہ مقدونیہ نے جب ایک دفعہ سنا
کہ اُس کا بیٹا سکندر اعظم کسی مجلس میں خوب گایا تو اُس کو بہت لعنت ملامت کی اور کہا کہ تجھکو
اُس مجلس میں اچھی گانے سے شرم نہیں آئی - یہی سکندر جب ایک گویّے سے کسی موسیقی بات پر زیادہ
اُلجھنے لگا تو اُس گویّے نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ خدا وہ دن نہ دکھائے کہ حضور ان موسیقی
باتوں میں مجھسے زیادہ ماہر ہو جائیں + ایک فصیح بیان تیز زبان نے ایک بادشاہ کو طنزاً یہ سنایا
کہ آپ میں وصف کیا ہی - بہادر بڑے ہیں تیر انداز نیزہ باز یا کوئی اور ہتیار چلانا خوب جانتے ہیں
بادشاہ نے نہایت ملائمت سے جواب دیا کہ میں اِن میں سے کچھ بھی نہیں ہوں مگر سب پر فرماں روائی
کرنی خوب جانتا ہوں - یہ سُن کر وہ قائل ہو گیا + روزمرہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے کام سے
غفلت اختیار کر کے اور اور کاموں میں محنت کرتے ہیں ڈپٹی کلکٹر ہیں شعر خوب کہتے ہیں مرثیے خوب
پڑھتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مرثیے پڑھنے سے کوئی ہمارا درجہ اور نہیں بڑھ جائے گا - بلکہ اُلٹی
آہ اُن غریب بھوکے بھلے مانسوں کی ہم پر پڑے گی جو محرم کی بدولت سال بھر کی روٹیاں پیدا
کما لیتے ہیں جن کاموں میں ہم دن رات مصروف رہتے ہیں وہ ہمکو اپنے کام میں نالائق بناتے
ہیں - ترقی ہو تو کیونکر - منصف ہیں گنجفہ خوب کھیلتے ہیں وکیل ہیں جو شطرنج میں رات دن لگے
رہتے ہیں اور پھر جھینکتے ہیں کہ وکالت نہیں چلتی منصفی میں نالائقوں کا درجہ بڑھتا ہے - آدمی
اپنے اوپر یہ فرض سمجھے کہ جو اس کا کام ہو پہلے اُسے اچھی طرح جانے پھر دوسرے کام کو ہاتھ لگائے

(۳۶) بچوں کی تعلیم یعنی قوائے عقلیہ و جسمانیہ کا استوار ہونا

تمام علوم میں کوئی مسئلہ ایسا مشکل نہیں جیسا کہ بچوں کی تعلیم کا کہ جس کے حل کرنے میں ہزارہا
سال سے صدہا عقلا و حکما و علما نے اپنا دل و دماغ خرچ کیا مگر اُن کی اختلاف آرا کے سبب سے
وہ ایسا حل نہ ہوا کہ جس میں کوئی ایسی گرہ نہ باقی رہتی کہ جس کے کھولنے میں آیندہ نیک نہاد
عاقلوں کو مشکل نہ پڑتی میں ان دانشمندوں کی رایوں میں سے وہ چند ایک منتخب کرتا ہوں
کہ جن کو اپنے اہل ملک کے لئے مناسب جانتا ہوں یوں تو تعلیم کا اطلاق ہر پیشہ و ہنر
و علم و فن کے سیکھنے پر ہوتا ہے مگر لکھنے پڑھنے کی تعلیم پر زیادہ تر۔ یہی سب سے زیادہ عمدہ قسم
اس کی سمجھی جاتی ہے اگر شائستہ طور پر ہو ورنہ وہی سب سے بدتر ہے کہ جو انسان کو پڑھا لکھا حیوان
بناتی ہے۔ یہ بات ہر کسان کے لئے آسان ہے کہ کھیت میں بیج بکھیر دیتا ہے۔ مگر جب بیج پھوٹ کے
پود نکلتی ہے تو اُس کو یہ تردّدات پیش آتے ہیں کہ کیونکر ان کو غذا کھلائے۔ پانی پلائے
کس طرح بیماریوں کی ہوا سے بچائے اور دشمنوں کے سایہ کو پرے ہٹائے صدہا طرح کی آفات
ارضی اور سماوی اُن کے پیچھے لگی ہوئی ہیں جن میں سے بعض کو اپنے علم و ہنر سے وہ دفع
کر سکتا ہے۔ مگر بعض وہ ہیں کہ جن سے بچانا اُس کے اختیار سے باہر ہے۔ غرض بہت سے تردّد اور فکر کے
بعد اُس کو یہ دن نصیب ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے بوئے ہوئے بیجوں کا پھل کھاتا ہے بعینہٖ
کسان کا سا حال انسان کا ہے۔ کہ اولاد کا جنوا دینا اُس کو آسان ہے ہر کوئی جانتا ہے
مگر اس کا پالنا۔ تعلیم دینا۔ تربیت کرنا سخت دشوار ہے۔ بہت سی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں
جب وہ پروان چڑھتی ہے۔

آدمی کے بچے ریچھ اور بندر کے بچے تو ہوتے نہیں از بچپنے ہی سے اُن کا مقتضائے طبیعت اور
میلان خاطر معلوم ہو جائے گا کہ اس کے موافق اُن کی تعلیم و تربیت شروع ہو سکے گو بچوں کے
بشرہ سے صورت قیافے سے عاقل تفرس کرتے ہیں کہ کس تعلیم کا مادہ اس میں ہے۔ بعض نجومی
بھی اپنی پوتھی سے بدھ ملا کے جنم پترہ میں لکھ دیتے ہیں کہ کن گنوں میں لگنا ان کو ورد یا ذاتی

بدبان ہوگا۔ نجومی مولود کے طالع سے نجوم کے حساب کے موافق تبلاتے ہیں کہ ان کی طبیعت کا میلان کس کس طرف ہوگا اور کونسا علم و ہنر اُن کو آئے گا۔ مگر تجربہ اُن سب کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔ صدہا بچّے ایسے ہوتے ہیں کہ جو ابتدا میں اُن کی طبیعت کی علامات ظاہر ہوتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اصول اور قوانین کو اختیار کرینگے مگر بڑے ہونے پر وہ سب علامتیں مٹ جاتی ہیں اس اصول اور قوانین سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ بہت سے صاحب کمال ایسے گذرے ہیں جنھوں نے وہ اپنی خوبیاں اور نیکیاں۔ کمال ہنر۔ بڑے ہونے پر دکھلائے جن کے کچھ آثار ایام طفلی میں نمایاں نہ تھے۔ غرض بچپنے میں طبیعت کی قدرتی اور اہلیت مدتوں تک پردہ میں رہتی ہے اور کوئی اعتماد اُن پر اور بھروسہ نہیں ہوتا اسلئے بچّے مدتوں تک اس بے خبری میں ایسی تعلیم پاتے رہتے ہیں کہ جن کے لئے اُن کی طبیعت موضوع اور موزوں نہیں ہوتی۔ کیا یہ امر دشوار ہے کہ ہم ابتداء عمر ہی سے بچوں کے لئے تعلیم کی وہ راہ مستقیم اختیار کریں کہ جو اُن کے مقتضائے طبیعت اور میلان خاطر کے موافق ہو۔ اس لئے ہم اُن کی وہ تعلیم شروع کر دیتے ہیں جسکو ہم درحقیقت فائدہ مند جانتے ہیں گو یہ نہ معلوم ہو کہ بچوں کی طبیعت میں کس تعلیم کی فطرتی قابلیت اور جبلی اہلیت ہے

(۷۳) معلم اور طالب العلم

لڑکوں کی تعلیم کا سارا مدار معلم پر ہے۔ معلم کا فقط صاحب علم ہونا کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ لازم ہے کہ وہ نیک کردار۔ راست گفتار۔ خوش اطوار۔ نیک وضع ہو۔ طریقہ تعلیم سے ماہر اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معلم شاگردوں کے کان میں اپنی آواز بلند اس طرح ڈال رہے ہیں جیسے کوئی بوتل میں کیفی سے سرکہ بھرتا ہے۔ اُن کا حکم طالب العلموں کو ہے کہ وہ ہماری سُنیں اور اپنی نہ کہیں۔ جو سبق لیں اُسے بار بار پڑھیں مگر یہ حکومت معلموں کی غلطی ہے اور طلبہ کی ترقی کو روکتی ہے۔ معلم پر لازم ہے کہ وہ فقط اپنے ہی ذہن کی مخترع باتوں کا بیان نہ کیا کرے بلکہ وہ طلبہ کو اجازت دے کہ جو بات اُنھوں نے اپنے مطالعہ اور ذہن سے نکالی ہو وہ

بیان کریں جب وہ بیان کریں اگر اُن کے بیان میں غلطیاں ہوں تو اُن میں سے بعض کو خود درست کردے بعض کو کہہ دے کہ وہ خود صحیح کرلیں جو اچھے معلم ہوتے ہیں جب طلبہ اُن کے آگے سبق لے کر بیٹھتے ہیں تو خود کچھ نہیں بولتے بلکہ طلبہ خود بیان کرتے ہیں کہ آج اپنے مطالعہ میں ان باتوں کو نکال کر لائے ہیں جب وہ سب سن لیتے ہیں تو اپنی تقریر کرتے ہیں۔
غرض بغیر مطالعہ کے علم میں ترقی نہیں ہوسکتی معلم کو چاہئے کہ وہ طلبہ کو مطالعہ کی عادت ڈلوائے جس کا رواج روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ جو کچھ کہ اُستاد سکھاتا ہو وہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ مطالعہ ہی اُس تھوڑے کو بہت بناتا ہے۔ جو آدمی کسی علم و ہنر و فن و کام میں پایہ بلند حاصل کرتا ہے اُس کو دو طرح کی تعلیم کا فیض ہوتا ہے ایک اُستاد کی تعلیم کا جو زیادہ نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا اپنے مطالعہ کا اپنی تعلیم میں کوشش کا۔ جو کوئی کامل اُستاد ہوا ہے وہ اپنے اس مطالعہ کی بدولت ہوا ہے۔
معلموں کی یہ حرکت نہایت نازیبا و نامناسب ہے کہ وہ طالب علموں کو مشفقانہ نصیحت اور مربیانہ موعظت و شریفانہ طور سے علم کی طرف رغبت نہیں دلاتے بلکہ وہ ڈنڈے تسمے بید ہاتھ میں رکھتے ہیں سبق پڑھانے کے چہرے غضبناک بناتے ہیں۔ مدرسہ کو جیلخانہ اور لڑکوں کو بندھوا بنا کے بید و سے اُن کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں۔ وہ بڑی خطا کرتے ہیں اُس کا اثر لڑکوں پر یہ ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ میں داخل ہونے کے وقت ایسے بُرے نہیں ہوتے جیسے کہ خارج ہونے کے وقت ہو جاتے ہیں ساری اُن کی فطرتی جودت و ذکاوت مرجاتی ہے۔ انسان سے حیوان ہو جاتے ہیں بعض اُستاد لڑکوں پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ بار بار وہ لگاتے ہیں کہ اُن کو جھڑکی گھڑکی سب عادت ہو جاتی ہے حیا و شرم جاتی رہتی ہے چکنے گھڑے بن جاتے ہیں۔ اُستاد کا چہرہ غصے سے بنا ہوا اور ہاتھ میں لکڑی کا ہلانا چھوٹے لڑکوں کو دہشت دلاتا ہے۔ اور چھوٹے بچے کے دل میں رعب اور خوف کا سمانا ایسا بُرا ہے جیسا کہ ایک نرم اور نازک پودے پہ بادصرصر کا تند جھونکا۔

یا پھول پر لوکا چلنا لڑکوں کو شیریں کلامی کی چاٹ نہیں چکھائی جاتی بلکہ تلخ کلامی کا
زہر چکھایا جاتا ہے۔ حسنِ خلق کے گلدستوں سے اُن کا دماغ معطر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ معصوموں
کے نازک رخساروں پر مار کے نیلے و سُرخ نشانوں سے لالہ و نافرمان کھلائے جاتے ہیں
اس طرح تعلیم جو آزادی اور عزت کے لئے ہوتی ہے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جن قوموں کے بچے مکتب
میں جوتیاں کھائینگے وہ کیا خاک فرمان روائی کرسکیں گے مدرسہ کو تو ایک انبساط و نشاط کی تصویر
بنانا چاہیے کہ جس کی طرف بچونکی انہیں شوق سے لگی رہیں جہاں اُن کو فائدہ حاصل ہوتا ہے
وہاں خوشی بھی ہونی چاہیے جو کھانا اُن کو ہضم ہوتا ہو اُس میں مصری کی ڈلیاں ملانی چاہئیں نہ
یہ کہ زہر۔ اگر گانا ناچنا معیوب گنا جائے تو خوش الحانی سے غزل خوانی کی اجازت دی جائے
ہر قسم کی ورزش کی۔ کھیلنے کودنے۔ دوڑنے اچھلنے پھلانگنے ڈنڈ قندیں مارنے کی اجازت دینی
ان کو سردی گرمی ہوا اور سورج کی تکالیف کے متحمل ہونے کی عادت ڈلوانی چاہیے غرض
فرزانگی کے ساتھ مردانگی پیدا کرنی چاہیے جس سے وہ کسی خوف سے نہ ڈریں کھانے پینے میں
مکان میں اوضاع و اطوار میں وہ باتیں جس سے ایک نامردی اور بزدلی اور زنانہ پن آئے
اُن سے دور رکھنا چاہیے۔ غرض وہ عادتیں اُن میں پیدا کرو کہ زور آوری اور تنومندی اُنکی
بڑھے سختی اُٹھانے کی عادت ہو — حوادث روزگار سے متاثر و متاذی نہ ہوں کوئی
تلخ دارو پینی پڑے تو اُسے کشادہ پیشانی سے پئیں غرض اصل شائستگی کی بنیاد انہیں قائم ہو

بعض اوقات طلبہ اپنی عادات عجیب و غریب ایسی بنا لیتے ہیں کہ سیب کی بو سے دماغ
پھٹا جاتا ہے۔ ملائی کی صورت سے جی متلاتا ہے۔ پھریری آتی ہے یا مرغ کی آواز سے وحشت ہوتی
ہے۔ گلبدن کی توشک بغیر سو نہیں سکتے۔ پھول جب تک سرہانے نہ رکھے جائیں نیند نہیں
آتی۔ پاؤں کی چپی جب تک نہ ہو پلک سے پلک نہیں جھپکتی۔ ذرا سی آواز جو اُنکے کان میں گئی
تو ذہن سے ہر مضمون آیا ہوا اُڑ جائے۔ روزانہ دوا [illegible] نہ کھائیں یا سوڈا واٹر کی بوتل
نہ اڑائیں تو غذا پیٹ میں امانت کی امانت رہے۔ کھچڑی کھاتے ہو پچا اتنے سے معدہ کو

اُس پر نظر رکھنی چاہیے کہ ایسی دیوانہ وار عادتیں اُن میں نہ پیدا ہوں کہ عمر بھر ان کی ہنسی لوگ اڑایا کریں اور چھیڑا کریں۔

طالب علموں کو کتابوں کا غلام بنانا نہیں چاہیے نہ اُن پر چودہ گھنٹے کے پڑھنے کی تاکید کرنی چاہیے۔ بڑی تعطیلوں میں اُن کو مطالعہ سے باز رکھنے کی ہدایت کرنی چاہیے اور سمجھانا چاہیے کہ وہ صرف تمھاری تفریح کے لئے ہیں کتابوں کو بالائے طاق رکھ کر خوب سیر تماشے سے دل بہلاؤ۔ پڑھنے کو بھول جاؤ۔ ہفتہ میں ایک روز ضرور تعطیل مناؤ

(۳۸) کتاب بینی

کتاب بینی کی دو صورتیں ہیں اول صورت یہ کہ کتابوں کے کیڑے بن جاتے ہیں اور مطالعہ میں سرتاپا ڈوب جاتے ہیں۔ بن مانس کی سی صورت بناتے ہیں کہ ناخون بڑھے ہوئے بال پریشان بکھرے ہوئے نہ کبھی اصلاح خط کرائیں نہ کبھی سر میں کنگھی کریں نہ بدن پر پانی ڈالیں نہ میلے کپڑے بدن سے جدا کریں۔ غرض نہ تن کا ہوش ہے نہ بدن کی خبر ہے۔ مجذوب و مسلوب الحواس بن گئے کچھ فقر و فاقہ و افلاس کا بھی فکر نہیں نہ گورنمنٹ کی نوکری ہوسکتی ہے نہ تمنا ہے۔ نہ اپنے تئیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ دوسرے کو فیض دوسری صورت یہ کہ غیروں کے نفع و نقصان کو خوب سمجھتے ہیں مگر اپنے فائدہ نقصان سے خبر نہیں ہوتے معاملات کے کلیات تو ذہن میں ہیں مگر جزئیات میں اُن کا عمل نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی قوم کی ترقی و تنزل کے اسباب پوچھیے تو خوب اُس کے کلیات برزبان ہیں ۔ مگر شخصی معاملات جو اپنی ذات سے متعلق ہیں اُنھیں پوچھیے تو بغلیں جھانکتے ہیں وہ اکثر حکمت و فلسفہ و تصوف کی کتابوں میں خیالی مضامین پڑھتے ہیں جن کا عمل ہونا دشوار ہے مثلاً انھوں نے دنیا کی بے ثباتی اور فقر و افلاس کے مضامین کو کتاب میں پڑھا جو بڑے فصاحت و بلاغت سے لکھے ہوتے ہیں اور اُن کا اثر دل پر ایسا ہوا کہ وہ افلاس کو اچھا جاننے لگے۔ اور سمجھنے لگے کہ دولت و دنیا کی جستجو میں ذلیل و خوار پھرنا حماقت ہے۔ فقر و درویشی میراث پیغمبراں ہے۔ خدا ہم کو وہ شئے عطا کرے جس سے ہم بھی خاندان

خدا ہیں و اجل ہوں۔ مگر جس وقت افلاس آکر گھیرتا ہے تو سارا یہ علم تاک کے رستہ نکل جاتا ہے آٹے دال کے لئے گھی کو روغن زرد کہنا پڑتا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کیا کیا اور کام کرنے پڑتے ہیں بعض وقت جو تم دیکھتے ہو کہ بڑے بڑے عالم متبحر ترک دنیا کرکے گوشہ گزین ہو تو اس کا سبب یہ ہے کہ کتاب بینی کی کثرت نے اُن کو دنیا کے کام کا نہیں رکھا۔ دنیا کی نا تجربہ کاری نے ان کو سمجھایا کہ تم دنیا میں کیوں احمق بن کر رہو مسجد خانقاہ کا کونہ آباد کرو۔ وہاں تمہارا گذارا خاصہ ہو جائیگا۔ غرض کتابوں کے مطالعہ کا یہ نتیجہ ہونا چاہیئے کہ طالب علم یہ سمجھے کہ دنیا کے اندر کیا کیا معاملات پیش آتے ہیں وہ کیونکر فیصل ہوتے ہیں نہ یہ کہ دنیا کے کاموں سے ایسا دل چاہئے بیزار ہو جائے کہ ذرا سا کام پہاڑ معلوم ہو۔ ایسا شخص علم کی راہ سے دنیاداری کی منزل مقصود پر نہیں پہونچے گا۔ اور بہت سی ٹھوکریں کھائے گا۔ سارا توکل اور صبر خاک میں مل جائے گا۔ وہ فقر و افلاس کا جمال جس نے فریفتہ کیا تھا وہ اب وبال جان ہو جائے گا۔ ان طلبہ کا حال ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کسی جوان شخص کو شاطہ جل دے کر یقین کرا دے۔ کہ تو اس عورت سے شادی کرلے۔ جس کا حسن و جمال حور و پری سے کم نہیں مگر جب وہ بیاہ کرکے دلہن کو دیکھے تو ایک چڑیل بدصورت کج اخلاق ایسی ہو کہ دنیا ہی میں جہنم کا مزا چکھا دے۔ بس وہ جو کتاب بینی سے خیالی پلاؤ پکائے تھے کہ فقر و فاقے اختیار کرکے جو ہم گذاریں گے تو بادشاہ ہمارے آگے دست بستہ کھڑے ہونگے وہ سب کافور ہو جاتے ہیں۔ دل اپنا ہی اپنی حالت پر ملامت کرتا ہے کہ یہ کیا کیا۔ مگر مجبوراً اُس کو افشا بھی نہیں کرتے۔ اس لئے مکر اختیار کرتے ہیں غرض یہ دونو صورتیں بُری ہیں اسی لئے بعض عقلمندوں کی یہ رائے ہے کہ جو کتابوں سے علم حاصل ہوتا ہے وہ چنداں بکار آمد نہیں ہوتا طالب علموں کو چاہیئے کہ جلد تحصیل علم سے فارغ ہو کر عقل و فرہنگ بڑھائیں۔ اور دنیا کے معاملات و کاروبار میں اُن کو کام میں لائیں جو دماغ میں علم ہے وہ اسلئے نہیں ہے کہ اُس کو معطل کھدیں جس سے وہ زنگ آلود ہو کر کسی کام کا نہ رہے بلکہ اس کو اپنے احتظاظ اور اوروں کی التذاذ میں خرچ

صحیح کرنا چاہیئے۔ تجربہ سے اُسے اور بڑھانا چاہیے۔ اپنے تئیں اور اوروں کو فانی سمجھنا چاہیئے
بہت سے دانشمندوں کی یہ رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ بہت دنوں تک پڑھنا نہیں چاہیئے۔
فرانسیسیوں کے ہاں یہ کیا خوب ضرب المثل ہے کہ تعلیم بہت جلد شروع ہونی چاہیئے مگر دیر تک جاری بھی
نہیں چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں ہندوستان میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ کالج کی تعلیم میں بہت
زمانہ گزر جاتا ہے بعض طلبہ کا دماغ تو کالج ہی کی تعلیم میں ایسا ضعیف ہو جاتا ہے کہ وہ بعد
تعلیم کے کسی بڑے کام کے نہیں رہتا +

(۳۵) معلموں کی تعلیم طلبہ کی استعداد اور امتحان

بعض صاحب استعداد معلموں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ طلبہ کے سامنے بہت سی باتیں ایسی کہتے
ہیں کہ جن کا سمجھنا طلبہ کی استعداد سے باہر ہوتا ہے۔ شاگرد اور اُستاد کی قابلیتوں میں ایک اندازہ
مناسب کے ساتھ مناسبت ہونی ضرور ہے + گو کسی چیز کا ایک اندازہ مناسب مقرر کرنا بڑا
دشوار کام ہے۔ مگر جو صاحب فہم و ذکا ہیں وہ اپنی قابلیت اور استعداد کو جتنا چاہیں کم کر کے
شاگردوں کے مناسب حال بنا سکتے ہیں جیسے گھوڑا خواہ کیسا ہی تیز رفتار ہو اُس کی چال ایسی کم ہو سکتی
ہے کہ بچہ کو اُس پر سوار ہونا مشکل نہ رہے۔ پہلوان خواہ کیسا ہی شہ زور ہو وہ اپنے زور کو ایسا کم
کر سکتا ہے کہ ایک لڑکے سے کشتی کر لے اور لڑکے کو معلوم نہ ہو کہ میں پہلوان سے کشتی لڑ رہا ہوں۔
ہاں یہ سچ ہے کہ پہاڑ پر چڑھنے سے اترنے میں زیادہ خطر ہے + غرض تعلیم کا فائدہ جب ہی پورا ہوگا
کہ اُستاد اور شاگردوں کی استعداد میں مناسبت ہو۔ اور کوئی بات طلبہ کی لیاقت سے زیادہ نہ کہی جائے
میں نے کالجوں میں دیکھا ہے کہ بعض نیک نہاد عالی استعداد انگریز پروفیسر گھنٹوں لکچر دیتے ہیں مگر فقط اس سبب
سے کہ اُن کی اور طلبہ کی لیاقتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی بہت محنت اُن کی اکارت جاتی ہے
ہمارے کالجوں اور سکولوں میں یہ دستور مجبوری سے ہو گیا ہے کہ طلبہ جن کی طبیعت اور ذہانت مختلف درجے
کی ہوتی ہے وہ ہم سبق ہو کر ایک جماعت میں پڑھتے ہیں اور پہلے سے ان کے واسطے ان کی خواندگی اور اس کی

پڑھنے کی مدت معین ہوتی ہے۔ اُستاد سب کو ایک سبق دیتا ہے۔ سب کے سامنے وہ ایک ہی تقریر اور تحریر پیش کرتا ہی۔ سب کو ایک ہی ہدایت کرتا ہے پس جن دو چار کی ذہانت و قابلیت اس خواندگی اور مدت تحصیل کے موافق ہوئی وہ لائق فائق ہو گئے۔ اور باقی اپنے استعداد اور قابلیت کے موافق کچھ ہو گئے۔ یہی سبب ہے کہ کسی کالج میں کوئی گروہ کا گروہ لائق طلبہ کا نہیں پیدا ہوا۔ اگر ہر کالج کے لائق طلبہ کو شمار کیجئے تو اُن کو انگلیوں پر گن لیجئے +

ہمارے مدرسوں میں طلبہ کے سبق سننے کا یا اُن کے تحریری امتحان کا طریقہ ایسا ہی کہ جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہی کہ الفاظ اور ان کی ترکیب طلبہ کے ذہن میں محفوظ ہیں مگر اس پر مطلق خیال نہیں ہوتا کہ اصل معانی اور مغز سخن طلبہ کے ذہن میں حاضر ہو اور ان کے موافق اپنی زندگی کے بسر کرنے کے اندر عمل کرتے ہوں۔ اور سیکڑوں طرح سے ان کو بدل بدل کر مختلف مقاصد و مطالب میں برتتے ہوں۔ مثلاً اُستاد لڑکوں کو سچ کی بابت سبق پڑھاتا ہی۔ تو فقط اس سبق کے الفاظ اور ترجمہ و ترکیب کو پوچھے گا اُس پر خیال نہیں کرے گا کہ اس سبق پر عمل کر کے طلبہ راست کردار اور گفتار بھی ہوئے یا نہیں۔ جس سے اصل مطلب تعلیم کا حاصل ہوتا۔ اُس غذا سے کیا فائدہ ہے کہ اِدھر کھائیں اُدھر اوک کر قے کر دیں جس سے معلوم ہو کہ معدہ نے اس غذاء نا ملائم کو نہیں قبول کیا۔ اس لئے اُس نے اپنا کام کر کے ہضم نہیں کیا اگر وہ ہضم کرتا تو غذا کو بالکل بدل کر کچھ سی کچھ بنا دیتا۔ بس اسی طرح اگر شاگرد کوئی چیز سیکھتا ہی اور اس کی اپنے ذہن سے نئی نئی صورتیں بنا کر اپنے کام میں نہیں لاتا تو جان لینا چاہئے کہ غذاء نا ملائم کی طرح اس کے ذہن اور طبیعت نے سبق کو نہیں قبول کیا۔ ایسی تعلیم سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا + الفاظ کی تحقیق۔ فقروں کی ترکیب کی تدقیق فقط حافظہ میں ایک چیز کا امانت رکھنا ہی۔ یہ علم برزبان و کتابی علم خالی زیور ہی۔ کوئی ایسی مستحکم بنیاد نہیں کہ جس پر کوئی علم کی عالیشان عمارت قائم ہو اے طالب علمو تم کو چاہئے کہ جو چیز پڑھو۔ اُس کو سمجھو۔ چھان بین کرو۔ ذہن کو اوروں کے بھروسے پر نہ چلاؤ۔ غیروں کے خیالات کے آرزومند ہو کر مقلد نہ بنو۔ ورنہ تمہاری سر پر تقلید کا وہ پہرہ جم جائے گا۔ جو تمہارے ذہن و فہم کو زنجیروں میں پابند رکھے گا۔ یہ غلامی تمہارے

فطرتی جوہر جودت کو زائل کر دے گی۔ اندا دمی فہم ورای کی صورت کبھی خواب میں بھی نہیں دکھائے گی +

غیروں کے بھروسے اور اعتماد پر بات کو نہ مان لو۔ جب حکما اور عقلاء علماء کے مسائل اور اقوال کے اندر اختلاف رائے دیکھو۔ ان میں سے کسی کو پسند کرو۔ اگر پسند کرنے کی قابلیت نہ رکھتی ہو۔ تو اُس کو حالت مشتبہ میں ہنے دو۔ کیونکہ آدمی کو جیسی محبت علم سے ہے۔ ایسی ہی ظن و شک و شبہ چاہیے کیونکہ دنیا کی ساری باتیں تو تحقیق ہو کر یقین کے مرتبے پر نہیں پہنچ گئیں۔ زیادہ تر تو ابھی صرف گمان ہی میں پڑی ہیں جب آدمی کسی بات کا محتاج ہوتا ہے تو اپنی حفاظت کی آپ فکر کرتا ہے + پس جو شخص تقلید کو اپنا حاکم نہیں بناتا۔ یعنی کو رانہ وابستہ تاہے وہی کسی چیز کا محقق بن سکتا ہے اور کوئی نئی چیز پا سکتا ہے۔ تم شہد کی مکھی کو دیکھو کہ وہ کبھی اس باغ میں گل و لالہ پر اور کبھی اس چمن میں یاسمین و نسترن پر بیٹھتی ہے اور پھولوں کا رس چوستی ہے۔ پھر اپنی محنت و استعداد اور استقلال سے سب سوں کو ملا جلا کر ایسا بدل دیتی ہے کہ خالص شہد بن جاتا ہے اور خاص اُسی کا کھاتا ہی کوئی نہیں کہتا کہ یہ اس پتی کا رس اور اُس گل کا عرق ہے۔ پس تم بھی بوستانِ علم میں شہد کی مکھی بن کر مختلف اربابِ علم کے مسائل کے پھولوں سے استخراج اور استنباط کرو اور سب کو ملا کر اپنے ذہن کے سانچے میں ڈال کر ڈھال لو کہ وہ علم خاص تمہارا ہو جائے۔ خواہ تم کو یاد رہے یا نہ رہے کہ ہم نے کہاں سے یہ مصالح علمی بہم پہنچایا تھا۔ تم کو اس کے اظہار کی ضرورت بھی نہیں لوگ عمارت کی نمائش اور اسباب کی آرائش دکھاتے ہیں مگر یہ نہیں بتلاتے کہ کہاں سے روپیہ کما کر اُن میں لگایا ہے۔ چوری سے۔ لوٹ سے۔ قرض سے۔ یا کسی نیک ذریعہ سے +

تمہارے مطالعہ و تحصیل کا علم نتیجہ اعظم ہونا چاہیے کہ تم بیشک دانشمند ہو جاؤ۔ تمہاری حالت پہلے سے بہتر ہو جائے۔ تمہاری عقل روشن ہو جائے۔ وہ تم کو نیک و بد دکھائے۔ وہی تمہاری فرمانروا ہو کہ تم کو کوئی کام اپنی مرضی کے خلاف نہ کرنے دے۔ وہی تم سے تمہاری کاموں کا انتظام کرائے تم سے تحمل کرائے۔ اپنے آگے سب تمہاری جذبات نفسانی کو اندھا۔ بہرہ۔ اپاہج۔

ناکارہ کر دے۔ وہ خود آزاد ہو۔ اگر خرد کو آزاد نہ رکھو گے خود مختار نہ ہونے دو گے۔ تو بزدل کمینے ذلیل۔ رذیل ہو جاؤ گے ✦

جو شخص حقیقت میں ماہیت علم سے واقف ہے وہ اپنے علم کو سچا آزاد بناتا ہے وہ کچھ پابند اوروں کے مقولوں کا نہیں رہتا۔ اپنے مقولوں کے اِستناد اور اِستشہاد کے لئے اورکی کتابوں کو نہیں ٹٹولتا۔ ارسطو اور افلاطون کی تصنیف کو نہیں تلاش کرتا۔ وہ جانتا ہی کہ سچی بات اور سچا استدلال سب کے واسطے یکساں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اس کو پہلے کہے یا پیچھے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو پہلے اسے کہے وہ اُسی کا کہلاوے دوسرے کا نہیں ایک سچی بات خواہ افلاطون کہے یا ایک بُڑھیا کہے دونوں یکساں ہیں۔ میرے قول کے موافق ایسی ہی ایک بات سچی ہو سکتی ہے جیسے افلاطون کے قول کے موافق۔ میں اور افلاطون اس میں برابر ہیں۔

(۳۶) گھر سے باہر جا کر پڑھنا۔ ورزش جسمانی

اکثر تجربہ کار عقلاء کی یہ رای ہے کہ تعلیم کے واسطے اولاد کا گھر سے دُور رہنا اُن کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کو خواہ وہ امیرزادے ہوں۔ یا غریبوں کے بچے ہوں بہت قسم کے مکروہات ایسے پیش آتے ہیں جو تحصیل علم کے مانع ہیں۔ امیرزادوں کا حال یہ ہی کہ ماؤں کا دل نرم ہوتا ہے۔ اولاد کے ساتھ فطرتی محبت ہوتی ہے محبت اندھی ہوتی ہی۔ وہ اولاد کی خطاؤں کو دیکھنے نہیں دیتی۔ جو دیکھتی ہے تو ان کی اصلاح اور تادیب کے لئے جس سختی کی ضرورت ہے وہ اس کو گوارا نہیں ہوتی۔ وہ اپنی اولاد کو بڑے ناز و نعمت کے ساتھ پالتی ہی۔ اُن کا بناؤ سنگار اپنے مذاق کے موافق کرتی ہے۔ اسی لئے وہ بچوں کو زیور اور گوٹے کناری کے کپڑے اپنی پسند کے پہناتی ہے۔ وہ اپنی اولاد کے لئے جفاکشی۔ محنت کسی قسم کی گوارا نہیں کرتی ورزش میں ڈنڈ مگدر کو ہلا کر پسینے میں غرق ہوتا۔ اکھاڑے میں لڑنت سے گرد آلود ہونا ناشایستہ گھوڑے پر سوار ہونا۔ پھری گدکے کا ہاتھ میں لینا۔ ننگی تلوار کا سُوتنا۔ بندوق تمنچہ کا

چھوڑتا۔ ماؤں کے دل میں وہ نرمی پیدا کرتا ہے یہی سبب ہے کہ ہمارے امیرزادوں میں نزاکت جسمانی ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کسی رنج و محنت کی برداشت نہیں کر سکتے۔ کم ہمت۔ بزدل۔ زنانہ طبیعت ایسی ہو جاتی ہیں کہ عالی ہمتی و جوانمردی کا کوئی کام ہونا اُن سے مشکل ہوتا ہے۔ روحانی تعلیم کے واسطے جسمانی تعلیم لازمی ہے۔ یہ دونوں ایک جوڑی میں ساتھ جتی ہوئی ہیں اگر ان میں سے ایک بگڑی تو دوسری ساتھ بگڑتی ہے۔ روح میں قوت جب تک نہیں آتی کہ جسمانی طاقت اس کی معاونت نہیں کرتی۔ اگر جسم میں ضعف آجائے تو روح میں اسی نسبت سے ضعف آتا ہے۔ جن کے جسم ضعیف و ناتواں ہیں وہ یہ کیفیت خود جانتے ہیں کہ ان کی روحوں کو کیا کیا تکلیفات رہتی ہیں جن امیرزادوں کی نزاکت جسمانی ہی ان کی روحانی تکالیف کا بھی سبب ہوتی ہے +

سوا اس کے جو اُستاد و اتالیق امیرزادوں کی تعلیم کے واسطے مقرر ہوتے ہیں وہ ان کے ماں باپ کے لحاظ سے ان پر زیادہ تنبیہ و تاکید و تادیب نہیں کر سکتے۔ ان کو ہمیشہ یہ لحاظ رہتا ہے کہ یہ لڑکا ہمارے ولی نعمت کا صاحبزادہ ہے۔ ایک دن وراثت پا کے خود صاحب ریاست ہوگا۔ اس وقت کی تادیب کا کہیں ہم سے بدلا نہ لے۔ اس لئے وہ زیادہ تادیب سے ڈرتے ہیں بہ لطائف الحیل اپنا کام کرتے ہیں یہ امیرزادوں کا حال ہے۔ اب غریبوں کا سُنو کہ ان کے گھروں میں اتنے کام دھندے لگے رہتے ہیں کہ تحصیل علم کے لئے فرصت فراغت کے ساتھ نہیں ملتی۔ بہت وقت آٹا دال مول لینے میں اور نمک مرچ کے لانے میں صرف ہو جاتا ہے غرض دونوں کو اپنے اپنے گھروں میں مکروہات اور موانع پیش آتے ہیں کہ وہ تحصیل علم میں رخنہ انداز ہوتے ہیں اس لئے تعلیم کے واسطے بہتر یہی ہے کہ گھر سے دور رہ کر تحصیل علم و ہنر کریں اس ملک میں ایسا انتظام ہے۔ دور دراز سے امیروں و غریبوں کی اولاد آکر تحصیل علم کر سکتی ہے بعض ارباب دانش کی یہ رائے ہے۔ کہ کم عمر لڑکے تعلیم کے واسطے وہاں بھیجے جائیں۔ جہاں کی زبان ان کی مادری زبان سے مختلف ہو تاکہ ان کو وہاں کے لوگوں کی صحبت سے ایک غیر زبان آسانی سے آجائے۔ بڑی عمر میں زبان ایسی سخت ہو جاتی ہے کہ غیر زبان کے

الفاظ کے تلفظ کی قابلیت نہیں رہتی۔ سوائے زبان کے غیر ملک کی رسم و رواج۔ آئین قوانین سے وہ واقف ہو جائیں گے۔ ان میں طلاقت و ظرافت غیر زبان کی خاص ہو جائے گی۔ جس سے ان کی فہم تیز ہو جائے گی۔ ہندوستان کے اُمرا اپنی اولاد کی تعلیم کا سامان انگلستان میں مہیا کریں تو پھر دیکھئے ان کی اولاد میں کیا عقل و تمیز و ہنر پیدا ہوتے ہیں ✤

(۳۷) طلبہ کا اور آدمیوں سے باتیں کرنا۔

طلبہ میں باہم مباحثہ ہوتا بھی لغایت کا کہ جزو غلط ہے معاصر سمجھے کہ طالب العلم کے پاس کچھ سرمایہ علمی جمع ہو گیا ہو تو اس کی نمایش کرے۔ کہ وہ اپنے مبلغ علم کو جزرسی اور کفایت شعاری سے خرچ کرے۔ فضول نہ برباد کرے گفتگو کرے تو اعتدال سے نہیں چپ رہے۔ اوروں کے مشاہدات و روایات و مباحثوں کو سن کر ذخیرۂ علم بنا اور بڑھائے۔ جب وہ کھلی اور بے ہودہ کی باتیں اور ہزل اور مزاح کی حکایتیں لوگوں سے سنے۔ جو ناگوار خاطر ہوں تو سکوت اختیار کرے یہ بات نہایت ناسزا و ناشائستہ و نامعقول ہے کہ جس کام کو ہم خود نہ کرتے ہوں اس کو اور جو کریں تو ہم ان پر طعن و طنز کریں اور اس پر ایک مباحثہ و مناقشہ قائم۔ ہم کو اپنی نصیحت چاہیے۔ اوروں کی فضیحت سے کیا غرض مجھے پرائی کیا پڑی تو اپنی نبیڑ تو۔ تم کو دانشمند بغیر خودستائی و خویشتن نمائی کے بننا چاہیے۔ حسد سے دور رہنا چاہیے اکثر نو علم طالب علموں کو یہ شوق ہوتا ہے۔ کہ وہ گفتگو اس طراق سے کرتے ہیں کہ جس سے ان کی لیاقت اور استعداد علمی قابلیت سے زیادہ ظاہر ہو۔ دوسری کی باتوں کو اس طرح سے کاٹتے ہیں کہ ان کی شہرت بہت زیادہ ہو۔ بعض نوجوان اپنے علم کے گھمنڈ میں آن کر ایسے ابھرتے ہیں کہ چھوٹا منہ بڑی بات کہنے لگتے ہیں وہ ایک شانِ حکومت اپنی رائے کے اظہار میں دکھاتے ہیں جیسے کہ یہ کوئی بڑی علم کی معراج پر پہنچ گئے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری باتیں بھی ایسی ہی مستند و معتبر سمجھی جائیں گی۔ کہ جیسی پہلے بزرگان صاحب کمال کی۔ وہ خوب یاد رکھیں کہ جب تک کوئی شاعر معراجِ کمال پر نہیں پہنچتا۔ اس کے تصرفاتِ شعری کو کوئی مستند نہیں جانتا۔ ایسے ہی جب تک کوئی عقل و دانش میں برتر اور بزرگ نہیں ہوتا۔ اس کے قول و فعل معتبر و مستند نہیں ہوتے۔ کوئی ان کا پیرو نہیں ہوتا۔ اپنے

رسم و رواج کو نہیں چھوڑتا۔ جب کوئی ایسی بزرگی و خوبی کسی میں ہوتی ہے تو اس کی پیروی میں اپنی رسم و عادات کو ترک کرتے ہیں۔ پس یہ دلیل تمہارے لئے نہیں ہو سکتی کہ سقراط اور بطلمیوس نے اگر اپنے رسم و رواج کو توڑا تو ہم کیوں نہ توڑیں ان کو تو یہ منصب جب حاصل ہوا کہ وہ دانشمندی و نکوکاری کے قلمرو کے شہنشاہ بنے۔ تم قلی ہو کر بیٹھا ہا نہ جاہ و جلال کیونکر حاصل کر سکتے ہو۔ شعر

ولا! تا بزرگی نیاری بدست ÷ بجائے بزرگاں نباید نشست ÷ پس اپنے مرتبے اور شان کو دیکھ کر گفتگو اور آرزو کرو۔ تم اپنے ہم مرتبہ و ہم لیاقت۔ ہم عصر دوگروں کے ساتھ مباحثہ کرو۔ کہ جن سے برابر کی کشتی لڑ سکو۔ مباحثہ میں کبھی مغالطہ اور دھوکہ دینے کی آزمائش کرو۔ راست و دروغ جائز و ناروا کو بغیر رد و قبول و توقف و تردد کے قبول نہ کرو۔ عاقل کی زبان پہلو دل سے سخن کو عرض کرتی ہے جب اجازت تکلم کی دیتا ہے تو وہ حرکت کرتی ہے۔ پہلے تم براہین متین دل میں خوب سوچو۔ پھر ان کو اس طرح بیان کرو۔ کہ ایجاز مخل اور اطناب ممل نہ ہو۔ کوئی طعن و طنز کسی رمز کے ساتھ ان میں نہ ہو۔ وہ ایسے آئینے ہوں کہ صداقت کا معائنہ کرائیں۔ لفظوں کے طمطراق اور فقروں کی دھوم دھام اور منطقی حجتوں کی اشکال سے تمہاری تقریر کرسی نشین نہیں ہو سکتی۔ اس کو تو عزت جب ہی حاصل ہوگی کہ اس میں حق و راستی اپنی روشنی دکھاتی ہوگی۔ مباحثہ کی علت غائی یہ ہونی چاہئے۔ کہ ایک امر حق منکشف ہو۔ خواہ تمہاری طرف سے یا جانب مقابل سے۔ مگر یہ بات جب حاصل ہوگی کہ کوشش اور نیکی تمہاری گفتگو کی رہنما ہو۔ جب تم کو اپنی دلیل میں خود غلطی معلوم ہو تو اس کا اعتراف کرو۔ اگرچہ یہ نہایت مشکل ہے کہ جس وقت مباحثہ کی حرارت طرفین میں بھری ہو۔ کوئی اپنی غلطی کا اقرار کرے اور غلط دلیل کو چھوڑ دے۔ مگر حق جوئی اور انصاف پرستی اسی کا نام ہے۔ گو وہ شاذ و نادر آدمیوں میں ہوتی ہے۔ سخن پروری اور ہٹ دھرمی پاجی کمینوں کی عادت ہوتی ہے۔ ایک غلط بات کی پیچ کئے جاتے ہیں اس کے ترک کرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ جس سے وہ اور زیادہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ جب تم کسی مجلس میں تقریر کرو تو چاروں طرف آنکھ لگا کر دیکھ لو کہ کون کون بیٹھے ہیں اور کان لگا کر سن لو کہ کیا کہہ رہے

یہ نہ سمجھو کہ جو صف اول میں اونچی جگہ بیٹھے ہیں وہی بڑے ہیں اور قابل خطاب ہیں یہ صدرنشین فقط حکومت اور ثروت کے اعتبار سے ہیں۔ کچھ علم و دانش کے سبب سے نہیں اکثر صاحب عقل و علم یکساں نہیں یا ہم ۔ تم کو سب کی طرف مخاطب ہونا چاہیے۔ ہر قسم کے آدمیوں سے باتیں کرو کہ جس سے تجربہ و علم بڑھے۔ ہر پیشہ ور۔ ہر فرقہ کے آدمیوں سے باتیں کرنے میں کچھ نہ کچھ نئی معلومات بڑھیگی۔ کسان۔ کمہار۔ لہار۔ بنئے۔ بزاز سے باتیں کرکے اپنے فائدوں کی باتوں کا انتخاب کرسکتے ہو۔ عوام الناس سے گفتگو کرنے سے یہ بڑا نفع حاصل ہوتا ہے کہ ان کے اندر ایسی نیکیاں معلوم ہوتی ہیں کہ جن پر رشک ہوتا ہے اور ان کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اور اُن کی برائیوں کے معلوم ہونے ہی بدی سے نفرت بیوقوفوں سے باتیں کرنے میں عقل بڑھتی ہے +

(۳۸) مشاہدہ و تجربہ طلبہ و تعلیم علوم۔

یہ امر بھی تعلیم طلبہ میں داخل ہے کہ وہ اشیاء کے تجسس و تفتیش میں امتیازی کے ساتھ درپے رہیں اگر ان کے شہر کے ہمسایہ میں کوئی عجیب و غریب شئے ہو۔ جیسے کہ کوئی نادر عمارت کوئی چشمہ آب کوئی اور قدرتی شے۔ کوئی بزرگ منش آدمی۔ یا کوئی مشہور مقام جہاں کوئی واقعہ عظیم ہوا ہو تو اُس کو خود جاکر دیکھیں مختلف اقوام کی اوضاع و اطوار مختلف ملکوں کی آمد و خرچ کی تفصیل۔ بادشاہوں کے آپس کے عہد و اقرار۔ لوگوں کی زبانیں سنیں ان کے جاننے سے دل خوش ہوتا ہے اور فائدہ پہنچتا ہے۔

اگرچہ میں سب علموں کو نہیں بیان کرسکتا کہ کس طرح سیکھنے چاہئیں مگر چند علموں کا حال جو ضروری ہیں بیان کرتا ہوں اوّل علم تاریخ کا بیان اس لئے کرتا ہوں کہ ہم اس کی کچھ وقعت نہیں کرتے اور نہ اُس کو اسطرح پڑھتے ہیں کہ کچھ فائدہ حاصل ہو۔ بلکہ اپنی تعلیم میں اُس کو ارذل جانتے ہیں تاریخ کے مطالعہ میں جو لوگ مصروف رہتے ہیں وہ حقیقت میں اچھی زمانوں کے بزرگوں۔ جوانمردوں۔ صاحب کمالوں سے باتیں کرتے ہیں۔ یہ

بھی ہماری روزمرہ کی گفتگو میں داخل ہو سکتی ہیں +

تاریخ کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک وہ جس سے کچھ فائدہ نہ حاصل ہو بلکہ تضیع اوقات ہو۔ دوسرا وہ جس سے سراسر فائدے حاصل ہوں پہلے طریقے کے موافق ہم پڑھتے ہیں کہ معلم نے بتلا دیا۔ یا خود طوطے کی طرح یاد کر لیا۔ کہ تیمور ان راہوں سے ہندوستان میں آیا تھا۔ فلاں فلاں حصے ہندوستان کے فتح کئے۔ اتنی دولت غنیمت میں لے گیا۔ بس آگے کچھ اور نہیں۔ اب دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم تاریخ کو پڑھ کر اوروں کے تجربے کو ایک مناسب اندازہ سے بدل کر اپنے حسب حال اپنے کام میں لائیں۔ اس کو مشق میں کریں۔ اتنے کام کا فائدہ معلم سے بھی نہیں کہ تاریخ سے نہ حاصل ہوتا ہو تاریخ وہ ہادی اور رہنما ہے کہ سب سے انسان کے مشکل کاموں میں اپنی انگلی سے ایسا رستہ بتلا دیتی ہے۔ کہ جس سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ وہ پکار پکار کر کہتی ہے کہ جو اوروں آدمیوں پر گزرا ہے وہ تم پر بھی گزرے گا۔ اس کے ذریعہ سے جو ہماری گفتگو صاحب کمالوں سے ہوتی ہے۔ اس میں ایک تعجب خیز روشنی عقل و فہم میں پیدا ہوتی ہے اگر اس گفتگو کا موقع انسان کے ہاتھ سے جاتا ہے۔ تو وہ خود تنہا پیچ بچا کر اپنے اوپر آپ تہ ہو کر رہ جاتے۔ ان کی نگاہ کے روبرو سوا ناک کے کچھ نہ نظر آئے۔ ایک دفعہ سقراط سے کسی شخص نے پوچھا تھا کہ تم کس ملک کے رہنے والے ہو۔ تو اُس نے جواب میں بجائے ایتھنز کہنے کے یہ کہا کہ میں دُنیا کا رہنے والا ہوں اس کے خیالات ایسے معمور و وسیع تھے کہ وہ ساری دُنیا کو اپنا وطن اور تمام دُنیا کے آدمیوں کو اپنا دوست ہموطن جانتا تھا۔ اور اُن سے گفتگو کرتا تھا ہمارا حال یہ تھا کہ سوائے اپنے پاؤں کے آگے کی زمین کے کچھ نہیں دیکھتے + ہمارا حال یہ ہے کہ جو کچھ ہم پر گزرتی ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ساری دُنیا پر گزر رہی ہے۔ ہم اپنے ہی ملک کو ساری دُنیا اور اپنے تئیں ساری دُنیا کے آدمی سمجھتے ہیں اگر ہمارے ملک میں قحط پڑتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دُنیا میں قیامت آگئی حشر برپا ہو گیا۔ اگر بارش کی کثرت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ دُنیا ڈوب گئی۔ اگر ہم پر افلاس آگیا تو ساری دُنیا بھوکی مرنے لگی۔ اگر خود جاہل و

بداخلاق ہوگئے تو کہنے لگے کہ زمانہ میں علم و اخلاق نہیں رہا وہ سب اُٹھ گیا۔ غرض اپنے اوپر ساری دُنیا کا قیاس ہے۔ اِس غلطی میں تھوڑی بہت سب ہی گرفتار ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ اور اس سے بہت نقصان ہوتے ہیں۔ جس شخص کے خیال میں نیچر کی تصویر کامل شان و جلال کے ساتھ موجود ہے۔ وہ اس کے سب رنگوں میں ہمیشہ نیرنگی اور بوقلمونی دیکھے ایک عجائب خانہ رنگین اس کو سمجھتا ہے۔ وہ اپنے تئیں تو کیا بلکہ ساری اپنی مُلک کی سلطنت و عظمت اِس تصویر عالم میں خال کی برابر نہیں پاتا۔ ایسا شخص ہی عظمت و شان کا ٹھیک تخمینہ کرکے قدرشناس ہوسکتا ہے۔ تاریخ دُنیا کو ایک آئینہ بناکر ہماری آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ جس میں ہم اپنے تئیں پہچان سکتے ہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمیں سچی رغبت دلی سے کیا کرنا چاہئے تاریخ دُنیا کی ایک کتاب بناکے مُطالعہ کے لئے پیش کرتی ہے۔ کہ جس کے اوراق میں ہم بے شمار اوضاع و اطوار۔ قوانین آئین۔ رسم رواج عادات۔ قومیں فرقے۔ غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرکے اپنی اصلاح اور درستی کرسکتے ہیں اور اپنے عیوب فطرتی کے ضعفوں سے آگاہ ہوسکتے ہیں اِن باتوں کا جاننا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ کہ کیا کیا شان و شکوہ کی سلطنتیں خاک میں مل گئیں۔ جن کا پتا ڈھونڈا نہیں ملتا کیا کیا دُوَل کے انقلاب اور تبدل ہوئے ہیں وہ پہچانی نہیں جاتیں۔ کیسے کیسے نامور بزرگ صاحب کمال۔ فتحمند بااقبال گمنامی اور فراموشی کے دریا میں غرق ہوئے ہیں۔ بس اِن خیالات سے نہ سلطنت پر بھروسا۔ نہ دولت پر اعتماد۔ نہ علم و ہُنر پر غرور۔ نہ شہرت کا غرّہ پیدا ہوگا۔ ساری دُنیا کی عظمت شان کی چیزیں کچھ اور نظر میں دکھائی دینے لگیں گی۔ اور یہ امر دلنشین ہوجائیگا۔ کہ چشم زدن میں دُنیا میں کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے۔ یہ کروڑوں آدمی زمین کے اندر میٹھی نیند لئے رہے ہیں اور بیزبانی کی زبان سے کہہ رہے ہیں کہ تم کو موت کے بعد زندوں سے زیادہ عمدہ صحبت ہماری میسّر ہوگی فیثاغورث نے دُنیا کو ایک اُلمپیا کے بڑے میلے سے تشبیہ دی ہے کہ جس میں بہتیرا آدمی جمع ہوتے ہیں بعض تو اُس میں اِس لئے آتے ہیں کہ اپنی ورزش جسمانی کے ہُنر دکھلائیں اور انعام

اکرام پائیں جس سے شہرت وعزت حاصل ہو۔ بعض خود اگر اس نظر سے آتے تھے
کہ میلے میں ایک ایک کے چار چار کر کے خوب دولت کمائیں۔ تھوڑے سے آدمی اس لئے
بھی آتے تھے کہ جن کو کچھ خاص اپنے منفعت پر نظر نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ فقط ان کو یہ دیکھنا
منظور ہوتا تھا کہ وہاں کیا ہوتا ہے ہر کام کا وہاں کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ لوگوں کا طریقہ
زندگی بسر کرنے کا کیا ہے۔ کس طرح سے لوگوں نے اپنے طریقہ معاشرت کی اصلاح کی ہے
کہ ان کی زندگی لطف سے بسر ہونے لگی۔ غرض یہ سارے تماشے علم تاریخ سے دل بہلاتے
ہیں۔ اگر اس کو پڑھنے کی طرح پڑھیں +

(۳۹) اخلاقی تعلیم

اب میں اخلاقی تعلیم کا ذکر کرتا ہوں گو اکثر عقلاء کے نزدیک اخلاقی تعلیم کا مذہبی
تعلیم سے جدا کرنا ایسا ہے جیسے کہ آفتاب کا روشنی سے۔ اور آگ کا حرارت سے۔ کل کا کل
مذہب ہی کو لوگ اخلاق کے سمندر میں قطب نما جانتے ہیں جس سے بیڑا پار ہوتا ہے + میں
مذہبی اخلاق کو چھوڑ کر اس اخلاق کی تعلیم کا ذکر کرتا ہوں جو حکمت و فلسفہ سے متعلق
ہے جس کو علم تہذیب اخلاق یا حکمت عملی کہتے ہیں تمام علموں میں یہ شرف اسی علم کو حاصل ہے کہ
اس کے تحصیل کی قابلیت بچوں میں نوشت وخواند کی قابلیت سے پہلے پیدا ہوتی ہے
ہر حالت و ہر مقام میں اس کی تعلیم ہو سکتی ہے گھر میں باغ میں۔ میز پر۔ بچھونے میں
خلوت میں جلوت میں صبح و شام۔ یہ سب اس کی تعلیم کے لئے یکساں ہیں کیونکہ وہ
اوضاع و اطوار کی خوبیوں کو سکھاتا ہے۔ دسترخوان پر آداب طعام بتلاتا ہے۔ مجلس میں
آداب سخن۔ کھیل کود میں حسن اخلاق۔ غرض تمام حرکات و سکنات کا وہ رہنما ہے۔
اس کی تعلیم آسان بھی ہے۔ اس کا حال ایسا ہے جیسا کہ گھر کا اور اپنے شہر کا پھرنا۔
جس میں آدمی تھکتا نہیں اگر اتنا سفر میں چلے تو تھک جائے۔ عقلاء کے نزدیک تعلیم میں تقدیم
اسی کو سزاوار ہے۔ یہ وہ علم ہے کہ جس میں انسان کے کل افعال و اعمال کے قاعدے بیان

ہوتے ہیں وہ سکھاتا ہے کہ کن کن باتوں کا چاہنا انسان کا حق ہے خدا کے حقوق
اس نے کیا ہیں اور آدمیوں کے کیا۔ اور اس کے اپنے کیا۔ دولت کو کیونکر خرچ کرنا چاہئے
کونسا حصہ اس کا ملک کی بھلائی میں خیرات دینا چاہئے۔ کتنا حصہ عزیز و اقربا میں تقسیم کرنا
لازم ہے۔ خدا کے کیا کیا احکام ہیں ان کی بجا آوری کے طریقے کون سے مستحسن ہیں انسان خود
کیا ہے۔ کس مطلب کے لئے دنیا میں پیدا ہوا ہے کون سی باتیں اس کو جاننی چاہئیں تحصیل علم کی
انتہا کیا ہونی چاہئے۔ شجاعت۔ اعتدال۔ عدالت کیا چیز ہے علو ہمت اور حرص میں۔
غلامی و اطاعت میں عزت اور آزادی میں کیا فرق ہے۔ سچی قناعت کے پہچاننے کی علامت
کیا ہیں موت۔ تکلیف جسمانی و روحانی۔ بے آبروئی سے کہاں تک خوف کرنا مباح ہے۔
بلاؤں کی سختی سے کیونکر بچنا چاہئے یا کس طرح ان کو سہنا چاہئے۔ وہ کون سی چھپی ہوئی
کمزوریاں ہیں جو انسان کو اپنے افعال پر متحرک کرتی ہیں کون سی وجوہات ہیں کہ انسان
بیقرار و مضطر و پریشان ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سب سے اول ہمیں یہ مسئلہ جاننا چاہئے کہ
جس سے حسن اخلاق اور تہذیب نفس اور اصلاح فہم ہو۔ اور ہم اپنے تئیں پہچانیں اور سمجھیں کہ کیونکر
اچھی طرح جیتے ہیں کیونکر اچھی طرح مرتے ہیں انسان کو وہی علم سیکھنے چاہئیں جو اس کی
آیندہ زندگی میں بکار آمد اور نفع رساں ہوں باقی سب کو سلام کرنا چاہئے۔ ناحق ان میں
تضیع اوقات نہیں کرنی چاہئے۔ جیسے علم نجوم ہے۔ ہمارا اس سے کیا مطلب نکلتا ہے کہ
ستاروں کے مقامات آسمان پر کہاں ہیں برج حمل میں زہرہ ہو یا مشتری ہو ہم کو کیا۔
ہماری بغل تو خالی ہے۔ اس کا اثر دنیا پر کچھ نہیں۔ لڑائیاں۔ موت۔ غلامی۔ اور حادثات
واقعات یکساں چلے جاتے ہیں آسمان پر سیاروں اور ستاروں کی راز کی
باتوں کی تلاش سے انسان کو کیا فائدہ ہے ہماری طبیعت روحانی تو علم تہذیب اخلاق ہے
کہ جس سے نفس اعتدال پر رہتا ہے۔ اعتدال مزاج سے صحت جسمانی کی بھی حفاظت

ہوتی ہی۔ تہذیب اخلاق کی بڑی نشانی یہ ہے کہ انسان خوش مزاج ہو۔ اُس کی طبیعت کدورت سے ایسی صاف ہو۔ جیسے کہ چاند کے پاس کی چیزیں گرد وغبار سے پاک و صاف ہوتی ہیں مہذب آدمیوں کے چہرہ پر ہر وقت بشاشت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں جب کوئی طوفان اور طغیانی نفس امّارہ کی ظاہر ہوتی ہی۔ تو وہ اُس کو تھما دیتے ہیں قحط۔ بخار۔ وبا کے خوفوں کو ہنسی ہنسی میں ٹال دیتے ہیں + بعض آدمیوں کی یہ رائے ہے۔ کہ علم تہذیب اخلاق ایک عمود کے سری پر بیٹھا ہی جسکے گرد خار اور جھاڑ جھنکاڑ لگے ہوئے ہیں وہاں تک رسائی آسان نہیں مگر یہ خیال بالکل غلط ہی۔ وہ تو ایک صاف میدان میں بیٹھا ہے جسکے چاروں طرف گلزار اور پھول پھل دار درخت سر سبز و شاداب لگ رہے ہیں اس کی راہ میں دو رویہ گھنے سایہ دار درختوں کی قطاریں لگی ہیں جو اس راہ پر چلتا ہی۔ وہ آنکھوں سُکھ اور کلیجے ٹھنڈک منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہی۔ وہ نیکی کا طریقہ بتلاتا ہی۔ جو نہایت سہل گزار۔ خوش آیندہ وفائدہ مند ہے جس میں لڑکے بوڑھے معصوم گنہگار اپنی اپنی راہ سے پہنچ سکتے ہیں سختی و درشتی اس راہ سے کوسوں دور ہے۔ آرام وچین اس میں اس سری سے اُس سرے تک ہی۔ یہ علم تو ایک مادر مہربان ہی کہ اپنے بچوں کو تمام غلاظتوں و نجاستوں سے پاک صاف کرتی ہے۔ ان میں توانائی بڑھاتی ہی۔ درشتی ان پر نہیں کرتی ہی۔ نرمی اس کی فطرتی ہی۔ وہ اپنی اولاد میں عزت و شان حسانت صحت کے پیدا کرنے کے فکر میں رہتی ہے اور ان کو بتلاتی ہی کہ تم ان عمدہ خوبیوں کو کیونکر باقاعدہ اور منتظم بنا سکتے ہو جس کے بغیر تمھاری زندگی تکلیفات کے سبب سے وبال جاں ہے۔ افلاطون کا قول ہے۔ کہ انسان میں یہ علم۔ صداقت۔ حلم۔ ثبات۔ دیانت۔ پیدا کرتا ہی باقی اور علوم جن سے کار برآری ہوتی ہی۔ وہ ملمع یا جھوٹا رنگ و روغن ہے +

بعض لڑکوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ حکمت عملی کی باتوں سے دور بھاگتی ہے ایک حکمت کے مسئلہ کے سننے سے ان کا دل ایک بیہودہ بازاری گپ میں زیادہ لگتا ہی۔ اگر گلی میں ڈھول تاشہ کی آواز آئے تو وہ کتاب کو بند کرکے مکتب چھوڑ اُس کے سننے کو جاتا ہی

ایسی طبیعت کے لڑکوں کے واسطے بہتر ہے کہ کوئی پیشہ۔ تارکشی۔ زردوزی۔ موچی وغیرہ کا سکھایا جاوے۔ خواہ وہ کیسے ہی امیرزادے ہوں۔ افلاطون کا قول ہے کہ لڑکوں کی تعلیم ان کی طبائع کی استعداد اور قابلیت کے موافق ہونی چاہئے۔ ماباپوں کے تموّل۔ حالت۔ لیاقت کو۔ اس میں دخل دینا نہیں چاہئے۔ اب ہم وقت تعلیم کا ذکر کرتے ہیں۔

حکمت عملی انسان کو زیست کا طریقہ سکھاتی ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم کا آغاز بچپن ہی سے ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ بچوں کو جس وضع وطرح عادت کا بنانا چاہو وہ بن سکتے ہیں وہ اس نوعمری میں نہایت نرم ہوتے ہیں جس سانچے میں چاہو ڈھال لو۔ مٹی نرم ڈھیلی ہی چاک پر چڑھا کر جلدی برتن بنا لو۔ بچوں کا زمانہ فرصت دراز نہیں ہوتا۔ پندرہ سولہ برس کی عمر تک ان کی تعلیم کا زمانہ ہے۔ باقی زندگی دنیا کے کام دھندوں کے لئے ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں جتنی باتیں ان کے لئے ضروری ہیں وہ سب سکھا دو۔ وہ تہذیب اخلاق کے اصول بتلاؤ کہ جن کو وہ سمجھ کر عمل کرنے لگیں۔ یہ علم بغیر عمل بیکار ہے۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نیک کام کرنے کی عادت فقط جاننے سے بغیر مشق کے ہو سکتی ہے وہ گویا یہ کہتے ہیں کہ ناچنا صرف دیکھنے سے بغیر ہاتھ پاؤں ہلانے کے آسکتا ہے۔ یا گھوڑے پر چڑھنا۔ پھری گدکا۔ پھرانا۔ بغیر مشق کی تکلیف کے۔ یہ وہ علم باعمل ہے کہ بچوں کو بھی اپنا فائدہ مند سبق پڑھا دیتا ہے اور پیر خمیدہ پشت کو بھی درس دیدیتا ہے دیکھو ارسطو نے سکندر کو لڑکپن میں کس خوبی سے تعلیم کیا ہے کہ نہ اُس کو منطقی اشکال کے پیچوں کے جنجال میں پھنسایا۔ نہ علم ہندسہ کے مسائل کے مخمصوں میں ڈالا۔ بلکہ اُس نے شجاعت و دلیری کے طریقے۔ ثبات و استقلال کی روشیں۔ اعتدال اور عدالت کے برتاؤ۔ بزرگی شان وشوکت کی نگہداشت۔ خوف کی حقارت۔ ان سب کا میگزین اُس کے ساتھ ایسا کر دیا کہ جس سے اس نے اپنے ایام طفلی وجوانی میں بیالیس ہزار پیادوں اور چار ہزار سوار اور ایک کروڑ کے قریب روپئے سے ساری دنیا میں اپنا ڈنکہ بجا دیا۔

یہ مثال تو ایک بڑے بادشاہ اور بڑے استاد کی تھی ۔ مگر ایسی قسم کی تعلیم ہر طرح کے بچوں کو اپنے مناسب حال ہو سکتی ہے کہ جس کا مآل یہ ہو کہ نیکی سے محبت پیدا ہو +

(۴) علم و ادب کی تعلیم ۔

اب میں چند کلمے علم ادب کی تعلیم کی نسبت کہتا ہوں زباں دانی کی تعلیم ہمارے لئے بڑی ٹیڑھی کھیر ہے ۔ دنیا کا یہ مسلم مقولہ ہے کہ تعلیم مادری زبان میں ہو ۔ یہ سچ ہے مگر جس ملک میں بادشاہی زبان مادری زبان سے غیر ہوتی ہے وہاں علم ادب کی تعلیم میں ایسی گتھیاں پڑ جاتی ہیں کہ کسی طرح سلجھائے نہیں سلجھتیں بادشاہی زبان مادری زبان پر اپنے تسلط کا سکہ ایسا بٹھاتی ہے کہ اس کو ابھرنے نہیں دیتی ۔ وہ ان نتائج غیر تعلیم کے ہوتے ہیں جو نہیں حاصل ہو سکتے ۔ ہماری بادشاہی زبان انگریزی ہے جس کی تحصیل میں ہم تیرہ (۱۳) چودہ (۱۴) برس تک بنا خون پانی ایک کرتے ہیں تو وہ ٹوٹی پھوٹی بری بھلی آجاتی ہے مگر توسیع خیالات و استدلال کی قدرت جو مادری زبان کے ساتھ علوم معقول میں مخصوص ہے وہ نہیں پیدا ہوتی ۔ اب ہماری کلاسیکل زبانیں عربی سنسکرت ہیں جو ہمارے لئے بیش بہا زیور ہیں مگر ان کی تحصیل کے طریقے ایسے دشوار ہیں کہ ہزار میں دو چار ہی کامیاب ہوتے ہیں عربی زبان کی صرف و نحو میں برسوں صرف ہوتے ہیں سنسکرت میں کومدی اور امر کوش کے کنٹھ کرنے میں ایک عمر کٹتی ہے اس صرف و نحو لغات کی تحصیل کا نتیجہ یہ ہے کہ الفاظ کی ترکیب سے جملے جملوں کی ترکیب سے فقرے ۔ اور فقروں کی ترکیب سے عبارت بنانی آجاتی ہے جن کو پیشہ معلمی پسند ہوتا ہے وہ ان باتوں کی تحقیق میں وقت صرف کرتے ہیں توسیع خیالات اور اختراعات ان کو بھی نہیں حاصل ہوتی بعض دانشمندوں کی رائے ہے کہ گو ہمارے دل و دماغ میں ہزاروں خیالات بھری ہوں مگر جب تک ہم کو قدرت زبان پر نہیں حاصل ہوگی ۔ وہ اس طرح ادا نہ ہو سکیں گے کہ ان کا اثر دل پر ہو ۔ بعض ارباب علم کی اس کے خلاف رائے ہے کہ جو چیز ایک دفعہ ذہن میں

آتی ہی۔ تو اپنے ساتھ ہی اپنے بیان کے لئے الفاظ بھی لاتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جو خیالات ذہن میں ہوں اُن کے ادا کرنے کے واسطے الفاظ جلدی نہ بہم پہنچ جائیں خیالات میں خود ایسا زور ہے کہ وہ الفاظ اپنے لئے پیدا کر لیتے ہیں الفاظ پر جو زیادہ نظر رکھتے ہیں ان میں آوازیں بہت۔ مگر معانی کم ہوتے ہیں اصل یہ ہے کہ خیالات اور الفاظ دونو چاہئیں مگر ہر ایک کے واسطے ایک اندازہ مناسب چاہئے۔ نہ فقط خیالات سے کام چلتا ہی۔ نہ فقط الفاظ سے افسوس ہے کہ ہمارے لئے دونو کی توسیع کے واسطے میدان تنگ ہے +

(۱) زبانی و کتابی تعلیم۔

تعلیم کیا زبانی ہوتی ہی۔ یا کتابی۔ زمانۂ قدیم میں عقلاء بہت سے ملکوں اور قوموں میں زبانی تقریروں اور گفتگوؤں سے تعلیم کرتے تھے۔ مگر اب ہماری تعلیم میں یہ طریقہ اکثر متروک ہو گیا ہے اگر کچھ ہے تو اعلے درجہ کی تعلیم میں زبانی تعلیم میں تمام مطالب و مراتب اختصار کے ساتھ کان میں پڑجاتے ہیں اور اُن کے باہمی علاقے معلوم ہو جاتے ہیں زبانی تقریر سے مضامین مؤثر اور دلنشین ہوتے ہیں اسقدر کتاب سے نہیں ہوتے۔ وہ یاد بھی زیادہ بہ نسبت کتاب کے رہتے ہیں کیونکہ سننے والا یہ قصد کرتا ہے کہ میں ان کو نہ بھولوں یہ کوئی کتاب تو نہیں ہے۔ کہ جب چاہوں گا دیکھ لوں گا۔ اگر سنا ہوا مضمون یاد نہ رکھوں گا تو میرے ذہن میں کسی طرح نہ آئیگا + دوسری کتابی تعلیم ہے جس میں کتابیں سب سے زیادہ آسان ذریعۂ تعلیم ہے ان سے تعلیم جب اچھی ہو سکتی ہے کہ وہ خود اچھی ہوں۔ ورنہ ایک بڑی کتاب بڑا شیطان انسان کے واسطے ہے۔ اب چار قسم کی کتابیں ہم کو پڑھائی جاتی ہیں سنسکرت۔ عربی فارسی اُردو ہندی۔ انگریزی۔ اصل کتابیں سنسکرت کی ہماری طبیعت میں فروتنی مسکینی راسخ الاعتقادی پیدا کرتی ہیں مگر یہ ایسی اعتدال سے ہٹ لے جاتی ہیں کہ دنیا و معاش کی تلاش سے بالکل کنارہ کش کر کے گوشہ گزینی یا دریوزہ گری کی طرف رغبت دلاتی ہیں جو کتابوں میں لکھا ہی۔ اس میں شک و شبہ کو دخل نہیں سوا ان کے مان لینے کے کوئی

چارہ نہیں حقیقت کی تحقیق و تصدیق اس میں کفر ہے۔ وہ ہماری ہمت و عزم کو اصلاح احوال و رسم و عادات میں نہایت پست و سست کرتی ہیں جو برسم پہلے چلا آتا ہے بس اُسی پر انسانیت کا خاتمہ ہے آگے نہ عقل کو آزادی ہو۔ نہ سمجھ کو وسعت ہو ایک تنگ نامی تقلید کی قید ہے۔ جو خیالات میں وسعت پیدا نہیں ہوتے دیتی۔ جسکی آندھی میں چراغ عقل روشن نہیں ہوتا۔ دوسری قسم کی کتابیں عربی فارسی کی ہیں گو خیالی باتوں سے وہ زیادہ معمور ہیں۔ مگر ان کی تحصیل میں کچھ عقل و ذہن کو تحریک ہوتی ہے۔ اعیان کی دل بعد اُستادوں کی تاثیر کی نفاست مزاج میں پیدا ہوتی ہے نشست برخاست لفظوں میں لطف آتا ہے۔ لیکن یہی نفاست پسندی سلیقہ شعاری کبھی وہ رعونت و نخوت۔ مرزا منشی۔ خود نمائی۔ خویشتن آرائی پیدا کرتی ہے کاہلی و بے پروائی کا باعث ہوتی ہے۔ کتابوں میں زیادہ تر مضمون عاشقانہ ہوتے ہیں جن کی اشتغال کے باعث عاشق مزاجی و معشوق مزاجی پیدا ہوتی ہے جس سے حوصلہ پست ارادے سست ہو جاتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ باتیں خوب دلکش و خوش کن چکنی چپڑی بنانی آجاتی ہیں مراسم تعظیم و آداب کی بجا آوری ایسی شائستگی کے ساتھ بظاہر ہوتی ہے۔ کہ وہ پسندیدہ معلوم ہوتی ہے ✣ تیسرے اُردو ہندی کتابیں ہیں جو عربی فارسی سنسکرت کی بے تمیز اولاد ہے اس کا ابھی کچھ اثر نہیں ہوتا ✣ ✣ ✣ چوتھی قسم کی کتابیں انگریزی ہیں جن کے اندر ساری دُنیا گھری ہوئی بیٹھی ہے جن میں ایک قوم نے تعلیم پانے سے ساری دنیا میں اپنی سلطنت و علم و ہنر کا سکہ جمایا ہے جب ہم انھیں پڑھتے ہیں تو ہمارا حال چراغ کا سا ہو جاتا ہے کہ اپنے تلے اندھیرا اور دُور دُور روشنی۔ جو سُوجھتی ہے وہ دُور ہی کی۔ اپنے تئیں بھول جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کیا ہیں جب انگریزی کتابیں انگریز معلموں سے پڑھتے ہیں تو اُس کی خبر نہیں رکھتے۔ کہ ہم کون ہیں یہ انگریز کون ہیں اپنا قدر خود شناس فراموش خاطر ہوتا ہے۔ ان کی برابری کا دعویٰ ہوتا ہے شکستہ بالی میں بلند پروازی کی ہوس ہوتی ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک لنگڑا لڑکا اسپ تیز رفتار کے شکار بند کو پکڑ کے کے قدم چل سکتا ہے

شعر۔ دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا + پہنچے کب اس کو ہاتھ۔ ہمارے غبار کا +
غرض جو بلند خیالی وعالی ہمتی اُن کی ہوتی ہے وہ حد اعتدال سے متجاوز۔ اخلاق کا حال اور
بھی بدتر ہوتا ہے۔ کہ ہندوستانیوں میں بیٹھے۔ تو اہل یورپ بن کر۔ اور اہل یورپ میں بیٹھے تو
ہمسر ہوکر۔ غرض دونو جگہ جو بنے وہ اچھے نہ بنے۔ گو یہ سب کا وتیرہ یکساں نہیں ہے۔ ان میں
بعض ایسے اہل تمیز بھی ہوتے ہیں کہ وہ دور سے دیکھتے ہیں اور اپنے قدموں کے نیچے نزدیک سے
جو قدم اُٹھاتے ہیں سوچ سمجھ کر۔ وہ ان کتابوں کی تعلیم سے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھانا
چاہتے ہیں کہ وہ سمجھیں کہ ہم کیا ہیں اور جن کی یہ کتابیں ہیں وہ کیا ہیں۔ ان کی نسبت سے
ہم میں کیا کیا عیب و نقص زیادہ ہیں ان کی اصلاح کی کیا کیا تدبیریں ہماری موجود
حالت کے مناسب ہیں۔ ہم ترقی کیونکر کر سکتے ہیں۔ بس یہی خیالات ہم کو فائدہ پہنچا
سکتے ہیں + (۴۲) سب سے زیادہ دلچسپ نتیجہ تعلیم

ایک دلچسپ بات سنو۔ کہ ہر طالب علم کی تعلیم اُس کے مناسب حال ہونی چاہئے۔ اگر کوئی
طالب علم ایسا ذکی وہوشیار ہو کہ وہ اپنی طبیعت پر یہ اقتدار رکھتا ہو کہ کبھی اُس کو اپنی حد سے
متجاوز نہ ہونے دے تو تعلیم سے اس میں ایسی لیاقت پیدا کر دو۔ کہ وہ اپنا رنگ سب رنگوں میں ملا دے
ہر مجلس و عقل کے گوں ہو۔ بادشاہوں کے درباروں اور اُمراء کی مجلسوں فقراء کے حلقوں میں
غرض ہر صحبت و ہر جلسہ میں وہ ممتاز و سرفراز معلوم ہو۔ اُس کے اختیار میں ہو کہ جس جون میں چاہے
اپنے تئیں بدل کر لے آئے۔ ہمیشہ دنیا میں ایسی ہی طبیعت کے آدمیوں سے بڑے بڑے
کام ہوئے ہیں وہ ہر موقع و مکان و مقام کے مناسب اپنا مزاج بنا لیتے ہیں
مجسٹریٹ ہوئے تو فوجداری کے مقدمات میں سیاست کی شان دکھانے لگے۔ جج ہوئے تو
دیوانی مقدمات میں بنیوں کا سا مزاج میں حلم بنا لیا۔ کلیسا میں ممبر پر بیٹھے تو انصاف و
رحم کا وعظ فرمانے لگے۔ میدان جنگ میں گئے تو دشمنوں کے سر قلم کرنے لگے۔ کہیں پولیٹکل
ایجنٹ بنے تو کچھ اور ہی روپ بنا لیا۔ سب کی سنتے ہیں۔ اپنی نہیں کہتے۔ کہیں روپیہ کی فراہمی

سے کام نکلتا دیکھا تو حاتم بن گئے۔ کہیں محض پیسے جوڑنے کی ضرورت پڑی تو قارون ہو گئے۔ غرض اسی طرح وسعت آباد علم سے دولت آباد عمل میں جو آتے ہیں وہی دنیا میں سب پر سبقت لے جاتے ہیں اور اپنے کارہائے نمایاں کے کارنامے لکھا جاتے ہیں۔ گو بعض بعض پرہیزگار اس قبیل کے دنیا کے کامیابوں کو ابن الوقت کہتے ہیں مگر جن کو تعلیم سے ابن الوقت بننا آتا ہے۔ وہی دنیا میں سرفراز اور بلند شان ہوتے ہیں۔ عظیم العمل عدیم المثل بنتے ہیں۔ سب مضمون علوم ہیں ہی فن اور علم دشوار اور مشکل ہے۔ کہ انسان کیونکر نیک چال اور خوش گزران بنے۔ یہ علم وفن کتابوں کے پڑھنے سے نہیں۔ بلکہ زندگانی کی تجربوں سے آتا ہے عقلمند ان علموں کو علم ہی نہیں جانتے کہ جن میں فقط الفاظ دل بہلاتے ہوں اور کوئی کام عملاً بکار آمد نہ ہو۔ تعلیم سے یہ غرض نہیں کہ تم زیور علم سے آراستہ ہو کر اپنی خود نمائی کرو۔ بلکہ علت غائی اس کی یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کا دستور العمل موافق عقل کے مقرر کرو۔ اور اس کے قوانین اور آئین کے پابند ایسے ہو کہ تمھاری چال چلن میں ہوشمندی۔ راست بازی۔ راست گفتاری۔ عدالت گستری۔ جوہر سے حق پژوہی میل حق پر مائل۔ جانب باطل سے اجتناب۔ پیروی حق میں گرماگرمی۔ بیماری کی حالت میں مزاج میں صبر و استقلال۔ عیش و عشرت میں اعتدال۔ کاروبار خانگی میں انتظام۔ کھانے پینے میں بے تکلفی۔ گوشت پلاؤ۔ ساگ پات۔ دال دلیا سب برابر۔ پینے میں پانی کے آگے شراب حرام۔ غرض یہ ساری باتیں تمھارے دستور العمل زندگی میں جو تمھاری تعلیم تصنیف کیا ہوا ہو نظر آئے تو تم نے تعلیم پائی۔ ورنہ وہی مثل ہے کہ گدھے پر کتابیں لاد دیں +

(خاتمہ)

اوپر کے مضمون کا حاصل و لب لباب یہ ہے۔ کہ تعلیم پانے کا مقصد عظیم یہ ہے کہ آدمی خلعت مردانگی پہن کر میدان فرزانگی میں آئے۔ خرد مند۔ کارشناس بنے۔ خواہش فضول اور غضب نامقبول سے گریز کرے۔ عادات نامعقول سے پرہیز کرے۔ راستی و نکوکاری کو اپنا

پیشہ بنائے۔ خود بین و خود ستائی سے فراموشی اختیار کرے۔ حق کی جستجو میں ہے۔
خود شناسی و خدا شناسی کے درپے رہے۔ غرض اچھی طرح جئے اچھی طرح مرے۔ ؎

امروز چناں بزی کہ فردا چو روی ∴ خنداں تو برون روی و گریاں ہمہ کس
آں چناں زی کہ بعد مُردن تو ∴ ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

(۳۴) اپنی ہی استعداد و قابلیت سے صحیح اور غلط کا اندازہ کرنا حماقت ہے۔

دُنیا میں بہت سے ایسے بیچارے جاہل آدمی رہتے ہیں کہ لوح دل اُن کا سادہ ہوتا ہے
اور ہر نقش کے قبول کرنے کے لئے آمادہ۔ وہ اور لوگوں کے کہنے پر جلد یقین اور اعتقاد
لے آتے ہیں۔ راست و دروغ جائز و ناروا کو بدون ردّ و قبول و تردد و توقف کے مان
لیتے ہیں جیسے نرم موم پر مُہرہ کو لگائیے تو بے مزاحمت اُس کے تمام حروف اُٹھ آتے ہیں ایسے
ہی اِن کے نرم دل پر جن اعتقادوں کا نقش جمائیے وہ بیٹھ جاتا ہے۔ ترازو کے خالی
پڑلوں میں سے جس پڑلے میں ذرا سا وزن رکھیئے تو وہ اُسی طرف جھک جاتا ہے۔ اسی طرح ان
کے خالی دل میں جس اعتقاد کا وزن رکھئے اُسی طرف وہ جُھک جاتا ہے۔ دوسرا کوئی اور
وزن ہی نہیں ہوتا۔ کہ اُس کو جُھکنے نہ دے۔ بچّوں۔ عورتوں۔ عوام الناس۔ بیمار آدمیوں
کو دیکھتے ہو۔ کہ وہ کیسے سریع الاعتقاد ہوتے ہیں جو وہ سُنتے ہیں اُس کو یقین کر لیتے ہیں
گویا ان کے کان ہی عقل و فہم کا کام دیتے ہیں۔ ایک لوگ تو یہ ہیں کہ جن پر جہالت
کی تیرگی چھائی ہوئی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں کہ جن پر یہ حماقت کی گھٹا چھائی ہے کہ
وہ عقل اور فہم کو ایسا وسیع سمجھتے ہیں کہ گویا ساری دُنیا کی باتیں ان میں سمائی ہوئی ہیں جو بات
ان کی عقل و فہم میں نہ آئے اُسے معدوم سمجھتے ہیں یا اُس کو دروغ بتلاتے ہیں مثلاً کوئی
شخص اُن سے معجزات اور کرامات اور خرق عادات کا ذکر کرے۔ خواہ اُن کے واسطے کیسی ہی
بزرگوں کی شہادت معتبر و معتمد موجود ہو لیکن وہ کہہ دیں گے یہ سب جھوٹھ ہے۔ ان کو بھی

یقین کرنا چاہیے۔ کہ نیچر کی قدرت بے انتہا ہے۔ وہ تمام نہ انسان کی سمجھ میں آئی نہ آئیگی اپنے قصور فہم کا اعتراف نہایت عجز و انکسار سے اُس کے سامنے کرنا چاہیے۔ معلوم نہیں کہ کیا کیا اسرار اس میں مخفی ہیں کل ہی کا ذکر ہے کہ تم اُس کی بہت سی باتیں نہیں سمجھتے تھے۔ مگر علم کی تعلیم نے اُن کو سمجھا دیا۔ تم کو ناممکن اور نادر الوقوع باتوں میں تمیز کرنی چاہیے۔ تم کو سمجھنا چاہیے۔ کہ کون سی چیز اس نیچر (عادت فطرت) کے خلاف ہے۔ اور کون سی چیز عوام کی رائے کے خلاف ہے۔ یہ جان لینا کہ جس چیز کو ہم جانتے ہیں اس سے بڑی کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے۔ نہایت حماقت اور جہالت کی نشانی ہے۔ ایک شخص [illegible] دریا دیکھتا ہے تو اُس کو وہ بہت بڑا دریا سمجھتا ہے۔ اب یہ سمجھنا کہ ایسا بڑا دریا کوئی دنیا میں نہیں ہے۔ نادانی ہے۔ ہم نے شہر دہلی دیکھا ہے بس یہ جان لینا کہ اس سے بڑا کوئی شہر دنیا میں نہیں ہے جیسے کہ اُس کے جاہل باشندے یقین کرتے ہیں بڑی بے وقوفی ہے۔ یہاں لوگوں نے دو مذہب ہندو مسلمان دیکھے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ سوا ان دو مذہبوں کے کوئی اور مذہب دنیا میں نہیں ہے ہم اپنی مجلسوں اور صحبتوں میں اِس قسم کی جہالت کے بڑے تماشے دیکھتے ہیں کہ ہر مسئلہ علمی اور معاملات۔ ملکی و مالی و جنگی غرض ہر قسم کے مقدمات عظیم کا فیصلہ لوگ اپنی تکبیل سمجھ سے اٹکل پچو کر دینگے۔ اور اُس کے واسطے کوئی ذلیل سی دلیل لائیں گے۔ اور اُس کے آگے قوی دلائل کو لغو و ضعیف سمجھا جائیں گے۔ غرض ایسے پندار و غرور میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ اپنی سمجھ اور تجربے کے آگے ساری دنیا کے عقل اور تجربہ کو غلط و ہیچ و پوچ جانتے ہیں +

(۴۴) بھولے بھالے آدمی جھوٹ بہت کم بولتے ہیں

جو آدمی بھولا بھالا ہوگا وہ جھوٹ بہت کم بولے گا۔ جو بات کہے گا وہ غالب سچ ہی ہوگی اس میں جھوٹ بات بنانے کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بات کا بنانا ایک اختراع اور ایجاد ہوتا ہے جس کے واسطے ذکاوت کی حاجت ہے جس سے وہ سادہ لوح معرا ہوتے ہیں اب شریف بھلے مانس تعلیم یافتہ آدمیوں کو دیکھو کہ اول جس بات کو دریافت کرتے ہیں۔ اس میں

بہت تجسس و تفتیش کرکے بال کی کھال نکالتے ہیں پھر اس موشگافی کے بعد اپنی معلومات
کے اظہار میں حسن بیان چاہتے ہیں۔ اس حسن بیان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بات کو
اس طرح ادا کرتے ہیں جس طرح اپنے تئیں پسند ہو۔ یا سننے والوں کو پسند آئے۔ اور وہ
اُن کی داد دے غرض ایسے گل پھول بات میں لگاتے ہیں کہ جس سے اصل بات بدل
جاتی ہے اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کی شہرت اور ناموری ہو۔ بہت سے آدمی
جھوٹھ بولتے ہیں۔ مگر اس جھوٹ کو جھوٹ نہیں جانتے۔ اس کا نام حسن بیان کہتے ہیں ان کا
ذہن جو باتیں اختراع کرکے واقعات نفس الامری پر حاشیہ چڑھاتا ہے۔ اس سے اُن کا دل
بہت خوش ہوتا ہے بس اس لئے یا تو بات اس شخص کی قابل اعتبار ہے جو بڑے درجہ کا
راست گفتار ہو۔ جھوٹ کی برابر کسی کام کو بُرا نہ جانتا ہو۔ یا بھولا بھالا ہو کہ بات میں نمک
مرچ لگانی نہ جانتا ہو۔ سیدھی سادھی طرز پر واقعات اصلی کو بیان کرتا ہو۔

(۴۵) - وحشی و نیم - وحشی -

بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ہم اُن کو وحشی اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ ہمارے
استعمال میں نہیں آتیں مثلاً الفاظ وحشی وہ کہلاتے ہیں جو ہمارے استعمال میں نہیں آتے جانور وحشی
وہ کہلاتے ہیں جو ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔ ہمارے گھروں میں نہیں رہتے۔ ہر قوم اپنی مذہب
کو۔ اپنی سلطنت کو۔ اپنے علم و ہنر کو۔ اپنے رسم و رواج کو۔ اپنی شائستگی اور تہذیب کو کامل
جانتی ہے۔ اور انہیں چیزوں کو معیار اور لیول غیر قوموں کی شائستگی و تہذیب کے جانچنے کا
اور ہمواری دیکھنے کا بناتی ہے (لیول ایک آلہ زمین کی ہمواری دیکھنے کا ہوتا ہے) پس جو اس کسوٹی
پر پورا نہیں اُترتا۔ اور اس لیول میں نہیں آتا۔ اُس کو وحشی۔ نیم وحشی۔ جنگلی یا کوئی اور بُرا
نام رکھ دیتے ہیں کسی قوم کو جنگلی کہنا ایسا ہے جیسا کہ ہم ان میووں کو جنگلی کہتے ہیں جن کو نیچر
(قدرت) نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور نشو و نما دیا ہے۔ ان میں ساری خواص و
صفات اصلی پائے جاتے ہیں ہم کو اپنے پرورده میووں کو جنگلی کہنا چاہیے۔ جن کی

اصلی صفات کو ہم نے فقط اپنی زبان کے مزے کے لئے بگاڑ دیا ہے نیچر (قدرت) نے جو خوبیاں اُن میں پیدا کی تھیں اِن کو بدلا ہے۔ مگر اس پر بھی بہت سے میوے جنگلی ایسے ہیں کہ وہ ہمارے پروردہ میووں کو مات کرتے ہیں۔ یہ عقل قبول نہیں کرتی کہ انسان کی صنعت قدرت کی صناعت پر سبقت لے جائے۔ گو ہم نے اپنی مادر نیچر پر مہربانی کرکے اس کو اپنے اختراعات اور ایجادات کے زیور سے ایسا لادا ہے کہ اس کا جی گھبرانے اور دم گھٹنے لگا ہے۔ مگر جہاں اس کو آزادی حاصل ہے وہاں ہماری ساری محنت اور صناعت کے ایجاد و اختراع اس کے آگے پانی بھرتے ہیں اور غلام ہیں۔ جنگل میں دیکھو کیسے کیسے خودرو پھولوں کے گلستاں کھلے ہوئے ہیں کہ ان کے آگے ہمارے سدا بہار چمن و گلزار خاک ہیں سیکڑوں پرند وہاں وہ خوش الحانی سے راگ گاتے ہیں کہ ہمارے طوطے ہزار داستاں اور سکھائے پرند اُن کے آگے بدآواز معلوم ہوتے ہیں ہمارے پلے ہوئے چوپایوں سے سینکڑوں جنگلی چوپائے زیادہ موٹے تازے توانا ہیں۔ نیچر کی صناعت کو کہیں ہماری صناعت پہنچ سکتی ہے۔ اُس نے جو مکڑی کو جالا بننا سکھایا ہے کیا کوئی انسان صانع ویسا جالا بُننا سکھا سکتا ہے۔ یا پرندوں کو اس نے جو گھونسلے بنانے سکھائے ہیں وہ کوئی کاریگر آدمی بنا سکتا ہے ہرگز نہیں افلاطون کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ دُنیا میں ساری چیزیں قدرت سے پیدا ہوئی ہیں یا انسان کی صناعت سے کل حسانت نفاست عظمت و شان کمال قدرتی چیزوں میں نمایاں ہیں اور سارے نقص و عیب انسان کی مصنوعی چیزوں میں بس وحشی قوم کے کچھ معنے نہیں سوا اس کے کہ وہ اپنے نیچر کے زیر فرماں ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے ساتھ خلط پیدا کرکے اپنے تئیں خراب خستہ نہیں کیا اپنی سادگی کو نہیں چھوڑا اپنی اصلی صورت و شکل کو بناؤ سنگار کرکے نہیں بدلا۔ بعض وحشی قوموں میں وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں کہ ان سے اگر مہذب قوم ناواقف رہے تو افسوس کا مقام ہے۔ گو اُن میں نہ تجارت ہے نہ علم پڑھنے

لکھنے کا ہے۔ نہ حساب جانتے ہیں۔ نہ اُن میں حاکم کا نام ہے۔ نہ کوئی ملکی اور مالی بزرگی کسی کو ہے۔ نہ کوئی خادم ہے نہ مخدوم۔ نہ دولت ہے نہ افلاس ہے نہ کوئی معاہدہ ہے نہ تقسیم وراثت ہے۔ نہ کوئی مال ہے نہ کوئی خدمت ہے نہ کریاں فرست ہے۔ نہ عزیز و اقربا کا ادب ہے۔ اگر ہے تو سب کا برابر ہے۔ نہ لباس ہے نہ زراعت ہے ــــ نہ اناج ہے۔ نہ شراب ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کی زبان میں نہ ایسے الفاظ ہیں کہ جو کے جانے جھوٹ بدکاری۔ زنا کاری۔ طمع ... عیب ہوں۔ غرض جیسا قدرت نے ان کو معصوم پیدا کیا ہے ویسے ہی ہیں پتھروں اور لکڑیوں کے ہتھیار بنالئے۔ اُن سے مچھلی اور جنگلی جانوروں کا شکار کرلیا۔ ان کو سینک کر بھون کر کھالیا۔ وہ اوزار پتھروں کے ایسے بنا لیتے ہیں کہ اپنے سارے کام چلا لیتے ہیں اُن سے بال ایسے مونڈتے ہیں جیسے کہ اُسترے سے غرض ان میں یہ اگر دیکھو کہ کتنے وہ بُرے کام کرتے ہیں تو بہت تھوڑے ہوں گے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ان کے بُرے کاموں میں تشدد ہوتا ہے۔ مگر تعداد اتنا نہیں ہوتا جیسا کہ تہذیب و شائستگی میں۔ اگر اس خیال کو وسعت دیجیے تو یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ کُل انسانوں کا حال یکساں ہے۔ خدا تعالیٰ کے انعام سب پر عام ہیں اُس کی ہزاروں نعمتیں ہیں وہ سب میں برابر بٹے ہوئے ہیں کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ۔ یہ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے سوا اور قوموں کو ناشائستہ غیر مہذب و نیم وحشی وحشی نہ کہے تو اس کو اپنی تئیں مہذب کہنے کا لطف نہیں آتا۔ اوروں کو جب تک جہنمی نہ بنائے تو اپنے جنتی ہونے کا مزہ نہیں آتا۔

(۴۶) انتظامات الٰہی میں رازی نفی ہشیار دلی سی چاہیے

نامعلوم یعنی مجہول چیزوں میں مکر و فریب کا گھر ہوتا ہے۔ آدمی سونا بنانا نہیں جانتے۔ اس لئے کیمیاگروں کے جل میں آجاتے ہیں بعض نادان ان کے کہنے میں

آجاتے ہیں۔ بعض نادان اِن کے کہنے میں آن کر اپنے سونے چاندے کے گھر خاک میں ملا دیتے
ہیں۔ آدمی کو یہ نہیں معلوم کہ آیندہ کیا ہوگا۔ اِس لیے وہ جوتشیوں یعنی نجومیوں و رمالوں
فال گوؤں خوابوں کے تعبیر دینے والوں۔ فقیروں اور جوگیوں اور بہت سے اسی قسم کے آدمیوں کے
دم جھانسے میں آجاتے ہیں اور ان کے کہنے پر یقین کرتے ہیں گو ہزاروں دفعہ ایسے لوگوں کے
مکر و فریب و افترا کھل جاتے ہیں جس کے سبب سے وہ جا بجا آوارہ گرد ہوتے ہیں۔ پورب پچھم اور
پچھم سے پورب اور دکھن سے اُتر اور اُتر سے دکھن مارے مارے پڑے پھرتے ہیں مگر اپنی حرکات
سے باز نہیں آتے۔ اور ایسی باتوں پر اصرار کیا جاتا ہے کہ ہم اسرار الٰہی سے واقف ہیں۔
مشیت ایزدی کو جانتے ہیں خدا کی باتیں جو کسی کو نہیں معلوم وہ ہم کو معلوم ہیں غرض کہ اپنی
قلم سے سیاہ و سفید نقش بناتے ہیں + افلاطون نے لکھا ہے کہ اگر ایک جماعت کی مخاطبت
میں دیوتاؤں کے اوصاف بیان کیجے تو سب آدمی مطمئن ہو کر اُس کو یقین کر لیں گے لیکن اگر
آدمیوں کے اوصاف بیان کیجے۔ تو اُس میں سو چون و چرا نکالیں گے۔ کیونکہ سُننے والوں کی جہالت
ایک فراخ میدان آگے لاتی ہے کہ جس آزادی سے اُس میں چاہو۔ نامعلوم و مخفی چیزوں کے اسرار کے
بیان کے گھوڑے دوڑاؤ۔ مجہول چیزیں عجیب و غریب ہوتی ہیں اسی سبب سے اُن کا یقین ہوتا
ہے۔ استدلال عقلی کا جرح قدح ان میں نہیں چل سکتا۔ جیسا کہ ہماری اور باتوں میں چل سکتا ہے
ان کو بہ مجبوری ماننا پڑتا ہے۔ انسان کی طبیعت میں داخل ہے کہ وہ ہر معلول کی علت اور
ہر مسبب کا سبب دریافت کرتا ہے مگر جب حادثات اور واقعات عجیب پیش آتے ہیں تو
بعض آدمی مدعی ان واقعات کے اسباب جاننے کے ہوتے ہیں اور کسی سبب سے اُن کو منسوب کر دیتے
ہیں اور ایسی ابلہ فریبی کرتے ہیں کہ ان سببوں کو لوگ یقین کر لیتے ہیں۔ یوں ہزاروں عجیب و
غریب افسانے بے سر و پا انسان یقین کرنے لگتا ہے۔ ان کا عجیب ہی ہونا باعث یقین ہے
مگر آدمی کو چاہیے کہ وہ دل سے یہ یقین کرے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانتا ہے۔ کسی انسان کا
مقدور نہیں کہ اسرار الٰہی اور خدا کی مرضی کو جاننے لگے + امریکہ میں قوم انڈین کی یہ رسم ہے

کہ جب لڑائی میں ہزیمت ہوتی ہے یا کسی مقابلہ میں ناکامی تو وہ آفتاب سے جو ان کا معبود ہے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ آفت جو ہم پر آئی وہ ہماری شامت اعمال کے سبب سے آئی۔ وہ ہمارے معبود کی عین عدالت ہے۔ بس اسی طرح ہم کو یقین کرنا چاہئے کہ دادار جہاں آفریں جو کچھ کرتا ہے۔ اُس میں چون و چرا کی جگہ نہیں ہوتی۔ وہ حکیم ہے کوئی کام اُس کا حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جو کام ہمارے لئے وہ کرتا ہے وہ ہمارے حق میں اچھا ہی ہوتا ہے وہ حکیم جو تلخ دارو ہم کو پلائے گو کتنا وہ پینا تی سے ہیں اُس کا احسان مانیں شکر بجا لائیں۔ تسلیم و رضا کو اختیار کریں۔ مگر انسان عجب نادان ہے۔ کہ دُنیا کی اقبالمندی اور بد اقبالی کو مذہب سے منسوب کرتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ غیر مذہب والے دُنیا میں جاہ و جلال رکھتے ہیں اور اپنے مذہب والے ادبار کے غار میں پڑے ہیں تو اُس کے اپنے معتقدات مذہبی سُست ہو جاتے ہیں اور غیر مذہب والوں کے معتقدات کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ اُس کو سمجھنا چاہئے کہ دُنیاوی عروج و تنزل کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ مذہب تو یہ بتاتا ہے کہ دُنیا دارالامر ہے یعنے مذہبی احکام کی بجا آوری کی جگہ ہے عقبیٰ دارالجزا ہے۔ جہاں بُرے بھلے کاموں کی جزا سزا ملے گی۔ مذہب یہ نہیں کہتا ہے کہ جو دُنیا میں نیک ہو گا۔ وہ دُنیاوی جاہ و مال بھی رکھے گا اور جو شریر ہو گا۔ وہ دُنیاوی مال و جاہ سے محروم ہو گا۔ بس یہ انتظامات الٰہی جو ہوتے رہتے ہیں۔ کہ آج کسی قوم کا عروج ہے۔ کل کسی قوم کا۔ کسی قوم کا آج ادبار ہے کسی کا کل تھا۔ اس کے اسباب کو مسبب الاسباب ہی جانتا ہے۔ انسان کا کام نہیں ہے۔ اس کا سبب مذہب کو قرار دینا غلط ہے۔ مذہب تو وہی رہتا ہے۔ مگر اہل مذہب کے اقبال و ادبار میں انقلاب ہوتا رہتا ہے اس لئے دُنیا کے عروج و تنزل کو اُس میں دخل نہیں ہے اس سے اپنے معتقدات میں فرق لانا نہیں چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ نیک عمالوں کو اپنی جزا کے واسطے اور بد اعمالوں کو اپنی سزا کے واسطے ایک آنے والے روز کا انتظار رکھنا چاہئے۔ آدمی آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھائے۔ اُس کی طرف آنکھ سے ٹکٹکی باندھ کے اپنے تئیں اندھا نہ بنائے۔ بس ایسی

طرح خدا نے جتنی عقل اپنے کاموں کی سمجھ کے لئے دی ہے۔ اسی سے فائدہ اٹھاوے اس سے زیادہ سمجھنے کے لئے کوشش کرنے سے عقل کو نہ بڑھاوے

(۴۷) عیش و موت۔

قدیم زمانہ کے بہت سے حکیم بالاتفاق یہ رای رکھتے ہیں کہ جس وقت زندگی میں آفات زیادہ اور آسودگیاں کم ہوجائیں تو مرجانے کے واسطے یہ وقت نہایت اچھا ہے یہ امر نیچر کے قاعدہ کے خلاف ہے کہ ہم اپنی حیات کو اس حالت میں برقرار رکھیں کہ جس میں سوائے رنج اور تکلیف کے کچھ نہ ہو۔ چنانچہ ان کے یہ مقولے ہیں۔

(۱) یا چین کی زندگی ہو یا اچھی موت ہو (ان دو باتوں میں سے کوئی ایک ہو)۔

(۲) جب زندگی ملالت انگیز ہو تو مرجانا اچھا ہے۔

(۳) ذلت کے ساتھ جینے سے مرنا بہتر ہے۔

مگر ان مقولوں اور رایوں پر افسوس ہے۔ آدمی اپنی زندگی کو کیوں ایسا کم بخت بنائے جسے مرنا جینے سے اچھا ہوجائے۔ پہلے ہی سے دُنیا کے جاہ و منصب پر کیوں ایسا دل لگائے کہ جس کے مفقود ہونے پر حیات سے موت اچھی ہوجائے۔ بہت سے حکما نے اُمرا کو نصیحت کی ہے کہ وہ دُنیا کی عیش و عشرت و جاہ و دولت پر خاک ڈال کر خلوت نشین ہوجائیں اور حکیمانہ زیست بسر کریں۔ لیکن اہل دُنیا عیش و عشرت۔ مال و دولت کے پھندوں میں ایسے پھنسے ہوئے ہوتے ہیں کہ نہ انھیں کھول کر باہر آسکیں نہ توڑ کر اپنے تئیں چھڑا سکیں۔

(۴۸) کپڑے پہننے کی ضرورت۔

لباس پہننا انسان کی ضرورت میں داخل ہے۔ یا عادت میں اس کا فیصلہ کرنا ہے لباس پہننے کی عادت نے بھی گیا اپنے تئیں چاروں طرف سے کپڑوں کو لپیٹا کر اپنے تئیں چھپایا ہے کہ جب تک اس کی نسبت کچھ کہا نہیں جاتا۔ کہ اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ بہت سی قومیں برہنہ رہتی ہیں اب یہ سوچنا چاہیے کہ یہ عُریانی اصل وضع انسانی ہے یا

ان کے ملک کی ہوا ایسی گرم ہے کہ اُس نے یہ عریانی کا لباس پہنا رکھا ہے۔ خدا کا کلام
اور کام شہادت دے رہا ہے کہ سورج تلے جتنی چیزیں ہیں ایک ہی قوانین اُن پر فرمانروائی
کرتے ہیں بس اب یہ دانشمندوں کا کام ہے کہ وہ دُنیا کے دستورات پر غور کرکے قوانین قدرت
اور انسان کے قوانین اختراعی میں تمیز کریں جس میں ذرا جھوٹ نہ ہو۔ تمام اور مخلوقات اپنی حوائج
ضروریہ کا اسباب اپنی پیدایش کے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ لباس کے لئے سوئی تاگا
اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب انسان کیا قصوروار تھا کہ محتاج و بے نوا و ناقص پیدا
ہوتا کہ جب تک اس کو خارج سے امداد نہ ملے تو جی نہ سکے۔ درخت۔ پودے۔ جانور
غرض سارے ذی حیات قدرتی لباس اپنا۔ کھالوں۔ بالوں۔ خولوں۔ چھالوں اور
اسی قسم کی چیزوں کا رکھتے ہیں۔ ہمارا حال بھی ایسا ہی تھا۔ مگر ہم نے جیسے آفتاب کی
روشنی کے سوا اپنے دیے اور روشنیوں کو اختراع کر لیا ہے ایسے ہی ہم نے اپنی قدرتی وضع
کو چھوڑ کر اوروں کی وضع طرح کو اختیار کر لیا ہے یہ لباس پہننا فقط عادت ہی کی بات ہے
ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ملکوں میں جن میں جاڑا ہمارے اس ملک کا سا پڑتا ہے۔ یا جن میں
ہمیشہ زیادہ سردی رہتی ہے۔ وہاں آدمی ننگے دھڑنگے بے تکلف پڑے پھرتے ہیں اُن کے
بدن کو سردی کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اپنے ملک میں دیکھتے ہیں کہ گنوار مزدور کڑاکے کے جاڑے
میں کام کرتے ہیں نہ اُن کی چھاتی پر نہ پیٹ پر نہ پیٹھ پر کپڑا ہوتا ہے اپنے ہی بدن میں دیکھ لو
کہ جو سب سے زیادہ نازک اعضا ہیں وہ ہوا میں کھلے رہتے ہیں۔ جیسے آنکھ۔ ناک کان
منہ۔ اگر ہم کو انگرکھا اور پائجامہ پہننا ضرور ہوتا۔ تو ہمارے اعضا جو ہوا میں برہنہ رہتے
ہیں ضرور تھا کہ قدرت سے ان کی سخت کھال بنائی جاتی جیسے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں پر
ناخن ہیں تاکہ وہ موسموں کی سختیوں سے بچے رہتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہم ہیں جو گنجروں سے
زیادہ کپڑے پہنتے ہیں دوسری گنجر ہیں جو ان لوگوں سے زیادہ کپڑے پہنتے ہیں جو سوائے
اپنی کھال کے کچھ اور نہیں پہنتے۔ کڑاکے کے جاڑے میں ایک جوگی سر سے پاؤں تک ننگا ایسا اینٹھتا ہوا

چلا جاتا تھا۔ گویا کہ ایک بڑا پوستین پہنے ہوئے تھا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ جوگی جی آپ کو جاڑا نہیں لگتا؟ بابا مجھے جاڑا کیوں لگے کیا تمھارے چہرہ کو جاڑا لگتا ہے؟ میرے سارے بدن کا حال تمھارے چہرہ کا سا ہے۔ جاڑے میں تم دیکھتے ہو کہ سویرے لوگ ٹھنڈی ہوائیں ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہیں ننگے بیٹھ کر پوجا پاٹ کرتے ہیں + ایک بادشاہ نے ایک مسخرے سے جو بہت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ پوچھا کہ تجھے جاڑا ان باریک کپڑوں میں نہیں لگتا میں تو اتنے کپڑے پہنے ہوئے ہوں پھر بھی سردی لگتی ہے۔ کیا تدبیر کروں کہ تیری طرح مجھے جاڑا نہ ستائے۔ اس مسخرے نے کہا کہ حضور اگر میرا کہا مانئے تو تمام کپڑوں کو اتار کر پھینک دیں پھر میری طرح آپ کو جاڑا نہیں لگے گا +

پوشاک پہننے کی عادتیں مختلف قوموں میں مختلف ہیں ہر یک قوم میں آدمیوں کی عادتیں جدا جدا ہیں۔ بعض آدمی جاڑے گرمی میں ایک ہی کپڑے پہنتے ہیں چلے کے جاڑے میں بھی ململ کے انگرکھے میں ایسی ہی گرم وہ رہتی ہیں جیسے روئی کے لبادے میں۔ عورتیں باریک دوپٹے اور دلائی میں جاڑا بسر کرتی ہیں ایک عورتیں وہ ہیں جو کاتک و پوس میں ننگے پاؤں دریا پر نہانے جاتی ہیں دوسری وہ عورتیں ہیں کہ اس موسم میں پاؤں میں موزہ اور موزہ پر جوتہ پہنتی ہیں۔ بعض قومیں پر بال اور پاؤں پر ٹوپی اور دستار۔ بعض قومیں سر گٹھا ہوا چھلا ہوا کیسروا اور پھر اس پر ننگا +

افلاطون کا قول ہے کہ سر اور پاؤں پر کوئی لباس پہننا نہ چاہئے۔ جو قدرت نے دیا ہے وہی رکھنا چاہئے۔ بعض آدمی ایک جوڑا کپڑوں کا پہنتے ہیں اور جب تک وہ چیتھڑے ہو کر بدن پر سے اتر نہیں جاتا۔ وہ دوسرا جوڑا نہیں بدلتے۔ بعض دن بھر میں چار چار دفعہ کپڑے اتارتے ہیں بعض گھر میں ننگے سر اور باہر ٹوپی پہنتے ہیں بعض اس کے برعکس عمل کرتے ہیں۔ اگر ان سب باتوں پر غور کیجیے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل انسان کا لباس وہ ہے کہ جس کا الٹا سیدھا نہیں یعنی عریانی۔ اور باقی جامے مستعار و مخترع انسانی ہیں مگر یہ بات نہ تیری ہماری عادت کے خلاف ہے ایسا شاید ہی اس کو کوئی مانے +

(۴۹) ہماری حالتوں کا یکساں نہ ہونا

باعتبار اوصاف باطنی اور کمالات روحانی کے جیسا کہ دو انسانوں میں فرق عظیم ہوتا ہے۔ ایسا دو حیوانوں میں نہیں۔ بلکہ ایک انسان اور حیوان میں نہیں ایک کو دوسری آدمی پر وہ عجیب سبقت ہوتی ہے کہ دوسری آدمی کو حیوان پر نہیں ہوتی + ارسطو افلاطون کو عقل کے اعتبار سے جو فوقیت ایک گنوار پر ہے۔ وہ گنوار کو بیل گدھے پر نہیں۔ زمین اور آسمان کے درمیان فاصلے میں اتنے گز نہیں جتنے کہ انسانوں کے طبائع و ذہنوں کے مختلف درجے ہیں۔ انسان کے عیب و صواب جانچنے کا طریقہ اور جانداروں کا سا نہیں ہے کہ چند صفات جو ان کی جنس کے ساتھ مخصوص ہیں اُن کا امتحان کر کے ان کے بُرے بھلے ہونے کا تخمینہ کر دیں۔ مثلاً گھوڑا ہے۔ اس کی طاقت اور سُم مستحکم دیکھ کر ہم اس کے اچھے بُرے ہونے کا تخمینہ کر دیتے ہیں سرکس میں جو گھوڑا تیز دوڑا اُس کی واہ واہ کا نعرہ بلند ہو گیا۔ گھوڑے کی خوبی کے دیکھتے ہیں اُس کی رفتار کو دیکھتے ہیں۔ ساز و لگام کے زرق برق ہونے کو نہیں دیکھتے گتے کی دوڑ کو دیکھتے ہیں اُس کے پٹے کے زریں ہونے کو نہیں دیکھتے۔ باز کے بازوؤں کو دیکھتے ہیں۔ اُس کی خلخال کو نہیں دیکھتے بس اسی طرح انسان کی اوصاف باطنی کیوں نہیں دیکھتے وہی اس کے اپنی نفس و ذات کے ہیں + ایک شخص کا اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے محل عالیشان بنا ہوا ہے۔ آمدنی لاکھوں روپیہ لانہ کی ہے۔ یہ ساری چیزیں خارج میں اس کے گرد ہیں۔ مگر اس کی ذات کے اندر داخل نہیں۔ اگر ہم کسی گھوڑے کو خریدتے ہیں تو پہلے اُس کی گردنی اُتارتے ہیں اور ننگا کر کے خوب اپنی آنکھیں کھول کر اُس کا رنگ۔ خوبصورتی۔ دم قدم ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھیں۔ سینہ۔ غرض تمام اعضا اُس کے جو کام کے ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں زین و چار جامہ کے تکلف سے کچھ مطلب نہیں رکھتے۔ بس اسی طرح انسان کے اوصاف کا تخمینہ کرنا چاہئے۔ اگر ایک آدمی کو دیکھو کہ وہ بھاری پوشاک زرق برق سونے چاندی میں غرق پہنے ہوئے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ ایک ایسی چیز دکھا رہا ہے جو اُس کی ذاتی نہیں بلکہ اس پوشاک نے اُن چیزوں پر جس سے اُس کا اصل حال کھلتا ہو۔ پردہ ڈال دیا ہے۔ تلوار کی قیمت و قدر اُس کے کاٹ اور دھار سے ہوتی ہے نہ نیام سے اگر دھار کری ہوئی ہو تو کم خواب کے نیام سے

کیا کام نکلے گا۔ غرض انسان کے لباس ظاہری پر اپنی بصارت کو نہ خرچ کرو۔ بلکہ اوصاف باطنی کو بصیرت سے دیکھو۔ اگر کوئی آدمی پاؤں چوبیں لگا کر بلند ہو جاوے۔ اور تم کو قد کی بلندی ناپنی ہو تو پہلے اُسے اُتار کر اور پھر کھڑا کر کے قد ناپو۔ انسان کے القاب و خطاب اور آمدنی سے قطع نظر کر کے اُس کی تنہا ذات کو دیکھو کہ جسم اُس کا تندرست و چالاک و چست ہے۔ حسین ہے اور اپنے سب کاموں کرنے کے لائق ہی جو جو استعدادیں اور لیاقتیں ہونی چاہئیں وہ رکھتا ہے اُس کے پاس جو دولت ہے اپنی گرہ کی ہے یا قرض کی ہے۔ بخت و اتفاق سے تو دولتمند نہیں ہو گیا ہے شجاع ایسا ہے کہ ننگی تلوار کے سامنے اُس کی آنکھ نہیں جھپکتی۔ اُس کو جان کی پروا نہیں۔ خواہ وہ منہ کے رستے سے نکلے۔ یا دم گھٹ کر۔ اُس کو وہ ثبات و استقلال ہے کہ اضطرار و اضطراب اُس کے پاس ہو کر نہیں گزرتا۔ غرض یہی باتیں ہیں جو انسان میں دیکھنی چاہئیں اور انہیں سے انسانوں میں باہم تمیز ہوتی ہے۔ دانشمند آدمی وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مغلوب و محکوم کر رکھا ہے۔ تمام شہوات نفسانی کے روکنے پر قادر ہے نہ افلاس سے ڈرتا ہے نہ موت کا خوف رہتا ہے۔ قید کی زنجیروں سے بھاگتا ہے۔ نہ جاہ کی چاہ رکھتا ہے اُس کا سنجیدہ دل ایک مصفّا گولا ہے کہ جس پر خارجی چیزیں نہیں ٹھہرتیں۔ ایسا شخص ریاست و سلطنت سے بہت بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ وہ خود شہنشاہ ہے۔ وہ اپنی دولت کا مالک خود ہے کوئی چیز نہیں جس کی حرص و ہوس اُس کو ستاوے۔ دولت اُس پر حملہ آور ہو۔ انسان کی بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ بدن کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ دل کو سب طرف سے راحت و اطمینان ہو۔ خوف اور افکار سے خالی ہو۔ اب اس کے مقابل میں عوام الناس میں سے کسی ایک جاہل کو دیکھو کہ احمق۔ کمینہ۔ پاجی۔ غیر مستقل۔ غصہ و غضب کے ہاتھ میں ایسا گرفتار کہ جس طرح وہ چاہیں اُس کو ہلائیں جلائیں۔ آپے سے باہر کر دیں۔ اس کے سارے کام اوروں پر موقوف۔ ان دونوں آدمیوں میں زمین و آسمان کا فرق پاؤ گے۔ مگر عادت و رسم یوں پڑ گئی ہے کہ ہم ظاہری اوصاف کو باطنی اوصاف پر فوقیت دیتے ہیں گدا و بادشاہ۔ امیر و غریب حاکم و محکوم دولتمند مفلس خیال کر کے آدمیوں کی اعزاز میں تفاوت برتتے ہیں مگر درحقیقت سوا کپڑوں کے ان میں کچھ اور فرق نہیں ہے۔ جیسے تھیٹر

رہ تماشا گاہ میں۔ ابھی ایک شخص بادشاہ اور وزیر بن کر آتا ہے تھوڑی دیر کے بعد پھر وہ
اصلی حالت میں خود بھکار کی صورت میں ہو جاتا ہے بس ایسا ہی حال دنیا کا ہے کہ اس میں شہنشاہ
جو ہیکلوں ریشمی لباس ایسا پہنے ہوئے ہیں کہ آسمان کے ستاروں کا سماں دکھاتا ہے۔ زیور و زیب
بدن ہیں کہ جن کے زمرد سونے میں جڑے ہوئے آنکھوں کو چکا چوند لگاتے ہیں ۔ وہ بوجھ کے
نیچے دبے ہوئے ہیں اور ناجائز عشق سے غم میں پھنسے ہوئے ہیں اپنے احباب اٹھا دو تو سوار
اس کے تم نہ دیکھو گے کہ وہ ایک معمولی آدمی ہے اس کی رعایا میں سے کمینہ سے کمینہ جو آدمی ہے شاید
اس سے بھی وہ بدتر ہے۔ انسان کی اصلی خوشیاں باطنی ہیں یہ جھوٹی خوشیاں ظاہری ۔۔
کم ہمتی۔ تلون۔ حرص۔ کینہ۔ حسد۔ اس کو ایسا ہی پریشان کرتی ہیں جیسے کہ اور بادشاہ کو۔ اس واسطے
خزانہ انور لشکر عظیم دل کے کم بخت جھگڑوں کو چکا سکتے ہیں نہ زریں جیتیں دل کے افکار اور ترددوں کو
بھگا سکتی ہیں ہزاروں سپاہ میں وہ کھڑا ہو تو بھی اس پر تردد اور خوف حملہ کرتے ہیں انسان کے
پیچھے جو ترددات اور خوف لگے ہوئے ہیں وہ ہتھیاروں کی چمک دمک سے نہ تیروں کی نوک
سے ڈرتے ہیں نہ بادشاہوں کے شاہانہ زریں ارغوانی لباس کا ادب کچھ کرتے ہیں وہ اس سے
ہم آغوش ہوئے بغیر رہتے نہیں کیا وہ اپنی بادشاہی کے سبب سے۔ بخار۔ نقرس۔ صرع کی بیماریوں
سے بہ نسبت اوروں کے زیادہ بچ سکتا ہے کیا اس کے بڑھاپے کی سرگرانی کا بوجھ اس کے سپاہی اپنے
سر پر لے کر ہلکا کر سکتے ہیں؟ کیا موت کے خوف کو جب اس پر طاری ہو اس کے مشیر و وزیر
تسلی و تشفی دے کر دور کر سکتے ہیں؟ جب اس کے دماغ میں حسد یا کوئی اور حرص چڑھتی ہے تو کیا
بہت سے آدمیوں کے مجرے اور کورنش اور بڑی بڑی تعظیمیں خوش مزاج بنا سکتی ہیں؟ کیا تاج زریں
اور تخت سیمیں اس کے قولنج کا علاج کر سکتے ہیں؟ کیا کوئی عمدہ پلنگ پر عمدہ چادر اوڑھنا بخار کو کم
کر سکتا ہے۔ بخار کے نزدیک دوشالہ اور کمبل دونوں برابر ہیں۔ سکندر اعظم کے خوشامدی درباریوں
نے اس سے کہا کہ آپ مشتری دیوتا کی اولاد میں سے ہیں جب وہ ایک دن زخمی ہوا تو اس نے
کہا کہ میرے بدن میں سے تو وہی سرخ خون نکل رہا ہے جو اور آدمیوں کے بدن سے نکلا کرتا ہے

یہ خون وہ نہیں ہے جو دیوتاؤں کا ہوتا ہے۔ ایک اور بادشاہ کی تعریف میں ایک شاعر نے کہا۔ کہ آپ سورج کے پسر ہیں اُس نے کہا کہ جو شخص میری بغل کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اُس سے پوچھ کہ یہ بات غلط ہے (اگر وہ ایسا ہوتا تو پاس کا بیٹھنے والا جل جاتا) غرض بادشاہ بھی آدمی ہوتا ہے اگر فطرت نے اُس کو بدصورت پیدا کیا ہے تو سارے عالم کی سلطنت اُس کو خوبصورت نہیں بنا سکتی پریاں اُس کے تخت کو اٹھائیں — قدم قدم پر گل و گلزار لگا دیں۔ تو بھی اُس کی صورت نہیں بدل سکتی۔ اگر وہ احمق ہو تو ایسے ہی یہ چیزیں دانشمند نہیں بنا سکتیں عیش و عشرت اقبالمندی کا بھی لطف بغیر طاقت اور فہم کے نہیں اٹھ سکتا مثل مشہور ہے جیسی روح ویسے ہی فرشتے۔ چیزوں کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اُن پر قبضہ رکھنے والوں کا دل ہوتا ہے اگر اُن کو درست طور سے کام میں لاؤ تو اچھی ہیں اگر بری طور سے کام میں لاؤ تو بری ہیں کسی چیز کا مزا جب ہی آئیگا کہ زبان کی قوت ذائقہ درست ہوگی دولت کا مزہ جب ہی آئیگا کہ اچھی طرح اُس کو کام میں لانے کی عقل ہوگی۔ کسی چیز کا قبضہ ہم کو خوش نہیں کرتا۔ بلکہ اُس سے متمتع ہونا ہم کو لذت دیتا ہے زمین کی ملکیت اور چاندی سونے کے ڈھیر کا ایک تپ زدہ مالک کیا احتظاظ اٹھا سکتا ہے۔ کیا وہ اُس کے بخار کو کم کر سکتے ہیں اِن کی لذت تو جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اُن کا مالک صحیح المزاج اور تندرست ہو۔ جو شخص طامع اور خائف ہو۔ اُس کی اپنی زمین اور اپنا گھر ایسا ہی ہے جیسے کہ اندھے کے لئے تصویر جب زبان ہی سے قوت ذائقہ زائل ہو گئی ہو تو ہرن اور لوی کے گوشت میں کیا مزہ آئیگا نیم کے پتے اور قند دونو برابر ہیں ایسے ہی جس شخص کی عقل سلب ہو گئی ہو اُس کو دولتمندی کا کیا مزہ حاصل ہوتا ہے۔ اُس پاس دولت کا ہونا ایسا ہی جیسے گھوڑے کے پاس زین سیمیں و زریں کا ہونا۔ جو اُس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔ افلاطون کا یہ اچھا قول ہے کہ صحت۔ حسن۔ قوت۔ دولت۔ اور سب چیزیں جو اچھی بتلاتے ہیں وہ منصف آدمی کے لئے اچھی اور غیر منصف کے واسطے بری ہیں اور اس کے بالعکس بری چیزوں کا حال ہے کہ غیر منصفوں کے واسطے اچھی اور منصفوں کے واسطے بری۔ اسی واسطے جہاں جسم اور روح دونو مرض میں گرفتار ہوں وہاں یہ خارجی سامان اور اسباب آرام کام نہیں دیتے ایک سوئی کی نوک کا چبھنا اور دل میں ذرا سا بھی غصہ کا آنا بادشاہ عالم کی

عیش کو منغص کرنے کے لئے کافی ہی۔ اگر غصہ آئے تو کیا بادشاہ ہونا اُس کے چہرہ کے لال پیلے
ہونے کو روک سکتا ہے کیا وہ دیوانے کی طرح دانتوں کے کچ کچانے سے باز رہ سکتا ہی۔ جو شخص طبع
سلیم اور ذہن مستقیم جسم تندرست رکھتا ہی۔ اُس کو بادشاہی کا حاصل ہونا زیادہ خوش نہیں کرتا۔ اگر
کسی شخص کا معدہ صحیح ہو۔ پاؤں اور پھیپھڑا درست اور منتظم ہوں تو پھر اُس کو خوش ہونے کے واسطے
شاہانہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ شاید اُس کی رای شاہ سلیوکس کی سی ہوگی۔ جو یہ تھی کہ عصاے شاہی کی
وزن کو جو شخص جانتا ہے اگر اُس کے سامنے بھی وہ پڑا ہوگا تو اُس کے اُٹھانے کے لئے نہیں جھکے گا اچھے بادشاہ
کو فرائض سلطنت ایسے ہی تکلیف دیتے ہیں سچ ہے کہ جب ہم کو اپنی ذات پر حکومت کرنی دشوار ہو تو
اوروں پر حکومت کرنی کیوں نہ زیادہ مشکل ہوگی۔ فرماں روائی انسانوں کو سبز باغ دکھا کر
اپنی طرف کھینچتی ہے مگر انسان کی رای ایسی ضعیف و نازک ہے کہ نئی اور مشتبہ چیزوں میں اپنی کرنا
اُس کو مشکل ہے۔ یہ بات نہایت آسان ہے کہ ہم خود پیشوا نہ بنیں۔ بلکہ پیرو ہوں۔ اس سے دل آرام
چین اور آرام سے رہتا ہی کہ ہم کو ایک ہی رستہ ایسا چلنے کے لئے مل جاے کہ جس میں کسی کی باز پرس کا
خوف سواے اپنے نفس کے نہیں ہو۔ چپ چاپ اطاعت اختیار کرنا حکم دینا چاہنے سے بہتر ہے۔
کیخسرو کا یہ مقولہ ہے کہ تمام رعایا میں جو سب سے زیادہ عاقل ہوشیار قابل ہو وہ بادشاہ بننے کے
لائق ہوتا ہی۔ نیرو بادشاہ کہا کرتا تھا کہ عیش و عشرت سے جیسی رعایا لذت یاب ہوتی ہے
ایسے بادشاہ نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ اپنے مرضی کے موافق بادشاہوں کو سامان عیش کے مہیا کرنے کے موقع
اور آسانیاں ایسی نہیں ہیں کہ وہ اُن خوشیوں سے محروم ہو جاتے ہیں جو رعیت کو حاصل ہوتے ہیں وہی
عشق بازی ان کی جو ایک قرار پر نہیں رہتی ایسی ایذا رساں ان کے لئے ہو جاتی ہے جیسے معدہ کے
واسطے بے نمک گوشت بد ہضمی کے سبب سے۔ گویوں کے طائفہ میں کوئی کو گانا سننے میں اُس سے
زیادہ مزہ نہیں آتا جو سننے والے کو آتا ہے۔ ڈھولک کے مجلسوں کی۔ رقص و سرود کے محفلوں کی۔ سانگ کے
ہنگاموں کی کشتی کے دنگلوں کی۔ اور پٹے بازی کے اکھاڑوں کی جب کثرت ہو جاتی ہی تو اُن کا
دیکھنا اجیرن ہو جاتا ہی اور بار بار دیکھنے سے ایسا دل پھر جاتا ہے کہ اُن کی طرف دیکھنے کو جی نہیں چاہتا

مزہ اور لطف آنا تو درکنار۔ ان کے دیکھنے کا دل جب ہی مشتاق ہوتا ہے کہ وہ گات ملے ہوں جب تک آدمی پیاسا کچھ دیر تک نہ رہے پانی پینے میں مزہ نہیں آتا۔ نٹوں کے تماشے میں دیکھنے والوں کو لطف آتا ہے وہ خود تو تھک کر چکنا چور ہو جاتے ہیں امرا اور بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی امیری کی حالت سے ایسے سیر ہو جاتے ہیں کہ بھیس بدل کر غریبوں کی طرح بود و باش کرنے سے خوش ہوتے ہیں امیر اور دولتمند اپنے خوان پر الوان سے ایسے سیر ہو جاتے ہیں کہ وہ غریب آدمیوں کے کھانوں کو جس میں نہ دسترخوان کا نہ مکان کا تکلف ہوتا ہے بہت کشادہ پیشانی سے کھاتے ہیں ہر چیز کی افراط اس کو بے لطف اور گراں خاطر کر دیتی ہے۔ اگر کسی امیر کے محل میں تین سو عورتیں بھری پڑی ہوں تو وہاں کیا خواہش نفسانی کو پریشانی ہوگی۔ اس کو شکار کا مزہ کیا آئیگا جو سات ہزار باز لے کر شکار کو جائے۔ امرا کے پیچھے ایک اور کم بختی لگی ہوتی ہے کہ وہ ایسے کھلے میدان میں بیٹھے ہوتے ہیں کہ ہر شخص کی نظر ان پر پڑتی ہے۔ ان کی ذرا ذرا سی بات کا گھر گھر چرچا ہوتا ہے۔ وہ ایسی بلندی پر جا گزین ہوتے ہیں کہ کسی سے اپنی حرکات کو چھپا نہیں سکتے۔ وہ اگر ذرا سا بھی نامناسب کام کرتے ہیں تو لوگ ان کے بیان کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں رعایا ان پر عیب گیری کا اپنا حق سمجھتی ہے۔ ان کی ذرا سی بات کا افسانہ بنا دیتی ہے ۔ افلاطون نے قہرمان فرمانروا کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ اپنے شہر میں جو کام چاہے اپنی مرضی کے موافق کرے اس کو کوئی روک نہ سکے۔ اس سبب سے اس کے بری کاموں کی شہرت جو شرارت انگیزی کرتی ہے وہ سب کی خود برے کام نہیں کرتے ۔

ایک بادشاہ بادشاہی کی مصیبتیں یہ بیان کرتا ہے۔ کہ دنیا کی آزادانہ سیر بادشاہ نہیں کر سکتے۔ اپنی ریاست و مملکت میں قیدیوں کی طرح مقید ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ آدمی گھیرے رہتے ہیں بادشاہ ہنسو کہا کرتا تھا کہ بادشاہوں کا حال بعض لحاظ میں تو گدھوں سے بد تر ہے گدھوں کو ان کے مالک رات کو فرصت دیدیتے ہیں کہ جہاں چاہیں چریں مگر بادشاہوں کو تو کسی وقت بھی فرصت اور فراغت آدمیوں کے گھیرے رہنے سے نہیں ہوتی۔ نیز یہ کہتا تھا کہ بادشاہوں کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ وہ دوستی کا امتحان وہ کیونکر کر سکتا ہے جب کہ یہ نہ معلوم ہو سکے کہ یہ کام کسی نے محبت کے سبب سے کیا۔ یا اطاعت کے

خیال سے اطاعت تو سب پر بادشاہ کی لازم ہے خواہ اچھا ہو یا برا ہو۔ جو تعظیم و تکریم بادشاہوں
کی کیجاتی ہیں وہ مراسم کے موافق ہوتی ہیں کچھ بادشاہ کی خاص ذات سے ان کو تعلق نہیں ہوتا۔
بادشاہ کا معاہدہ دوستی کا کسی سے ہو نہیں سکتا۔ ہاں تو حاکمی اور محکومی اور غالب و مغلوبی اور
آقائی اور ملازمت کا تعلق ہوتا ہے غرض بادشاہ کے گرد جتنی چیزیں ہوتی ہیں وہ اوپری لباس و ملمع
میں ہوتی ہیں اصل حقیقت ان کی کھلتی نہیں اہل دربار نے جب شہنشاہ جولیس کی تعریف کی کہ حضور بڑے
عادل ہیں اس نے کہا کہ میں تمہاری اس تعریف کا جب اعتبار کروں کہ اگر میں کوئی ظلم کا کام کروں کہو کہ تو
بڑا ظالم ہے بادشاہوں کو یہ بڑا فائدہ ہے۔ کہ جو کچھ وہ کہیں یا کریں رعایا پر ان کی فقط اطاعت ہی
لازم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی تعریف کرنی بھی ضرور ہوتی ہے ع اگر شہ روز را گوید شب است این
بباید گفت اینک ماہ و پروین ؛ غرض نظر غور سے دیکھئے تو بادشاہوں اور امیروں کو وہی فائدے
حاصل ہیں جو غریبوں اور ذلیل سے ذلیل آدمیوں کو جیسے غریب سمجھتے ہیں ویسے وہ سوتے ہیں کوئی نئی نیند
ان کی ہوتی نہیں کھانے میں ایک پنہاری کو اپنی سوکھی روکھی روٹی میں جو مزہ آتا ہے۔ وہی بادشاہ کو
اپنے دسترخوان پر الوان میں جس پر ہزاروں نعمتیں چُنی جاتی ہیں ملتی ہیں عیاشی اور خواہش طبعی کی
کیفیت میں اسی لوہے کے ہتھیار اور سپاہیوں کے پاس ہوتے ہیں۔ جس کے بادشاہوں کے پاس ہوتے
ہیں۔ ان کا تاج ان کو نہ دھوپ سے بچا سکتا ہے نہ مینہ سے +
شاہ پیرس نے جب ملک اٹلی کے فتح کا ارادہ کیا تو اس کے ایک مشیر نے پوچھا کہ آپ یہ شاہانہ تیاریاں
کن ارادوں کے لئے کر رہے ہیں بادشاہ نے جواب دیا کہ ملک اٹلی کے فتح کے ارادہ سے۔ اس نے کہا
کہ پھر اس کے بعد کیا ارادہ ہے بادشاہ نے جواب دیا کہ پرتگال اور اسپین کی فتح کا ارادہ ہے۔ اس نے
کہا پھر اس کے بعد۔ بادشاہ نے کہا کہ افریقہ کے تسخیر کرنے کا۔ اس نے کہا پھر اس کے پیچھے بادشاہ نے کہا
کہ امن و عافیت کے ساتھ بیٹھ رہنے کا اور اللہ اللہ کرنے کا ارادہ ہے اس مشیر عاقل نے کہا کہ یہ کام
جو بعد کشتی اور زحمت اٹھانے کے بعد آپ کریں پہلے ہی سے کیوں نہیں کرتے +
سچ ہے کہ لوگ نہیں جانتے کہ دنیا میں چیزوں کے حاصل کرنے کی مناسب حدیں کیا ہیں اور کس حد تک

اصل خوشی اور مسرت حاصل ہوسکتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر شخص اپنی قسمت آپ بناتا ہے کامیابی کو اپنے سے منسوب کرتا ہے اور ناکامی کو تقدیر سے +

(۵۰) بو و خلق۔

خوش اخلاقی کو خوشبو سے تشبیہ دیتے ہیں یعنے جیسی کہ راحت روح کو خوشبو پہنچاتی ہے۔ ایسے ہی خوش خلقی سے آدمی کو راحت پہنچتی ہے۔ بعض آدمیوں کا اخلاق ہی خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا جسم بھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کے پسینہ میں عطر کی خوشبو آتی ہے۔ انسان کے جسم کی بڑی تعریف یہ ہے کہ اس میں کوئی بو نہ ہو۔ وہ شخص بڑا پاکیزہ نفس ہوتا ہے کہ جس کے بدن میں کوئی بو نہیں ہوتی +

جو لوگ عطر اپنے بدن پر زیادہ تر لگاتے ہیں ان پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کے جسم میں سے بدبو آتی ہے۔ اس عیب کے چھپانے کے واسطے وہ عطروں میں جسم کو بساتے ہیں ایسے لوگ جب ایک شخص پر ہنسنے لگے کہ تو عطر نہیں لگاتا۔ تو اس نے کہا کہ میرے بدن میں سے کوئی بو نہ آئے۔ میں اسی کو اپنے بدن کا معطر ہونا جانتا ہوں بعض آدمی خوشبو پر جان دیتے ہیں ان بدبو سونگھنے کی ذرا برداشت نہیں ہوتی۔ بعض کی قوت شامہ ایسی تیز ہوتی ہے کہ کسی کی بغل کی اور پکی ہوئی پھنسی کی بو ایسی دور سے سونگھ لیتے ہیں کہ جیسے کہ کتا چھپی ہوئی کتیا کی۔ جو بوئیں قدرتی ہیں اور تیز نہیں ہیں ان کا کیا کہنا ہے سبحان اللہ۔ عورتوں کو انھیں کا استعمال چاہئیے۔ خوشبو کا ملنا زیادہ تر عورتوں ہی کا کام ہے وحشی قوموں میں بھی عورتیں ان خوشبوؤں کا استعمال کرتی ہیں تاتاری عورتیں خوشبودار مصالح جو ان کے ملک میں پیدا ہوتا تھا اپنے سارے بدن پر ملتی تھیں جب بیاہی جاتی تھیں تو اس کا ابٹنا لگاتی تھیں +

بعض آدمیوں کو خوشبو اتنی پسند ہے کہ وہ افسوس اور شکایت کرتے ہیں کہ نیچر نے کوئی ایسی چیز نہ بنائی کہ وہ ہماری ناک میں ہمیشہ خوشبو پہنچاتی رہتی۔ مگر یہ ان کی شکایت بیجا ہے۔ موچھیں ایسی ہیں کہ ان کو عطردان جو چاہے بنالے۔ خوشبو ان کو لگا دے تو ناک کو ایسا ہی معطر رکھینگی جیسے کہ عطردان +

خوشبوؤں سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ ہوا کی تعفن اور سمیت سے آدمیوں کو محفوظ رکھتی ہیں اور امراض وبائی میں مبتلا نہیں ہونے دیتیں ان کے سبب سے خلیفہ منصور کے عبادت کے لئے جانے میں جو ہوا کی عفونت کا اثر

دماغ پر ہوتا ہے وہ نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جو مکان خوشبو سے مہکتے رہتے ہیں اور
جو آدمی عطروں میں بسے رہتے ہیں اُن کو وبائی امراض نہیں ستاتے اسی ہیضہ کے دنوں میں گھروں کو
کافور کی بو سے اور لوبان کی دھونیوں سے مہکاتے ہیں طبیب بھی خوشبو سے اپنے کام نکالتے ہیں۔
مریضوں کی روح میں تازگی پیدا کر دیتے ہیں اکثر معابد میں بخور کا استعمال ہوتا ہے جن کی خوشبو سے
عابدوں کا دماغ معطر ہوتا ہے حواس میں تازگی آتی ہے خدا کا خیال زیادہ پاکیزگی کی ساتھ ہوتا ہے
بورچی کھانوں کو خوشبوؤں سے معطر کرتے ہیں بعض دفعہ مشک و عنبر کھانوں میں پڑتے ہیں جن کی قیمت
کھانوں کی قیمت سے بھی زیادہ ہوتی ہے جس وقت ایسے کھانے دسترخوانوں پر چنے جاتے ہیں تو سارا
مکان کیا گلی تک مہک جاتی ہے۔ کھانے والوں کو قوت ذائقہ ہی اکیلی لذت یاب نہیں کرتی بلکہ قوت شامہ
بھی روح کو راحت پہنچاتی ہے +

(۵) الفاظ کی طمطراق اور فصاحت۔

پہلے زمانہ میں فصحانے فصیح کی یہ تعریف کی ہے کہ جس کو یہ ملکہ ہو کہ ادنیٰ مضمون کو اعلیٰ مضمون بنادے
چھوٹی بات کو بڑا۔ یہ فصیح کیا ہوا۔ ایسا موچی ہوا کہ چھوٹے پاؤں کی بڑی جوتی بنا دے +
بعض نے فصاحت کی یہ تعریف کی کہ وہ کسی کام کے واسطے بہت سے آدمیوں کو ترغیب دے کر آمادہ کر دے +
سقراط اور افلاطون نے یہ تعریف کی کہ فصاحت ایک فن خوشامد کرنے اور فریب دینے کا ہے فصحا اس تعریف
سے گو انکار کریں مگر تمام احکام جو ان کی فصاحت سے چلتے ہیں وہ اُسے ثابت کرتے ہیں گو فصاحت
اور فصیح کی کچھ تعریف کی جائے۔ مگر فصحا کا زمرہ ہمیشہ دنیا میں معزز رہا ہے۔ حکومت جمہوری میں تو انھوں نے
وہ کارہائے نمایاں کئے ہیں جو یادگار زمانہ ہیں بہت سے جھگڑے فساد خانہ جنگیاں معاملات کی پیچیدگیاں سب
انھوں نے تیغ زبان چلا کر ایسے فیصلہ کر دئیے کہ تلوار چلانے سے نہ ہوتے۔ روم کی حالت جس وقت نہایت تباہ
تھی اور سیکڑوں ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں ان فصحای سحر بیان ہی کا کام تھا کہ اُن کو بالکل مٹا دیا
سلطنت شخصی میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی اس لئے ایران میں کوئی شخص ایسا فصیح بیان نہیں پیدا ہوا کہ اس نے
اپنی فصیح بیانی سے عوام کو کسی کام کے لئے آمادہ کیا ہو جیسے امراض کے واسطے طبیبوں کی ضرورت ہے ایسی ہی

سلطنت جمہوری میں فصحا کی حاجت ہے عوام الناس میں یہ قدرتی بات ہے کہ کانوں میں وہ باتیں جو آگ کی طرح جاتی ہیں اُن کے دل پر اثر کرتی ہیں۔ گو ان میں صدق اور حق کچھ بھی نہ ہو۔ بس فصاحت تقریر کا اثر ایسے لوگوں پر جب تک ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم اچھی طرح نہیں کی جاتی۔ ان کی عادت میں داخل ہوتا ہے کہ جہاں کسی نے چکنی چپڑی باتیں بنائیں وہ اُس کے دم میں آگئے۔ ہر پیشہ والے کو اپنے کام میں باتیں بنانی بہت آتی ہیں (۱) ایک ہیں بورچی سے باتیں کیجئو تو وہ سیکڑوں کھانے ایسے تو لگی بنا کے کہہ دیگا کہ آدمی کی اشتہا کی اتنی قسمیں ہیں یہ کھانا اس کھانے کے بعد اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کھانے اس ترتیب سے کھائے جائیں تو ان میں مزہ خوب آتا ہے۔ پھر پکانے کی ترکیبیں سُنئے تو اس سنجیدگی اور متانت و فصاحت سے بیان کریگا کہ یہ معلوم ہوگا کہ کوئی مسئلہ حکمت یا وعظ یا کوئی معاملہ ملک داری بیان کر رہا ہے جو شخص وہ باتیں کسی اور قسم کی ٹھیک نہیں بیان کرسکتا وہ اپنے کام میں باتوں کا تار لگا دیتا ہے۔ غرض یہ الفاظ کی طمطراق گو حق اور راستی سے دور ہوتی ہیں مگر دنیا کے کام انہیں سے خوب چلتے ہیں

(۵۲) عظمت جاہ وجلال نیک کام نیک نام کی

دنیا میں اشیا و اسما ہیں اسم سے مسمّی مفہوم ہوتا ہی یعنی وہ شے جس کا نام وہ ہی۔ اسم شے کا جوہر نہیں ہوتا بلکہ عرض ہوتا ہے یعنے شے کی ذات کا وہ حصّہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک خارجی امر اُس کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے +

خدا تعالیٰ کی ذات کو وہ اعلیٰ کمال حاصل ہے جس پر افزایش کا خیال نہیں ہوسکتا یعنی اُس کے کمال پر کسی اور کمال کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔ مگر ہاں اُس کے نام پر اضافہ ہوسکتا ہی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے جو ظاہری کام ہیں جنسے ہم نعمتیں اور برکتیں پاتے ہیں اور اُن کی تعریف کرتے ہیں اُن کو اُس کے نام پر بڑھا سکتے ہیں اسم صفات۔ رازق۔ رحیم۔ رحمان وغیرہ اُس کے اسم ذات پر جتنے چاہیں بڑھا سکتے ہیں جب ہم اُس کی ذات کامل الصفات میں جس میں کسی خوبی کی افزایش کو دخل نہیں ہے۔ کسی خوبی کی افزایش نہیں کرسکتے۔ اُس کے نام کی تمام صفات لگاتے ہیں جو اُس کی ذات سی خارج ایک حصّہ ہے اِس سے معلوم ہوتا ہی۔ کہ عظمت جلال خدا ہی کی ذات سے مخصوص ہے

اگر آدمی خواستگار اُس کا ہو تو اُس سے زیادہ کوئی احمق نہیں بیچارے انسان کا مقدور کیا ہے۔ عاجز۔ مسکین۔ محتاج۔ ناقص ہر وقت اُس کو یہ ضرورت رہتی ہے۔ کہ وہ اپنا حال بہتر بنانے اور اپنی بہبودی کے لئے ہمیشہ سعی کرے۔ وہ اندر سے کھوکھلا خالی ہے۔ اُس کو ہوا اور آواز سے اپنے تئیں پُر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی منفعد مادہ سے بھرنے کی حاجت ہے جس سے کہ اُس کی اصلاح ہو۔ انسان پر اول جستجو اُس چیز کی لازم ہے۔ جس کی حاجت زیادہ ہو۔ اگر کوئی شخص بھوکا مرتا ہو تو بڑا احمق وہ جو خوراک سے زیادہ قیمتی پوشاک کی تلاش میں سعی کرے۔ حوائج ضروری کا بہم پہنچانا سب کاموں پر مقدم ہے۔ اِس لئے ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ زیادہ ضرورت بیشک اوصاف باطنی کے بہم پہنچانے کی ہے۔ یا آرائش و زیبائش ظاہری کی جس سے ہماری نگاہ عظمت و شان ظاہر ہیں ہوتی ہے۔ کون اِس سے انکار کریگا کہ سب سے مقدم ضروریں یہ ہیں۔ صحت۔ نیکی۔ حکمت۔ حسانت۔ بہم پہنچانے میں پس اول ان ضرورتوں کو رفع کرنا چاہیئے بعد اس کے زیب و زینت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

(۵۳) عظمت و شان پر جو انسان مرتا ہے تو اُس کا سبب یہ ہے کہ بہت سے اسباب آرام جان ایسے ہاتھ لگتے ہیں۔ کہ لوگ ہم کو پسند کرتے ہیں ہماری تعریف کرتے ہیں۔ اوروں کے طعن و طنز سے زیادہ بچائے ہیں۔ بعض حکما اس عزت و شان کو اسی سبب سے بُرا کہتے ہیں کہ ان کا یہ مذہب ہے کہ انسان کی تمام خوشیوں میں وہ خوشیاں سب سے بدتر اور نفرت کے قابل ہیں جو اوروں کی پسند پر موقوف ہوں۔ یہ اوروں کی پسند اور تعریف کی خواہش ہماری واسطے بہت بلند بلندیاں کھڑی کر دیتی ہیں۔ ہم کو خوشامد پسند بناتی ہیں جس کے سبب ہم پر خوشامدی مسلط ہو جاتے ہیں اور سلاطین اور امرا کے ہاں بڑے صاحب اختیار اور اعتبار ہو جاتے ہیں اور ان کے حق میں زہریلی کانٹے بوتے ہیں وہ بہت سی صاحب عصمت عورتوں کو خوشامد و تعریف کر کے پھسلا لیتے ہیں اور اُن کو خراب خستہ کرتے ہیں بعض حکما اور اکثر فقرا کا مقولہ ہے کہ دنیا کی عظمت و شان اس قابل نہیں ہے کہ کوئی عاقل اُس کے حاصل کرنے کے واسطے اپنی انگلی بھی ہلائے۔ ابی کیوریس کے

معقولات اعظم میں سے یہ ایک معقولہ ہے کہ تو اپنے تئیں چھپا - پس اس حکم میں یہ امر داخل ہے کہ ہم سوا
اپنی ذات کے اوروں سے تعلق نہ رکھیں اور اوروں کو اپنے تئیں نہ پہچنوائیں درحقیقت وہ اس حکم سے
ہم کو منع کرتا ہے کہ ہم جمہور کی ذمہ داری کے کاموں اور عہدوں کو اپنے ذمے لیں جن کے
پسند کے موافق کام کرنے سے عزت اور عظمت ہم کو حاصل ہوتی ہے۔ اُس نے عزت و شان کی ذلت
مان لی ہے جس کے سبب سے وہ ہم کو منع کرتا ہے کہ معزز و مکرم نہ ہوں +

اور اسی طرح کی ایک اور حکیم نصیحت کرتا ہے کہ تم کسی عنوان اپنے کاموں کو باقاعدہ اور منضبط اس لئے
نہ کرو کہ شہرت عام ہو۔ ہاں اس صورت میں کہ ایسے اتفاق پیش آئیں کہ تمھاری اور آدمی ایسی
تحقیر کریں جس سے تم کو تکلیف ہو +

گو یہ اوپر کی تقریریں حکما کی صحیح اور عقل کے موافق معلوم ہوتی ہوں۔ مگر خود ان میں دو رنگی
موجود ہے اس لئے کہ وہ جس بات کو کہتے ہیں کہ ہم یقین کرتے ہیں وہ درحقیقت یقین نہیں کرتے
اور جس چیز سے کہتے ہیں کہ ہم نفرت رکھتے ہیں اُسی سے رغبت رکھتے ہیں یعنے گو زبان سے کہتے ہیں کہ دنیا کی
عزت و عظمت نفرت کے قابل ہے۔ مگر وہ خود ایسے کام کرتے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو
اُس کی طرف رغبت ہے + چنانچہ ہی اپی کیورس جس کا مقولہ اوپر نقل کیا گیا ہے جب مرنے لگا
تو بوقت مرگ یہ خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس وقت گو مجھ کو پتھری مثانہ کے سبب سے بہت تکلیف ہے
مگر میری روح کو اس سے مسرت ہے کہ میں نے کیسے کیسے مسئلے و مقولے ایجاد کئے - میرے پیدا
ہونے کی سالگرہ ہمیشہ کی جاوے - اور اس میں میرے سارے دوستوں اور مشہور آدمیوں کی دعوت
کی جاوے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اپنے مرنے کے بعد اپنی نیک نامی اور شہرت کا خیال نزع
کی حالت میں خوشی دیتا تھا اور بقاء نام کا یہ خیال تھا کہ سالگرہ کے لئے وصیت کی - غرض جو حکیم یا
فقیر دنیا کی جھوٹی عزت و جاہ کو باد ہوا بتاتے ہیں وہ خالی منافقانہ باتیں بناتے ہیں - جو
زبان پر ہوتا ہے وہ دل میں نہیں ہوتا +

(۴۵) بعض ارباب حکمت اوپر کی رای کے بالکل برخلاف رای دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عزو شان کو

[illegible] کی خاطر چاہنا چاہئے۔ وہ بہ مرکب ہاری فطرت کا [illegible] اور [illegible] کا [illegible] ہے۔ [illegible]
سے عام [illegible] ہے۔ اس لئے کہ انسان کی طبیعت کا میلان [illegible] ہے۔ [illegible]
اور لذت دونوں کو [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] کو [illegible]
[illegible] کہ انسان کے اسباب [illegible] عزت کا [illegible] اول ہے۔
[illegible] کی رای یہ ہے کہ [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible]
[illegible] کہ اس کو حکیم [illegible] کے [illegible]
نیک کام کرنی [illegible] نہیں جب تک [illegible] ان سے شہرت عام [illegible] نام [illegible] ہو [illegible]
ہو دل ہے اس کے کاموں کے [illegible] منضبط کرنے کی حاجت [illegible] جب تک کہ وہ دوسرے
علم میں [illegible] اس رائے کے [illegible] ایسی بدکاری کی اجازت [illegible] ہے۔ جو سلیقہ و ہوشیاری
بدکاری کے سبب سے لوگوں پر کھلتی نہیں [illegible] روپیہ بغیر کسی گواہ کے
امانت رکھا جائے تو اس کو [illegible] ہو گا۔ اس [illegible] کہ اس کا اظہار اوروں پر
نہیں ہوتا۔ یوں بہت [illegible] کو اطمینان ہو گا کہ عدالت
سزا نہیں دیگی۔ [illegible] ہیں۔ کبھی بے [illegible] کے [illegible]
ہیں۔ ان کا حال [illegible] کہ وہ بھی [illegible] چلتا ہے اور اس سے زیادہ [illegible]
ہو جاتا ہے غرض اتفاقی شہرت کبھی [illegible] ہے پس نکوکاری نیک نامی کے
حاصل ہونے پر منحصر کرنا اس کو بخت و اتفاق کے [illegible] دینا ہے۔ جس سے نیکی کا خود وجود
[illegible] نہیں قائم رہتا۔ وہ بخت و اتفاق پر قائم [illegible] ہے۔ اس لئے نکوکاری اپنے اعلیٰ درجہ سے
[illegible] درجہ پر آجاتی ہے۔ نکوکاری [illegible] خدا پر یا اپنی کوشش پر نظر رکھنی چاہئے کہ [illegible]
ہے خواہ کوئی اس کو اور دیکھے یا نہ دیکھے [illegible] کی پروا نہیں کرنی چاہئے اس [illegible]
اور جاننا بخت و اتفاق پر موقوف ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی نیک کام نہیں ہے جب تک نیکنامی
نہ ہو۔ شجاعت وہیں کام میں [illegible] چاہئے جہاں شہرت حاصل ہو۔ غرض جو نیکی نیکنامی کو مقدم

سمجھتے ہیں اُن کو یہ جاننا چاہیے کہ بخت و اتفاق سب چیزوں پر حکمراں ہے وہ اپنی مرضی کے موافق جسے چاہتا ہے آگے چلاتا ہے جب چاہتا ہے پیچھے ہٹاتا ہے۔ یہ کام اُس کا عدل و انصاف کے ساتھ نہیں ہوتا۔ پس شجاعت کو وہاں کام میں لانا جہاں اُس کے دیکھنے والے ہوں اُس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی اپنے تئیں جان جوکھوں میں جھونکنا نہیں چاہئے۔ لڑائیوں میں جہاں ایک ہنگامہ برپا ہوتا ہے کس کو اپنے کام سے ایسی فرصت ملتی ہے کہ وہ تمھاری بہادری کو دیکھ کر اُس کی شہادت دیگا کہ میں اپنے کام سے غافل ہو کر تمھارے کام دیکھتا تھا۔ ہزاروں موقعے ایسے پیش آتے ہیں کہ جہاں بڑے بڑے بہادروں کے مردانہ کام دفن ہو جاتے ہیں سچی اور عاقلانہ عظمت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جو شجاعت صحیح ہوتی ہے وہ اپنے کاموں میں جلوہ دکھاتی ہے نہ عزت کے حاصل کرنے میں۔ یہ بخت و اتفاق [illegible] ہے کہ قیصر و سکندر کی بے حد و نہایت شہرت ساری دُنیا میں پھیل گئی۔ ورنہ ہزاروں [illegible] لاور شجاع ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے اپنا کام سکندر و قیصر کی عالی ہمتی اور اولوالعزمی [illegible] تھا۔ مگر اپنے کام کے آغاز میں ہی ان کا خاتمہ بالخیر ہو گیا یہ سارے ارمان دل کے [illegible] ناشاد نامراد خاک میں مل گئے۔ کسی نے نہ پوچھا کہ تم کون تھے کیا تھے کیا کرتے تھے۔ قیصر [illegible] خطرہ ہولناک مقاموں میں جا کر سلامت نکل آیا۔ زخمی ہونا تو کیا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ مگر ہزاروں [illegible] ان سے کم ہولناک مقاموں میں گئے اور ہلاک ہو گئے بیشمار بہادرانہ کام دُنیا میں ہوئے ہیں جن کو کسی نے دیکھا نہیں وہ یونہیں مٹ گئے۔ کوئی اپنی نشانی نہیں چھوڑ گئے۔ لڑائی کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بڑے بڑے جوانمردوں کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ ان کو میدان جنگ میں اپنے جوہر شجاعت کا دکھانا ہی نصیب نہیں ہوتا ایک چھوٹے سے قلعہ کی فتح میں بڑے بڑے جنیل دفن ہو جاتے ہیں اگر وہ ایک میدان جنگ میں جاتے تو ان کی معرکہ آرائیاں دیکھنے میں آتیں۔ اب یہ بخت و اتفاق نہیں ہے تو کیا ہے +

جو شخص یہ خیال کرتا ہی کہ میرا مرنا وہاں سزاوار ہے کہ جہاں ناموری ہو۔ اور میرا ذکر جمیل باقی رہے وہ اپنی موت کی شہرت کے سبب سے زندگی کی نیکنامی کو خاک میں ملاتا ہی۔ اس لئے کہ جب تک کہ کوئی

اس کو موقع ملے [illegible] اور شہرت کا [illegible] بہتوں ایسے موقع پیدا کئے [illegible]
میں [illegible] جہان جو کھوں کر کے ہاتھ پاؤں ہلانے چاہئیں [illegible] میں وہ سا کت [illegible]
نیک نامی کو کھوتا ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ مشہور مردوں کی [illegible] ہے جس کی نیکنامی کی [illegible]
کوشش [illegible] (جان [illegible]) بجائے ۔ کوشش ہی کی شہادت [illegible] نسان کی مسرت افزا ہوتی ہے
جو شخص نیک بنتا ہے کہ لوگ اس کو نیک جانیں اور جب [illegible] نہیں تو اس کی قدر [illegible]
کریں۔ جو نیکی اس لئے کرتا ہے کہ اس کی شہرت اور ناموری ہو [illegible] کر جا بجا ہو [illegible]
نہیں کی جاتی کہ وہ کوئی کام عظیم سر انجام دیگا۔ ایک بہادر کہتا [illegible] میں نے جاڑے کے موسم [illegible]
کام ایسے کئے ہیں کہ وہ ذکر کے قابل ہیں۔ مگر وہ سب ایسے پوشیدہ [illegible] کئے گئے ہیں کہ کسی کو [illegible]
نہیں ہے۔ اس لئے اگر میں ان کو نہ بیان کروں تو کوئی [illegible] نہیں ۔ یہ جواں مرد بہادر
بڑے بڑے کام کرنے چاہتا تھا [illegible] نہیں سمجھا [illegible] اس کے کام [illegible]
سوا دیکھنے والوں کسی دوسرے نہیں جانتا آدمی کو چاہئے [illegible] اپنا فرض ادا کرے [illegible]
خوب جانے کہ بہادرانہ کاموں کا معاوضہ ہمیشہ ان کے [illegible] [illegible] کام [illegible]
کیسے ہی پردہ میں گھر کے اندر کئے جائیں یہاں تک [illegible] خیالات [illegible]
بھی اپنا صلہ [illegible] نیکی اپنے نیک کام کرنے [illegible] کا ایک [illegible]
خود آپ اپنا صلہ ہے۔ ایک آدمی [illegible] چاہئے۔ بجنسہ اتفاق جب اس
کے انتفاع پر عمل کریں [illegible] کے مقابلہ میں [illegible] کو سلامت رہنا چاہئے۔ نیکی
تمام [illegible] کنارہ کشی کرتی ہے۔ [illegible] صاحب [illegible] ہیں [illegible]
گنواروں اور احمقوں کی مرضی پر اپنی [illegible] نہیں چھوڑتی ہے نہ ان [illegible]
آدمی کو چاہئے کہ وہ نیک کام کرے ۔ مگر [illegible] اور ظاہر آرائی کے لئے نہیں [illegible]
[illegible] کے لئے ۔ جہاں کسی کی آنکھ سوا اپنے [illegible] کے نہ لگ سکتی اسی سبب سے [illegible]
[illegible] سے اول [illegible] کی جڑ [illegible] ہے [illegible] دوست [illegible] نے [illegible] سے

مال و دولت کے تلف ہونے کے خوف سے محفوظ رہیں گے۔ اور ان چیزوں میں سے کسی کا خیال نہیں ہوتا۔ جہاں موقع جنگ ہوتا ہے وہاں جان جوکھوں میں اپنے تئیں ڈال دینا ہے کسی ذاتی فائدے اور منفعت کے لیے نہیں۔ بلکہ محض خوف غیر کے لئے۔ یہ فائدہ سب نفعوں پر سبقت رکھتا ہی۔ اور حرص و تمنا کرنے کے قابل ہے۔ عزت و حرمت ظاہری تو فقط اس کا نام ہے کہ لوگ ہماری نسبت اچھی رائے محبانہ رکھیں۔

اگر ایک کیڑ زمین کا عدالت کے ساتھ فیصلہ کرانا ہو تو اس کے واسطے ایک قوم میں سے دس آدمی بھی منتخب ہونے مشکل ہوتے ہیں اس لئے یہ بڑی نادانی ہے کہ انسان کی میلانہا خاطر او افعال کے فیصلے کے لیے جس سے زیادہ مشکل اور بزرگ کام کوئی دنیا میں نہیں ہے۔ ایک گنواروں کو اکٹھا کریں جو جہالت۔ بے انصافی۔ بے استقلالی کے باوا ہوتے ہیں اس سے کیا زیادہ بڑی نادانی حماقت اور گدھاپن ہوگا کہ ہم ایک فرد کو تو ذلیل و خوار سمجھیں اور ان افراد کے مجموعہ کو معزز سمجھ کر اپنے کاموں پر ان کی رائے سے حاکم مقرر کرائیں۔ جس شخص کا مقصد اعظم یہ ہو کہ میں ان گنواروں کو خوش کروں وہ منزل مقصود پر کبھی نہیں پہنچیگا۔ اس ازدحام کے خیالات سمجھنے سے زیادہ کوئی بات مشکل نہیں ہے رہی سب باتوں سے زیادہ کم سمجھنے میں آتی ہے۔ ان کی آواز خواہ کسی طرف سے آئے۔ اس پر کان لگانا نہیں چاہیئے ✦ سسرو کہتا ہے میری رائے یہ ہے کہ اگرچہ کوئی چیز خود ناپاک نہ ہو مگر وہ عوام الناس کے کسی گروہ کی تعریف کرنے سے ناپاک ہو جاتی ہے ✦

گنواروں کی ہوائی خبروں و رایوں کا ہجوم ایسا ایسا آوارہ گرد او بے سر و پا رہ نما ہے کہ ہم اسکے پیچھے خواہ کیسی ہی ہنرمندی و تیزی وجود کے ساتھ قدم رکھیں تو بھی ہم کو کسی راہ مستقیم پر وہ نہیں لے جائیگا بلکہ آوارہ اور گمراہ کریگا ۵ او خود گمرہ است کرا رہبری کند ✦ ہم کو اپنے تئیں پا در ہوا نہیں بننا چاہیئے بلکہ عقل کا مستقل پیرو بننا چاہیے۔ اور اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ سوائے بخت و اتفاق کے کوئی او طور طریقہ عقل کے موافق ایسا نہیں ہے کہ ہماری تعریف عوام الناس کی زبان پر ہو۔ اگر میں راہ مستقیم پر اس سبب سے نہ چلوں کہ وہ مستقیم ہے تو بھی اس پر اس سبب سے چلنا چاہیے

بنا رہتا ہے یا ثابت ہو جاتا ہے کہ انجام میں اس کے راستے کے [illegible] بہت سی
خوبی اور فائدے ہیں۔ یہ ایک نعمت خداداد انسان [illegible] ہے کہ کار خیر کرنے میں جیسے
زیادہ فائدے ہیں حاصل ہوتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں جب [illegible] طوفان آئے تو ملاح یہ کہتا کہ اے خدا
مجھ کو اختیار ہے کہ مجھے بچائے یا ڈبا دے مگر میں [illegible] کو صحیح و درست چلاؤں گا +
بس آدمی کو اپنا کام نیکی کے ساتھ کرنا چاہئے۔ انجام میں اچھا ہی ہوگا۔ ہزاروں مثلاً فقیر
شخص آدمیوں کی تعریف سنتے ہیں کہ وہ دنیا کی عقل خوب رکھتے [illegible] مگر جن بیٹوں سے ایک
دیانت دار تھا آدمی نکل جائیگا اُن میں وہ شخص کہ ایسے رہ جائیں گے کہ گھر گرا کر نکالے گئے +

(۵۵) تعریف سننے میں کوئی قدرتی شیرینی تو نہیں [illegible] معلوم ہوتی مگر کیونکہ آدمی
[illegible] ہیں۔ ایک حکیم کہتا ہے کہ مجھ اپنی تعریف سننی ناگوار [illegible] ہے مگر مجھ اس سے انکار ہے
کہ خود نیکی کے [illegible] و شرائط اہم یہی ہیں کہ کام عمدگی اور [illegible] اسلوبی سے کیا جائے اس کی
پرواہ نہیں ہونی چاہئے کہ لوگ ہماری نسبت کیا رائے رکھتے ہیں: آدمی کی خود اپنی رائے نیک ہونی
چاہئے۔ اپنی دولت سے خوشحال ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ قرض لے [illegible] بہت لوگ فقط واقعی ظاہری
صورتوں کو دیکھتے ہیں چہرہ کو جانچتے ہیں دل کو نہیں دیکھتے [illegible] صورت بنانا ہر شخص کے اختیار میں
مگر دل کا خدا حافظ [illegible] میدان جنگ میں ایسی [illegible] بہت سی ہوتی ہیں کہ دل تو ذرا سا
مرغی کے بچے کا سا ہے مگر میدان جنگ میں بڑے [illegible] بیٹھے کرشمے ہیں۔ جب جان کھونے
کے موقعے آ جاتے ہیں تو [illegible] اس سے [illegible] جاتے ہیں۔ جو کوئی بڑی
مجبوری آن کر پڑتی ہے تو وہ اس حال سے چلتے ہیں کہ خوف کے مارے دل دھڑ
دھڑ کرتا ہے مگر چہرہ [illegible] دوں کا سا بنا [illegible] ایسے دیکھو ہزاروں فقیر
کو ہوتے ہیں۔ جھوٹی عزت خوش [illegible] ہے مگر [illegible] اور دنیا کاروں کو ذراتی ہے
بس اس اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ جو ظاہری حال پر رائیں مرتب کی جاتی ہیں وہ اکثر غلط
[illegible] ہوتی ہیں [illegible] زیادہ [illegible] ہوتی ہے [illegible] اپنے اندر دیکھو [illegible]

لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر اور لوگ ہمارا ذکر کریں گے تو ہمارا نام برا ہو گا۔ اس کی پروا ان کو نہیں جی کہ وہ ذکر کس طرح کریں وہ اس اپنے ذکر کے چھوڑ جانے کو حیات ثانی سمجھتے ہیں افسوس ہے کہ وہ احسان کے بھوکے ہیں اور لوگ ان کو دیتے ہیں جب کام کریں +

(۵۶) نیک کاموں کے ذکر خیر کے باقی رہنے سے دنیا کو فائدہ ہوتا ہے۔ نیک کاموں کا ذکر جبل انسان میں نیک کام کرنے کی طرف رغبت دلاتا ہے اور بد کاموں کی یاد بدی سے نفرت دلاتی ہے۔ نوشیرواں کی عدالت کی یا حاتم طائی کی سخاوت کی شہرت عدالت وسخاوت کی طرف رغبت۔ اور چنگیز و ہلاکو کے ظلم وستم کی یادگار ظلم سے نفرت دلاتی ہیں مگر اچھی شہرت چاہنے کا مرض وبا کی طرح ایسا پھیلا ہوا ہے کہ آدمی نیک نام ہونے کو زیادہ بہ نسبت نیک کام کرنے کے چاہتے ہیں۔ اپنی مرضی کے موافق وہ نیکنامی چاہتے ہیں۔ جس کے مستحق نہیں ہوتے۔ جو عاقل دانشمند ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بعد مرگ اگر ذکر ہمارا اچھی طرح ہوا تو کیا۔ بری طرح ہوا تو کیا۔ لعنۃ اللہ کسی نے نام کے ساتھ کہا تو کیا۔ رحمۃ اللہ کہا تو کیا ہاتھ لگ گیا۔ اس ذکر خیر سے قبر کا بوجھ ان کے بدن پر ہلکا ہو جائیگا۔ اور ان کی مٹی اور قبر سے کوئی لالہ وگل پیدا نہیں ہو جائیں گے۔ میدان جنگ میں ہزاروں آدمی مارے جاتے ہیں ان میں سے سو کا نام بھی یادگار باقی نہیں رہتا۔ سپہ سالاروں اور افسروں کی یادگار تک بھی اور لڑائیوں اور فتوحات کا نشان مٹ جاتا ہے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ ہوئی تھیں یا نہیں۔ زمانہ کی نصف سے زیادہ دنیا کی تاریخ ایسی مٹ گئی ہے کہ کہیں اس کا پتا نہیں لگتا۔ اگر وہ موجود ہوتی تو کیا اس میں ایسی ہی سب طرح کی مثالیں موجود نہ ہوتیں جو اب تاریخ موجودہ میں موجود ہیں نامور ی اور شہرت کی بھی عمر ہوتی ہے بعض آدمیوں کی شہرت نامور ی کی اتنی ہی عمر ہوتی ہے کہ وہ جوانی میں اپنے کاموں میں مشہور ہوتے ہیں۔ بڑھاپے میں کوئی ان کو نہ ان کے کاموں کو جانتا ہے قیصر نے جو باون فتوحات حاصل کیں ان میں سیکڑوں بہادروں نے کارہائے نمایاں کئے ہونگے جب سلطنتیں کی سلطنتیں درہم برہم ہوئی ہونگیں مگر ان بہادروں کا نام جب ہی تک یاد رہا

کہ ان کے جوان بچے جیتے جب سپاہی جو بندوق [illegible] بندوق چلتی ہے اگر اس کا نشانہ [illegible] پاتی تو وہ تیسرے روز ڈیوٹی ہو جاتی [illegible] کام ہیں جو معمولی ہوگئے ہیں کہ وہ کسی گنتی میں نہیں آتے۔ مثلاً ایک سپاہی دو چار [illegible] سپاہیوں کو مار ڈالے تو کوئی کارنمایاں نہیں سمجھا جائیگا۔ غرض تاریخ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے واقعات نہیں لکھے جاتے صرف وہ صرف حجت و اتفاق سے انہیں مشہوروں کے نام [illegible] ہیں جو بڑے اعلیٰ درجہ کا کام کر جاتے ہیں +

غرض شہرت اور ناموری سے [illegible] نہیں ہے۔ اگر شعر کا لکھنے والا شاعر، مصنف، نجومی [illegible] کار بھی ہے مگر کوئی کار ایسی [illegible] ذات ایسے اچھے ہوتے ہیں کہ [illegible] نیک خدمت کا انعام وہ خود خدمت ہی ہے [illegible] ان کی شہرت پھیلتا ہی کا پاس لحاظ ادب ہمیشہ ہے [illegible] رہے کہ شہرت بھی زبان سے اور دل سے ان [illegible] کیا کرتے ہیں +

خلاصہ یہ کہ [illegible] ایک وہ آزادی کے سبب اور اطمینان قلب حاصل کر [illegible] عام کا پتہ نہیں لگ سکتا ہی۔ [illegible]

[illegible]

دنیا کے اندر قدیم [illegible] دیں شجاعت عورت میں عصمت قرار پائی [illegible] پوشیدہ ہیں۔ انسان میں شجاعت ہی کی بدولت ایسی ہے کہ جس [illegible] سب سے زبردست کو زبردستی مقابلہ کر کے حکم [illegible] سکتا ہے۔ اس [illegible] جنگ جواور بزم خو تو ہو سکے

دلاوری اور شجاعت دکھائی وہ دنیا [illegible] فرماں روا ہو گئیں اور اپنا نام ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئیں جو جریدۂ عالم
پر ثبت ہے۔ اوّل اوّل ان میں سے کسی ایک [illegible] قوم نے یہ ایجاد کیا کہ جو جوانمرد شجاعت میں ممتاز ہو اس کے
اعزاز کے واسطے کوئی خصوصیت ایسی پیدا کی جائے کہ جس سے وہ اور سب آدمیوں سے افضل معلوم ہو۔ پھر اس
ایجاد کی تقلید ساری دنیا کی سلطنتوں [illegible] نے کی۔ اور اپنے اپنے مذاق کے واسطے جدا جدا نشان و اعزاز
مقرر کیے۔ مگر یہ سب عزت کے نشان [illegible] خالی خولی تھے۔ ان میں کچھ دولت کا خرچ نہ تھا۔ جو کوئی فتح مند
فتح عظیم حاصل کرتا تو اس کے سر [illegible] بعض درختوں کے پتوں یا پھولوں کا تاج بنا کے رکھ دیتے۔
بعض کے واسطے لباس کی خاص [illegible] وضع مقرر کر دیتے۔ بعض کو شہر میں گھوڑے پر سوار ہو کر کسی کو رات کو
مشعل ساتھ لے کر نکلنے کی اجازت [illegible] دیتے۔ کسی کے واسطے مجالس عامہ میں خاص نشست مقرر کر دیتے۔
بعض کے نام کے ساتھ خطاب [illegible] کی تخصیص کر دیتے۔ بعض کو تمغہ جن پر خاص علامتیں ہوتی تھیں
دے دیتے۔ یہ خاص اعزاز تھے جو [illegible] اور امیروں کو حاصل نہیں ہوتے تھے۔ جو لائق اولوالعزم
ہوتے تھے وہ ان اعزاز [illegible] منفعت کے واسطے جان لڑاتے تھے۔ ان میں جو باہم رشک و حسد
ان کے واسطے ہوتا تھا [illegible] منفعت کے واسطے نہیں ہوتا تھا۔ معزز کاموں کا
معاوضہ انعام زر سے نہیں ہو [illegible] اگر جائداد یا روپیہ مل گیا تو وہ اور جائداد اور
روپیہ کی ساتھ مل جائیگا۔ جس کو [illegible] نے والا [illegible] افزائش نہ سمجھا جائیگا
بلکہ اپنی خاص دولت میں اس انعام [illegible] دولت کی افزائش کو برا جانتے ہیں وہ تو اپنے معزز کام
کا معاوضہ ایسا چاہتے ہیں جس سے ان [illegible] ذات کے ساتھ وہ خصوصیت پیدا ہو جو اور کسی
کو حاصل نہ ہو۔ انعام میں روپیہ ملنا تو عام ہے۔ اگر ایک خدمتگار اچھی طرح کام کرے۔ قاصد جلدی
سے پیغام رسانی کرے۔ گویا اچھی طرح گائے [illegible] ی اور تماشا گر اچھا تماشا دکھائے تو ان کو
انعام مل جاتا ہے۔ یہ کچھ اچھے ہی کاموں کی ساتھ خصوصیات انعام کی نہیں ہے۔ بلکہ برے کاموں کا
بھی انعام خوشامدیوں۔ رنڈی بھڑوں مکاروں [illegible] مل جاتا ہے۔ اسلئے اہل فضیلت اپنی فضیلت کے
صلہ میں دولت نہیں چاہتے بلکہ وہ اعزاز چاہتے ہیں جو عام [illegible] ہو بلکہ وہ مخصوص خواص کے ساتھ ہو

[illegible] چھپا ہوا کون بہا [illegible] معلوم ... تا ہو و ہیں اچھا [illegible] معلوم

[illegible] کوئی شے عام ہو جاتی ہے تو پھر اُس کی قدر نہیں رہتی۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد

[illegible] تعلیم ہوشیاری اور فرزانگی [illegible] کچھ تعریف کی بات نہیں۔ سب پڑھنا لکھنا جاننے والے سب

[illegible] تھے۔ وہاں کسی باشندہ کی بہادری کی تعریف نہیں کی جاتی تھی جہاں جنگل [illegible] درخت

[illegible] ہوں وہاں درخت کی بلندی کی تعریف کیا ہے؟ بس اسی طرح اگر کوئی فرزانہ کام و معاملہ

[illegible] اچھا ہو تو کوئی اُس کو نہیں پوچھے گا ✚

(۵۹) ہتھیاروں کا باندھنا

ہمارے ملک کے شرفا اور اُمرا اور [illegible] ہتھیاروں کا باندھنا اس [illegible]

چھوڑ دیا ہے کہ اُن کو اپنی جان کا خوف و خطر نہیں [illegible] لازم اُن کے ہتھیار ساتھ

لے کر چلتی ہیں جب شکار کرنے کی یا دربار جانے کی [illegible] تی ہے تو وہ اپنے نوکروں

ہتھیار لے کر لگا لیتے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ سب [illegible] تھے۔ خود۔ زرہ۔ بکتر [illegible]

خفتان پہنتے تھے۔ گرز۔ تلوار۔ نیزہ وغیرہ لگا [illegible] لوہے میں غرق ہو جاتا

تھا۔ صرف آنکھیں کھلی رہتی تھیں سواری کی گھوڑوں

[illegible] کی جگہ خالی نہیں رہتی تھی کہ جہاں [illegible]

لگے۔ اس [illegible] کا بوجھ [illegible] تھا [illegible] ایسی سپاہی وہ نہیں اٹھ سکتا [illegible]

[illegible] جیسے لیتے [illegible] تھا ایسے ہی ہتھیاروں کا وزن نہیں معلوم

ہوتا تھا ✚

باب [illegible] محبت

[illegible] یہ سمجھنا [illegible] فطرت [illegible] ان میں محبت طبعی اوّل درجہ کی [illegible]

اور [illegible] کے ساتھ ہے جس [illegible] کو وہ مقدم جانتا ہے اور [illegible]

[illegible] کی اولاد کے ساتھ ہے [illegible] اس محبت کو اس لئے پیدا کیا ہے [illegible] اس کی نسل [illegible]

وسعت اور ترقی ہو۔ قاعدہ ہے کہ ماں باپ کو اولاد سے جو محبت ہوتی ہے اُس سے [illegible]

اولاد کو ماباپوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ جو شخص کسی کو فائدہ پہنچاتا ہے اُس سے وہ الفت زیادہ رکھتا ہے اور جس کو فائدہ پہنچتا ہے وہ اپنے فائدہ پہنچانے والے سے کمتر محبت رکھتا ہے۔ یعنی منعم کو منعم علیہ سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت اس کی کہ منعم علیہ کو منعم کے ساتھ الفت ہوتی ہے۔ ہر صناع اپنی صناعت کا مشتاق ہوتا ہے۔ باپ اپنی اولاد کو بمنزلہ اپنے نفس کے جانتا ہے اور اُس کی صورت کو جانتا ہے کہ قدرت نے اُسی کی صورت کے نسخہ سے نقل کی ہے۔ [illegible] بیٹے کی لوح فطرت پر باپ کی ہیئت کی تمثال ثبت کی ہے یہ خیال اُس کا درست ہے [illegible] ہی ظاہری وجود فرزند کا سبب ہوتا ہے۔ غرض اُس کا خلق اور خلق اسی کے مشابہ ہوتا ہے اسی سبب سے باپ اولاد کو اپنے سے زیادہ افضل ہونا چاہتا ہے اس کی تکمیل سے اپنا اکمل [illegible] سمجھتا ہے۔ باپ کی محبت فرزند کے ساتھ نیکی اور صداقت کی بنی ہوتی ہے۔ اور اولاد کی محبت باپ کے ساتھ منفعت پر۔ چونکہ نیکی و صداقت کو زیادہ استقلال اور پائداری بہ نسبت منفعت کے ہے۔ اس لئے باپ کی محبت کو استواری بہ نسبت اولاد کی محبت کے زیادہ ہوتی ہے۔ انتفاع ہمیشہ یاد نہیں رہتا۔ بچے کو باپ سے جو انتفاع بچپنے میں پہنچتا ہے وہ معلوم نہیں [illegible] بڑے پنے میں وہ یاد نہیں رہتا۔ غرض اولاد کو ماباپوں کے ساتھ محبت کرنے میں وہ مسرت نہیں حاصل ہوتی۔ جو ماباپوں کو خوشی اولاد کے ساتھ محبت کرنے میں ہوتی ہے ہم کو وہ چیزیں [illegible] عزیز ہوتی ہیں جن کی قیمت ہم زیادہ دیتے ہیں اب اولاد کو سمجھ لو کہ کیا کیا ہم کو اُن کی قیمت [illegible] دینا پڑتا ہے۔ پھر وہ ہم کو کیوں نہ عزیز ہوں جو کچھ ان کو دیا ہے اُس کی بازیافت کی امید ہے +

(۱۶) خدا نے ہم کو عقل دیکر اور جانوروں سے زیادہ دانشمند بنایا ہے

ہمارا حال اور حیوانوں کا سا نہیں ہے کہ اولاد کی محبت میں انہیں قوانین فطرت کے کمینگی میں پابند ہوں جن میں حیوان بھی شریک ہیں یعنی اولاد سے محبت اور جانوروں کی طرح کریں بلکہ ہم اپنی عقل اور دانش کو بھی اپنے اختیار سے اولاد کی محبت میں کام میں لاتے ہیں

اور محبت طبعی کے ساتھ ان میں ایسی افضال کا کام جس ... کہ وہ ہم کو جہاں چاہیں ...
عقلمند ہوا ان محبت ... اور محبوب ... ہو گا ہو جبھی نہ ہوں ان کو ...
کہ بچوں کی تتلیاں ... سے پیار کرتے ہیں ... بات کو بھی خوشی ...
نہ سمجھ کر ان کی افعال ہیں ... بلکہ جب تک ... اور روحانی سیرت ہی
خوشی ہو ... اور ... کھلائیں وہ ان کی طرف ...
ہاں جب محبت کی ترقی جب اس ہو گئی کہ وہ اپنے خوش لیاقت ... الیقین ... تو اس وقت
محبت طبعی کے ساتھ محبت عقلی زانو بہ زانو بیٹھے گی اور ساتھ چلے گی ... ان کی پرورش ...
محبت کے کام میں ... اگر ... برخلاف اولاد کا نالائق ہو ... محبت ہو گا ...
میں محبت طبعی کو عقل کا محکوم بنانا چاہیے۔ مگر ہم زمانہ کا حال ... اس کے ...
ماں باپ اپنے بچوں کے کھیل ... پھر کب ... فریفتہ ہوتے ہیں کہ جب وہ
بڑے ہو کر اپنے ... سے کرتے ہیں ... نہیں کرتے ہیں
وہ اولاد کو ... کا سا اپنے دل ...
... میں اور کینہ ...
کہ ... تو نفرت ... پسند کرلی۔ اور کوئی ...
... لگے۔ بلکہ باپ بیٹے ایک دوسرے سے جلنے لگے ... چاہتا ہے کہ باپ جلد مرے تو زندگی کا
لطف اٹھائے۔ اور بیٹے کو باپ بیٹا رقیب جانتا ... جلتا ہے کہ میرا زمانہ دنیا سے ...
کا دور ... کا آیا ... ان کا ... کے لئے ... اگر باپ ... چاہتا
کہ بیٹا میرے مرنے کو چاہے گا تو ... عقلمندوں کے نزدیک تو یہ ظلم ...
کہ بیٹا و اولاد ... اور قابل ہو جائے تو وہ باپ کی ... دولت ... تمام ...
انتظام ... انھیں ...
... اولاد ...

مستفید ہو جو اولاد کی پرورش اور ترقی میں صرف ہونی چاہیئے۔ اور بیچاری اولاد کا وہ حصہ عمر جو اُمنگوں اور ترقی کا عزت آبرو پیدا کرنے کا۔ جمہور کی خدمت کرنے کا مخلوق کی مزاجدانی کا۔ یوں ہی اکارت اور برباد جائے۔ جو باپ اولاد کو یوں مایوس کرتے ہیں اور ہر طرح سے تنگ کرتے ہیں تو اُن کی اولاد مجبور ہو کر کوئی توسل اپنی بسر اوقات کا نکالتی ہے اور یہ وسایل کبھی باعث ذلیل اور رذیل ہوتے ہیں اس سبب سے عالی خاندان اور اشراف زادی بدمعاش اور اوباش ہو جاتے ہیں پکڑے جاتے ہیں۔ قید ہوتے ہیں۔ اور طرح طرح کی ذلتیں اٹھاتے ہیں یہ بُری عادتیں ان میں ایسی پڑ جاتی ہیں کہ باپ کی دولت ہاتھ لگنے پر بھی نہیں جاتی ہیں۔

(۶۲) **بعض آدمیوں کا یہ مقولہ ہے** کہ ہم جو سو طرح سے کفایت شعار رہ کے دولت کو جمع کرتے ہیں اور خرچ سے بچاتے ہیں اس کا مآل کار اور بڑا فائدہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دولتمندی ہمارے خاندان سے ہماری تعظیم کرائیگی۔ درازی عمر جب ہمارے زوروں کو مٹائیگی تو دولت کا زور ہم کو وہ شہ زور بنائیگا کہ سب پر ہم زبردست رہینگے۔ ہماری پاؤں دھو دھو کے پئینگے۔ کسی کا مقدور نہ ہوگا کہ ہماری طرف ترچھی نگاہ سے دیکھنے کا۔ کوئی گستاخی اور بیباکی ہماری جناب میں نہ کریگا۔ خدمت کرتے رہینگے۔ ہماری کوئی خفت نہ کرے گا۔ یہ اس کی ان کی ضعف عقل کے سبب سے ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ بڑی عمر سے اور ہر قسم کے اسباب سے آدمی کو طول امل ہوتا ہے اور ہوا و حرص کا دامن دراز ہوتا ہے۔ ہر بیماری کا بڑا علاج یہ ہے کہ اُس کو پیدا نہ ہونے دے وہ باپ بڑا بدبخت ہے کہ جس سے اولاد کو محبت صرف اپنی غرض اور احتیاج اور منفعت کے سبب سے ہو۔ اگر باپ چاہے کہ اولاد کے دل میں سچی محبت پیدا ہو۔ اور وہ میری تعظیم و تکریم۔ ادب لحاظ دل سے کریں۔ تو اُس کو اُن کی ساتھ نیکی اور دانشمندی اور خوش اخلاقی اور شیریں بانی و رحم دلی کی ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ بچوں کو عزت اور آزادی کے لئے جو تعلیم ہوتی ہے

ان میں ذہن کی وجہ سے بادی [illegible] نہایت [illegible] پایا جاتا ہے - [illegible] تیز و [illegible] عقل
ہوشیاری - [illegible] سے جو تعلیم کا کام نہیں ہو سکتا [illegible] بہت ہی کبھی نہیں ہو سکتا لڑکوں کی
لڑکوں کی تعلیم وہ [illegible] ہو سکتی ہے جو فقط زبان کی [illegible] نرمی سے ہو سکتی ہے - لڑکے
[illegible] کے واسطے [illegible] اور آزادی کے واسطے زیادہ تر [illegible] تے ہیں - اس لیے ان کے دل میں فراخ
دلی فراخی - دلیری - آزادی - پیدا کرنی چاہیے - نہ یہ [illegible] ہمیشہ سے ان کی ذکاوت
بجھا دی [illegible] اپنے پیٹ کا بچہ بھی دیکھنا [illegible] ہے کہ لڑکے ڈر کر [illegible] ٹھنڈی - خود سر ہو جائیں
اگر ہماری یہ تمنا ہو کہ اولاد ہم سے محبت کرے - اور کبھی [illegible] توقع یہ ہو وہ ہمارے مرنے کی
زندگی [illegible] اولاد کے واسطے کوئی ایسا موقع نہیں ہے تا کہ باپ کے مرنے [illegible] زور دکھانا معقول قابل عذر ہو
کیونکہ عقل [illegible] کوئی شرارت بھی نہیں ہوتی - غرض کہ سختی و درشتی ان [illegible] نہیں برتنی چاہیے عقل کے
موافق ان کی تربیت کرنے کا [illegible] اٹھانا چاہیے - نہ اس غرض اور احتیاج کے [illegible] جو اپنی ذات کی اولاد کے
ساتھ متعلق ہیں - تم اولاد پر فقط محبت سے تسلط کرو نہ زور سے [illegible] وہ شخص سخت غلطی پر ہے جو
اولاد [illegible] کو کہ زور سے حاصل ہوتی ہے مستقل اور پائدار زیادہ [illegible] محبت سے جاننا [illegible]
ملاطفت و تالیف قلوب سے [illegible] لگے - بس جب تم اولاد کے [illegible] تکلیف نہ ہو گے تو وہ تمہاری
[illegible] کو [illegible] کے طور پر رکھیں گے - اور [illegible] ان کی تعظیم و تکریم کریں گے - کیونکہ قیمتی
چیزوں کی خاک بھی قیمتی ہوتی ہے - باپ [illegible] ہے کہ اولاد کی آسائش و آرام
راحت کے اسباب مہیا کرے +

(۶۳) اس بات کا بھی خیال [illegible] نا چاہیے کہ چھوٹی عمر میں شادی نہ کریں جس سے
ان کے ہاں جلد اولاد پیدا ہو [illegible] ان کی [illegible] عمر میں وہ بڑی ہو جائے کہ باپ بیٹے بھائی بھائی
معلوم ہونے لگیں اس سے بڑی دقتیں اور دشواریاں پیش آجاتی ہیں - خصوصاً ان امرا کو جو
یا زمینداری کی وجہ سے امارت رکھتے ہیں - کیونکہ وہ کوئی اور پیشہ نہیں کرتے - ان کی آمدنی کی
صورت نہیں بدلتی - برخلاف [illegible] غربا مزدوروں کے کہ ان کی [illegible] جو کثرت اولاد ہوتی ہے

تو ان کی دولت پیدا کرنے کی آلات اور اوزار بڑھتے ہیں جب خرچ بڑھتا ہی اُس سی
زیادہ سرمایہ بڑھتا ہے ارسطو کا قول ہے کہ ۳۷ برس کی عمر میں شادی کرنی چاہئے - افلاطون
کہتا ہے کہ تیس برس سے پہلے بیاہ کرنا نہیں چاہئے - ۵۵ برس کی عمر کے بعد تو شادی
کرنے پر بڑی لعنت ملامت کرتا ہے - اور کہتا ہے کہ اولاد نکمّی پیدا ہوتی ہے - ان حکیموں نے تو
ایک معقول حد مقرر کی ہے - مگر تھیلز نے تماشا کیا ہے کہ جب جوانی میں ماں نے شادی کا تقاضا
کیا تو کہا کہ ابھی تو عمر ہو لی میری شادی کا وقت نہیں آیا - جب بڑی عمر کا ہو گیا اور ماں نے
پھر بیاہ کا تقاضا کیا تو کہا کہ اب میری شادی کا وقت جاتا رہا +

نا وقت کام کرنے سے [illegible] کراہیت رکھنی چاہئے - بعض قوموں کا یہ قول ہے جو شخص
سپاہی پیشہ ہیں اُن کے [illegible] بیس برس کی عمر سے پہلے عورت کے ساتھ مقاربت زہر
ہے - لڑائی کے واسطے سپاہی کا مجرد ہی ہونا اچھا ہوتا ہے - عورتوں کی صحبت سے سپاہیوں
کی مردانگی میں کمی ہو جاتی ہے - جو سپاہی جوان عورت سے شادی کر لے اور اُس سے بچے بھی
پیدا ہو جائیں اور وہ [illegible]ل بھی ہو تو اس خاوند اور باپ بننے سے اس کی پہلی شجاعت
میں فرق آجاتا ہے +

(۶۴) **اب سوال** [illegible] کہ باپ بیٹوں کی کیا کیا عمر میں ہوں کہ باپ بیٹے کو اپنا
سب کام سپرد کر کے سبکدوش ہو [illegible] کے واسطے کوئی قاعدہ کلیہ تو نہیں مقرر ہو سکتا مگر
مقتضائے عقل و دوراندیشی یہ ہے کہ جب تک باپ اپنے کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہو میدان جنگ
میں لڑ سکتا ہو - دربار کچہری میں اپنا کام کر سکتا ہو تو اُس کو اپنے ہاتھ پاؤں ایسے ڈھیلے
نہیں کرنے چاہئیں کہ سارا اپنا گھر بار کام کاج بیٹے کے سپرد کر کے اُس کا دست نگر ہو جائے
جب تک کپڑے نہیں اُتارنے چاہئیں کہ بچھونے میں پڑنے کا وقت نہ آئے - جب عمر اور
قویٰ کا ضعف اعضا کو فرسودہ کر دے - صحت جواب دے - ناتوانی کسی مجلس و محفل میں شرکت
کی اجازت نہ دے تو ایسے وقت میں دولت کے جمع کرنے کی ہوس بڑی غلطی ہے - یہ

وقت آدمی کے [illegible] اس امر کے [illegible] کہ میں دولت [illegible] زندگی [illegible] سامان

سے متمتع ہوا اور اب مجھ میں طاقت اس سے [illegible] کی باقی نہیں رہی۔ اس واسطے میں

بیٹوں اور [illegible] کے [illegible] کام کا [illegible] بہتر ہے کہ جو کچھ میرے پاس

اسباب اور [illegible] مال ہے اپنے مستحق وارثوں کو دوں اور کہ دوں کہ اے عزیزو

آج تک میں نے اس دولت سے لطف زندگی اٹھایا اب تمہاری باری ہے تم اس سے محفوظ ہو۔

اگر وہ یہ نہیں کریگا تو اپنے حق میں کانٹے بوئے گا۔ اور خاندان [illegible] بغض و عداوت کی جڑ جمائے گا

جب بدن بڑھاپے سے گر پڑے ہوں کہ تن سنبھال نہ سکے [illegible] لغو چاہئیں جب بیرانہ سالی

کام کو اچھی طرح نہ کر سکے تو وہ کام اپنی جوان اولاد کے سپرد کرنا چاہئے خواہ کسی

کو ذلیل نہ ہونا چاہئے۔ بوڑھے کو دوسرے کو پہلے ہی [illegible] ہونا چاہئے تاکہ اس کے ٹھوکر

کھانے گرنے کو دیکھنے والے نہ ہنسیں۔ بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ آدمی پہلے سے یہ نہیں

سمجھتے کہ عمر کا بڑھنا جتنا ہمارے جسم کو ناتواں کرتا ہے اتنا [illegible] ہماری عقل کو ضعیف کرتا ہے

اور یہ [illegible] بھی ہے کہ ہمارے [illegible] نوجسم [illegible] میں [illegible] درجہ کا [illegible]

یہی سبب ہے کہ بعض دانشمند و شیخ بھی [illegible] بینی [illegible] - [illegible] نا می اور شہرت کو پیرانہ سالی

کے کاموں [illegible] فر [illegible] ہوتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اب عمر نے جیسا

ہمارے جسم کو ناتواں کیا ہے ویسا ہی ہماری [illegible] ضعیف کیا ہے۔ [illegible] تلوار قلم کے

کاموں [illegible] ہمارے [illegible] سکے گا۔ اس لئے [illegible] سبکدوشی کر

خلوت [illegible] اختیار کرتے ہیں۔ وہ [illegible] اسباب سب کچھ اپنی اولاد کے سپرد کر

[illegible] سارا [illegible] اختیار اولاد کے سپرد کرتے اس

[illegible] اختیار رہیں [illegible] اولاد کے ہاتھ میں کاٹھ کی پتلی بن جائیں۔ بلکہ

وہ [illegible] رکھتے ہیں کہ اگر چاہیں تو یہ سارا انتظام

اپنے ہاتھ [illegible] اولاد [illegible] کی [illegible] کہ ان کے کاموں [illegible]

اکثر اُن سے علیحدہ مکان میں بیٹھتے ہیں۔ تاکہ اُن کی جوانانہ صحبت میں وہ بارِ خاطر نہ ہوں۔
مگر اُن کے اوضاع و اطوار اور کاموں کے نگران رہتے ہیں غلطی میں اُن کو نہیں پڑنے
دیتے۔ گمراہ نہیں ہونے دیتے +

(۶۵) جو باپ اپنی اولاد سے تعظیم تکریم پاسِ ادب بلحاظ زیادہ چاہتے ہیں احمق ہیں

بعض باپ ذرا ذرا سی باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں۔ اِدھر لڑکا اُن کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھا۔ اُدھر
اُن کی تیوری پر بل چڑھا۔ راستہ چلنے میں اگر لڑکے نے دو قدم پیش قدمی کی اُن کا چہرہ برافروختہ
ہوا۔ کوئی اُسنے جواب آزادی سے دیدیا تو انھوں نے گھُرکنا جھڑکنا شروع کیا۔ ہمیشہ چہرہ بنائے
مُنہ بستائے رہیں لئے رہتے ہیں سارا گھر اُن سے ڈرتا ہے کوئی شوخی اور بیباکی نہ کر سکے
اولاد خواہ بڑی ہو کر چاہے [illegible] کیوں نہ ہو جائے۔ مگر یہ کبھی اُس سے دوستانہ برتاؤ نہیں کرینگے
وہ بچوں کے ڈرانے کے لئے اپنا مُنہ کالا کرکے بیچا بنے۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اِس
سے اُن کا مطلب نہیں حاصل ہوتا۔ اولاد اُن سے بے لطف رہنے لگتی ہے۔ ادب کی
جگہ اِن کی ہنسی اُڑانے لگتی ہے ان کی چڑھتی ہوئی جوانی کا۔ شباب کے زمانہ کا اقتضا
یہ ہے کہ وہ محبت اور شفقت کی نظر سے چاہتے ہیں۔ وہ باپ کے وحشتناک چہرہ کو
کب خاطر میں لاتے ہیں۔ اُسکو وہ ایسا سمجھتے ہیں جیسا بچے کہ عید میں چہرہ لوگ ڈرانے کے لئے
پہنا کرتے ہیں کہ جس کے نہ دل میں نہ رگوں میں خون ہوتا ہے۔ مگر چہرہ ڈراونا ہوتا ہے
بیشک باپ کی اولاد کے دل میں خوف بنا رکھنا ضرور ہے۔ مگر اس سے زیادہ تر اُن کے
دل میں اپنی محبت پیدا کرنی لازم ہے۔ مثل مشہور ہے کہ پیری و صد عیب۔ جب ہم بڑے ہونگے
تو ہم میں بہت سی باتیں قابل نفرت پیدا ہوں گی۔ اُس وقت سوا اپنے کُنبے کی سچی محبت کے
کوئی چیز دل کی خوش کرنے والی نہیں ہوگی۔ اگر اس وقت میں بھی گالیاں دینے۔ کوسنے
پیٹنے سے۔ اور ناحق کی حکمرانی و خوف دلانے سے باز نہیں آئینگے تو اس عمر میں بھی چین
نہیں پائینگے۔ سامنے سامان آسایش اور آرام کو اپنے اوپر حرام کرینگے۔ یہاں وہ کوڑی کی

اُنہیں [illegible] وہاں چھلکے چھلکے پڑے خاک میں مل رہے ہیں۔ قدم
لے کے کو [illegible] دسترخوان پر بانی دال اور سوکھی روٹی۔ گو پیچھے ان کو خوب
مرغن کھانے [illegible] تو اس اچھی [illegible] میں ہے [illegible] کہ تم اپنے [illegible] سے گھر پر
خوب [illegible] وہاں چھچھڑوں کو ہوا کھا جاتا [illegible] سارے گھر میں صرف ہی اکیلے
ایسے ہیں [illegible] جانتے کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ خدا جسکو اولاد دیتا ہے ایسی شفقت و مہربانی
[illegible] دل میں محبت نہ پیدا ہو۔ اور ایسی [illegible] حالت بنائے رکھنا کہ [illegible]
[illegible] پیدا ہوا۔ انتظام خانہ داری کے [illegible] نہیں ہوتا۔ گھر [illegible]
پیدا ہو [illegible] بعض باپ ایسے ہوتے ہیں کہ بیٹے [illegible] ہر ہیں [illegible] مزاج [illegible]
[illegible] محبت رکھتے ہیں۔ جب وہ مرجاتا ہے تو [illegible] محبت پر زیادہ روتے ہیں کہ [illegible]
کبھی اس پر اپنی محبت دلی کو ظاہر ہونے نہیں [illegible] اس کی [illegible] وقت باپ کی تعریف
ایسی نہیں [illegible] کہ اس کو غرور نہ پیدا ہو +

بعض باپ اپنی اولاد کی طرف سے ایسے سنگدل [illegible] زندگی میں اولاد کو اپنی دولت
کی شرکت [illegible] کے وہ حق [illegible] ہیں محروم کرتے [illegible] مرنے کے بعد بھی وہ اپنی ساری
جائداد و اسباب و مال کا مالک [illegible] بنی ہوتی [illegible] مردوں کا حق عورتوں کو دے
جاتا۔ بیٹوں کو محروم کرکے ان کی ماں کو [illegible] قائم مقام بنانا بڑی حماقت ہے۔ اس کا
یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ گھر میں بہت فساد [illegible] ہوتے ہیں ماں بیٹوں میں بھی ان
بن ہو جاتی ہے [illegible] کی زندگی تلخ [illegible] باپ کی ناانصافی کے سبب سے عدالت
میں مقدمات لڑتے ہیں طرح طرح کی [illegible] ہوتی ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر پر
تباہی آتی ہے عزت آبرو بگڑ [illegible] بدنامی ہوتی ہے۔ بہتر طریقہ یہی ہے کہ جب
آدمی کے مرنے کا زمانہ آئے تو اپنے مذہب یا رسم و رواج ملک کے موافق حق داروں کو
اپنا اپنا حق دیدے جس سے [illegible] کوئی جھگڑا ہو نہ کوئی فساد برپا ہو۔

(۲۲) ابتک ہم نے اُس اولاد کا ذکر کیا جن کو ہم عورتوں سے جنواتے ہیں وہ ہماری جسمانی اولاد ہوتی ہے اُس کو ہم اپنا وجود ثانی کہتے ہیں ✣

اولاد کے جسم میں ماں کا زیادہ تر حصہ ہوتا ہے۔ باپ کا تھوڑا۔ اب ہم اُس اولاد کا ذکر کرتے ہیں جس کے ماں باپ ہم اکیلے ہی ہوتے ہیں اُس کے وجود میں کسی اور کی شرکت نہیں ہوتی وہ ہمارے جسم سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ ہماری اُس جزو سے جو جسم سے درجۂ اعلیٰ رکھتا ہے بس وہ ہماری روحانی اولاد ہوتی ہے۔ جو عقل و فہم و علم سے پیدا ہوتی ہے۔ ان میں خ[...]ورتی حسن و ادا و انداز سارا ہمارا پیدا کیا ہوا ہوتا ہے اُس کے اندر ہم خود [...]تے ہیں اِن کی خوبی و نکوئی ہمارے نام کو بلند کرتی ہے۔ وہ ہماری بڑھا[...] پیدا ہوتی ہیں مگر یہ اولاد کیا رشید ہوتی ہے کہ جس سے دوسری اولا[...]یادہ خوش ہوتا ہے۔ افلاطون کہتا ہے کہ یہ وہ بچے ہیں جو حیات [...]دا[...] اپنے باپ کو بھی حیات جاوید دیتے ہیں۔ اب تم پوچھوگے ایسی اولا[...] تو ہم کہینگے کہ وہ تصنیفات ہیں جس کے اچھے ہونے سے ہم اولاد سے بھ[...] خوش ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے ایک ایک شعر و مصرعہ کو فرزند رشید کے برابر عزیز رکھتا ہے وہ اچھی تصنیفات کو اپنی یادگار اولاد سے زیادہ جانتا ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ تمام صناع اپنی صنعت کو عزیز رکھتے ہیں مگر شاعر سب سے زیادہ اپنے شعر کو عزیز رکھتا ہے بعض شاعر مرنے کے وقت اپنے شعروں کو پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن سے ایسے ہی رخصت ہوتے ہیں جیسے کوئی اپنی اولاد سے تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفوں کو وہ اپنی تصنیفات عزیز ہوتی ہیں کہ انھوں نے اپنی جان اُن پر قربان کردی ہے۔ بعض مصنفوں سے بادشاہوں نے کہا

[illegible] تصنیفات [illegible] ہم [illegible] دیکھئے [illegible] انھوں نے
[illegible] زندگی کو [illegible] قائم [illegible] کی ؛
[illegible] تصنیفات جلا دی گئی [illegible] آتش شعلہ [illegible] پڑے ۔ اور اپنی تصنیفات
[illegible] ۔ بعض مصنفوں کی [illegible] جب [illegible] کی [illegible] ان کی [illegible]
[illegible] کسی طرح سے [illegible] اپنے تئیں ہلاک [illegible] ؛
[illegible] اولاد [illegible] کو [illegible] کا [illegible] ہے ۔ [illegible]
[illegible]

موت کا تجربہ

[illegible] گذرے ہیں [illegible]
[illegible] نہیں کیا بلکہ تجربہ [illegible] [illegible]
[illegible] دریافت کرنے میں انھوں نے [illegible] انھوں نے [illegible] کیا
[illegible] کا انقلاب [illegible] تو وہ [illegible] [illegible] ساری [illegible]
[illegible] خود [illegible] شہرت کو [illegible]
[illegible] کا تجربہ حاصل ہو گیا [illegible]
[illegible] بعض لوگ اپنے عزیز اعضا [illegible] قطع کیا [illegible] عضو تناسل کا [illegible]
[illegible] کی جان پر [illegible] ہے ۔ مگر [illegible]
[illegible] تجربہ [illegible] کام [illegible] نہیں کی ۔ [illegible] عادت کے [illegible]
[illegible] تکلیف [illegible] دنیا [illegible] علی ہذا القیاس بہت سی چیزوں کا تجربہ [illegible]
[illegible] ۔ مگر موت کا تجربہ [illegible] عمر میں [illegible] ہے ۔ [illegible]
[illegible] ہی [illegible] میں ہوتے [illegible] اس کی نہیں ہوتی [illegible]
[illegible] لیے [illegible] انھوں نے [illegible] موت کا [illegible]

تمام قوائی عقلیہ کو اس طرف مصروف
ستہ کونسا ہی۔ مگر کوئی اُن میں
جو شخص موت کے خواب شیرین
کنیس جولیس بڑا بہادر جوا
داستانیں مشہور ہیں جیسے
تھا اُس دیو چھا کہ اے
کر رہی ہے ؟ کس طرح
واسطے آمادہ ہوں اور تمام
موت کا وقت جو ایک
ہوتی ہی۔ اور آیا اس
اُس کی حقیقت حال
جو اس لکھتا تھا کہ خود
بعض حکیموں نے لکھا ہی ہو
تجربہ کریں کو اس سے تجربہ کا
مگر اس کے قریب ایسے جا لگتے ہیں کہ
یہ امر جو عقل کے خلاف نہیں۔ اور بغیر
کی پہنچے۔ اب سونے کا تجربہ موت کے تجربہ
سو جاتے ہیں اور دنیا کی روشنی سے بالکل بے
نوم سے بہتر ہم کو یہ تعلیم نہ کرتا کہ جیسے تم جینے کے لئے
زندگی میں وہ حالات نہ پیش کرتا جو بعد موت کے ہمیشہ
اور ہم کو یہ عادت نہ دلواتا۔ اور اُس کا خوف نہ دور کر

جانے
رے ہم کو معلوم ہو جاتی
اذیت موت یعنی سونا مرنے
گئے جاگتے بہت آسانی ت
ہی پروا نہیں ہوتی اگر اس
ہو ایسے مرنے کے لئے اور
اُس نے ہمارے لئے مقرر کی ہی
نہ سونے کی استعداد بالکل

… کے الفاظ و دلایت …

… ہو جاتا ہیں حقیقت میں …

… تا ہے کہ … سے مجھے …

… نیف اور ہیچ لاشی … گردن …

… واسطے ایک مہلت چاہیئے

… ہے۔ اس کو … سکا …

… ت تو … کا تجربہ

… ل میں ہی معلوم ہوتی

… اسیں ہوتیں

… کبھی … ہو تو …

… ر … حال پیدا … ہو

… جیسے میرے خیال میں … تا …

… ما کرو … سبب …

ایسی حقیقت میں ہے۔ اگر … ت ہیں کسی محفوظ مکان میں بیٹھا ہو تو

… ان لوگوں پر ترس کھا … و باہر میدان میں ہونگے۔ مگر وہی شخص خود

اگر … میدان میں ہوتا … ی جانے کو کہیں … چاہتا۔ لیکن ہر شخص خیال

کرتا ہے۔ کہ اگر میں اک … جر تک کسی مکان میں قید رہوں تو اُس کی …

… سکا میں تحمل نہیں ہو سکتا … ی کی حالت میں وہی شخص ایک مکان میں ہفتہ یا مہینہ بھر

… ہو گا تو جان … ہ میری حالت ایسی قابل رحم نہیں ہے۔ جیسے میں … ہونگی

… تو … ۔ میرے خیال نے ان مصیبتوں کو اصل حقیقت سے دو چند کر

[illegible] ضعیف شخص کا [illegible] حالت [illegible] ہو [illegible] انگلی
[illegible] کی جیسا [illegible] ہو تو موت کی [illegible]
[illegible] ہی [illegible] بعض دفعہ اتنی [illegible]
[illegible]

موت کی کیفیت [illegible] حکما کی [illegible]

ایک حکیم [illegible] آدمی [illegible] موت [illegible]

[illegible] کسی [illegible] یا مرض [illegible] وہ [illegible]
[illegible] بیماری زور [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] اگر [illegible]
[illegible] کا پتا ہے۔ [illegible] کے اترتا ہے [illegible] سانس [illegible]
[illegible] کی طرح سانس [illegible] سے [illegible] غرض ان کی [illegible] کے سبب
قوت زائل ہو جاتی ہے [illegible] ہو تا ہے [illegible] ہوئے ہوتا ہے [illegible]
[illegible] ہیں جس سے دیکھو [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]
[illegible] سے یہ اس کی [illegible] ہوئی ہے۔ مگر ان علامات سے وہ [illegible]
[illegible] جان باقی ہے [illegible] پیدا [illegible] ہیں ✚

مگر دوسرا حکیم [illegible] کہا کہ ایسی حالت [illegible] وہ تو جسم و روح سوتے [illegible] زندہ
[illegible] کہ جب [illegible] کی یہ حالت [illegible]
[illegible] کی یہ [illegible] ہو تو روح میں ایسی [illegible] باقی [illegible] اور [illegible]
اس لئے ان آدمیوں کو اپنی سخت تکلیف محسوس [illegible] ان [illegible] اور [illegible] کا [illegible]
[illegible] ہے ✚ [illegible] حالت نہایت [illegible] ہے کہ روح میں قوت
اور زبان میں ان کے اظہار کی قدرت نہ ہو [illegible] آدمیوں [illegible]
[illegible] والے ہیں [illegible] قتل کرتے ہیں اگر ایسے [illegible] میں [illegible] انتقال

نمایاں ہو تو ان کی بے زبانی ہزار زبان سے ان کی شجاعت اور ثبات و استقلال کی تعریف کرتی ہے۔

بعض وقت دشمنوں کے ہاتھ میں جب آدمی پڑ جاتا ہے۔ وہ پہلے جان لینے سے صدہا طرح کی تکلیف پہنچاتے ہیں کبھی بھاری جرمانہ اور تاوان کی طلب میں طرح طرح کی سزا دیتے ہیں اور ایسی حالت اُن کی بنا دیتے ہیں، وہ کچھ درد رنج تکلیف کو بھی بیان نہیں کرسکتے۔ کوئی زیادہ سوال پوچھ کر انگوستا ہے۔ کچھ ٹوٹا پھوٹا جو اُن کے منھ سے بمشکل نکلتا ہے۔ بہت چیخ چیخ کر اُن سے بات کیجئے وہ کچھ سنتے ہیں اور آخر الفاظ کا جواب بہکا ہوا دیتے ہیں کچھ سمجھ کر نہیں اس... دم ہوتا ہے کہ ان کی روح کناروں پر بھاری آواز مس کرتی ہے +

غشی کی حالت میں ہمارے اعضا کی حرکات اختیاری نہیں ہوتیں بالکل اضطراری ہوتی ہیں۔ نیچر کے موافق وہ حرکتیں اپنے کاموں کے کرتے ہیں کچھ ہمارے ارادہ سے نہیں لڑائیوں میں ہتیاروں سے ہتیاروں کے سیکڑوں اعضا کٹ کر جدا ہو جاتے ہیں اور وہ تڑپا کرتے ہیں۔ مگر ان سپاہیوں کے دلوں کو جن کے وہ عضو دفعتہً آناً فاناً ضرب سے کٹ کر جدا ہوگئے ان کے تڑپنے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی ہوگی تم نے قصائیوں کی دکانوں میں بکروں کے گوشت میں دیکھا ہوگا کہ ان کے پٹھے اور نسیں پھڑکا کرتی ہیں۔ بعض انسان اور حیوان دونوں کے مرنے کے بعد پٹھے اور نسیں پھڑکتی ہوئی دیکھنے میں آتی ہیں + ہر شخص کو یہ تجربہ ہوتا ہے کہ اس کے عضو کبھی اکڑ جاتے ہوا... بھی سن ہو جاتے ہیں جن میں اس کی مرضی کو دخل نہیں ہوتا۔ غرض یہ حرکات جو بظاہر ہماری کمال کے اوپر نظر آتی ہیں ان کو ہم اپنی حرکات نہیں کہہ سکتے۔ اس کو بالاتفاق سب مانتے ہیں کہ سونے میں جو ہمارے ہاتھ پاؤں میں درد ہوتا ہے۔ اس سے ہم کچھ متاذی نہیں ہوتے اور یہ جاننا

اور یہ جانتے ہی نہیں کہ غشی کی حالت میں کبھی ہماری آنکھیں کھلتی ہیں کبھی بند ہوتی ہیں ہم اپنے گھر کو دیکھتے ہیں مگر پہچانتے نہیں۔ زبان سے بڑبڑاتے ہیں مگر جانتے نہیں کہ کیا کہتے ہیں لوگ ہم سے چلا چلا کر باتیں کرتے ہیں اور کچھ ہم سے پوچھتے ہیں ہم ان کا جواب کچھ دیتے ہیں لیکن ہم کو خبر نہیں ہوتی کہ کیا کہا۔ پھر ہوش میں بھی نہیں یاد آتا ہے کہ کسی نے ہم سے کیا باتیں کہی تھیں اور ہم نے انہیں کیا جواب دیا تھا۔ ہاں جس وقت غشی کی حالت سے ہوش میں آتے ہیں تو سب کچھ درد رنج تکلیف معلوم ہوتا ہے کہ کس کس بلا میں مبتلا ہیں +

اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ موت کا تجربہ جو ہم کو ہوا ہے وہ فقط اس قریب الموت ہونے کے تجربہ سے ہوا ہے اسی پر قیاس موت کا کر سکتے ہیں +

(۷) کونشنس (وجدان قلبی)

کونشنس بھی کیا عجیب قوت ہمارے دل کے اندر بیٹھی ہوئی کام کرتی ہے کوئی ارادہ خواہ کیسا ہی مخفی کریں وہ اس کا اعلان کر دیتی ہے۔ ہمارے گناہ کا کوئی گواہ نہ ہو۔ وہ ہمارے گواہی دینے کو موجود ہے اور ہم سے لڑنے کو تیار ہے۔ ہر وقت ایک تازیانہ اس کے ہاتھ میں رہتا ہے جو ہماری ہر خطا پر وہ بلاتی رہتی ہے۔ اور دل پر سناٹا لگاتی ہے ہمارے جن گناہوں پر کوئی خدا بھی نہیں کرتا وہ لعنت کا طوق ہماری گردن میں ڈال دیتی۔ ... محاسب کی نظر سے مخفی ہو وہ اس کے اشتہار لگا دیتی ہے۔ جن ہمارے جرم کے ... کا خیال کسی کو نہ ہو۔ وہ اس کے انتقام کے لئے آمادہ رہتی ہے + ایک شخص کی یہ کہانی ہے۔ اس نے ابابیل کے بچوں کا گھونسلا نکالا۔ اور بچوں کو بڑی بے رحمی سے کچل ڈالا۔ جب لوگوں نے اس ظلم پر اس کو لعنت ملامت کی تو اس نے کہا کہ جو کچھ میں نے ان بچوں کے ساتھ سلوک کیا وہ اسی کے مستحق تھے۔ یہ جھوٹے بچے ایسے بدذات شریر تھے کہ مجھ پر ہمیشہ جھوٹا بہتان باپ کے مار ڈالنے کا لگاتے تھے۔ اب تک کسی شخص کو یہ خبر نہ تھی کہ اس نے اپنے باپ کو مار ڈالا ہے + اب کونشنس کے انتقام

جو شخص [illegible] معرفت کی دنیا کو اس سے خود ظاہر کر دیا۔ اس سو اخلاطون کے [illegible]
کی تصدیق [illegible] گناہ کی سزا اس کے ساتھ ہی [illegible] ہوتی ہے اور بعض اس کے [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] گناہ گار کو وہ دل [illegible] ہے۔ شریر [illegible] شریروں کے حق میں [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] ات اوروں کے گرانے کے لئے کنوئیں [illegible] ہیں وہ خود اس میں
گرتے ہیں [illegible] چاہ در پیش [illegible] [illegible] ہے۔ جو بد نفس [illegible] کے لئے
برے منصوبے باندھتے ہیں وہ خود انہیں کے لئے عذاب جان [illegible] جاتے ہیں۔ شریر جو نقش [illegible]
کرتا ہے تو اوروں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ مگر اپنے ڈنک کا [illegible] ان کرتی ہے۔ اور [illegible] کے
لئے اس کو کھو [illegible] ہے۔ اس کی زندگی اوروں کی زخم رسانی [illegible] ختم ہو جاتی ہے بعض زہریلی
[illegible] عیاں ہوتی ہیں جن کے گرد قدرت نے [illegible] ہی ہیں کہ وہ ان کو زہر کی
[illegible] [illegible] وہی گھاس ان کے زہر کے
لئے تریاق ہوتی ہے۔ اسی طرح جو شخص بدی سے [illegible] اس وقت [illegible]
پیدا کرتا ہے اور [illegible] ہم کو سونے جاگتے تکلیف [illegible] برے برے خیالات کے
دل پر پیدا کرتا ہے۔ کہ ہم ان کو خواب میں یا [illegible] باہر کھینچتے ہیں ؎
ایک شخص [illegible] پھر ہم اس کے پتلے میں آیا لاگیا ہے
تو دل [illegible] چاہتا ہے کہ ان [illegible] کا سبب تو ہی ہوا ہوں۔ شریر
[illegible] ہے کیونکہ وہ اپنے سے آپ [illegible]
[illegible] سکتا ہے [illegible] کو خود کوشش [illegible] شریر بنا رہا ہے۔ پھر اس کو اطمینان
قلب کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ گناہ کی [illegible] سزا یہ ہے کہ وہ خود اس کو معاف نہیں کر سکتا
جن کا کوئی [illegible] ہے وہ ان کے دل [illegible] خوف سے [illegible] کا نفس [illegible]
ہے ان کا قلب اطمینان [illegible] ہے [illegible] بڑی ہی
[illegible] ان کی [illegible] وہ خطرناک [illegible] میں [illegible] خوف

جاتے ہیں۔ بعض کونشنس متقدس ہے اگر وہ ناحق کسی الزام میں پھنس جاتے ہیں تو وہ الزام سے
بری ہونے کے لئے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا بار نہیں اٹھاتے اور اس کو اپنی خفت
سمجھتے ہیں ایک دیانت دار سپہ سالار پر جب خیانت کا الزام لگایا تو اس نے ججوں کے سامنے
ایک کتاب نکال کر آمد و خرچ کا حساب سنایا۔ جب ججوں نے اس کو کہا کہ کتاب کو حوالہ
کرو تو اس نے ان کے سامنے کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دی۔ اور کہا کہ میں اپنی بیگناہی
کے ثبوت میں اسے دینا اپنی ذلت سمجھتا ہوں کونشنس کی اعانت کے واسطے شاید انسان نے
آلات تعزیر ایجاد کئے ہیں۔ اور ان سے طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں خطرناک انسان کو پہنچائی
جاتی ہیں۔ ان سے انسان کے استقلال کا امتحان ہو سکتا ہے مگر راستبازی کا نہیں جو
شخص ان کی تکالیف کا متحمل ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ دو لوگ راستی کا اخفا کرتے ہیں
ایک وہ مجرم ہوتے ہیں کہ جن کو شکنجے میں کھینچئے تو وہ اپنے جرم کا اقرار نہ کریں
ایک وہ بے گناہ ہوتے ہیں کہ اس کے خوف کے مارے جھوٹ موٹ جرم کا اقرار
کر کے مجرم بن جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے۔ کہ مار کے آگے بھوت ناچتا ہے
بیچارے معصوم کا تو مقدور ہے کہ وہ اس کے آگے ٹھہر سکے۔ اس کے
خوف سے وہ جھوٹ بولنے لگتا ہے۔ کونشنس مجرم کے اقرار گناہ میں
ان آلات تعزیر کا معاون ہو ہے اور مجرم کے استقلال میں خلل ڈالتا ہے
اور بے گناہ میں استقلال و ثبات ان عذابوں کے اٹھانے میں پیدا
کرتا ہے اگر نظر غور سے دیکھیں تو یہ آلات تعزیر شکنجہ وغیرہ بیکار ہیں۔
اس لئے کہ ہم ان لوگوں کو جن کے جرم مشتبہ ہیں وہ سزا و تعزیر دیتے ہیں جو
موت سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ یہ سزا دینی انسانیت سے بعید ہے
بہت سے بیگناہ ان کی عذابوں کے ڈر سے ساری جرم کا اقرار کر کے موت کو قبول
کر لیتے ہیں۔ پس آلات کی ایجاد کا خیال جو کونشنس کی تائید کے لئے پیدا ہوا ہے وہ غلط ہے

خودکُشی (۱۷)

مثل مشہور ہے کہ ہر حیلے رزق ہر بہانے موت۔ مرنے کے ہزاروں طریقے ہیں اُن میں سے ایک خودکُشی بھی ہے۔ جس میں اپنی مرضی کے موافق مرنا ہوتا ہے۔ بہت حوادثات اور سانحات ایسے پیش آتے ہیں کہ اُن کی تکلیفات کا اُٹھانا بعض آدمیوں کو موت کے تکلیف سے مشکل معلوم ہوتا ہے اور مرنا جینے سے اچھا نظر آتا ہے۔ اِس لئے وہ اپنے تئیں مار ڈالتے ہیں۔ ہم اِس مضمون میں خودکُشی کی تائید و تردید کی جو دلائل حکمائے لکھی ہیں بیان کرکے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ کسی حال میں خودکُشی مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ وہ نامردی اور دیوانگی ہے +

ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آزادانہ زیست کیونکر ہوسکتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ موت کو ناچیز جاننے سے۔ جو شخص موت سے نہیں ڈرتا۔ وہ کسی مصیبت و خوف سے نہیں ڈرتا۔ ایک بیچارہ لڑکا پکڑا گیا۔ نخاس میں بیچا گیا ظالم آقا کے پالے پڑا۔ اُس نے ایک نہایت ذلیل کام اُس کے حوالہ کیا۔ لڑکے نے آقا سے کہا۔ کہ آپ کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ جس لڑکے کو میں نے مول لیا ہے وہ یہ ذلت کا کام اس حالت میں کرے گا کہ اس کو اپنے آزاد کرنے کا سہل طریق آتا ہو۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنے تئیں ایک بلندی سے گرا دیا اور اپنا کام تمام کیا + بعض حکیموں کا قول ہے کہ دانشمند کو درازی عمر سے احتراز کرنا چاہئے۔ جتنا اُس کو جینا چاہئے اُتنا جئے۔ یہ نہیں کہ وہ جتنا جی سکے جئے۔ یہ نیچر کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے حیات کی کنجیاں ہمارے ہاتھ میں دیدی ہیں جس سے ہم اپنے عالم رنج و بلا کو دفع کرسکتے ہیں۔ حیات کے اندر جانے کا ایک رستہ اور باہر نکلنے کی بے شمار راہیں بنائی ہیں۔ زمین کی وسعت زندوں کے لئے تنگ ہوسکتی ہے۔ مگر مُردوں کے لئے ہمیشہ فراخ رہتی ہے۔ ایک حکیم کہتا ہے کہ جو لوگ دُنیا کی مصیبتوں اور آفتوں کی شکایت کرتے ہیں بیہودہ ہیں۔ کس نے

کس نے ان کو باندھ رکھا ہے کہ وہ اپنے تئیں اُن سے نہ چھڑائیں یہ اُن کی نامردی ہے کہ وہ اپنے تئیں رنج و تکلیف میں اسیر ہو کر قید حیات میں رہتے ہیں۔ موت سب جگہ موجود ہے۔ ہر جا ہر وقت اُس کا سامان مہیا رہتا ہے۔ ہر شخص ہم کو حیات سے محروم کر سکتا ہے۔ مگر موت کے پنجہ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ موت کے ہزاروں رستے ہیں۔ اگر موت انسان کے اختیار میں نہ ہوتی تو زندگی غلامی کی قید ہوتی۔ موت کسی خاص مرض کا حکمی علاج نہیں ہے بلکہ تمام امراض کا ایسا علاج ہے کہ وہ سب ہی کو کھو دیتا ہے۔ موت ایسے گھاٹ پر سے اُتار دیتی ہے کہ جس میں کچھ خوف و خطر نہیں اس لئے بہت سے اُس کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہ ایک ہی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے قرض کو وقت موعود سے پہلے ادا کرے۔ یا روز موعود پر دیدے۔ اسی طرح حیات بھی ایک قرض ہے جس کو وہ روز موعود سے پہلے دیدے۔ یا روز موعود پر دے۔ اس دنیا کی بھول بھلیاں میں جو رشتہ حیات ہم کو پھرا رہا ہے۔ وہ کہیں سے منقطع ہو جاوے وہیں اُس کا خاتمہ ہے۔ کوئی موت خودکشی سے بہتر نہیں۔ کہ وہ حسب دلخواہ ہوتی ہے۔ زندگی اوروں کی مرضی پر موقوف ہے۔ موت ہمارے اپنی مرضی پر۔ ہمارے معمولی معالجے ہی جان ہلاک کرتے ہیں۔ کاشک اور چیرہ لگانے۔ اعضا کٹانے۔ فاقے کرنے۔ خون نکلوانے کی تکلیفیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ بس اس سے بہتر ہے کہ ہم آگے قدم بڑھا کر وہی علاج کیوں نہ کریں کہ جس سے صحت کلی یقینی ہو جاوے۔ سخت مرض کے واسطے سخت علاج چاہئے۔ سخت امراض کے واسطے موت سے بہتر کوئی علاج نہیں ایک شخص کو گٹھیا ہو گئی تھی۔ ٹانگوں میں اُس کے بہت درد رہتا تھا۔ اس نے اُن کو ایسے زہریلی دوا لگائی کہ جس سے وہ سُن ہو کر بے حس ہو گئیں تو اُس نے کہا کہ ٹانگوں کو اپنی مرضی کے موافق مرض چاہئے کہ جس سے درد محسوس نہ ہو + بس جب خدا ہم کو اپنی مرضی سے ایسی حالت کو پہنچاتا ہے کہ جس میں جینا ہزار درجہ بدتر مرنے سے ہوتا ہے تو وہ ہم کو اختیار دیتا ہے کہ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ ضعف و نقاہت سے دبنا ضعف عقل ہے اور اُن کو

پرورش کرنا دیوانگی ہے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ نیچر کے موافق کسی دانشمند کا جینا یہ ہی کہ جب اُس کو اپنا مرنا برمحل معلوم ہو تو اپنے تئیں مار ڈالے۔ خواہ کیسا ہی آسودہ حال ہو۔ بیوقوف کا جینا یہ ہے کہ وہ جیتا ہے۔ خواہ کیسا ہی شکستہ حال ہو۔ بشرطیکہ نیچر کے موافق محتاج کا محتاج نہ ہو + ایک حکیم کہتا ہے کہ اگر ہم اپنے مال میں خود غبن کریں تو خلاف قوانین کوئی کام چوری کا نہیں کیا۔ کہ چور کی سزا دی جاوے۔ اسی طرح اگر ہم اپنے گھر میں لکڑیاں جلائیں تو آتش زنی کے قوانین کے خلاف کام نہیں کیا کہ آگ لگانے والے کی سزا دی جاوے۔ اسی طرح اگر ہم اپنے تئیں مار ڈالیں تو کوئی کام ہم نے خون کے قوانین کے خلاف نہیں کیا۔ کہ خونیں کی سزا پائیں جیسے ہم زندگی کے کاموں کے مختار ہیں ایسے ہی موت کے۔ اب تک ہم نے خودکشی کی تائید میں دلائل بیان کیں اب اس کے برخلاف بڑے بڑے عاقلوں کی یہ رائے ہے کہ جب تک ہمارے پروردگار کا حکم ہمارے پاس نہ آئے۔ ہم کو اِس دُنیا کے حصار سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ جب خدا کی مرضی ہوگی وہ ہم کو حکم دیگا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ ہم پر فرض ہے کہ ہم اُس کے بغیر اجازت کے باہر نہ جائیں کیونکہ ہم اپنے ہی لئے فقط پیدا نہیں ہوئے ہیں بلکہ اپنے ملک اور قوم کے واسطے۔ اپنے معبود کی عبادت کے واسطے اگر ہم اپنے تئیں قتل کر ڈالیں۔ تو وہی ملک کے قوانین بازپرس کرینگے۔ جو آدمی کے قتل میں ہوتے ہیں اپنے تئیں مار ڈالنا گویا اپنے فرائض کو چھوڑ کر بھاگ جانا ہے ہم کو خدا ضرور بھگوڑوں کی سزا دے گا۔ گو ہم نے کوئی خطا سوا اسکے نہ کی ہو۔ کہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں قتل کیا ہو۔ حیات کی روشنی کو چھوڑ کر۔ موت کی تاریکی کو خود اختیار کیا ہو۔ اپنے فرائض کو چھوڑ کر فرار ہو جانا کیا بڑا گناہ نہیں ہے؟ جس کی سزا نہ ملے ثبات و استقلال وصبر وہمت کی خوبی یہ ہے کہ جس زنجیر سے ہم پابستہ ہوں اُس کی تکالیف کو صبر سے سہیں نہ یہ کہ اُسے توڑ کر بھاگ جانے کا قصد کریں نیکی تو وہ شجاع ہے کہ کوئی حادثہ ایسا نہیں ہے کہ جسکا منہ نہ پھیر دے وہ تو خود رنج و تکلیف کو ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ انھیں سے تو اُس کا نشو و نما ہوتا ہے —

اگر آفت و بلا و مصیبت نہ ہو۔ تو صبر و استقلال و ثبات کی خوبیاں کیونکر ظاہر ہوں وہ نہ تو کسی ظالم کے جبر و تعدی سے خوف کرتے ہیں نہ شکنجے کے عذابوں سے ڈرتے ہیں وہ ہر مصیبت کے مقابلہ میں سینہ سپر کرنے کو موجود ہیں۔ جیسے بعض درخت کلھاڑیوں کے لگنے سے اور گدّے ٹہنیوں کے کٹنے سے اور زیادہ پھلتے ہیں اسی طرح وہ مصائب کے تیر کھانے سے زیادہ پھولتے پھلتے ہیں +

ایک اور حکیم کا قول ہے کہ جینے میں کچھ خوف نہیں نیکی کے معنے یہ ہیں کہ ہر مصیبت کا مقابلہ جوانمردانہ کرے۔ تکالیف سے بچ کر نکل جانے میں کوئی خوبی نہیں مصیبت زدہ جو موت کو ناچیز سمجھ کر اُس کو اختیار کرتا ہے۔ وہ نامرد ہے۔ جوانمرد وہی ہے جو مصیبت زدگی کی حالت کو ناچیز جان کر تحمل کے ساتھ اپنے تئیں سنبھالتا ہے یہ نیکی نہیں ہے بلکہ مخنث پن ہے کہ دنیا کے آلام اور مصائب سے منہ چھپا کے قبر کے گڑھے میں جا کر سو رہے۔ نیکی کبھی اپنا منہ نہیں پھیرتی اور اپنی راہ سے انحراف نہیں کرتی خواہ اُس کے مقابلہ میں مصیبتوں کے طوفان کھڑے ہوں +

کبھی ہم رنج و تکلیف سے بچنے کے لئے موت کو اختیار کرتے ہیں کبھی موت سے بچنے کے لئے ہم موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں سچ کہو کہ یہ دیوانگی نہیں ہے تو کیا ہے؟ کہ مرنے کے خوف سے کوئی شخص اپنے تئیں مار ڈالے۔ یا پہاڑ پر سے کوئی اپنے تئیں سر کے بل گرا دے۔ آیندہ مصیبتوں کا خوف انسان کا بڑا اپتلا حال کرتا ہے مگر جو سچے بہادر دلیر ہیں وہ کب اُن کو خاطر میں لاتے ہیں۔ جب کوئی مصیبت اُن پر حملہ آور ہوتی ہے وہ سینہ سپر ہو کر اُس سے لڑتے ہیں +

افلاطون اپنے قوانین میں لکھتا ہے کہ سب سے زیادہ پاجی موت اُس شخص کی ہے جو اپنے عزیز اور قریب تر دوست کو یعنی اپنے تئیں ہلاک کرتا ہے۔ اور باقی زندگی کے واسطے جو باتیں اُس کی لئے مقرر تھیں اُن سے محروم کرتا ہے اور یہ کام فقط اپنے بودے دل کے اور ضعف عقل کے سبب سے کرتا ہے۔ ورنہ اُس کو کوئی مجبوری اُس کے کرنے کی نہیں ہے۔ نہ کوئی

اُس پر ایسا حادثہ عظیم واقع ہوا ہے کہ جس کو برداشت نہ کر سکتا ہو۔ یا کوئی ذلت ایسی ہوئی ہو کہ جینا بھلا نہ لگتا ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ زندگی ہیچ ہے۔ اُن پر ہنسی آتی ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ یہی اس کی ہستی ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کی عمدہ ہستی رکھتے ہیں اگر وہ انسان کی ہستی پر ہنسیں تو بجا ہے مگر انسان خود اپنی ہستی کو خود ہیچ جانے تو نہایت حماقت ہے۔ یہ بات کسی اور جانور میں نہیں ہے۔ کہ وہ اپنی ہستی پر خود لعنت ملامت کرے۔ اور اُسے ہیچ سمجھے۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہم ہیں اُس سے بدل کر کچھ اور ہو جائیں اگر آدمی ہیں تو فرشتہ بن جائیں اگر فرشتہ بن گئے تو پھر انسان نہ رہے۔ تو رنج و راحت جو آدمی کو ہوتے ہیں اُس سے محروم رہے۔ ہم کو اس سے حاصل کیا ہوا خود اپنے نقیض بن گئے۔ خود اپنے تئیں آپ روکنے لگے۔ —— دُکھ درد سے چھٹکارا۔ اِس زندگی کی آفات سے خلاص ہوتا جو لوگ اپنے تئیں ہلاک کرنے سے چاہتے ہیں وہ کسی طرح فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اگر آدمی جنگ سے بچے اور صلح سے متمتع نہ ہو اور مصیبت سے بچا چھٹا ہی اور راحت کا مزہ نہ اُٹھائے اُس کو کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا +

اِن دو رایوں میں جو اوپر بیان ہوئیں۔ بڑے بڑے مُباحثے ہوتے ہیں +

بعض نے حکم بن کر یہ قرار دیا ہے۔ کہ ضرور بعض حالات میں اپنے تئیں آپ مار ڈالنا اچھا ہے۔ مگر جو لوگ اکثر خودکشی کرتے ہیں اُن کے اسباب معقول نہیں ہوتے۔ اور وہ اُن اسباب کو جو مانع اُس کے ہوتے ہیں کچھ وقعت نہیں کرتے۔ اِس لئے اِن اسباب کی تحدید ہونی چاہئے کہ وہ بتلائیں کہ کہاں تک خودکشی مباح سمجھی جائے +

بعض طبائع ایسی وہمی اور بے حس ہوتی ہیں کہ وہ افراد انسانی کو نہیں بلکہ اقوام کو خودکشی پر آمادہ کر دیتی ہیں دُنیا میں کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے کہ جس کے سبب سے مرگ جوانی سنگ خوشی کی سمجھی جائے۔ اسواسطے زمانہ ایسا انقلاب پیدا کرنے والا ہے کہ بُری حالت سے اچھی حالت

ہو جاتی کچھ مشکل نہیں ہوتی - جو امرد خواہ اُن پر کیسی ہی سخت آفت و مصیبت آئے مایوس نہیں ہوتے - میدان جنگ میں شکست پر شکست پاتے ہیں مگر فتح کی امید کبھی نہیں منقطع کرتے اور کبھی خودکشی کی یا حیا مند موت کو نہیں اختیار کرتے - مرنا بھی چاہتے ہیں تو اس طرح کہ اپنے ملک قوم کی عزت ہو - مثل مشہور ہے کہ جب تک سانس ہے آس ہے - جب تک جسم میں جان ہے ہزاروں امیدیں ہو سکتی ہیں ہزاروں ہرن کتوں کے دانتوں سے چھوٹ کر نکل جاتے ہیں اسی طرح بعض زخمی آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے زخم لگانے والوں سے زیادہ دنوں جیتے ہیں بہت سے آدمی ادبار کے گڑھے میں پڑے تھے - وہ اقبال مندوں سے بڑھ گئے اس لئے کسی مصیبت سے گھبرا کر اپنے تئیں مار ڈالنا نادانی و حماقت ہے +

بعض حکیموں کی رای ہے کہ بعض امراض کی شدت میں اپنے تئیں مار ڈالنا اچھا ہے جیسے پتھری کی بیماری میں جب پیشاب بند ہو جائے - جذام - کوڑھ کی بیماریوں میں لڑائیوں میں خودکشی ہزاروں طرح سے ہوتی ہے عورتیں اپنی عصمت کی پردہ دری کے خوف سے اپنے تئیں ہلاک کرتی ہیں اُن کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر اُن کی پردہ دری ہوتی بھی - تو اس میں ان کا کیا گناہ ہے خدا سے وہ پناہ مانگیں اور اس کے فضل پر اپنے تئیں چھوڑ دیں - بعض آدمی اس غیرت میں اپنے تئیں ہلاک کرتے ہیں کہ ان کو دشمنوں کا رحم کرنا موت سے زیادہ برا معلوم ہوتا ہے - بعض قوموں نے ان لڑائیوں میں خودکشی کے دستور اور قوانین ہی مقرر کر رکھے ہیں جیسے کہ رجپوتوں کے ہاں دستور ہے کہ جب دشمنوں کے ہاتھ سے تنگ ہوتے ہیں تو اول بال بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہیں مال و دولت نقد و جنس کو جلا کر خاک کرتے ہیں ہاتھی گھوڑوں کو اور مویشی کو اندھا کر دیتے ہیں بعد اسکے آپس میں گلے مل تلواریں ہاتھوں میں لے دشمن پر جا گرتے ہیں پھر جو ہونی ہو سو ہو - بعض آدمی خودکشی مذہب کے سبب سے کرتے ہیں - جیسے ہندوؤں کے ہاں بتوں پر سر کاٹ کر چڑھا دینے کو - ستی ہونے کو - جگن ناتھ جی کے رتھ کے نیچے دب کر مر جانے کو بیکنٹھ باشی ہونا جانتے ہیں - بہت سے بڈھے - بیمار ضعیف - زندہ - گنگا میں ہری بلوا کے

ڈوبتے ہیں۔ غرض بعض خداپرست غلط دماغ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہتر حالت میں بہشت کے اندر مرنے سے ہو جائینگے۔ اس دنیا کے انتقال ہی خدا سے وصال ہوگا۔ چتا میں بیٹھ کر جل جاتے ہیں زندہ دفن ہو جاتے ہیں اکثر گورنمنٹ اس خودکشی کے باب میں مداخلت کرتی ہے بعض گورنمنٹ کا یہ قانون تھا کہ جو شخص خودکشی چاہے۔ وہ ایک عرضی درخواست مع دلائل خودکشی کے گورنمنٹ کے روبرو پیش کرے۔ اگر گورنمنٹ اس درخواست کو منظور کرتی تو زہر بھی اپنے پاس سے دیتی جو خاص اسی کام کے لئے بنایا جاتا تھا جسے پی کر اپنے پیمانہ عمر کو وہ لبریز کرتا تھا۔ مگر اب تمام گورنمنٹیں خودکشی کو جرم سمجھتی ہیں برٹش گورنمنٹ جب سے ہندوستان میں آئی۔ تو مذہب اور رسم کے موافق جو خودکشیاں کثرت سے ہوا کرتی تھیں ان کا انسداد خوب ہوگیا۔ اب فقط یہ اسباب رہ گئے۔ ذلت۔ غیرت۔ غصہ۔ تکلیف۔ ان کے سبب سے ہندوستان میں بہت خودکشیاں ہوتی ہیں خصوصاً عورتیں کنوؤں میں ڈوب کر بہت مرتی ہیں۔ ساس سے لڑکر۔ یا سوکن کے رشک سے وہ خودکشی کرتی ہیں۔ مگر یہ زیادہ تر رواج ہندوؤں کے ہاں ہے۔ دنیا میں مسلمانوں ہی کو یہ فخر حاصل ہے۔ کہ وہ خودکشی نہیں کرتے۔ ہزاروں انگریز مجسٹریٹ او رجج ہندوستان سے انگلستان چلے گئے۔ مگر ان کے سامنے کسی مسلمان کی خودکشی کا مقدمہ نہیں پیش ہوا اس تمام بیان سے غرض یہ ہے کہ جو ابلہ فریب دلائل خودکشی کے لئے بیان کی جاتی ہیں کہ بری طرح جینے سے مرنا اچھا ہے۔ یا دشمنوں کے ہاتھ سے مرنے سے یا ذلیل ہونے سے خودکشی بہتر ہے یا مرض کے مصائب جسمانی اور آلام روحانی کے اٹھانے سے رشتہ حیات منقطع کرنا بہتر ہے۔ یہ سب نادانی اور جہالت کے دلائل ہیں وہی انسان جوانمرد ہیں کہ جو ہر مصیبت سے مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی ثبات و استقلال وہمت میں کبھی لغزش نہیں کرتے۔ جس وقت ان کی اجل خدا کی طرف سے آتی ہے۔ اُس وقت مرتے ہیں +

(۷۲) اپنے تئیں پہچاننا اور اپنی قدر جاننا

انسان کو بڑی احتیاط اور ہوشیاری اپنی معرفت نفس اور قدرشناسی میں

درکار ہے۔ اُس کو اپنے سچے ایمان سے بغیر کسی تعصب یُطرفداری کے خبردار ہوتا چاہئے۔ کہ اُس کا سچا اصلی حال بُرا بھلا کیا ہی۔ اگر وہ اپنے تئیں کامل دانا اور پارسا جانتا ہی۔ تو وہ اپنی کسی مطلب برآری کے لئے خودستائی کریگا۔ انسان کا نفس جیسا حقیقت میں ہو اس سے کمتر بیان کرنا حماقت ہے۔

ارسطو کا قول ہی کہ اپنی قدر سے کم قیمت نقد لے لینا نامردی اور بُزدلی میں داخل ہے۔ نیکی کبھی اپنی امداد جھوٹ سے نہیں چاہتی۔ سچ میں کوئی بات غلط نہیں ہوتی۔ جب نفس کا حال بیان کرو تو اصلی بہرلین ترانیاں مارنی تعلی کی یعنی فقط غرور و عجب ہی نہیں پیدا ہوتیں بلکہ وہ زیادہ تر حماقت و سفاہت سے پیدا ہوتی ہے اس تعلی سے ایسی افعال سرزد ہوتے ہیں کہ آدمی اپنی باتوں سے زیادہ اندازہ سے خوش ہوتا ہے اور اپنے نفس سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ جو لوگ منع کرتے ہیں کہ انسان کو اپنا ذکر کرنا نہیں چاہئیے۔ وہ حقیقت میں یہ منع کرتے ہیں کہ اپنے نفس کے حال پر خیال کرنا نہیں چاہئے۔ ہم کو ہمیشہ ان کے خلاف کام کرنا لازم ہے۔ اپنے نفس پر توجہ و غور کرنا ہی تعلی و تشخص کے مرض کا معالجہ ہے۔ جس سے بہتر کوئی اور علاج نہیں غرور انسان کے خیال میں رہتا ہے۔ اس میں زبان کو بہت کم دخل ہے۔ جن لوگوں کی یہ رائے ہی۔ کہ اپنے نفس پر زیادہ خیال کرنا اپنے سے زیادہ خوش ہونا ہے اور اپنے نفس سے زیادہ باتیں کرنی اپنے سے زیادہ محبت کرنی ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ افراط ان لوگوں میں پیدا ہوتی ہے جو اپنے ظاہری معاملات اور مقدمات پر توجہ و خیال کرتے ہیں نہ باطن پر۔ وہ لوگ اپنے نفس پر متوجہ ہونے کو شیخ چلی کی طرح ہوائیں قلعہ بنانا جانتے ہیں وہ اپنے نفس کو اپنے سے غیر و بیگانہ سمجھتے ہیں اگر کسی شخص کو اپنے نفس پر خیال کرنے سے علم کے غرور کا جوش اس سبب اُٹھے۔ کہ اس سے نیچے بہت کم علم موجود ہیں تو اُس کو پہلے زمانہ پر خیال کرنا چاہئیے کہ کیسے کیسے عالم صاحب کمال اس سے اوپر گزرے ہیں کہ جن کی جوتیوں کے

پاس بیٹھنے کی بھی لیاقت اس میں نہیں ہے۔ اگر کسی کو اپنی شجاعت کا گھمنڈ پیدا ہو تو وہ بڑے بڑے جوانمردوں کے کارنامے دیکھے۔ اور سمجھ لے کہ اُن کے آگے میں کیسا پست ہوں۔ کسی خاص صفت او ہنر کے سبب سے انسان کو پھولنا اور مغرور ہونا نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ اُس کے دوسرے پلڑے میں عیب اور نقصان اتنے چڑھے ہوئے ہیں کہ اُس کے اوصاف ان کا پاسنگ بھی نہیں +

سقراط اپنے خدا کا حکم یہ بتاتا تھا۔ کہ تو اپنے تئیں پہچان۔ اس حکم کی بجا آوری میں اُس نے اپنی ساری عمر بسر کی۔ زیادہ تر اپنا حال بیان کرتا۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی نصیحت کرتا کہ تم کتابوں کی باتیں نہ بیان کیا کرو۔ بلکہ اپنے نفس کی اصلی باتوں اور حرکات کو بیان کیا کرو۔ غرض آخر کو سقراط نے اپنے تئیں یہ پہچانا کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ بس یہی ایک بات اس کی ایسی تھی کہ لوگوں نے اُس کو ولی اللہ مانا ہیں جو شخص اپنے نفس کو سقراط کی طرح پہچانے وہ مردانہ وار اُس کو بیان کرے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کے نفس کی نیکیاں خالص نہیں ہوتیں اُن میں بھی شرارت ایسی ہوتی ہے کہ قابل تو یہ ہوتی ہے۔ اس لئے جب انسان اُن کو بیان کریگا تو اپنے اوپر الزام ہمیشہ لگایا کریگا۔ یا تعلّی و تشخص کیا کریگا جو انسان کے نفس کے بیان سے جدا نہیں ہو سکتے۔ وہ ایک چھوٹی خطا سے بچنے کے لئے بڑی خطائیں کریگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کا ذکر نہ کرے۔ یہ کہنا اُس کا ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ بچے کی ناک صاف کرنے کی جگہ ناک کو اُڑا دینا چاہئے کہ پھر ناک صاف کرنے کا جھگڑا نہ رہے +

(۴۷) افعال انسانی کا متلون ہونا +

جو دانشمند افعال انسانی کا مشاہدہ اور اعمال بشری کا تجربہ کرتے ہیں اُن کو یہ امر تحقیق ہو گیا ہے کہ اکثر انسان اپنے کاموں میں متلون ہونے میں مستقل نہیں ہوتے گرگٹ کے سے رنگ بدلتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ گرگٹ اپنا رنگ سفید

نہیں بنا سکتا۔ آدمی سے ایسی حرکات متناقض سرزد ہوتی ہیں کہ اُس سے آدمی کے تمام کاموں میں تناسبت و مطابقت کا دکھا دینا۔ اور اُس کی خصلت و عادت پر کسی حکم قطعی کا اپنی رائے سے لگا دینا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ ایک ہی آدمی کے کاموں میں ایسا تناقض پایا جاتا کہ یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُسی سے وہ سب کام سرزد ہوئے ہوں +

وہی ایک شخص جو عہد شباب میں لومڑی کی طرح فریب دے کر کام کرتا ہے۔ جوانی میں شیر کی سی دلیر ہو کر مہمات کو سرانجام دیتا ہے۔ بڑھاپے میں کُتا بن جاتا ہے۔ وہی نیرو جس نے ہزاروں بےگناہ کا خون بہایا اُسی نے یہ کہا کہ جب سر سے پاؤں تلے جیونٹی آتی ہے تو دل دُکھنے لگتا ہے۔ وہی نیرو جو ستم مجسم تھا جب ایک شخص کے قتل کا فتویٰ دستخط کے لیے اُس کے سامنے پیش ہوا تو آہ سرد بھر کر کہنے لگا کہ مجھے لکھنا نہیں آتا۔ دل میں کیا انقلاب ہوا ہے کہ جس نے لاکھوں آدمیوں کا خون اپنی گردن پر لیا ہو وہ ایک شخص کے قتل کے فتویٰ پر دستخط کے لیے قلم ہاتھ میں لے۔ اور کہے کہ مجھ کو لکھنا نہیں آتا۔ ہر شخص اپنی ذات سے اور اپنے تجربے اور مشاہدے سے ایسی مثالیں بہم پہنچا سکتا ہے۔ جس سے اُس کو یہ یقین ہو جائے گا۔ کہ تلون اور بے استقلال ہونا انسان کی طبیعت کا ایسا ظاہری عیب ہے کہ جس پر مشترک ہیں اور سارے انسان تھوڑے بہت مبتلا ہیں چنانچہ ایک عقلمند کا مقولہ ہے کہ وہ صلاح و مشورہ ہی بُرا ہے جس میں تغیر و تلون کو دخل نہ ہو +

یہ امر کسی قدر معقول ہے کہ آدمی کے افعال اور اعمال کا طریقہ جو اکثر رہا ہو۔ اُس پر اچھے بُرے ہونے کا حکم لگایا جائے۔ مگر اس کے ساتھ یہ امر بھی خیال میں رہے کہ متلون اور غیر مستقل ہونا۔ انسان کا مقتضائے طبیعت ہے۔ مگر بعض اہل الرائے اور دانشمند حقیقت شناس اس راہ سے کچھ پھر جاتے ہیں وہ آدمی کی تمام وضع طریقہ و طرح کو دیکھ کر ایک مستقل اور مستحکم حکم اسکے اخلاق اور عادات کی نسبت اپنی رائے سے صادر کرتے ہیں اور اُسکے تمام کاموں کو اس اپنے حکم کے ساتھ مطابق کرتے ہیں اور جو کام اُن کے حکم کے ساتھ مطابق کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ تو وہ اُن پر ریاکاری اور مکاری کا حکم لگا دیتے ہیں مثلاً عالمگیر پر اُن کی رائے نے یہ حکم لگایا کہ وہ متعصب تھا۔ اب جو کام اُس کا ایسا کہ

جس سے اُس کی بے تعصبی پائی جاتی ہے تو وہ اُس کو ریاکاری اور مکاری سے منسوب کریں گے
یہ نہیں خیال کریں گے کہ متلون اور بے استقلال ہونا انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔ ظالم سے بعض
عدل کے اور عادل سے بعض ظلم کے کام ہوتے ہیں انسان کی کسی نیکی کا یقین کرنا ایسا دشوار
نہیں ہے جیسا کہ مستقل اور ثابت قدم ہونے کا۔ اور اُس کے برخلاف متلون اور غیر مستقل ہونے
کا یقین کرنا ایسا آسان ہے جیسا کہ کسی بدی کا جو شخص کہ کسی آدمی کے ذرا ذرا سے کاموں کو
بالتفصیل دیکھتا ہے وہ اُس کی نسبت صحیح و سچی رای قائم کرسکتا ہے۔ عقل و دانش کا اصول اعظم یہ
ہے۔ کہ آدمی کا ثابت قدم اور مستقل ہونا ایسا مشکل ہے کہ دُنیا کی تاریخ میں بہت ہی تھوڑے
جوانمرد ایسے نکلیں گے کہ انھوں نے جو راہ اور روش اور رسم و طریق اپنے لئے اختیار کئے اُس سے
کبھی نہیں مُنہ موڑا۔ خواہ کیسے ہی وسوسے اور خطرے اور اوہام ہوئے۔ ایک عاقل حکیم نے
کیا زندگی کے کُل طریقوں کو ان مختصر الفاظ میں ایک قاعدہ کے اندر بیان کیا ہے کہ انسان ایک
چیز کا اور اُسی ایک چیز کا ہمیشہ ارادہ کریگا یا نہ کریگا۔ اب اگر یہ ارادہ نیک ہے تو اس سے
انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ ایسا ارادہ ہمیشہ مستقل ہوسکتا ہے لیکن اگر ارادہ نیک نہیں ہے تو اُس میں
استقلال کبھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بُرائی ہمیشہ بیقاعدہ اور بغیر اندازہ معینہ کے ہوتی ہے۔ اس
میں استقلال نہیں ہوسکتا۔ ایک حکیم کا قول ہے۔ کہ صلاح مشورہ اور سوچ بچار ہی ہر نیک کام کا
آغاز ہے۔ کمال استقلال اُس کا انجام ہے اگر ہم اپنی عقل سے کوئی خاص ترتیب اور انتظام
اپنے طریقہ زندگی کے لئے متعین کریں تو ہم کو عمدہ طریقہ پر قائم ہونا چاہیے۔ مگر اس کا خیال
کوئی نہیں کرتا ہے کہ جس چیز کی طرف انسان آج رغبت کرتا ہے کل اُس سے نفرت رکھتا ہے۔
جس چیز کو آج کھوتا ہے کل اُس کی جستجو کرتا ہے اُس کی ساری زندگی متناقض کاموں سے
بھری ہوئی ہے۔ کبھی وہ ڈانواڈول ادھر کا اُدھر پڑا پھرتا ہے۔ کبھی اوپر اُٹھتا ہے۔ کبھی نیچے گرتا ہے
اُس کے حال کو ثبات و استقلال نہیں ہے +

ہماری زندگی کا طریقہ معمولی یہ ہے کہ موقع وقت کی ہوا خواہشہای نفسانی کی میلان کی

پیروی میں جس طرف دائیں بائیں اوپر نیچے چاہتی ہی اُڑاتی ہی۔ جب تک ہماری دل میں یہ خیال نہ آئے کہ کیا چیز ہم کو حاصل کرنی چاہئے۔ ہم اُس چیز پر غور و خوض نہیں کرتے جب یہ خیال آتا ہی۔ تو ہم ایسے بدلتے ہیں جیسے کہ کوئی چھوٹا جانور اپنے رنگ بدلتا ہی کہ جس چیز پر اُسے رکھو اُسی کا رنگ اپنے میں دکھلاتا ہی۔ ابھی ہم نے جو بات دل کے سامنے پیش کی تھی اُس سے رُخ پھیر لیتے ہیں اور پھر اُس طرف رجوع کرتے ہیں غرض ہم لٹو کی طرح اِدھر اُدھر پھرتے ہیں لٹو کو ڈور اُس کی جس طرف پھراتی ہی وہ پھرتا ہی۔ ہم کو میلان طبع اِدھر پھیرتا اُدھر پھیرتے ہیں غرض ہم خود نہیں چلتے ہیں بلکہ چلائے جاتے ہیں جیسے کہ دریا کا پانی اپنے زور کے موافق چیزوں کو اپنے اوپر تیز و سست چلاتا ہی۔ اسی طرح ہمیشہ ہم کو ہماری خواہشہای نفسانی کا میلان اپنے زور کے موافق متحرک کرتا ہی۔ ہم ہمیشہ کچھ نئی چیزیں مانگتے ہیں سر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے ہیں کہ جو چیزیں ہم مانگتے ہیں وہ کیسے بے ٹھور ٹھکانے نامعلوم ہیں +

انسان کے دلوں کا حال بھی دلوں کا سا ہے کہ ہمیشہ اُن میں تلون ہوتا ہی۔ انسان کا مزاج بھی زمانہ کے ساتھ چلتا ہے وہ میلان خاطر اسکو ہمیشہ اِدھر اُدھر جھلاتا پھرتا ہے۔ کہیں ثابت قدم نہیں ہونے دیتا۔ نہ وہ کسی چیز کو آزادانہ چاہتا ہی نہ کلیتہً و مطلقاً و استقلالاً۔ ہاں جن آدمیوں نے اپنے ذہن میں اپنے اوضاع و اطوار کے طریقے اور اخلاق کے قاعدے و قانون خوب استحکام کے ساتھ منضبط کئے ہیں ساری عمر میں اُن کے کام ہموار اور یکساں نظر آتے ہیں اور اُن کے کل کاموں میں ایک کام کو دوسرے کام کے ساتھ ہمیشہ ایک مناسبت اور نسبت دیکھنے میں آتی ہی۔ مگر یہ بھی مشکل ہی کہ سارے کام وہ اُن لیئوں کے ساتھ مقرر کریں کہ جو سُروں میں ہوتے ہیں کہ کبھی اُن میں بے سُری آواز نہیں نکلتی۔ بعض آدمی ایسے دنیا میں گزرے ہیں کہ جنہوں نے اپنی بزم عیش و طرب کے لئے قاعدے مقرر کئے۔ جن سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ اپنی زندگی کو ایک دن سے زیادہ نہیں جانتے تھے

اور یہ سمجھتے ہیں کہ آج ہی جو کچھ گلچھرے اڑانے ہوں اڑالیں کل کی خبر خدا جانے۔ مگر وہی جب مکان بناتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کبھی مرنے کے نہیں یہاں بھی تلون موجود ہے +
انسان میں تلون مزاجی کے اسباب طرح طرح سے جمع ہو جاتے ہیں +

ایک بادشاہ اپنے ایک نوکر کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ جوانمرد نیک نہاد جانتا تھا۔ وہ ایک مرض مزمنہ میں مبتلا تھا بادشاہ نے حکیم پر تاکید کرکے اُس کا علاج کرایا۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو پھر خطرناک جنگ اور ہولناک کام سے دل چرانے لگا۔ بادشاہ نے کہا کہ اب تمھاری وہ دلیری اور عالی ہمتی کہاں گئی۔ تو اُس نے عرض کیا کہ جہاں پناہ پہلے میں ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا۔ کہ مرنے کو جینے سے اچھا جانتا تھا۔ جان جوکھوں کے کام کرنے سے خوش ہوتا تھا۔ اب اچھا ہو گیا ہوں تو خطرناک کاموں کے کرنے سے ڈر لگتا ہے۔ اسی طرح جنگ میں میدان کے اندر ایک سپاہی کے دشمن نے گولی ماری۔ وہ غصہ اور انتقام کے جوش میں ایسا بھرا کہ دشمن پر پل کر گیا۔ اور بڑی جوانمردی سے اپنا بدلہ نکالا۔ افسر سپاہ نے اُس کی اس ہمت و جرأت پر تحسین و آفریں کی۔ مگر جب افسر سپاہ اُس کو کسی مہم پر بھیجنے لگا اور ایسی باتیں سمجھائیں کہ انھیں سنکر بڑا نامرد بھی جوانمرد بن جاتا۔ مگر اُس پر کچھ اثر نہوا اور صاف انکار کیا۔ اور کہا کہ کسی ایسے غریب آدمی کو مہم پر بھیجو کہ جسکی تھیلی چوری گئی ہو +

ہم بعض شخصوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ کل شجاعت کے کام کر رہے تھے۔ آج نامردی کے کام اُن سے سرزد ہو رہے ہیں۔ اِس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جوہر شجاعت اُن کی ذات میں نہیں ہوتا بعض صورتیں ایسی پیش آتی ہیں کہ اُن کو شجاع بنا دیتی ہیں جب وہ حالتیں بدل جاتی ہیں تو اُن کی شجاعت بھی جھبن سے بدل جاتی ہے۔ مثلاً انتقام کے جوش میں غصہ میں بھرائے یا شراب کے نشے میں مست ہو گئے۔ یا جنگی باجوں کی آواز نے دل پر اثر کیا۔ ان سببوں سے تھوڑی دیر کے لئے اُن میں شجاعت پیدا ہو گئی۔ پھر جب یہ اسباب جاتے رہے تو انھوں نے بھی اپنی اصلی حالت پر معاودت کی +

بعض حکیموں نے جب یہ دیکھا کہ انسان سے ایسے افعال متضاد اور اعمال متناقض سرزد ہوتے ہیں کہ اُن کا ایک مخزن سے سرزد ہونا خیال میں نہیں آتا۔ تو انھوں نے انسان کے واسطے دو روحیں مقرر کیں جو جدا جدا اپنی قدرت اور قوت رکھتی ہیں ایک خیر کی طرف لیے جاتی ہے دوسری شر کی طرف۔ اگر انسان اپنے دل کی کیفیت وحالت کو خوب غور اور خوض کی نگاہ سے دیکھے تو اُس کو یقیناً یہ امر معلوم ہوگا۔ کہ وہ ایک حالت میں دو دفعہ نہیں ہوتا۔ اُس کے دل کے کونے متناقض اور متضاد اشیا سے آباد ہیں۔ جھوٹ۔ سچ۔ علم۔ جہالت۔ سخاوت بخل۔ کفایت اسراف۔ رنج خوشی۔ ذہانت غباوت عصمت شہوت۔ خموشی ہرزہ گوئی محنت بطالت۔ محبت۔ عداوت۔ غیرت بے حیائی۔ یہ سب چیزیں کم وبیش اُس کے ارادے اور مرضی کے موافق ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان ناموافق چیزوں کا دور دل میں لگاتار رہتا ہے انسان میں کوئی فضیلت و رذیلت نہیں سمجھنی چاہئے۔ جب تک اُس میں مداولت نہ ہو ایک دفعہ شجاعت کے کام سے کوئی شخص شجاع نہیں ہوتا۔ شجاع وہ ہے جس کی ذات کے اندر ہر حالت میں شجاعت پائی جائے۔ کل حادثات میں جو اُس کو پیش آئیں اپنے اس ملکہ کو دکھائے جیسا وہ خلوت میں دلیر ہو۔ ویسا ہی جلوت میں۔ جیسا فہرست میں اوّل ہے ویسا ہی لڑائی میں۔ یہ نہیں کہ گھر میں کچھ اور ہو۔ اور میدان جنگ میں کچھ اور۔ شجاع بستر پر بیماری کا ایسا ہی بہادری سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور موت سے نڈر رہتا ہے جیسا کہ لڑائی میں زخموں کا۔ اور موت سے ایسا ہی نڈر رہتا ہے جیسا کہ حملۂ جنگ میں ———— اگر ایک شخص دشمن کی دیوار شکستہ کے شگاف میں دلیرانہ گھس جاتا ہے۔ مگر عدالت میں ایک مقدمہ کے ہارنے پر۔ بچے کے مرنے پر عورتوں کی طرح چیخیں مار مار کر روتا ہے۔ اور رنج وغم کرتا ہے۔ یا نامرد ہے۔ مگر افلاس کی مصیبتوں کو استقلال سے سہتا ہے۔ یا نائی کے اُسترے سے ڈرتا ہے۔ مگر دشمن کی تلواروں کی دھاروں پر بےخوف وخطر جا پڑتا ہے۔ تو ہم ایسی صورتوں میں کام کی تعریف کریں گے لیکن اس آدمی کو شجاع نہیں کہیں گے۔ جو انسان حقیقت میں نیک ہوتا ہے وہ نیکی کو نیکی کی

خاطر سے کرتا ہی۔ جو شخص اپنی اغراض پر نیکی کی نقاب مستعار لے کر ڈالتا ہی۔ خود نیکی اپنی نقاب آتار دیتی ہی۔ اور اُس کی اغراض کو دکھا دیتی ہی۔ نیکی کا رنگ تو وہ گہیرا اور پکا ہی کہ جس دل پر چڑھ گیا وہ پھر جاتا نہیں دل ہی کے ساتھ جاتا ہی۔ پس جب کسی انسان کی نسبت اپنی صحیح اور سچی رای قائم کرنی چاہیں تو بہت تحقیق و تدقیق کی نظر سے ہم اُس کی زندگی کے افعال کا سراغ لگائیں اور اگر ہم اس میں ثبات و استقلال کو مضبوط بنا پر قائم نہ دیکھیں بلکہ اس میں تلون پائیں کہ وہ مختلف واقعات کے پیش آنے سے اپنے طریقہ کو بدلتا ہی اور اُس میں سست یا تیز قدم اٹھاتا ہے تو اس کو یہ جاننا چاہیے کہ وہ ہوا کے آگے چلتا ہے۔ اُس کے ساتھ رخ بدلتا ہی۔ زمانہ ساز ہی اصلی صفات سے محروم ہے یہ انسان کی خوبی بڑی قدر و منزلت کے لائق ہے کہ وہ سارے کاموں میں یہ معلوم ہو کہ وہ ایک ہی شخص ہے +

حکماء قدیم میں سے ایک حکیم کا قول ہے کہ یہ بات تعجب کی بات نہیں ہے۔ کہ بخت و اتفاق ہم پر زیادہ تر حکمرانی کرتے ہیں یہ بھی اتفاق ہی کہ ہم جیتے ہیں جب تک انسان اپنی زندگی کا مآل کار متعین کرے ہی کہ میں کیا ہونگا اور کیا کروں گا۔ وہ اپنے لئے کوئی خاص کام نہیں تجویز کر سکتا جب تک آدمی کے ذہن میں کُل کی صورت خیال میں نہ ہو۔ اُس کے اجزا کی ترتیب کیسے دی سکتا ہے۔ اگر تصویر کھینچنی نہ آتی ہو تو رنگ کس کام کے ہیں تیرانداز کو یہ نہ معلوم ہو کہ میں کہاں نشانہ لگاؤں گا۔ تو ترکش سے تیر نکالنا اور کمان کو زہ پر چڑھانا بیکار ہی۔ جب تک کسی معاملہ میں مآل کار نہ متعین ہو صلاح و مشورہ بیکار ہے۔ جب تک کسی بندرگاہ میں اُترنے کا ارادہ مقرر نہ ہو ہوا کا رخ دیکھنا کس کام کا ہی۔ بس جب تک کسی شخص کی زندگی کا مآل کار نہ معلوم ہو اُسکے خصائل کی نسبت کوئی رای نہیں قائم ہو سکتی ہے اکثر یہ غلطی پڑ گئی ہی کہ انسان کی ظاہری اور خارجی کاموں کو ہم دیکھ کر اپنی رای قائم کرتے ہیں مگر اُس کے باطن کی تجسس میں سعی نہیں کرتے اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ اندر کون سی کمانیاں ہیں کہ جو حرکات ظاہری پیدا کر رہی ہیں مگر کسی کے باطن میں پیٹھنا اور اس کے ظاہری کاموں کا اصلی

سب جاننا نہایت دشوار اور خطرناک کام ہے۔ بہت ہی تھوڑی آدمی دُنیا میں گذرے ہیں جنھوں نے یہ کام کیا ہو۔ ورنہ انسان کے ظاہری کاموں پر سب رائے قائم کرتے ہیں

(۴۷) شراب خواری۔

شعر گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن * ہے ذوق اس جہان کو زیب اختلاف سے

دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک ہی چیز کے ہزاروں درخت ہیں اور ہر درخت میں لاکھوں پتے ہیں مگر نہ دو درخت ایک سے ہیں نہ دو پتے۔ اسی رنگا رنگ اختلاف کا نام دُنیا ہے۔ اسی طرح دُنیا میں ہزاروں بُرائیاں ہیں مگر دو اُن میں سے یکساں برابر نہیں ہیں۔ بعض حکیم ان سب کو یکساں جانتے ہیں جو شخص نیکی کی راہ مستقیم سے سو قدم بے راہ ہو۔ یا دس قدم دونوں کو گمراہ جانتے ہیں۔ اور اس راہ گمراہی میں اُن کے واسطے خیر نہیں جانتے۔ اُن کے نزدیک خواہ کوئی شخص مذہب سے بے ادبی کرے۔ یا کوئی چیز چرائے۔ دونو یکساں ہیں مگر یہ انکی ہٹ دھرمی ہے۔ بھلا اوپر کی صورت میں بُرائیوں کے سبب سے کب آدمی یکساں برابر ہو سکتے ہیں۔ غرض حکماء کی رائے میں مثل اور مسائل کے اس میں بھی اختلاف چلا آتا ہے کہ بُرائیاں سب برابر ہیں یا نہیں گناہوں کے درجوں اور اندازوں کو خلط ملط کرنا اندیشہ سے خالی نہیں اگر سب گناہ برابر ہو جائیں تو قاتل خونخوار۔ دغا باز۔ مکار۔ ظالم۔ جابر۔ اپنے تئیں بڑے فائدے میں سمجھنے لگیں اور اپنی کانشنس کی خوب خوشامد کریں اور یہ جانیں کہ ہم بھی ایسے ہی ہیں۔ جیسے کہ کاہل سست۔ نفس پرست۔ ریاضت و عبادت میں سست لوگ ہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ ہر شخص غیروں کے گناہوں کو کبیرہ اور اپنے گناہوں کو صغیرہ جانتا ہے۔ ابتدا سے اُن گناہوں کے باب میں علم ہمیں درست تعلیم ہی نہیں دیتا + سقراط نے لکھا ہے کہ حکمت کا کام ہے کہ وہ نیک و بد میں تمیز کرنے کا ملکہ پیدا کرے۔ ہم میں سے جو زیادہ اچھا ہے وہ بھی بد ہے۔ اس لئے ایسے علم کی بھی ضرورت ہے کہ جو ایک بُرائی کی دوسری بُرائی سے تمیز کرنے کی استعداد پیدا کرے۔ جب تک یہ علم نہ سیکھا جائے اور

سیکھا جاوے۔ تو صحیح طور سے۔ تب تک نیک و بد ایسے خلط ملط معلوم ہونگے کہ وہ پہچانے نہیں جائینگے۔ غرض اس تمہید سے یہ ہے کہ شراب پینا برا ہی نہیں ہے۔ بلکہ سب برائیوں میں بدتر ہے اور اس سے بڑھکر کوئی برائی نہیں ہے۔ اس لئے اس کو اُم الخبائث کہتے ہیں اور برائیوں کے کرنے میں بڑا حصہ روحانی ہوتا ہے۔ مگر اس میں صرف جسمانی حصہ ہے۔ یعنی اور برائیوں میں علم۔ محنت دلیری۔ جرأت۔ ہمت۔ ہوشیاری۔ تیزی چستی۔ چالاکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ شراب پینے میں کسی کی ضرورت نہیں اس کے واسطے کسی عقل کی ضرورت نہیں اور برائیاں عقل و فہم کو تحلیل کرتی ہیں۔ مگر شراب پینا دل کو بالکل زائل اور فنا کرتا ہے۔ اور جسم کو نکما بناتا ہے۔ جب شراب کا اثر اپنی پوری طاقت ہم میں دکھاتا ہے۔ تو تمام عضا میں گرانی آجاتی ہے۔ وہ ڈھیر ہوجاتے ہیں۔ ٹانگیں لڑکھڑاتی ہیں۔ زبان بہکتی ہے۔ دل میں ہول اُٹھتے ہیں۔ آنکھیں اُبل آتی ہیں۔ ہچکیاں آتی ہیں۔ جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں سب سے بدتر حالت انسان کی یہ ہے کہ اس کو اپنے آپے کی خبر نہ ہے اور وہ اپنے تئیں سنبھال نہ سکے۔ جیسے پتیلی کی تہ میں جس چیز کو ڈال کر جوش دو اُسی کا اُبال اُسکے اوپر اُٹھتا ہے اسی طرح شراب کے نشے میں جو راز کہ دل کے اندر مخفی ہوتے ہیں وہ زبان پر آتے ہیں۔ جس کے دل کا حال دریافت کرنا چاہو۔ اُس کو شراب پلاکے معلوم کرلو۔ سلاطین و امرا وزرا کی بہت سی مثالیں ایسی تاریخ میں لکھی ہیں کہ انھوں نے خود شراب پی کر اپنے اسرار کو برملا کہدیا کہ جس سے اُن کے سر پر آفتیں آگئیں یا اوروں کو شراب پلاکر راز کی باتیں معلوم کرلیں۔ متقدمین حکما مے نوشی کی زیادہ تر مذمت نہیں کرتے۔ بلکہ بعض تو شراب پینے کو اچھا بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو تازہ و توانا کرتی ہے۔ مردہ دل کو بھی زندہ بنا دیتی ہے۔ اُس کے پینے سے بعض آدمی نیک خیال ہوجاتے ہیں۔ ان کی ذہن اور عقل روشن ہوجاتے ہیں +

کیخسرو نے اپنے بھائی پر یہہ فخر کیا تھا کہ میں تجھ سے زیادہ شراب پیتا ہوں +

بعض اطبا اور اقوام شائستہ کا قول ہے کہ معدہ کے قوا جو ضعیف و مضمحل ہو جاتے ہیں اُن کے از سر نو قوی کرنے کے لئے ایک مہینہ میں ایک دفعہ شراب کا کثرت سے پینا اچھا ہے یہ ایک تازیانہ اُن کی سستی اور کاہلی کے لئے ہو جاتا ہے +

ایک مورخ لکھتا ہے کہ مجالس مشورہ میں ایرانی شراب پی کر بیٹھتے تھے جس سے اُن کی عقل اور ذہن میں تیزی پیدا ہو جاتی تھی۔ یوں تو کوئی بُرائی دُنیا میں نہیں ہے کہ جس کے طرفدار بعض آدمی نہوں۔ مگر سچ یہ ہے کہ شراب خواری سے زیادہ کوئی بُرائی انسان کے حق میں مضر نہیں ہے۔ اور اس سے زیادہ کوئی احمقانہ اور ناشائستہ حرکت نہیں ہے۔ گو وہ اور بُرائیوں کیطرح غیروں کے لئے ایذا اور ضرر رساں نہیں ہے۔ اور پبلک سوسائٹی میں اِل چل نہیں ڈالتی۔ خاص اپنی ذات کے لئے بڑی ہوتی ہے +

افلاطون اٹھارہ برس کی عمر تک شراب پینے کو منع کرتا ہے اور چالیس برس کی عمر تک اجازت دیتا ہے۔ اور آگے عمر میں گاہے ماہے کسی شادی اور تہوار کی تقریب میں شراب پینے کو منع نہیں کرتا ہے +

ایک حکیم شراب کی یہ تعریف کرتا ہے کہ وہ جوان کو مسِن اور پیر کو جوان بناتی ہے انسان کی تمام شہواتِ نفسانی کو ایسا نرم کر دیتی ہے۔ جیسے کہ آگ لوہے کو۔ جن مجالس و محافل کا انتظام ایسا ہو کہ کوئی شخص بیہودہ حرکت نہ کرنے پائے تو اُن میں شراب کا دور چلنا بہت ہی نافع اور مفید ہے۔ شراب سے ہر شخص کی طبیعت اور مزاج کا حال معلوم ہوتا ہے۔ وہ گویا سبز مرد ہے کھوٹے کھرے کو فوراً بتلا دیتی ہے۔ اُس سے روح میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ جسم بیماریوں سے بچتا ہے۔ وہ لڑائی کی تو جان ہے۔ مگر مجسٹریٹ جج اور اُن لوگوں کو جو حقوق رعایا کا انفصال کرتے ہیں۔ یا اور پیشے کرتے ہیں۔ دن کو شراب پینی نہیں چاہئے اور اُس رات کو بھی جس میں وہ حمل رکھوانے کا قصد رکھتے ہوں +

یہ ایک سوال بھی بڑے لطف کا ہے۔ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے کہ شراب میں یہ طاقت بھی ہے

یا نہیں کہ اُس کا نشہ عقلمند حکیم کی روح کو مغلوب کرے۔ انسان بھی کیا کیا اپنی تسلی کے لیے اپنی نسبت باتیں لگاتا ہے دانش وحکمت کیا انسان کی فطرت کو بدل دیگی جو اُس پر شراب کا اثر ہوگا۔ جاہل ہو یا عاقل حکیم ہو فالج کے اثر سے دونو ایک طرح بچ سکتے ہیں اسی طرح شراب کے اثر سے دونو ایک ہی طرح بچ سکتے ہیں اور ایک ہی طرح مبتلا ہو سکتے ہیں +

بعض آدمی بیماری کی شدت میں اپنا نام بھول جاتے ہیں بعض کی رای اور عقل بالکل درہم وبرہم ہو جاتی ہے۔ غرض حکمت و دانش سے انسان آرام اور افزایش جسمانی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ شراب کے نشہ کا جو اثر ہے۔ وہ سب پر ہوگا۔ خواہ عاقل حکیم ہو۔ یا جاہل گنوار۔ جیسے کہ زمین کے مختلف خواص کے سبب سے ایک ہی درخت کے بیج طرح طرح سے پھولتے پھلتے ہیں اور مختلف مزے رکھتے ہیں اسی طرح شراب کا حال ہی کہ انسانوں کے طبائع مختلف پر اپنا اثر طرح طرح سے ظاہر کرتی ہے کوئی شراب پی کر۔ دیوانہ۔ وحشی۔ جانور درندہ ہو جاتا ہے۔ کوئی نہایت نیک بن جاتا ہی کسی کو انتقام کا جوش اس سے اُٹھتا ہے کسی میں محبت وعشق کی آگ سُلگتی ہے غرض وہ بہت سے رنگ اپنے دکھاتی ہے جسکو تم روزمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ یا کانوں سے سُنتے ہو۔ ہندوستانی جو دائم الخمر رہتے ہیں اُن میں بہت کم ایسے ہیں جو پچیس برس سے زیادہ جیتے ہیں اِس مُلک کے نوجوان رئیس زیادہ تر اسی شراب کی بدولت اپنی جام عمر کو لبریز کرکے جرعۂ موت پیتے ہیں۔ خدا اس سے بچائے وہ بُری بلا ہی۔ جب منھ کو لگ جاتی ہے تو وہ چھوٹتی نہیں +

عرب کے ایک شاعر کا قول ہی۔ شعر

اترک الخمر ولو کنت فتی * کیف یسعی فی جنون من عقل

یعنے

شراب پینا چھوڑدے — اگر تو جوان ہو ہے * کوئی عقلمند آدمی اِس بات کی کوشش نہیں کرتا کہ مجنون بن جاوے

ہل فارس کا قول ہے۔ کہ در ہوش چہ خطا دیدی کہ بیہوش شدی +

(۷۵) انسان کا اپنی حالت پر غور کرنا

اگر کبھی کچھ اپنے حال پر خیال کریں اور وہ وقت کہ ہم غیروں کے افعال کے تجسس میں اور خارجی چیزوں کے تفحص میں صرف کرتے ہیں اُس کو اپنے حال کے غور و پرداخت میں لگائیں تو معلوم ہو گا۔ کہ ہم کیسے ضعیف و ناتواں ہیں اور پست حالت میں پڑے ہیں ایک بڑا بھاری عیب ہم کو اپنا یہ معلوم ہو گا۔ کہ ہمارے خود خیالات اور خواہشہا نفسانی ہم کو اس قوت سے محروم کرتے ہیں کہ جو سب سے زیادہ فائدہ مند اور مناسب چیز کا ہمارے لئے انتخاب کرتی ہے۔ حکماء میں ہمیشہ سے اس باب پر مناقشہ چلا آتا ہے۔ اور چلا جائیگا۔ کہ انسان کے واسطے نیکیوں میں کون سی نیکی سب سے زیادہ معزز و مکرم ہے۔ جس کو افسر فہرست و سرتاج ان کا بتائیں۔ نہ کبھی اس کا فیصلہ ہوا نہ ہو گا۔ نہ اس پر اب اتفاق ہوا نہ ہو گا۔

جو چیزیں ہم چاہتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں بہت ہی ضروری چاہنے کے قابل ہیں مگر جب یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں تو کچھ اور چیزیں چاہتے ہیں۔ غرض وہی ایک طلب کی تشنگی چلی جاتی ہے جو کبھی بجھتی نہیں +

جو چیزیں کہ ہمارے قبضہ میں آجاتی ہیں اُن پر ہم قناعت نہیں کرتے۔ اپنی اطمینان قلب کے لئے کافی نہیں سمجھتے۔ اُن کو غیر کافی جان کر ایسی چیزوں کی طلب میں تڑپتے ہیں کہ خود نامعلوم ہیں +

جو چیزیں زندگی کی آسودگی کے واسطے ضروری اور لازمی ہیں وہ سب حاصل ہیں۔ بہت سی دولت عزت شہرت اپنی اور اپنی اولاد کی نیکنامی یہ سب ہاتھ تلے ہیں مگر دل میں وہی تردد اور فکر چلے جاتے ہیں گویا دل نے شکایتوں کا جامہ پہن رکھا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ظرف ہی خراب ہے جس کی خرابی سے یہ سب خارجی چیزیں جمع ہو کر خراب ہو گئیں۔ ہماری شہوات نفسانی غیر مستقل و متلون ہوتی ہیں وہ کسی چیز سے احتظاظ اور التذاذ بخوبی نہیں اٹھاتیں اس سے یہ نتیجہ

نکلتا ہے کہ جو چیزیں آدمی کے قبضۂ اختیار میں ہیں وہ خود اچھی نہیں ہیں اس لئے وہ اپنا خیال ان چیزوں کی طلب میں دوڑاتا ہی جن کو نہ جانتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ اُن کے پانے کی امیدوں اور خواہشوں میں ان کی پرستش کرتا ہے اور نہایت تعظیم و تکریم کرتا ہی۔ کیا یہ قیصر کا مقولہ اچھا ہی۔ کہ اس عیب میں تھوڑے بہت سب مشترک ہیں کہ جو چیزیں کہ مخفی و مجہول اور نادیدہ ہیں ہم اُن پر بہت بھروسہ رکھتے ہیں اور ان میں بہت ذہن کی رسائی پاتے ہیں +

(۷۶) اولاد کا نام رکھنا۔

سقراط کا قول ہی کہ باپ کو بڑی احتیاط سے اپنی اولاد کا نام رکھنا چاہئے یہہ اِس حکیم کا کہنا سچ ہے۔ باپ پر اولاد کا یہ حق ہی۔ کہ وہ اچھا نام رکھے۔ اگر نا ملائم نام رکھ دیا تو عمر بھر اس نام سے شرمندگی اُٹھانی پڑے گی +

بعض دفعہ بھلے مانس اپنے اولاد کے نام رذالوں کے سے رکھ دیتے ہیں جس سے اولاد کو عمر بھر بہت اُٹھانی پڑتی ہی + بعض اوقات غریب آدمی اپنی اولاد کے نام امیروں کے سے رکھ دیتے ہیں تو اُن کی جگت ہنسائی ہوتی ہی۔ بعض دفعہ چمار یا عیسائی ہوتے ہیں تو پادری صاحب نام وکٹوریا اور ؕالزبیتہ رکھ دیتے ہیں تو اور انگریز سن کر ہنستے ہیں نام ایسا رکھنا چاہئے۔ کہ وہ آسانی سے یاد رہے مشکل سے بھولے۔ تلفظ اُس کا آسان ہو۔ خاندان اور ذات پر دلالت کرتا ہو +

(۷۷) عمر۔

عمر کا کچھ بھروسا نہیں کوئی انسان نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں اتنے دنوں جیوں گا۔ نیچر نے انسان کی افزایش عمر کے لئے ایک حد مقرر کردی ہے اور حکم دیدیا کہ وہ اس سے آگے نہیں بڑھنے پائے گا۔ مگر کمی کی کوئی حد مقرر نہیں سینکڑوں قانون نیچر کے ایسے ہیں کہ وہ موت کا فتویٰ دے کر مار ڈالتے ہیں نیچر اگر کسی کو درازی عمر کا پٹہ مہربانی سے لکھ ہی دیتا ہی۔ تو اُس کو زندگی کا

نبھانا دشوار ہوتا ہے۔ بیس برس کی عمر میں جو انسان میں جو ہر پیدا ہونے والی ہوتے ہیں وہ اپنا رنگ دکھانے لگتے ہیں اگر اس عمر تک کوئی آدمی کا ہنر نہ ظاہر ہوا تو پھر آگے امید نہیں ہو سکا نا نکلتے ہی نہ چبھنے لگے تو وہ پھر چبھتا نہیں - ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات - تیس برس کی عمر تک انسان کے عقل و ہوش و حواس ترقی کرتے جاتے ہیں اور چست و درست و چالاک مستعد رہتے ہیں یہ آدمی کی نشو کا زمانہ ہے - پھر وقوف کا زمانہ کچھ رہتا ہے پھر انحطاط کا وقت آتا ہے - پھر ترقی موقوف ہوتی ہے +

تاریخ کو دیکھو تو تیس برس کی عمر کے اندر جتنے آدمیوں نے کار نمایاں کیے ہیں اتنے تیس برس سے زیادہ کی عمر والوں نے نہیں کیے + جو لوگ اپنے وقت کو اچھی طرح بسر کرتے ہیں - اُن کا تجربہ اور علم بڑھتا جاتا ہے مگر قوائے جسمانی اور روحانی کا تنزل بھی ہوتا جاتا ہے - ان میں مستعدی اور چستی نہیں رہتی - پھر انسان کے انجر پنجر ڈھیلے کرتا جاتا ہے - قوت اور خون کے مد کا جزر ہوتا ہے۔ عقل لنگڑانے لگتی ہے - زبان بہکتی ہے - دل میں پژمردگی ہوتی ہے +

ابیات

چو تاریخ پنجہ درآمد بہ سال ؎ دگرگونہ شد بر شتابندہ حال
سر از بار سنگی درآید بہ سنگ ؎ جمازہ بہ تنگ آید از راہ تنگ
تن رو بماند دستم ز می خواستن ؎ گراں گشت پایم ز برخاستن
تنم گونہ لاجوردی گرفت ؎ گلم سرخی انداخت زردی گرفت
ہمیوں رو تن زرہ مانند باز ؎ بہ بالیں گہ آمد سرم را نیاز
ہماں بور چوگانے باد پا ؎ بصد زخم چوگاں نہ جنبد زجا

ہزاروں میں دو چار ایسے ہوتے ہونگے - جو عمر طبعی تک پہنچے ہوں گے - بس عمر طبعی پر پہنچ کر مرنا شاذ و نادر اور یہ ایک امر اتفاقی ہے - اس کو اتفاقی موت کہنا چاہیے - مگر ہم اس کو کبھی اتفاقی مرگ نہیں کہتے - یہ ہماری غلطی ہے +

گورنمنٹ کے سارے کاموں میں عمر کی قید لگی ہوتی ہے مدرسہ میں اس عمر سے کم داخل نہیں ہونگے - اس عمر سے زیادہ پڑھائے
نہیں جائیں گے - اس عمر میں یونیورسٹی کے داخلہ کا امتحان نہ ہوگا اس عمر میں سول سروس کا امتحان نہ ہوگا اس
عمر سے نوکری کا آغاز ہوگا اس عمر کے بعد نوکری کا خاتمہ ہوگا - عورت مرد کے واسطے عمر بلوغ مقرر ہوتی ہے
مگر اس باب میں ہمیشہ قوانین اور قاعدے بدلتے رہتے ہیں اور ایک ہی کام کے واسطے مختلف عمریں مختلف زمانے
میں مقرر ہوتے رہتے ہیں اُن کا لکھنا عبث ہے ابھی سول سروس کے واسطے ۱۹ برس کی عمر مقرر تھی اب ۲۳ برس کی
پہلے زن و شو کی عمر رضامندی گورنمنٹ کی طرف سے ۹ برس مقرر تھی اب ۱۲ برس مقرر ہو گئے -
پہلے پچپن برس ملازم نوکری چھوڑنے پر مجبور کئے جاتے تھے - اب ساٹھ برس تک اُن کو اجازت دی جاتی ہے حقیقت میں
بعض کام ایسے ہیں جو ایک خاص عمر کے بعد اچھی طرح نہیں کئے جاتے - معلمی پچاس برس کی عمر کے بعد اچھی طرح نہیں کی
جاتی مگر یہاں حالت نزع تک سمجھتے ہیں کہ معلم معلمی کر سکتا ہے غرض شائستہ گورنمنٹ کی ملازمت میں لیاقت کے سوا عمر
کو بھی دخل ہے +

(۷۸) قول فعل -

کہنا کچھ اور ہوتا ہے اور کرنا کچھ اور کہنے اور کرنے میں زمین آسمان کا فرق
کہنا تو زبان ہلانے کا کام ہے - بہ قول شخصے کہ زبان کے لگے خندق نہیں وعظ کچھ اور ہے
واعظ کچھ اور - واعظین کے ہاتھ میں ایک عمدہ کام پند و وعظ کا ہے - ان کی سیاست عوام
کے دلوں پر مسلط ہوتی ہے - مگر ان کے دل ایسے ناپاک اور خباثت ہوتے ہیں کہ مذہب
میں طرح طرح کے خلل پیدا ہوتے ہیں ان کے باہمی نفاق اور انتقام جوئی کے سبب دلائل
مذہب میں ایک آفت برپا ہوتی ہے - اور ایک فساد عظیم کھڑا ہوتا ہے +
بعض واعظوں کا ظاہری اخلاق بہت اچھا ہوتا ہے - مگر ان کی رائے اوندھی اور عقل اندھی
ہوتی ہے - بعض واعظ شریر ہوتے ہیں - راست بازی اور نکوکاری کا وعظ فرماتے ہیں
مگر خود اس کا یقین نہیں رکھتے - جس انسان کے قول و فعل موافق نہ ہوں - وہ منافق ہے
- منافق کے کلام کا اثر کچھ دل پر نہیں ہوتا - اور نہ کوئی سنتا ہے - ایک شخص جس نے
میدان جنگ میں تلوار کی شکل نہ دیکھی ہو - وہ تیغ زنی کا ذکر کرے تو کون اُسے

سنے گا۔ چنانچہ ایک فلسفی شجاعت کی تعریف کر رہا تھا۔ ایک سپاہی اسے سُنکر
ہنس پڑا۔ دوسرا آدمی جب اُس پر خفا ہوا تو اُس نے کہا کہ یہ بیان میں نے ابابیل
کی زبانی سُنا تھا۔ اس لئے بے اختیار ہنسی آئی۔ اگر باز سے سُنتا تو ہرگز نہ ہنستا۔ گوش
جان سے سنتا + غرض جب کسی انسان کے قول فعل کو موافق نہیں دیکھتے تو اُس کی بات
نہیں سُنتے۔ اور نہ اُس کے کہنے سے ان کے دل پر اثر ہوتا ہے۔ جو سچے اپنے کاموں میں
گذر گئے ہیں گو ان کے کلام پر ہزاروں برس گذر چکے ہیں مگر اب تک ان کا لفظ لفظ
دل پر اثر سحر کا سا کرتا ہی۔ جو اپنے کاموں میں سچے نہ تھے۔ ان کے قول گو فصاحت بلاغت
استدلال سی بھرے ہوئے ہیں ذرا بھی اثر نہیں کرتے۔ بہت سے فقرا اور صوفیوں کی
کتابیں ہیں کہ جن میں دولت کی بے ثباتی اور زیست کی حقارت۔ موت کی خوبی بیان
کی ہی۔ مگر ان کے عمل اس کے برخلاف تھے۔ اس لئے اُن کا اثر کچھ بھی دل پر نہیں ہوا۔ اُنکا
لکھنا نہ لکھنا برابر ہے۔ ظاہر ہے جو شخص خود عالی ہمت۔ عاقل۔ نیک مزاج نہیں ہوتا
وہ ہزار باتیں عقل و نیکی کی بنائے۔ اُس سے کسی کا دل نہیں پسیجتا۔ سچے مصنف وہی ہوتے
ہیں کہ جو کچھ انھوں نے کہا وہ کر کے بھی دکھا دیا۔ اگر یہ کہا کہ جھوٹ بولنا بُرا ہے تو عمر
بھر جھوٹ نہیں بولے۔ اگر کہا کہ غصہ کرنا بُرا ہی تو کبھی وہ غصہ نہیں ہوئے۔ ایسے ہی مقدس
بزرگ اپنی درست کرداری سے راست گفتاری کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جما گئے ہیں
اور اُن کو راستی کا رستہ بتا گئے ہیں +

(۷۹) ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہی۔

ہر چیز کے لئے ایک وقت معین ہوتا ہی ہزاروں چیزوں کے وقت کو سب آدمی جانتے
ہیں تعلیم پانے کا زمانہ بچپنا ہی۔ اب کوئی بوڑھا ایک نئی زبان جو اُس نے پہلے نہ
سیکھی ہو ہر روز مدرسہ میں جا کر سیکھنی شروع کرتے تو لوگ اُسے بیرنا بالغ کہیں گے۔ کہ بڈھا
ہو کر بچوں کے کام کرتا ہی۔ اِس کُہن سالی میں جو پڑھتا ہی تو عالم کیا مر کر ہو گا۔ مطالعہ اور

غور کرنا ہر عمر میں سزاوار ہی۔ لیکن مکتب میں ہمیشہ حاضر باش ہوتا لڑکوں کا کام ہی۔ بڑھاپے میں کسی زبان کی الف بے تے پڑھنی سزاوار نہیں اسے تو یہ مطالعہ کر کے پڑھنا چاہئے کہ دُنیا سے سفر بہ آرام تمام کیونکر ہو۔ اللہ بس باقی ہوس اگر کوئی سپہ سالار ہنگامہ کارزار سے جدا کھڑا ہوکر نماز پڑھنے لگے تو۔ اِس ناوقت نماز پر سپاہی تبرا کریں گے۔ نماز کے وقت معین ہیں۔ اُس وقت کی عبادت یہی ہی کہ سپاہیوں کی صف بندی اچھی طرح کرای + غرض ہر عمر کا اقتضائے ہے جب اس کا انقضا ہو جای تو اس عمر کے کام چھوڑ دینی چاہئے + مگر ہم اپنے میں یہ عیب دیکھتی ہیں کہ جتنی عمر ہماری ڈھلتی جاتی ہے اُتنی ہوا و ہوس بڑھتی جاتی ہی۔ اِدھر عمر دراز ہوتی ہے۔ اُدھر حرص و آز دامن دراز کرتی ہی۔ ہم بوڑھے ہوتے ہیں حرص جوان ہوتی ہے۔ ہم قبر میں پاؤں لٹکای بیٹھے ہیں قبر تو نہیں بنوائے۔ مگر مکان عالیشان بنوا رہے ہیں اور اُس کے لئے سنگ مرمر ترشوا رہے ہیں گویا دوبارہ زیست شروع ہوگئی + جب بڑھاپا آجای تو سمجھنا چاہئے کہ زندگی جیسی بری بھلی کٹنی تھی کٹ چکی۔ اب کچھ کھونا ہے نہ ہاتھ لگنا ہے۔ پہلے سفر کے زادراہ کا قرض ادا کرنا ہے آگے چلنا نہیں اس بڑی عمر میں اِن باتوں کا شوق چھوڑنا چاہئے کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ دولت ثروت عزت حکومت طاقت قدرت علم کیونکر لوگ حاصل کر رہی ہیں ایسی چیزوں کا فکر کرنا ایسا ہی جیسے کوئی آدمی اُس وقت بولنا سیکھے کہ جب ہمیشہ چپکا رہنا پڑے عہد شباب کی آب و تاب نہ رہے اور نونہال جوانی پت جھڑ ہو جائے تو اُس وقت عیش و طرب کے مزے سے ہاتھ اٹھانا چاہئے +

ایک حکیم نے خوب کہا ہے کہ ؎

چوں پیر شدی کار جوان نتوان کرد ❊ پیریست نہ کافری نہان نتوان کرد
در ظلمت شب ہر آنچہ کردی کردی ❊ در روشنیٔ روز ہمان نتوان کرد

(۸۰) سفاکی یعنی بہت خون بہانا

کہتے ہیں کہ سفاکی کرنا نامردی ہے یعنے نامردی کے پیٹ سے سفاکی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ زنانی طبیعت کی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ کینہ رکھتی ہے سخت انتقام لیتی ہے۔ غیظ و غضب میں دیوانی ہو جاتی ہے۔ سفاکی یعنے آدمیوں ور دشمنوں کے قتل کا سبب یہ کینہ وانتقام ہی ہوتا ہے۔ اکثر سفاک ایسے دیکھنے میں آئے ہیں کہ اُن کا دل ایسا نامرد اور بودا ہوتا ہے کہ ذرا سی مصیبت میں رونے لگتا ہے مگر دشمن جو ان کے قابو میں آجائے تو اُس کے قتل کرنے سے خوش ہوتا ہے +

بعض بادشاہ ایسے گزرے ہیں کہ روز بے گناہوں کا خون اپنی گردن پر اس خوف واندیشے سے لیتے تھے کہ کہیں وہ ہمارے دشمن ہو کر ہم کو نہ ستائیں شجاعت وہ صفت ہے کہ شجاع وہاں ہاتھ نہیں اٹھاتا جہاں اُس کو مقابلہ کی امید نہیں ہوتی۔ وہ اس بیل کو نہیں مارتا۔ جو اُسے سینگ مارنے پر نہ تلے جہاں دشمن نے اُس کے آگے سر جھکایا اُس کے گلے پر تلوار نہیں چلاتا۔ بلکہ اُسے گلے لگا لیتا ہے مگر شجاعت کے برخلاف جبن کا قاعدہ ہے کہ نامرد خوفناک مقاموں میں شکار کے لئے نہ جائے۔ مگر بس چلے تو دشمنوں کی خونریزی سے خون کے ندی نالے بہائے۔ قتل عام کا حکم دے دے جو لشکر فتح حاصل کرتے ہیں اُن میں نامرد پاجی سپاہیوں کا یا اُن کے جو بچے لگو ہوتے ہیں انھیں کا کام یہ ہے کہ مطیع دشمن کے خون سے اپنا منھ کالا کرتے ہیں +

جو شجاعت سے ناآشنا ہیں وہ یہی نہیں جانتے کہ جوانمردی کس کا نام ہے۔ وہ تعانہ جنگیوں میں سر پھوڑنے ہی کو مردانگی کہتے ہیں اور جو دشمن اُن کے پاؤں میں سر رکھتا ہے۔ اس کے سر اڑانے کو رستم واسفندیار کا کام جانتے ہیں۔ شجاعت یہ ہے کہ دشمن کو مغلوب کرے۔ نہ یہ کہ قتل۔ اُس سے اطاعت کرائے۔ نہ یہ کہ تلوار سے سر اڑائے + جو طبائع

انتقام جو ہوتی ہیں اُن کے انتقام کی بھی آرزوئیں جب پُوری ہوتی ہیں کہ
دشمن نہ بچے اُس کے مار ڈالنے میں تو کوئی ارمان دل کا نہیں نکلتا۔ انتقام کا اثر کوئی
مُردہ پر تو ہوتا نہیں دشمن کو مارنا گویا اپنے انتقام کی تمام تکالیف سے اُس کو چھڑا
دینا ہے۔ انتقام یہی لطف ہی کہ دشمن کو معلوم ہو کہ دشمنی کا خمیازہ ہی۔ پشیمان
پریشان ہوکر آیندہ کو توبہ کرے۔ اپنے کان مروڑے کہ پھر ایسی حرکت مجھ سے
سرزد نہ ہوگی + جس سے انتقام لیا جاتا ہے اگر اُس کو انتقام کا اثر نہ معلوم ہو
تو پھر اُس سے انتقام لینا ایسا ہے جیسے کہ کسی پتھر اور حیوان سے جن میں انتقام کے
اثر محسوس ہونے کی قابلیت نہیں ہے۔ دشمن کا مار ڈالنا کچھ انتقام کا کام نہیں ہے
بلکہ حزم و احتیاط کا۔ نہ عالی ہمتی کا۔ بلکہ اپنی حفاظت کا کام ہی۔ اس قبیل سے
ہم انتقام کا جو نیک انجام ہے اُسے ہاتھ سے دیتے ہیں نیک نامی کو کھوتی ہیں
ہم بودا پنا ہین اور زنانہ پن دکھاتے ہیں کہ ہماری جان دشمن کی جان رکھنے سے نکلتی ہی
اور یہ سمجھتی ہیں کہ اگر وہ زندہ رہا تو ہم کو وہ اسی طرح ستائیگا جس طرح اب ستاتا ہی
دشمن کو قتل کر ڈالنا اپنی حفاظت ما تقدم ہے اور فارغ البال ہوتا ہی۔ اگر سچی شجاعت
اور نکوکاری کی راہ سے ہم دشمن پر فتحیاب ہونا چاہیں اگر اُس کو اپنا زیردست
دیکھ کر دل خوش کرنا چاہیں تو ہم کو اُس کے قتل کرنے سے ناخوش ہونا چاہیے کہ وہ ہماری
خوشی کو جو اُس کو مطیع دیکھنے سے فتح مندی کی آبرو اور عزت ہوتی تھی وہ اپنی ساتھ
لے گیا + بعض شخص جو اس کا انتظار دیکھتی ہیں کہ جب مصنف مرجاے تو ہم اُس کی
تصنیفات پر اپنا زہر اُگلیں تو وہ بڑے ہی نامرد کمینے ہیں +

ارسطو کے حال میں لکھا ہی کہ جب اُس سے یہ کہا کہ بعض شخص تم کو بُرا کہتے تھے تو اُس نے
کہا کہ اور زیادہ بُرا کہنے دو۔ مجھ پر تازیانہ زنی وہاں وہ کریں۔ جہاں میں نہیں ہوں
اِن ظالم سفاک نامردوں نے بہت سی طور طریق اپنے دشمنوں کے قتل کرنے کی اور اُن کی تکلیفوں سی

اپنے دل کو راحت پہنچانے کے نکالے ہیں مگر وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ جو تکالیف سخت ہوتی ہیں وہ دیر پا نہیں ہوتیں تھوڑی دیر میں آدمی کا کام تمام کر دیتی ہیں اور جو تکالیف دیر پا ہوتی ہیں وہ دشمن کی جان کو عذاب پہنچانے میں سخت نہیں ہوتیں۔ سوا اس کے ان تکلیفوں سے مارنے کا اثر دشمن پر کچھ نہیں ہوتا۔ جو سر کٹانے سے نہیں ڈرتا اُن کی ایسی تکالیف کے مارنے سے کیوں ڈرنے لگا۔ کہ آگ میں جلائیں گے۔ یا بدن پر گرم سلاخیں لگائیں گے شکنجے میں کھینچیں گے +

ایک بادشاہ نے قتل کا یہ طریقہ ایجاد کیا۔ کہ دشمنوں پر ایک تلوار کی ضرب ایسی لگواتا کہ اُس کی ناف کے پاس سے دو ٹکڑے الگ الگ ہو جاتے۔ جب یہ دونو ٹکڑے تڑپتے تھے تو وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں دشمن کو دو موتوں کا مزہ چکھاتا ہوں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسے صدموں میں موت کی تکلیف بہت دیر تک نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ تو یہ طریقہ مارنے کا ہولناک ہے کہ آدمی کی زندہ کھال ہر روز جدا جدا اعضا کی اُتاری جاوے۔ اس طرح تو آدمی کئی روز تک زندہ رہتا ہے۔ صلیب پر مشکل سے آدمی چوبیس گھنٹے تک زندہ رہتا ہے۔ گو تاریخ میں بعض واقعات ایسی لکھے ہیں کہ صلیب سے یہ لوگ اُتر کر زندہ رہے ہیں۔ جوسیفس مورخ لکھتا ہے کہ رومیوں نے جو ڈبا کے یہودیوں کو صلیب پہ چڑھایا تھا۔ تین روز بعد میرا گزر وہاں ہوا تو میں نے تین آدمیوں کو جو میری دوست تھے صلیب سے اُتارا۔ دو تو اُسی وقت مر گئے۔ مگر ایک مدت تک زندہ رہا +

ڈیسیس نے اپنی ذہانت دشمنوں کے قتل میں یہ خرچ کی کہ اُس نے جارج سیچل اپنے دشمن کو تین دن تک شکنجہ میں ڈالے رکھا۔ اور لوگوں کو حکم دیدیا کہ جو تکلیف وہ چاہیں اُسے پہنچائیں اس کے ساتھ جو اور قیدی تھے اُن بھوکھا رکھا۔ تین دن بعد اُس نے اس کے بھائی کو جس کے سبب سے اُس نے یہ ساری مصیبت اپنے سر پر لی تھی حکم دیا کہ اُس کا خون پئے۔ اور اُس کے افسروں کو حکم دیا کہ وہ اُس کے گوشت کو کاٹ کر کھائیں جب وہ مر گیا تو اُس کی ہڈیوں اور گوشت کو

جو باقی رہا تھا اُبال کر سب اُس کے رُفقا اور عزیزوں کو کھلایا۔ یہ سارے کام بڑی بزدلی کمینہ پن اور پاجی پنے کے تھے۔

(۸۱) دلچسپ حکایت۔

ایک عورت ایسی اُلو تھی کہ جب وہ اندھی ہو گئی۔ تو وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ میں اندھی ہو گئی ہوں جو مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ بلکہ یہ سمجھتی تھی کہ سارے گھر میں اندھیرا ہو گیا ہے۔ غل مچا مچا کر گھر والوں سے کہتی تھی کہ مجھے باہر لے چلو۔ کہ میں کچھ دیکھوں اِس گھر میں تو اندھیرے کے سبب سے کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ لوگ اُس کی بیوقوفی پر ہنستے تھے۔ مگر جیسا کہ اُس عورت کا حال تھا۔ ایسا ہی انسان کا حال ہے کہ وہ اپنے طمع اور حرص کے دیکھنے میں اندھا ہے۔ اور اندھے تو اوروں کو رہ نمائی کے لئے بُلاتے ہیں مگر یہ ایسا اندھا ہے کہ کسی کو نہیں بُلاتا۔ اور اپنے آپ گمراہ ہوتا ہے۔ اوروں کی بے وقوفی پر ہنستا ہے۔ یہ نہیں سمجھتا بہ قول سینکا کہ "جب مجھے کسی احمق پر ہنسنا ہوتا ہے تو میں خود اپنے ہی اوپر ہنس لیتا ہوں۔ مجھے احمق کی تلاش دُور نہیں کرنی پڑتی۔ وہ اپنے ہی پاس ہوتا ہے" جو شخص اپنے تئیں بیمار نہیں جانتا اُس کی بیماری کا علاج اور زیادہ مشکل ہوتا ہے ساری بیماریاں ہمارے اندر ہی ہوتی ہیں کچھ باہر سے نہیں آتیں اگر ہم ان بیماریوں کو پہلے سے دیکھ کر حفظ ماتقدم نہ کریں گے۔ تو اپنے امراض کا علاج کیسے کر سکیں گے۔

(۸۲) بیماری کی نقل سے بیمار پڑنا۔

اکثر مائیں اپنے بچوں کو منع کرتی ہیں کہ وہ توتلوں اور لنگڑے۔ کانڑے۔ اندھوں۔ بھینگے۔ ٹڈھموؤں کی۔ اور ناقص الاعضا آدمیوں کی نقلیں اُتارا کریں کچھ تو اِس سبب سے کہ وہ اسے بدفالی سمجھتی ہیں جیسے بدفالی کا وہم پیدا ہوتا ہے مصرع۔ مزن فال بد کآورد حال بد۔ کچھ اس سبب سے کہ وہ یہ جانتی ہیں کہ بچپنے میں سارے اعضا ایسے کم زور اور نازک ہوتے ہیں کہ اندیشہ ہے کہ ایسی نقلوں کے کرنے کا اثر

ہمیں اصل نہ بنا دے - چنانچہ بعض لڑکے جو توتلے بھینگے ٹیڑھے ہونٹ آدمیوں کی گھر میں اکثر نقل اتارا کرتے تھے - وہ توتلے اور بھینگے اور ٹیڑھے منہ ہوگئے - بعض شخصوں کو دیکھا ہے کہ انھوں نے کسی ضرورت کے سبب اپنے تئیں بیمار بنایا تھا - کہ وہ اصل میں بیمار ہوگئے +

ایک شخص روم کے امرا کے دربار میں آتا جاتا تھا - اور جب امرا اس کے گھر آتے تو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کو سخت ناگوار تھا - اس لئے اس نے گٹھیا کی بیماری کا بہانہ بنا رکھا تھا - ٹانگوں پر کپڑے لپیٹے کچھ لیپ اس پر لگائے رہتا تھا - آخر کو تھوڑے دنوں کے بعد اثر یہ ہوا کہ سچ مچ گٹھیا ہوگئی + ایک شخص نے کچھ جرم کیا تھا - جس کے سبب سے اس کو اپنے تئیں چھپانا پڑا تو اس نے اپنے تئیں ایک آنکھ پر پلاسٹر لگا کر کانڑا بنا لیا - جب اس روپوشی کی ضرورت نہیں رہی تو آنکھ پر سے جب پلاسٹر اتارا تو آنکھ میں روشنی بالکل باقی نہیں رہی تھی - معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسری آنکھ میں چلی گئی +

بعض دفعہ جن چیزوں کو شوقین نوجوان خوش نمائی کے لئے رکھتے تھے - آخر کو بیماری کے سبب ان کو ضرورت ہوگئی - ہاتھ میں لکڑی اس لئے رکھتے تھے کہ خوبصورت معلوم ہوں مگر پھر گٹھیا کی بیماری ہوگئی - جس میں لاٹھی رکھنے کی ضرورت ایسی ہوگئی - کہ اس کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھایا جاتا تھا +

بعض دفعہ قوت متخیلہ کا ایسا زور ہوتا ہے - کہ جو بیماری خواب میں دیکھتے ہیں کہ ہم کو ہوئی وہی بیداری میں اصل ہوجاتی ہے +

(۸۳) انگوٹھا -

انگوٹھے کو فارسی میں نر انگشت کہتے ہیں - یعنی وہ سب انگلیوں میں نر یعنی زیادہ طاقت ور ہے - اس کو دوسرا ہاتھ بھی کہتے ہیں - کیونکہ اگر اس کو کاٹ ڈالئے - تو ہاتھ بیکار ہوتا ہے - پہلے زمانہ میں روم کے بادشاہوں نے دشمن کی فوج کو یہ سزا دی ہے کہ سپاہیوں کے انگوٹھے کاٹ ڈالے - جس سے پھر وہ ہتھیار پکڑنے کے قابل نہیں رہے - بڑی شہروں کے

بازاروں میں دیکھا ہوگا۔ کہ کیسے تو جوان رند اوباش کوٹھوں کی طرف انگوٹھے چڑھاتے ہیں۔ اور اس سے کیا مطلب رکھتے ہیں۔ پٹھانوں کے ہاں انگوٹھے کے سرے کو کلمہ کی انگلی کے ساتھ ملا کر دائرہ کی شکل بنا کے دکھاتا۔ بڑی گالی اور حقارت کی بات ہے۔ چنانچہ پشاور میں ایک کپتان صاحب انگریزی سپاہ کی چاند ماری میں سپاہیوں کی نشانہ بازی کے نمبر لگا رہے تھے۔ ایک پٹھان سوار کی گولی کوئی نشانہ پر ٹھیک نہ لگی۔ تو انھوں نے انگوٹھے اور انگلی کو ملا کر صفر کی شکل بنا کے کہا کہ تمھارے نمبر صفر ہیں جس کو وہ سوار اپنی بڑی حقارت سمجھا۔ اور غصہ میں بندوق بھر کر کپتان صاحب کو اجل کی گولی کا نشانہ بنایا۔

بعض وحشی قوموں میں جب دو بادشاہ آپس میں عہد و پیمان نہایت وثوق کرتے تھے۔ تو دونوں اپنے داہنے ہاتھ ملاتے تھے! اور پھر انگوٹھوں کو خوب کستے تھے۔ جس سے خون جھلکنے لگتا تھا اُن پر کچو کا لگا دیتے تھے۔ جس سے خون باہر نکل آتا تھا۔ وہ پی لیتے تھے۔

رومیوں میں انگوٹھا نیچا کر کے پھرانا تعریف کی۔ اور اٹھا کر پھرانا حقارت کی نشانی ہے۔

(۴۸) کسی خالص چیز کا مزہ ہم نہیں چکھتے۔

انسان بھی کیا ضعیف البنیان ہے۔ کہ کوئی بسیط چیز جو آلائش سے خالص ہو۔ اپنے کام کے لئے اُس کے ہاتھ نہیں آتی۔ جتنے عناصر بسائط ہم استعمال کرتے ہیں وہ بدلے ہوئے ہوتے ہیں جن فلزات کو ہم کام میں لاتے ہیں وہ آلائش سے خالی نہیں ہوتے۔ خالص سونا ہمارے کام ہی میں نہیں آسکتا۔ جب تک اس میں اور ملاؤ نہ ہو۔ نیکی جو ہماری زندگی کی علت غائی ہے خالص ہم کو نہیں ملتی ہے۔ نہ وہ راحت و اسباب راحت ہم کو میسر ہوتا ہے۔ جن میں رنج اور بے آرامی کا ملاؤ اور لگاؤ نہ ہو۔ ہماری راحت و خوشی کے جتنے چشمے ہیں اُن میں تلخی ضرور ہے۔ جو ہماری اعلیٰ درجہ کی مسرت و سرور ہیں اُن میں غم و رنج کی آمیزش ضرور ہے۔ ہم تو اپنے تصور میں بھی کوئی تصویر خوشی کی ایسی نہیں بنا سکتے۔ جس میں رنج و تکلیف کے رنگ نہ جھلکتے ہوں۔ خوشی و رنج گو آپس میں غیر متشابہ اور متضاد معلوم ہوتے ہیں مگر

معلوم نہیں کہ قدرت نے ان میں کیا یگانگت و ہم زادگی رکھی ہے کہ وہ بغیر ملے رہتی نہیں + سقراط کہتا ہے کہ بعض دیوتاؤں نے یہ چاہا تھا کہ خوشی و رنج کو آپس میں ایسا ملا جلا دیں کہ وہ ایک ہو جائیں مگر جب یہ نہ کر سکے۔ تو انھوں نے ان کو دموں کی طرف سے جوڑ دیا۔ اس لئے خوشی و رنج ایک دوسرے کے پیچھے لگے رہتے ہیں + ایک نانی شعر ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ دیوتا ہمارے ہاتھ خوشی بیچتے ہیں جس کی قیمت میں رنج ضرور لیتے ہیں یعنی جب تک رنج ہماری گرہ میں نہ ہو۔ خوشی مول ہی نہیں لی جاسکتی۔ خوشی بھی ہم کو چبا لیتی ہے۔ وہ پیستی ہے۔ اگر فرحت و مسرت میں اعتدال نہ ہو تو وہی وبال جان ہو جاتی ہے اگر انسان کو سامان خوشی کا حسب لخواہ ملجا ہے۔ اور کوئی چیز اس میں باقی نہ رہی۔ تو خوشی کا بوجھ اس سے سہارا نہ جائیگا۔ وہ اس کے تلے پچکنے لگے گا۔ اور اسے چھوڑ کر بھاگے گا۔ اور یہ چھوڑنا بالطبع ہے اس لئے جہاں کوئی شخص ایسا کھڑا نہیں ہو سکتا کہ گرنے سے بچے تو وہاں سے ضرور وہ فرار ہوگا +

ایک حکیم کا قول ہے کہ ہر غم میں ضرور کوئی خوشی ہوتی ہے۔ انسان کا دل ہی خدا نے ایسا بنایا ہے کہ جب تک وہ محنت کا رنج نہ اٹھائے۔ راحت کا لطف نہیں آتا۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے تئیں رنج و محنت کے حوالہ کر دینے سے مسرور ہوتا ہے رونا بھی ایک خاص قسم کی خوشی ہے۔ دوستان مرحوم کی یاد بطرز خوش ہم کو ممنون کرتی ہے۔ اور ہم کو ایسا مزہ دیتی ہے جیسی مے نوش کو شراب کہنہ کی تلخی۔ وہ ساقی سے یہ تمنا کرتے ہیں کہ شراب کہنہ جو سب سے زیادہ تلخ ہو اس سے ہمارا پیالہ بھر دے رنج و خوشی کا رشتہ بے ترتیب قدرت نے ہی بنایا ہے۔ مصور کہتے ہیں کہ ہم کو روتے ہوئے چہرہ کے بنانے میں بہت سی اس کی جھریاں اور رخ وہی بنانے پڑتے ہیں جو ہنستے ہوئے چہرہ کے۔ اگر تصویر پوری نہ بنی ہو تو دیکھنے والا یہ نہیں تمیز کر یگا کہ ان دونوں میں روتے اور ہنستے ہوئے چہروں میں سے کس کی تصویر ہے۔ زیادہ ہنسنے میں بھی آنسو نکل آتے ہیں + اگر مذہبی نیکیوں کو بھی دیکھیں تو اس میں برائی کی آمیزش موجود ہے + کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ میں نے

یہ خالص نیکی کی تو جب وہ اُس کے پاس کان لگا کر بیٹھے گا تو ایک نہایت نرم آواز اسی کی کان تک آئے گی جس کو کوئی اور نہیں سنے گا۔ کہ میں خالص نہیں ہوں مجھ میں کچھ آلایش بدی کی ہی غرض خیر محض و شر محض کالعدم ہی +

قوانین عدالت میں جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم انسان کے دکھ درد و رنج تکلیف کو دور کرتے ہیں وہ بھی ناانصافی کی آلایش سے پاک صاف نہیں ہوتے۔ ان کا حال افلاطون نے اُس سانپ کا سا بتایا ہی کہ جس کا سر کاٹتے ہیں اور وہ کٹنے سے اور زیادہ بڑھ جاتا ہے کوئی قانون نہیں جس میں خواص کا نقصان نہ ہو۔ مگر اُس کا معاوضہ فائدہ عوام سے ہو جاتا ہے۔ غرض ہر مثال میں کچھ ناانصافی کا بھی اختلاط موجود ہے — انسان ایک فقیر کی گدڑی ہی کہ جس کے اندر ہزاروں پیوند پارے رنگارنگ کے جڑے ہوئے ہیں +

(۸۵) باتیں گھڑنی -

باتیں بڑے آدمیوں کے دل بہلانے کے لئے ایسی ہی اوزار ہیں جیسی بچوں کے دل بہلانے کے لئے کھلونے۔ مگر آج کل ہم میں بُری باتوں سے دل بہلانے کی عادت ہو گئی ہے ہمارے پیچھے یہ مرض ایسا لگ گیا ہی کہ خواہ ہم اپنا حال بیان کریں یا کسی دوسرے شخص کا جس میں کوئی ہماری غرض بھی نہ ہو تو کوئی اُس کا اعتبار نہیں کرتا۔ شاید تھوڑے ہی آدمی ہونگے کہ جن کی باتوں پر لوگوں کو یقین ہوتا ہوگا۔ اور وہ یقین کے قابل بھی ہوں۔ ساری بداخلاقیوں کی جڑ یہ ہے کہ ہماری کلام میں سے سچائی رخصت ہو گئی۔ ہر نیکی کی ابتدا سچ ہی سے ہوتی ہے۔ اب سچ بولنا اِس کا نام رہ گیا ہی کہ ہم باتیں بنا بنا کر اپنی بات کا یقین دوسرے آدمی کو سچ ہونے کا کرا دیں۔ کھوٹے سکے چالاکی سے چلا کر کھری سکوں میں گنوا دیں۔ جھوٹ بولنا۔ قسم کھاتا کوئی برا نہیں جانتا۔ حُسن کلام میں وہ داخل ہیں ایک بات کے بیان کرنے میں نفس الامری واقعات پر خیال نہیں کرتے۔ بلکہ جس طرح اپنے تئیں اُس کا بیان اچھا معلوم ہو۔ یا اوروں کو سمجھیں کہ اس طرح بیان کرنا اچھا معلوم ہوگا اس طرح

بیان کرنے ہیں اور اس کا نام حسن بیان رکھتے ہیں۔ غرض ریاکاری اور مکاری کے ساتھ اِبتر
بناتا ہماری عادت میں داخل ہی۔ اور وہ عیب کی جگہ ہنر سمجھا جاتا ہی۔ کوئی گالی اور دشنام
اور برا لفظ اس سی بڑھ کر نہیں ہے۔ کہ کوئی تم کو جھوٹا کہے۔ ہر مذہب کی برائی پر ایسی لعنت ملامت
نہیں کرتا جیسی کہ جھوٹ بولنے پر۔ مگر رواج نے ان دونوں باتوں کا اثر دل پر اتنا بھی باقی
نہیں رکھا۔ جیسا کہ اڑد پر سفیدی۔ یہ نیچر کا قاعدہ ہی کہ آدمی جس عیب میں زیادہ تر پھنسا ہوا ہوتا
ہے اُسی کی زیادہ وہ حمایت کرتا ہے۔ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو جھوٹا کہتا ہی۔ تو وہ
کہتا ہی کہ تو مجھ پر کیوں افترا اور بہتان باندھتا ہی۔ اُس پر بہت غصہ و خفا ہوتا ہی۔ اور جانتا
ہے کہ اس پھپٹس سے ظاہری عیب چھپ جائیگا گو وہ حقیقت میں اپنے اصلی حال پر رہتا ہی
ہم نہیں سمجھتے کہ جو ہم کو جھوٹا کہتا ہی۔ وہ یہ کہتا ہی کہ تم بڑے ڈرپوک نامرد ہو۔ اس سی زیادہ کوئی
اور برائی ہوگی کہ آدمی اپنے لفظوں کو نگل جاے۔ یعنے اپنے علم کے برعکس جھوٹ بولے۔ جھوٹ بولنے
کی برابر کوئی کمینہ پن نہیں ہے۔

ایک حکیم کیا خوب کہتا ہی۔ کہ جھوٹ بولنا آدمیوں سی ڈرنا اور خدا کی تحقیر کرنی ہی۔ خدا کا حکم ہی
کہ جھوٹ مت بول جب یہ حکم نہ مانا تو اُس کی حکم کی تذلیل ہوئی۔ بس اس سے زیادہ کون سی
انسان کے ذلیل اور خوار کرنے والی برائی ہوگی۔ کہ جس کے سبب سے وہ آدمیوں سے ڈرے اور خداتعالی
سے بہادری کرے ہماری باتیں ہی ہماری دل کی ترجمان ہیں صرف انھیں کے ذریعہ سی ہم خیالات
کو دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں اپنے ارادوں اور نیت کو ظاہر کرسکتے ہیں بس جب وہی جھوٹے
ہوئے تو گویا ہم اپنے ہی نوع کو فریب دیتے ہیں اور ان سی اپنے تعلقات کے سررشتوں کو توڑتے ہیں
اپنے تمام خط و کتابت کا گورنمنٹ کے کاموں کی ذمہ داری کے کاموں کا اعتبار کھوتے ہیں ہم سے
تو وحشی بت پرست قومیں اچھی ہیں کہ جب وہ جھوٹ بولتی ہیں یا جھوٹی بات سنتی ہیں تو اپنی
زبان اور کان کا خون کفارہ میں بتوں پر چڑھاتی ہیں اور جھوٹ سی توبہ کرتی ہیں مگر
یہاں تو جیسے آہنگر لوہے کو۔ زرگر سونے کو گھڑ گھڑ کر کچھ سے کچھ بنا دیتا ہی۔ اسی طرح ہم باتوں

ت کا بتنگڑ بنا کے کچھ سے کچھ کر دیتے ہیں +

(۸۶) غصّہ بچّوں پر۔

جہاں دنیا کے اور تماشے دیکھتے ہیں وہاں غصّے کے بھی عجیب و غریب تماشے نظر آتے ہیں۔ گھروں میں ماں یا باپ کا چہرہ غصہ میں سرخ انگارہ بنا ہوا ہے معصوم بچّوں کی شامت آئیں چل رہی ہیں تھپیڑ گھونسے لگ رہے ہیں پھول سے گالوں پر نیل پڑ رہے ہیں ایسے ہی مکتبوں اور مدرسوں میں دیکھتے ہیں کہ استادوں کی آنکھوں میں خون اتر رہا ہے۔ اُن کی ڈراونی جھڑکیوں اور بھبکیوں سے اُن کے ننھے ننھے شاگردوں کا دل دہل رہا ہے۔ جو ابھی دایہ کے دامن سے جدا ہوئے ہیں قمچیوں۔ بیدوں۔ تسموں۔ کے ہاتھ خوب صاف ہو رہے ہیں معصوموں کے نازک بدن پر بدھیوں پر بدھیاں پڑ رہی ہیں +

بعض دفعہ تو وہ مار پیٹ کی نوبت پہنچی ہے کہ بچّوں کے بدن پر ہلدی تھوپی اور آنکھوں پر پٹی باندھی جاتی ہے۔ سر کے گومڑے دبائے جاتے ہیں غرض جیسی سخت بیماری سے بیمار کی صورت بگڑ جاتی ہے ویسی ہی لڑکوں کی شکل اس مار دھاڑ اور دہشت خوف سے کچھ اور ہو جاتی ہے۔ تمام بیماریوں میں سخت بیماری وہی شمار ہوتی ہے۔ جس میں آدمی کا چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ اس لئے اس زدو کوب کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بچّوں کے لئے ایک سخت مرض ہے استاد اور شاگردوں میں وہی علاقہ ہے جو مریض اور طبیب میں۔ جیسے کہ طبیب کا بیمار پر غصہ ہونا بیجا ہے۔ ایسا ہی اُستاد کا شاگرد پر ناحق خفا ہونا ناسزا ہے پھر اور یہ غضب ہے کہ نہ اس ظلم کے لئے کوئی پولس ہے۔ جہاں فریاد کی جائے نہ کوئی عدالت ہے جس میں استغاثہ پیش کیا جائے +

اب وہ حیران ہیں کہ کیا کریں اس سے اُن کے دل کو تسکین نہیں ہوتی کہ ان کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ جس جس جگہ بدن پر اُستاد کی مار کی چوٹ لگے گی وہ بہشت میں جائے گا +

اُستادوں کے غصّے کی مار پیٹ و تاکید و تادیب و گوشمالی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتقام لیتے ہیں۔ لڑکے جانتے ہیں کہ ہم بیگناہ ہیں یہ مار ناحق ہم پر پڑ رہی ہے۔ اُستاد جی کسی اور

بات پر جلے بیٹھے تھی - وہ جلن ہم پر نکالی ہی - اُستانی جی سے لڑائی ہوئی ہوگی - عراقی پر بس چلا گدھیا کے کان اینٹھے ۔

غصہ کی برابر کوئی جذبہ انسانی خلاف عقل کام کرانے والا نہیں ہے - وہ آدمی کو دیوانہ بنا دیتا ہے دیوانگی کے کام کراتا ہی - اگر کوئی جج مغلوب الغضب ہونے کے سبب سے کسی مجرم کو ناحق پھانسی کا حکم دے دے - تو اُس جج کے خود پھانسی دیئے پر کوئی اعتراض نہیں کریگا - پھر معلوم نہیں کہ ایسی خطاؤں پر ماں باپوں اور اُستادوں کو کیوں نہیں سزا ملتی ہی - کہ وہ معصوم بچوں کو غصہ میں آن کر سخت زد و کوب کرتے ہیں اُن کی اصلاح نہیں کرتے - بلکہ اپنا انتقام لیتے ہیں - اُن کا کام تھا کہ وہ اُن بچوں کو ایسا آدمی بناتے کہ وہ مُلک کی خدمت کے لائق ہوتے امن و لڑائی کے زمانہ میں مفید کام کرتے ۔

بعض آدمی ایسے مغلوب الغضب پیدا ہوتے ہیں کہ طیش و غضب میں بھرے ہوئے اپنی اوندھی عقل پر اس طرح چلتے ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ پہاڑ پر سے بڑے پتھر جدا ہو کر اڑا اڑا گرتے ہیں اور ڈھلانوں کو طرفوں کو ویران و عریان کرتے ہیں ۔

انسان پر لازم ہی کہ جب تک اُس کا غصہ فرو نہ ہو تو کسی ملازم پر دست درازی نہ کرتے جب بیماری میں نبض بہ اضطرار و بیقرار تیز چل رہی ہو - شعلۂ غضب سے ہی بدن میں آگ لگا رہا ہو - تو ایسی حالت میں ہم کو کوئی کام کرنا نہیں چاہئے - بلکہ ہمارا غصہ ہی حکم دیگا وہی ہونے گا - غرض جو کام کریگا وہی کریگا - جب یہ سلگتی ہوئی آگ بجھ جائیگی اور ہم ٹھنڈے اور خاموش ہو جائیں گے - تو ہم کو کچھ اور عالم نظر آئیگا - اور چیزیں ہم کو کچھ اور سی اور نظر آئیں گی - غصہ کی حالت میں جو ہم خطائیں اوروں کی دیکھتے ہیں وہ اپنی اصلی حالت پر دکھائی دینگی - جیسے کہ گھر میں چیزیں اپنی اصلی صورت پر نظر نہیں آتیں ایسے ہی آتش غضب کا دخان دماغ کو ایسا گھیرے ہوئے ہوتا ہی کہ عقل کسی خطا و قصور کو اپنی اصلی حالت پر نہیں دیکھ سکتی ۔

بس جو بچوں کو گوشمالی عقل و شعور کے ساتھ دی جاتی ہی وہ مؤثر اور فائدہ مند ہوتی ہی

اور اگر وہ کسی اور سبب سے ہوتی ہے۔ جیسے کہ ماں باپ یا اُستاد کو غیظ و غضب میں لوگ دیکھتے ہیں کہ چہرہ برافروختہ ہے۔ مُنہ پھول رہا ہے۔ نیلی نیلی رگیں کھڑی ہوئی ہیں۔ آنکھوں میں یہہ معلوم ہوتا ہے کہ خون اُتر رہا ہے۔ تو وہ اس سزا کو نہیں مانتے۔ اور بُرا جانتے ہیں +

(۸۷) ایک غصہ کی حکایت پلوٹارک نے یہہ لکھی ہے۔ کہ اُس کا ایک غلام بڑا شریر بدذات تھا۔ اپنے آقا کے مسائل حکمت کی بھنک بھی اُس کے کان میں پڑتی رہتی تھے۔ کسی خطا پر پلوٹارک نے ایک شخص کو حکم دیا کہ اُس پر بید لگائیں۔ جب بید لگنے شروع ہوئے۔ تو غلام پہلے کچھ بڑبڑایا کہ مجھے ناحق یہ سزا دیتے ہو۔ میں نے کوئی خطا نہیں کی ہے پھر اور زیادہ زباں درازی کرکے کہنے لگا کہ یہ پلوٹارک حکیم نہیں ہے۔ یوں ہی اپنی حکمت کی شیخیاں مارا کرتا ہے۔ میں نے اکثر اُس کو کہتے سُنا۔ کہ غصہ ہونا وحشیانہ حرکت ہے۔ بلکہ اُس نے اس غصہ کے باب میں ایک کتاب لکھی ہے۔ مگر خود غصہ کے مارے مجھے پٹواتا ہے۔ جس کے سبب سے اُس کی تمام تحریریں غلط اور جھوٹی ہوگئیں۔ پلوٹارک نے بہت نرمی اور آہستگی سے جواب دیا کہ او بدذات بتا کہ تو نے مجھ میں کون سی غصہ کی نشانی دیکھی۔ کیا میری آنکھوں میں غیظ و غضب کی کوئی نشانی ہے؟ کیا میرا چہرہ غصہ سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے؟ کیا اس کی رنگت بدل گئی ہے؟ کیا میری آواز خوفناک دہشتناک ہے؟ کیا میرا بدن کانپتا ہے۔ کیا میرے مُنہ سے جھاگ نکل رہے ہیں۔ کیا کوئی لفظ میرے مُنہ سے ایسا ناشائستہ نکلا ہے کہ جس سے میں تو یہ کروں یہی ساری غصہ کی سچی نشانیاں ہیں جن میں سے کوئی بھی مجھ میں نہیں پائی جاتی۔ یہ کہکر اُس نے بید مارنے والے سے کہا۔ کہ جب تک اس بھلے مانس اور مجھ میں مباحثہ رہے تم اپنا کام کئے جاؤ۔ بہت سی حکائتیں عالی صفات نیک نہادوں کی لکھی ہیں کہ شریروں نے ان کے بڑے بڑے نقصان کئے۔ مگر اُنھوں نے جب ان کو غصہ آگیا سزا سے ہاتھ کھینچ لیا +

یہہ غصہ وہ پاجی جذبہ ہے کہ خود اپنی تعریف اور خوشامد کرتا ہے۔ اگر ایک کام ناحق کر بیٹھے کوئی سچا ثبوت اُس کے ناحق ہونے کا پیش کرے جس کا جواب کچھ نہ آئے تو اور چڑ جائے گا۔ اور

اور بھلا کر اپنے پہلے ناحق کام کی تائید میں اور بیجا کام کرنے لگے گا۔ کوئی شخص غصہ میں اگر کسی بیگناہ بیچارا کو مارنے لگے اور وہ اپنی بے گناہی کا ثبوت قطعی پیش کرے تو اُس کا غصہ اور اس عذر سے دوچند ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی سزا کو بڑھاتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک حکایت یہ ہے کہ بابی سیو ایک سپہ سالار تھا جس میں بہت ہی نیک عادتیں تھیں مگر برائی یہ تھی کہ مغلوب الغضب تھا بہت اس کے دو سپاہی فوج کے لئے دانہ چارہ لینے گئے۔ ان میں سے ایک واپس آیا۔ دوسرا رستہ بھول کر کہیں کہیں چلا گیا۔ جب اس نے اُس سپاہی سے اُس کا پتا پوچھا۔ تو وہ بتا نہ سکا اس کو قتل کا شبہ ہوا۔ اس لئے غصہ آیا۔ سپاہی کے قتل کا حکم دیا۔ جب جلاد اُس سپاہی کا سر اڑانے کو تھا کہ وہ دوسرا سپاہی آ گیا۔ یہ دیکھ کر ساری سپاہ خوش ہو گئی۔ اور ان دونو ہمراہیوں کے گلے لگیں۔ پھر اپنے سپہ سالار پاس گئیں جس کا ابھی پہلا ہی غصہ باقی تھا۔ اب یہ اور معاملہ پیش آیا۔ جس سے اس کی مغلوب الغضبی پر نادانی اور نا انصافی اور سوار ہوئی ہے دونو سپاہیوں کی صورت دیکھتے ہی اس کی آتش غضب اور مشتعل ہوئی۔ جس نے ایک بے گناہ کی جگہ تین کو قتل کرایا + اس نے حکم دیا کہ پہلے سپاہی کی نسبت تو پہلے ہی قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے دوسرے سپاہی کی گردن اس لئے اڑائی جائے۔ کہ اس کی گمراہی نے ایک بے گناہ کو مجرم بنایا۔ تیسرے جلاد کا سر اڑایا جائے کہ اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی +

سپاہی کے سوا جس کا پیشہ ہی ایسا ہے کہ بعض مقامات پر بغیر غصہ کے کام نہیں چل سکتا۔ باقی اور سب آدمیوں میں غصہ کا ہونا سخت عیب سمجھا جاتا ہے +

بعض آدمی ایسے مغلوب الغضب پیدا ہوتے ہیں کہ اُن کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی دیگچی پانی کی بھری ہوئی چولھے پر رکھی ہو۔ اور اُس کے نیچے لکڑیاں بھڑ بھڑ جلتی ہوئی رکھی جائیں جس سے وہ پانی پہلے جوش میں آ کر دیگچی میں بہے گا۔ پھر اُبال میں آ کر باہر نکلے گا۔ پھر اُس کے گرد بھاپ اُٹھ کر چاروں طرف پھیل جائے گی۔ بس جیسی یہ حالت پانی کی آگ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح غضبناک طبائع کا حال آتشِ خشم کے مشتعل ہونے سے ہوتا ہے

کہ اُس کے دھوئیں سے دماغ بھر جاتا ہی +

بعض آدمی ایسے متحمل ہوتے ہیں کہ اُن کو غصہ بہت کم آتا ہی۔ بعض آدمی ایسے ہوتی ہیں کہ اُن کو غصہ آتا ہی تو وہ اُس کو مارتے ہیں اور اُن کے سینہ میں اس کا اثر کچھ باقی نہیں رہتا۔ ایسے متبرک متحمل تعظیم و تکریم کے مستحق ہوتے ہیں + مگر بعض ریاکار تیرہ دروں مکر سے ایسے بھری ہوئی ہوتے ہیں کہ اُن کو غصہ کیسا ہی آئے۔ اپنی نرم خوئی اور نیک مزاجی جتلانے کے لئے بظاہر اس کو پی جاتے ہیں اور سینہ میں کینہ رکھتے ہیں۔ جس کا زہریلا اثر اور صورت میں ظاہر ہوتا ہی۔ گو بدکاروں کی بدیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ ایسی خطرناک نہیں ہوتیں جیسی کہ ریاکاروں کی بُرائیاں چھپی ہوئی — بُرائی کا قاعدہ ہی جتنا اُسے کوئی چھپائے اُتنی ہی وہ ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شراب خانہ میں میخوار جاوے۔ اور اپنے تئیں چھپائے تو وہ اور ظاہر ہو کر زیادہ رسوا ہوتا ہی + گو ان ریاکاروں کو دنیا میں بظاہر لوگ تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر انسان کو اپنی باطن آرائی کی طرف زیادہ خیال اور توجہ چاہئی۔ ظاہر آرائی کے لئے خوش خوئی و مستقل مزاجی کو دکھانا اچھا نہیں ہوتا۔ بہتر ہے کہ اگر کسی شخص کو غصہ تو کر برا آئے تو وہ اُس کے مُنہ پر ایک تھپڑ مار دے مگر پھر نہ کرے کہ ظاہر میں اُس سے کچھ نہ کہی۔ اور دل میں کینہ رکھے جو اپنے غصہ کی بھڑاس نکال ڈالتے ہیں اُن کا سینہ بے کینہ اور دل صاف ہو جاتا ہی + ظاہر کی بُرائی سے باطن کی بُرائی زیادہ خوفناک ہوتی ہی +

(۸۷) خاندان میں جو لوگ سرپرست ہیں۔ ان کو اپنے غصہ کو حد اعتدال سے باہر نکالنا نہیں چاہئی کبھی ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ غصہ ہونا ضرور پڑتا ہی گو غصہ نہ بھی آئے۔ تو غصہ کی صورت بنانے سے وہاں کام نکل جاتا ہی۔ جب کوئی شخص بار بار غصہ میں آن کر اوروں کو لعنت ملامت کرتا ہے۔ تو اُس کا اثر بہت ضعیف ہو جاتا ہی۔ اور اُس کی باتوں کا سُننا عادت میں داخل ہو جاتا ہے اگر وہ اپنی نوکروں کے ذرا ذرا سے قصور پر خفا ہوتا ہے جیسے نوکر نے برتن کو ٹیڑھا رکھا۔ یا اُس کو صاف اچھی طرح نہیں کیا۔ تو وہ گالیاں دینی شروع کرتا ہی چور اور بدمعاش کہنے لگتا ہی

تو پھر تو کروں پر غصہ کا اثر نہیں ہوتا عقل کا اقتضا ہے کہ جب تک غصہ سے کوئی کام نہ نکلے غصہ نہ ہونا چاہئیے۔ اس لئے جو شخص غیبت میں کسی شخص پر خفا ہوتا ہے وہ حقیقت میں سایہ پر حملہ کرتا ہے اور بیش از وقت کام کرتا ہے۔ غصہ کا ہونا تو جب ہی مناسب ہے کہ جن شخصوں نے خفا کیا ہے۔ وہ روبرو ہوں اور ان پر ہماری خشمناکی کا اثر ہو۔ یوں بیٹھ پیچھے بڑبڑانا ایسا ہے۔ جیسے کہ بیلوں کا حال ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے سینگوں کو درختوں کے تنہ پر مارتے ہیں دڑدکارتے ہیں اور بیہروں سے خاک اڑاتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہم خوب لڑے ہیں بعض آدمیوں کو غصہ بہت جلد جلد آتا ہے۔ مگر وہ تھوڑی دیر میں اتر جاتا ہے۔ وہ صرف زبان کو اپنے غصہ کا ہتھیار بناتے ہیں وہ برے الفاظ وہیں تک نکالتے ہیں۔ جہاں تک ان کا اثر لوگوں پر معقول ہو۔ وہ کلام نہیں کرتے جو لوگوں کے دلوں کو چھیدے۔ اور تلوار اور سنان کا کام کرے۔ یہ کہنا کہ انسان کبھی غصہ کو نہ آنے دے۔ اور دل کو اطمینان و آرام سے رکھے۔ بہت عمدہ نصیحت معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس پر عمل نہیں ہوسکتا +

ارسطو کا قول ہے کہ بعض اوقات نیکی کا ہتھیار غصہ بن جاتا ہے۔ اگر اس کا یہ مقولہ سچ ہو تو یہ ہتھیار نئی طرح کا ہوگا۔ اس لئے کہ اور ہتھیاروں کو ہم پکڑتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں چلاتے ہیں مگر یہ ہتھیار ہم کو پکڑتا ہے اور جسطرح چاہتا ہے چلاتا ہے +

(۸۹) غصہ اور دیوانگی میں فرق

جو شخص غصہ کو دیوانگی کہتا ہے وہ اس کی وقعت کو بڑھاتا ہے۔ اس لئے کہ دیوانگی تو اس مرض کا نام ہے کہ دماغ میں ایسا خلل واقع ہو۔ کہ ساری عقل جاتی رہے۔ ایسی حالت میں جو افعال سرزد ہوتے ہیں اس سے برائیاں جو پیدا ہوتی ہیں وہ گناہ میں نہیں گنی جاتیں برخلاف غصہ کے کہ اس میں نخوت اور حماقت کے سبب سے دیوانگی پیدا ہوتی ہے۔ ان شرارتوں کے کرنے کا قصد ہوتا ہے۔ جن کو وہ کر نہیں سکتا +

(۹۰) تکلیف و رنج کا وہم و خیال۔

ایک بڑے نامور حکیم کا مقولہ ہے کہ کوئی خود چیز ہم کو آزار اور رنج نہیں پہنچاتی ہے۔ بلکہ اس کا خیال اور وہم ہم کو سخت تکلیف پہنچاتا ہے اگر یہ مقولہ بالکل صحیح ثابت ہو جائے تو اس سے انسان کو اپنی کم بخت حالت کی تشفی اور تسلی کے لئے اکسیر اعظم ہاتھ لگ جائے۔ اسواسطے کہ اگر دنیا میں کوئی موذی شئے ہم میں خود نہیں داخل ہوتی۔ بلکہ ہماری رائے اور خیال اسکو موذی بنا لیتے ہیں تو یہ امر ہمارے اختیار میں ہو جاتا ہے۔ کہ کیا تو اُسی کو ہم پرلے درجہ کا ذلیل سمجھیں یا بجائے موذی کے نافع بنالیں جب یہ موذی چیزیں خود ہم کو اپنے اوپر مختار بنادیں۔ تو پھر ان کو ہم منفعت اور مصلحت کے لئے بکار آمد کیوں نہ بنائیں؟ جس چیز کو ہم موذی اور ایذا رساں کہتے ہیں اگر درحقیقت وہ ایسی نہیں بلکہ ہمارے خیال اور رائے نے یہ صفات اُس میں پیدا کر دی ہیں تو اس حالت میں کوئی مانع ہمارا نہو ہم کو اختیار رہے کہ ہم اپنے اس خیال کو بدل دیں ہم بڑے بیوقوف ہوں اگر ایذا رساں جانب کے طرف دار بنیں اور بیماری۔ افلاس ذلت کے کڑوے اور ناگوار مزوں سے تلخ کام ہوں اور ان کو خوش ذائقہ نہ بنائیں اگر قسمت سے یہ مادہ ہم کو حاصل ہو جائے تو ضرور ہے کہ اس کی کوئی صورت ہم بنائیں مولوی رُوم کے اشعار بھی قابل یاد رکھنے کے ہیں۔

آدمی را فربہی است از خیال + گر خیالاتش بود صاحب جمال
ور خیالاتش نماید ناخوشی + میگدازد ہمچو موم از آتشی
درمیان مار و کژدم گر ترا + با خیالات خوشان دارد خدا
مار و کژدم مر ترا مونس شود + کان خیالت کیمیاء مس شود
صبر شیرین از خیال خوش شدست + کان فرج و تازگی پیش آمدست

جن چیزوں سے ہم خوف کرتے ہیں اگر اُن کا اصلی وجود ایسی قدرت رکھتا ہے کہ

اپنی حکومت سے ہمارے اندر اپنا گھر بناتا ہے۔ تو اس سبب سے کہ سب انسان ایک جنس ہیں اور سب پاس خیالات اور فیصلہ کرنے کے اوزار اور آلات ایک ہی ہیں گو ان میں چھوٹے بڑے ہونے کی نسبت ہو تو وہ یکساں اور ایک ہی طرح اُن کے اندر بسے گا مگر اختلاف رائے جو ان کے باب میں ہمارے اندر ہے وہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ ہمارے اندر اس اسلوب سے داخل ہوتے ہیں کہ ایک شخص شاید جیسا ان کا اصلی وجود ہے۔ اُس کو اپنے اندر داخل سمجھتا ہے اور ہزاروں آدمی ان کے وجود کو جو اصلی وجود سے متغائر ہوتا ہے یا متضاد اُس کو اپنے اندر سمجھتے ہیں۔ ہماری جان کے تین بڑے دشمن ہیں موت۔ افلاس۔ آزار۔ اب ہر چیز کی نسبت ہم لکھتے ہیں کہ کیا رائے سمجھتے ہیں ایک وہ لوگ ہیں کہ موت کی برابر کسی اور چیز کو خوفناک نہیں سمجھتے۔ وہ دہشت ناک چیزوں میں بھی سب سے زیادہ ہولناک اُس کو جانتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ زندگی کے طوفان اور طغیانی کے لئے بندرگاہ امن یہی ہے۔ تمام آلام حیات کا خاتمہ اُس پر ہو جاتا ہے۔ اس مرگ کو حیات طبعی کہتے ہیں +

افلاطون کا قول ہے کہ۔ مُت بالارادة تحیٰ بالطبعة بار جسمانی کے تحمل سے روح مجرد ہو جاتی ہے۔ قفس قالب سے طائر روح آزاد ہو جاتا ہے۔ سب مرضوں کی دوا ہے موت میں جو لذت ہے وہ حیات میں نہیں +

قدیم حکماء کا قول ہے کہ انسان حیٌّ ناطقٌ مائتٌ۔ (زندہ ناطق مرنیوالا) بس موت سے انسان کی تکمیل ہوتی ہے ؎ نشنید کہ ہر کہ بمیرد تمام شد + جوان مرد موت کو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ہم تیرے قدر شناس ہیں تو ہمارے پاس آ۔ نامردوں پاس نہ جا اب ہم ان شیخی کے بہادرانہ کلاموں کو چھوڑتے ہیں واقعات بیان کرتے ہیں +

حکماء اکثر ارادہ موت کو پہلے سے سوچتے ہیں مرنے کے لئے تیاری کرتے ہیں موت کے بلانے میں مدد کرتے ہیں بہت سے ہم ایسے ویسے آدمیوں کو بھی دیکھتے ہیں کہ مرنے کی لئے تیار ہیں

یہ مرنا بھی اُن کا خالی مرنا نہیں ہوتا بلکہ بڑی ذلت اور تکلیفوں کے ساتھ۔ مگر اُن کے چہرہ پر ذرا بھی اضطراب نہیں معلوم ہوتا۔ خواہ یہ حال اُن کا فطرتی بھولا پن سے ہو۔ یا جوانمردی اور دلیری سے ہو۔ اس حالت میں سب اپنے کام کرتے ہیں معاملات خانگی کو فیصلہ کرتے ہیں دوستوں کو وصیت کرتے ہیں۔ گاتے ہیں وعظ کہتے ہیں اُنھوں سے مخاطب ہوکر باتیں کرتے ہیں بعض اوقات لطیفہ سنجی دوستوں سے کرتے ہیں۔ می نوشی اُن کے ساتھ کرتے ہیں غرض سب کام سقراط کے سے کرتے ہیں +

(۹۱) عجب عجب حکایات ان لوگوں کی مشہور ہیں جو پھانسی پائے گئے۔ نظامی

شنیدم رسن بستۂ سوئے دار + بروتازگی رفت چون نوبہار
بہ پرسیدش از مہرباناں یکے + کہ خرم چرائی و غم اندکے
چنیں داد پاسخ کہ عمر اینقدر + بغم بردنش چون توانم بسر

ایک شخص پھانسی کے لئے چلے جاتے تھے۔ اُنھوں نے پہرے کے سپاہیوں سے کہا کہ بھئی تم مجھ کو اس بازار سے نہ لے جانا۔ وہاں میرا پُرانا قرض خواہ رہتا ہے۔ وہ گرفتار کرلے گا + ایک اور ایسے ہی شخص نے پھانسی دینے والے سے کہا۔ بھئی مجھ گُدگُدیاں بہت لگتی ہیں کہیں تم میری گردن کو ہاتھ نہ لگانا۔ مجھے ہنسی آجائیگی +

ایک شخص نزع میں پادری صاحب کے سامنے اپنی گناہوں کا اقرار کرتے تھے۔ کہ پادری صاحب نے فرمایا۔ کہ تم خداوند مسیح کے ساتھ کھانا کھاؤگے۔ اس پر اُس نے کہا۔ کہ میری جگہ آپ کھانا کھانے چلے جائیے۔ میں آج روزہ رکھ لوں گا +

ایک پھانسی لگنے والے نے پانی مانگا۔ جب پانی آیا تو پھانسی دینے والے نے پہلے پی لیا۔ جب اپنا جھوٹا پانی اُسے پینے کو دیا تو اُس نے کہا کہ میں یہ جھوٹا پانی نہیں پیتا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں بیمار نہ ہوجاؤں +

ایک شخص کو پھانسی پانے کے وقت ایک قحبہ نہایت بدشکل دکھائی گئی۔ اور کہا گیا کہ تم اُس سے

نکاح کرلو تو جاں بخشی ہو جای۔ تھوڑی دیر کے بعد اپ کر کہا کہ یہ لنگڑائی ہی۔ مجھے جلدی پھانسی دو۔ ایسی ہی ایک شخص کے روبرو ایک لڑکی لائی گئی۔ اور کہا گیا کہ اس سے شادی کرلو تو جان بچ جائی۔ اسنے کہا کہ یہ کلہ خشک ہے اور ناک اسکی بہت بڑھی ہوئی ہی۔ مجھے اس سے شادی کرنی پسند نہیں مرنا پسند ہے۔ تاریخ میں بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ ہزاروں آدمیوں نے ذراسی بات دشمنوں کی نہیں مانی۔ اور جان دے دی + ایک بادشاہ ایران نے شہر فتح کرکے اہل یونان سے کہا کہ تم میری لئے دعا مانگو کہ بادشاہ کو خدا سلامت رکھے۔ مگر یہ یونانیوں نے نہ مانا۔ وہ پہلے ایرانیوں کی ساتھ لڑائی میں عہد کر چکے تھی کہ مرنا قبول ہی۔ مگر یونانی قوانین کی بجائی ایرانی قوانین کا ماننا منظور نہیں ترکوں اور یونانیوں میں لڑائی ہوئی تو ترکوں نے ختنہ نہ کرانے اور اصطباغ پانے پر موت کو ترجیح دی +

بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ دوستوں نے دوستوں کی بجای آور غلاموں نے اپنے آقاؤں کے بدلہ اور شاگردوں نے اپنے استادوں کی عوض میں جان دینی قبول کرلی۔ ہندوؤں کی عورتیں کیسے ہنسی خوشی ستی ہونے کو قبول کرتی تھیں۔ نرسنگاہیں جب بادشاہ مرتا ہی تو اس کی تمام بیویاں اور حرمیں اسکے عزیز نوکر افسر گھر کے اندر کے ملازم بادشاہ کے ساتھ جلنے کو بڑی عزت سمجھتے ہیں بعض اوقات شہر کے شہر دشمنوں کے ہاتھ سی ایسی ایذا پاتے ہیں کہ اپنے مرنے کی سیکڑوں ترکیبیں نکالتے ہیں +

ایک لمبی چوڑی فہرست عورت مردوں کی ہر قوم اور ملت کی اور ہر زمانہ کی ایسی بن سکتی ہے۔ کہ جنھوں نے موت کو خود اختیار کیا۔ اور زندگی سے سیر ہو کر یہ جانا۔ کہ اسمیں میں زیادہ مزہ ہے۔ مگر جو لوگ موت کے خوف سے لرزاں اور ہراساں رہتی ہیں۔ ان کی تعداد کے سامنے اوپر کی فہرست کسی شمار میں نہیں گنی جاسکتی +

ایک کشتی دریا میں چلی جاتی تھی۔ کہ آندھی بڑے زور و شور سے آئی۔ اس کشتی میں حکیم

پیرہو بھی بیٹھا تھا۔ اور اُس کے ساتھ ایک سور تھا۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ آدمیوں کے گھبرانے کے مارے اوسان خطا ہوئے جاتے ہیں تو اُس نے اپنے سور کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ دیکھو تم انسان ہو کر ایسے گھبراتے ہو۔ یہ حیوان ہے اس کو ذرا بھی خبر نہیں تم کو خدا نے عقل دی کر اشرف المخلوقات بنایا ہے اور ساری جانوروں کا مالک و بادشاہ کیا۔ تم کو خدا نے عقل اس لئے دی ہے کہ تم اپنے تئیں تکلیف پہنچاؤ۔ کیا عقل ہماری اطمینان اور خوشیوں کو خاک میں ملانے والی ہے؟ جس سے ہماری حالت سور سے بھی بدتر ہو جاتی ہے؟ کیا ہم اپنی عقل کو جو ہماری حالت اعلیٰ درجہ کی نیک بنانے کو لئے دی ہے۔ اُس کو اپنی بربادی و تباہی کے کام میں لائیں؟ اس سبب سے ہم قدرت کا قانون جو عام ہے اُسے توڑتے ہیں؟ جو استعداد اور قابلیت و اعضا اور وسائل اُس نے عطا کئے اُن کو اپنی نفع رساں اور مصلحت میں کام میں لائیں +

امراض اور بیماریوں کی وہ سخت ایذائیں او تکلیفیں ہیں کہ بڑے بڑے ولی اللہ بھی حذر مانگتے ہیں۔ ان کو یہ سمجھنا کہ وہ فقط خیال سے پیدا ہوتی ہیں صریح غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حواس ان کی شہادت دیتے ہیں اگر یہ حواس جھوٹے ہیں تو عقل بھی سچی نہیں کون کہہ سکتا ہے کہ کوڑے جو ہماری پیٹھ پر لگ رہے ہیں وہ کیا اچھی گدگدیاں ہیں ایلوا گھول کر جو پلایا جائے اُسے کہدے کہ کیا میٹھا شربت ہے۔ یہاں تو پیرہو کے سور کی کچھ نہیں چلتی۔ اگر اس کی پیٹھ پر لکڑیاں لگاؤ تو وہ بھونکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاں اسے بھی تکلیف ہوئی ہے جو لوگ زبان سے بکتے ہیں کہ امراض میں تکلیفات خیالی ہیں وہ واقعات سے الفاظ کو بھڑاتے ہیں گو لفظاً وہ انکار کرتے ہیں مگر اس کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں +

غرض یہ قاعدہ کلیہ تجربہ کا ہے کہ جو آسمان کے نیچے جاندار ہے وہ امراض سے متاذی ہوتا ہے +

موت کا ادراک عقل سے ہوتا ہے۔ وہ ایک آنی حرکت ہوتی ہے۔ موت کے واسطے نہ
استقبال ہے نہ ماضی ہے۔ حال میں وہ آچکی یا آئیگی۔ جس عرصہ میں کہ موت آنکھیں
اپنی دکھاتی ہے۔ اس سے بہت تھوڑی دیر میں ہزاروں حیوان اور انسان مر جاتے ہیں
غرض مرنے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ بعض کہتے ہیں کہ موت کا تو سب کو یقین ہے کہ وہ ضرور
آئیگی اور دفعۃً آئیگی۔ اس کا خوف فقط بیماریوں کی ایذاؤں سے ہوتا ہے موت کی
لیں ڈوری بیماری ہی ہوتی ہے۔ بعض اس کے بالعکس کہتے ہیں کہ بیماریوں کا خوف
جب ہی زیادہ ہوتا ہے کہ ان میں مرنے کا گمان ہوتا ہے۔ امراض مہلک ہی میں دوہرا
خوف ہوتا ہے۔ ایک مرض کی تکلیف کا۔ دوسرا مرنے کا۔ جو امراض مہلک نہیں ہوتے
ان میں فقط اکیلی ایذا کا خوف ہوتا ہے۔ بزرگوں کا یہ مقولہ ہے کہ خود موت میں خوف
نہیں۔ خوف تو موت کے بعد ہے مگر ایک حکیم کا یہ قول ہے۔ کہ موت سے پہلے اور پیچھے
جو خوف ہیں وہ موت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔

غرض موت میں تکالیف امراض کا خیال ہوتا ہے۔ اور افلاس میں تکالیف کا خیال
مصائب کے سبب سے ہوتا ہے۔ بھوکا پیاسا مرنا جاڑے میں اکڑنا گرمی میں جلنا اور
بہت سی بے آرامیاں اور بے چینیاں۔ صبر سے یہ ساری مصیبتیں معدوم تو نہیں
ہوسکتیں مگر ان کے تشدد میں تخفیف ہوسکتی ہے۔ گو جسم اور عقل و نور روح سے سرکشی کریں
مگر صبر اس کو اچھی حالت میں کرسکتا ہے۔ اگر یہ مصائب ہوتے تو انسان کی بہت سی
خوشیاں اور نیکیاں کبھی ظاہر نہیں ہوئیں۔ شجاعت۔ علو ہمت۔ قوت۔ عزم جزم تمام
شہرتیں ان مصائب ہی کے سبب سے ہوتی ہیں اگر وہ نہوں تو پھر یہ خوبیاں نہ رہیں
شجاعت تو خوفوں کی مشتاق رہتی ہے۔ میدان جنگ میں سخت زمینوں پر سونا پڑتا ہے
ہتھیاروں کے پھلوں کے زخم اپنے پہلوؤں پر اٹھانے پڑتے ہیں۔ گرمی میں دھوپ میں
جلنا پڑتا ہے بھوکا پیاسا رہنا ہوتا ہے گھوڑے گدھوں کا گوشت کھانا پڑتا ہے۔

آدمیوں کے چیتھڑے اُڑتے ہوئے خون سے چور چور بدنوں سے لہو نکلتے ہوئے۔ اور زخموں میں ٹانکے لگتے ہوئے۔ سلائیاں پڑتی ہوئیں۔ یہ سب باتیں دیکھنی پڑتی ہیں بس یہی مصائب ہیں جن کے اندر صبر کرنے نے جوانمردوں کو گنواروں اور نامردوں پر فوقیت دی ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ دنیا میں وہی بڑے کام گنے جاتے ہیں۔ جن میں محنت اور مشقت اُٹھانی اور رنج کھینچنے پڑتے ہیں انسان صرف ہنسی کی باتوں مسخرگی۔ دل لگی۔ شوخی۔ مزاح چھیڑ چھاڑ سبک سروں کی صحبت سے خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ زیادہ تر اُس کو مسرت وانبساط اپنے اقبال و ثبات کے کاموں سے حاصل ہوتی ہے یا میدان جنگ میں تلوار کے زور سے فتح حاصل کرنے میں جو ناموری اور شہرت حاصل ہوتی ہے۔ وہ خداع و فریب و حکمت عملی سے فتوحات حاصل کرنے میں نہیں ہوتی۔ کام کی قدر اس کی قیمت پر موقوف ہے۔ جن کاموں کی قیمت میں ہم اپنی جان اور خون دیں اس سے زیادہ اور کیا کام بیش بہا ہو سکتے ہیں +

نیچر کا قاعدہ ہے کہ جس دُکھ درد میں تشدد زیادہ ہوتا ہے وہ دیرپا نہیں ہوتا۔ کیا وہ خود جلد ختم ہو جاتا ہے۔ یا خاتمہ کر دیتا ہے جب تم اُس کی برداشت نہیں کر سکتے۔ تو وہ تم کو دنیا سے برداشتہ کر دیتا ہے۔ جو دُکھ درد تشدد سے خالی ہوتے ہیں وہ دیرپا ہوتے ہیں۔ ہمیشہ بیچ میں آرام کرنے کے لئے وقفہ دیتے ہیں۔ جب ہم کو شہر خوش نہیں آتا تو باہر چلے جاتے ہیں۔ ایسے ہی جب دُنیا کے رنج والم کی برداشت نہیں ہو سکتی۔ تو یہاں سے چلے جاتے ہیں انسانوں میں رنج و تکلیف کی برداشت کرنے کی مختلف قابلیتیں ہوتی ہیں بلکہ ایک ہی انسان میں مختلف اوقات و حالات میں یہ قابلیت بدلتی رہتی ہے وہی شخص جو فصاد کے نشتر سے گھبراتا ہے میدان جنگ میں ایسی حرارت اُس میں آ جاتی ہے کہ تلوار کے بہت سے زخم کھاتا ہے۔ اور کچھ پروا نہیں کرتا۔ بچہ جننے کا درد وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے سخت بتلایا ہے۔ مگر عورتوں کی قوتیں ایسی ہیں کہ اُن کے پیٹ میں جو کچھ

آج وہ کل پیٹھ پر سوار ہے۔ وہ پیٹ سے نکلا نہیں کہ پیٹھ پر ڈالا نہیں۔ بہت سی گنواریاں بچہ جنتی ہیں۔ اور ٹوکری میں ڈال کر سر پر رکھ کر گھر میں لے جاتی ہیں۔ بیچ میں کوئی ندی نالا آیا تو اُس میں خود نہالیں اور بچہ کو نہلالیا۔ فاحشہ عورتیں اسقاط حمل بے تکلف کرتی ہیں مجھے استروں سے سیکڑوں زخم بدن پر لگاتے ہیں اور خبر نہیں ہوتی۔ جوگی فقیر کیسے کیسے کشٹ اُٹھاتے ہیں۔ ہاتھوں کو سکھا دیتے ہیں اُلٹے درختوں میں لٹکتے ہیں مٹی راکھ کھاتے ہیں کہ رنگ زرد ہو جاتے ہیں۔ اِن تکالیف کے برداشت کرنے کی مردوں ہی میں صفت نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں میں بھی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں بعض بعض مقامات میں وہ اپنے چہرہ کے کھال نئی کھال نکلنے کے لئے اُترواڈالتی ہیں۔ سفید بالوں کو جڑ سے اکھیڑ ڈالتی ہیں اچھے بھلے دانتوں کو اکھڑواڈالتی ہیں کہ خوبصورت بتیسی کے دانت لگائیں۔ غرض روز مرہ اِس کی مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ ایک آدمی جس مصیبت سے رو رہا ہے دوسرا اپنے صبر کے سبب سے مضطرب نہیں ہوتا۔ غرض افلاس کے مصائب گو زیادہ مضرت رساں ہیں مگر اُن میں صبر و استقلال و برداشت کرنے سے خوبیاں ایسی پیدا ہوتی ہیں کہ اُن سے انسان کا دل خوش ہونے لگتا ہے۔ اور اُن کی تکالیف کم ہو جاتی ہیں +

بعض حکیم کہتے ہیں کہ دولت مندی سے انسان کے معاملات بدل جاتے ہیں کوئی خوشی نہیں بڑھتی۔ احتیاج کے سبب سے حرص نہیں ہوتی بلکہ دولت کی افراط سے مفلس کو افلاس سے جو تکالیف ہوتی ہیں۔ وہ دولتمند کو حرص سے۔ تمام مضمون کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ موت۔ مرض مفلسی یہ تین مصیبتیں جو سب سے بڑھ کر انسان کے لئے ہیں ان میں موت کی تکلیف میں تو خیال کو دخل ہو سکتا ہے سوا اس کے اور بہت سی چیزیں جو زمانہ آیندہ سے تعلق رکھتی ہیں اُن میں خیالات کو بڑا دخل ہے مگر افلاس اور امراض کی تکالیف مشاہدہ میں آتی ہیں وہ اصلی ہیں خیال کو اس میں دخل نہیں ہے۔

سچائی یا راستی۔

(۱) سچائی یا راستی میں امورات نفس الامری ہوتے ہیں اگر وہ فلسفیانہ و حکیمانہ و عارفانہ ہوں۔ تو اُن کا نام خاص حق یا صدق ہم رکھتے ہیں اور اگر وہ دنیا کے امورات سلطنت و مملکت و روز مرہ کے کام کاج اور معاملات و مقدمات سے متعلق ہوں تو اُن کا خاص نام راستبازی یا راست گوئی یا درست کرداری رکھتے ہیں اور علی العموم ان سب پر راستی یا سچائی کا اطلاق کرتے ہیں +

(۲) راستی جس چیز کو زیب و زینت دیتی ہے اُس کی خوبی کو ایسا بڑھا دیتی ہے جیسی گل کی خوبی کو اُس کی خوشبو۔ یوں موسم بہار میں ہزاروں پھول کانٹوں پر شگفتہ ہیں جو مثل گل اپنی رنگتوں کی چمک اور شوخیاں دکھاتے ہیں مگر جب مرجھا کر مر جاتے ہیں تو زمین پر پڑے سڑا کرتے ہیں کوئی اُن کا گاہک نہیں ہوتا۔ مگر گل اپنے مرجھانے کے بعد بھی وہ خوشبوئیں بناتا ہے۔ کہ جن سے دل و دماغ کو فرحت و راحت ملتی ہے بس اے نوجوان تو اپنی زندگی گل کی سی بنا کہ مرنے کے بعد تجھ سے وہ سچائی کا ست اور عطر نکلے کہ لوگوں کا دماغ اُس سے معطر ہو + اگر غور سے دیکھو تو سچائی سرتا پا حسن و جمال ہے۔ کوئی قدرتی خوبی اِس کی مثل نہیں اخلاق کی جان سچائی ہے۔ چہرہ کا جمال خط و خال کا سچا ہونا۔ راگ کا جوہر سُروں کا سچا ہونا۔ عمارت کی خوش اسلوبی سچا تناسب شاعری میں گو سراسر جھوٹ بھرا ہوتا ہے مگر جہاں اس میں سچائی جلوہ نمائی کرتی ہے۔ ایک کمال پیدا کر دیتی ہے۔ غرض جہان میں جہاں سچ کا بول بالا ہے۔ وہیں اُجالا ہے جس میں جھوٹ کا منہ کالا دکھائی دیتا ہے۔ سچ وہ ابر رحمت ہے کہ جس کی برکت سے عالم سرسبز ہے

(۳) راستی کا رستہ کیسا سیدھا اور صاف بے خطر۔ با امن و امان ہے۔ کہ جس کے طے کرنے میں بہت کم تکلیف ہوتی ہے۔ وہ ہمارے مقصد تک پہنچانے کا رستہ بہت

نزدیک ترین خط مستقیم ہی ہے۔ راستی سیدھی راہ چلتی ہی۔ جھوٹ کی چال پیچ در پیچ
سانپ کی سی ہے۔ کہ وقت سو پیٹ کے بل چلتا ہے دریاؤں کے بل نہیں چلتا۔ اگر تم سچ
کی راہ سے بھٹک گئے۔ تو پھر بھول بھلیوں میں پڑ گئے۔ جتنا چلوگے اُتنے ہی پھیر میں پڑتے جاؤگے
آخر کو اُس سے نہ نکل سکوگے۔ تھک کے بیٹھ جاؤگے۔ دوام کو ناکام رہوگے +

(۴) سچ میں وہ افسون ہے کہ منکر بھی اُس پر مفتون ہیں جھوٹے بھی اپنے جھوٹ کو
سچ بتاتے ہیں اُن کا جھوٹ اور قصوں اور کہانیوں کا جھوٹ وہی زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے
جو سچ کے مشابہ ہوتا ہی۔ سچ میں وہ ادا ہی کہ سب کے دل میں چبھتی ہی۔ اُس کی تلخی میں بھی ایک
مزا ہی۔ سچ کے پوچھنے والے بہت ہیں مگر اس کے سننے والے تھوڑے ہیں لوگ سچ کو جو
نہیں مانتے۔ اِس کا سبب یہ نہیں ہی کہ اُس کے لئے شہادت موجود نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سبب سے کہ
سچ کے ڈھونڈنے کا میلان خاطر نہیں ہوتا۔ اور اس کی تجسس کی محنت مشقت گوارا نہیں
ہوتی۔ اس طرف سے ایک بے اعتنائی ہوتی ہی ہزاروں تلوّن مزاج سچ پر قائم نہیں رہتے
اپنے خیالات اور اقوال اور افعال کو سچ کا پابند نہیں سمجھتے دل کو پتھر بنا کے صاف سچ سے مقابلہ
کرنا اور اُس کو نہ ماننا ایسا ہی آسان ہی۔ جیسا کہ آنکھیں بند کر کے دوپہر کی دھوپ کو
نہ دیکھنا۔ انسان کی جبلت میں یہ امر داخل ہی۔ کہ جھوٹ بولنے سے مزہ آتا ہی سچ سننے
سے کڑوا آتا ہی+ جس شخص کو نیکی سے محبت ہی۔ اُس کو سچ سے محبت ہے۔ اِس لئے کوئی
نیکی نہیں جس کی اصل سچائی نہ ہو۔ برخلاف اُس کے کوئی برائی نہیں جس کی ابتدا جھوٹ سے
نہ ہو+ اگر آدمی یہ عہد کرے کہ میں سب گناہ کرونگا۔ مگر جھوٹ نہ بولونگا۔ تو اس سے
خود بخود سب گناہ چھوٹ جائیں گے۔ اِس لئے کہ چوری اور جوا کھیلنے کے وقت اس کو یہ
خیال آئیگا کہ اگر کسی نے پوچھا تو سچ کہنا پڑیگا۔ اور شرمندگی یا ذلت یا سزا اُٹھانی
پڑیگی۔ بس وہ سچ ہی اِس کو ہر قسم کی برائی کرنے سے روکتا ہی۔ اِس سے ثابت ہوتا ہی
کہ جھوٹ تمام گناہوں کی ماں اور سچ سب برائیوں کا سلاح ہے۔ سچ بیٹ میں

نیکیاں ہیں۔ اور جھوٹ کی گرہ میں ساری بُرائیاں +

(۵) بعض حکیموں نے اس کی تحقیقات کی اور حیرانی میں ہیں۔ کہ جھوٹ سے آدمیوں کو نہ شاعرانہ خوشی ہوتی ہے۔ نہ تاجرانہ نفع ملتا ہے۔ پھر وہ کیوں جھوٹ بولتے ہیں اس کے زہر میں عسل کی حلاوت جانتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ سچ کی نسبت جھوٹ زیادہ پر رونق معلوم ہوتا ہے۔ وہ شمع کی سی روشنی ہے۔ جس میں رنگ برنگ کے تماشے اور بازیاں بڑی خوشنما دکھائی دیتی ہیں اور سچ دن کی سی روشنی ہے کہ جس میں وہ بوقلمونی و رنگ آمیزی پھیکی پڑ جاتی ہیں۔۔۔ سچ ایک آبدار موتی ہے۔ جو دن میں آب و تاب دکھاتا ہے شب چراغ نہیں۔ جو رات ہی کی روشنی میں جگمگاتا ہے یہی سبب ہے کہ جھوٹ میں لطف زیادہ آتا ہے۔ بے فائدہ دل خوش ہوتا ہے۔ اگر آدمیوں کے دلوں سے جھوٹ موٹ کی خیالات و تشخص و شیخی و تعلی نکل جائیں تو ان کی ساری اُمنگیں و ترنگیں و ولولے دل سے نکل کر ایسا افسردہ ان کو کر دیں۔ جیسے کہ بدن سے کُل خون نکل کر صرف پوست و استخوان باقی رہ جاے +

بعض آدمی کہتے ہیں کہ ہم سچے ہیں۔ مگر ان کے دل میں راستی اس طرح ثابت نہیں جیسے کہ آسمان پر ثوابت ثابت ہیں۔ بلکہ ان کا حال شہاب ثاقب کا سا ہے۔ کہ ہوا میں ناچتا ہے ادھر چمکا۔ اُدھر غائب ہوا۔ راستی ان کی دل پر پتھر کی لکیر نہیں بلکہ ریت پر نقش ہے کہ ہوا کے جھونکے سے اس کی شکل مٹتی ہے۔ اور دم پھونکنے سے اس کی صورت بگڑتی ہے۔ ان کے دل میں راستی کی روشنی یوں دکھائی دیتی ہے جیسا کہ طوفان باد و باران میں ستارہ جھلملاتا ہو اگو وہ بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑی دیر میں ایسا نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ کہ یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ وہ پہلے دکھائی ہی دیا تھا۔ یا صرف نظر کا دھوکا ہی تھا۔ بہت سے آدمی اپنی سچی رایوں کو اس طرح بدلتے رہتے ہیں جیسے عورتیں اپنے ان چاہنے والوں کو جن سے شادی کرنی منظور نہیں ہوتی جب نئے خواستگار مل گئے۔ پرانے چاہنے والوں کو چھٹا دیا۔ آدمی کو جھوٹ سے ایسی محبت ہے کہ جو جھوٹی باتیں اس کی آنکھ کو خوشنما معلوم ہوتی ہیں ان کو سچ یقین کر لیتا ہے۔ مگر سچ بھی وہ

قدرت رکھتا ہی۔ کہ گو کوئی اُس پر ناک بھوں چڑھائے۔ مگر وہ اپنے سنجیدہ ثبوت سے اس تیوری کے بل کو نکال ہی دیتا ہے سچ کی روشنی خود اُس کی ذات سے ایسی عیاں ہوتی ہی جو دروغ کو بے فروغ کردیتی ہے - حق کے آخر سب طالب ہیں اور اسکے دعوی سب غالب

(۴) امر حق کی تحقیق ایک بڑا ادق کام ہے وہ ایک بڑا مستحکم قلعہ ہوتا ہی جس کے گرد سب طرف دیوار نہایت استوار سبحر نے کھینچ دی ہے فراست اس کی قلعہ کشائی یوں کرتی ہی کہ اُس کو نہایت محنت و توجہ سے سب طرف سے گھیرتی ہی۔ اپنی تئیں بچانے کا خیال رکھتی ہی اُس کے اندر جانے کے تمام رستوں اور راہوں کو قریب جا کر بڑی ہوشیاری سے دیکھ بھال لیتی ہی۔ کبھی اُس کو یہ خیال ہوتا ہی۔ کہ میں نے اس قلعہ کے ایک حصہ کو فتح کرلیا۔ مگر تھوڑی دیر بعدہ آپ اُس پر متحیر ہوتی ہی۔ کہ فتح کیسی مجھے تو خود شکست ہو گئی ہی۔ پھر وہ تیار ہو کر از سر نو حملہ آور ہوتی ہی۔ اور اپنی مشکل آسان کرتی ہی۔ مدتوں تک پڑی رہتی ہی۔ مگر عقل توپخانہ لگاتی ہی۔ اور شکستوں پر شکستیں پاتی ہی۔ براہین و حجج و استدلال کے گولے مارتی ہی۔ اور نازک فرقوں اور نتائج کو دیکھتی ہی۔ آخرکار وہ حق کے قلعہ میں جو چاروں طرف سے بند تھا داخل ہوتی ہی ✠ جب دل بے قرار ہو کر اپنے رخ کو ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف پھیرتا ہی۔ اور قواء عقلیہ کو کہتا ہے کہ ایک بات کو سمجھ دوسری بات کو فیصلہ کر تیسری بات کی توضیع کر۔ چوتھی بات کو یاد کر۔ اسی طرح سے بعض چیزوں کے نہایت نازک تفاوت و مطابقت معلوم ہوتے ہیں اور آخر کو بڑی مشکل اور دشواری سے وہ ایک بات کو فرض کرکے اسکے آخری نتائج ایسے معلوم کرتے ہیں کہ پہلے جو باہم آپس میں متضاد و متناقض معلوم ہوتی تھیں اور ایک دوسری کی قاطع تھیں جس کے سبب سے مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اُنکے اجزا باہم پیوستہ اور ایک دوسرے کے موقوف علیہ معلوم ہوتے ہیں ✠

علوم کی تحقیقات میں امر حق کے دریافت کرنے کا یہی طریقہ ہی جو نہایت دشوار ہے۔ سچائی کا حال ایسا ہے جیسے کہ کسی پری بیگم کا۔ جس کا شاہانہ مزاج ہو اول تو اُس کی

صورت ہی نظر نہیں آتی۔ اگر صورت نظر آجای تو پہلے دفعہ میں ملاقات نہیں ہوتی۔ اب
خواہ کیسے ہی اخلاق و تواضع سے اُس کی طرف مخاطب ہو وہ سنتی ہی نہیں تلطف
التفات تو کجا۔ غرض جب تک مدتوں پاپڑ نہ بیلو۔ اور مشقت شاقہ نہ اٹھاؤ
کوئی تمتع اُس سے نہیں اُٹھا سکتے۔ دُنیا میں جو بڑی بڑی ذہین عالی دماغ گزرے ہیں
اُنھوں نے بھی کسی امر حق کو جب ہی دریافت کیا ہے کہ سخت محنت کو اپنے اوپر گوارا کیا ہی
بے محنت وہ بھی خالی ہاتھ رہے غرض تحقیق حق میں جو کچھ نتیجہ ہاتھ آتا ہے وہ ریاضت اور
محنت کا ثمرہ ہوتا ہی۔ تحقیق حق کی حد انتہا نہیں۔ تمام امور حق میں مذہبی حق کیلئے
سب سے زیادہ محنت و مشقت گوارا کرنی چاہئی۔ ہر شخص حق کا مرد میدان نہیں ہو سکتا۔
کہ اس میں دشمنوں کے سامنے مقابلہ کے لئے بے دھڑک کھڑا ہو۔ تھوڑے آدمی ایسے ہوتے
ہیں کہ حق کی پیروی میں غلطیوں کے لشکر پر بے تحاشا حملہ آور ہوں اور حق کے دشمنوں کو
فتحیاب راستی کی عقل حق لوگوں کی حامی ہوتی ہے ایکن خلاف نہیں حق تا وہ حق کی قبول کرنے میں موافقت
رکھتی ہیں وہ ان کی ہوائے نفسانی کو روک دیتی ہے نفس میں اطمینان پیدا کر دیتی ہے
یہ راستی رای کو اس طرح بتدریج بدلتی ہی بلکہ بدلنا معلوم نہیں ہوتا۔ اور بہیج بہیج اس کو
عقل کی طرف لے جاتی ہے جو راستی کی ترقی سے انقلابات واقع ہوتے ہیں وہ انسان کو
فائدہ پہنچاتے ہیں مگر ان آدمیوں پر بار خاطر ہوتے ہیں جو ظلم کرتے ہیں اور فریب
دیتے ہیں تھوڑے ہی آدمیوں کا حق کیلئے گن ایسے کھلتے ہیں۔ جو اس کی دھن میں آخر ہوتے ہیں ؛

(۷) جھوٹی جھوٹی باتوں میں جھوٹ بولنے کے اندر سہل انگاری نہیں چاہئی۔ اور یہ نہ
سمجھنا چاہئے کہ بڑی باتوں ہی میں سچ بولنا ضرور ہی۔ اگر یوں جھوٹ بولنے لگوگے تو
تھوڑے دنوں میں اُس کے عادی ہو جاؤگے۔ عادت میں وہ زور ہے۔ کہ پھر اس پر
کوئی زور تمہارا چلنے کا نہیں اس عادت کے سبب سے لوگ بُری طرح تمہارے اخلاق کا
اندازہ کرینگے۔ اس لئے بچوں کو چھوٹی چھوٹی باتوں سے ابتدا ہی سے روکنا چاہئے۔ اگر کوئی

بات ایک دروازہ میں ہو۔ اور وہ دوسرے دروازہ میں بیان کریں تو اُس سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے۔ اُن کو ڈانٹنا چاہیئے تم نہیں جانتے کہ اس طرح سچ سے انحراف کہاں تک نوبت پہنچاتی ہے۔ ساری گمراہیاں جھوٹ ہی سے پیدا ہوتی ہیں +

(۸) رسم و رواج اور پرانے احکامات امر حق کی تسلیم کرنے میں بڑے حارج ہوتے ہیں جب ایک سچی بات معلوم ہو جاتی تو رسم و رواج کو بالائے طاق رکھ کر اُس کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ پہلے زمانہ کے توہمات باطلہ اور وساوس کا دل میں بس جانا بڑا دشمن جانی سچی اور عقلی باتوں کے ماننے کا ہے پہلے جو لوگ لکھ گئے ہیں اُس پر کوئی حسد نہیں کرتا جیسے پہلے زمانہ سے اُن کو مانتے آئے ہیں اب بھی مانتے ہیں زمانہ دراز کی باتیں ایسی خوش نظر آتی ہیں جیسے کہ دور کی چیزیں فاصلہ کے سبب سے خوشنما معلوم ہوتی ہیں +

یہی ایک بات ایسی ہے۔ جو ہمیشہ ہم سے راستی سے انحراف کراتی ہے۔ امر حق جب ہی منکشف ہوتا ہے کہ متصل و متواتر غور اور خوض سے پہلے جاہل اور خیالات کی تصحیح و ترمیم ہوتی رہے انکشاف حق میں انسان کے تمام قوائے عقلیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ ہر نسل کے لیے اُس کا ایک حصہ مقرر ہے بس ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے حصہ کا حق ادا کریں یہ نوع انسان کا کام ہمیشہ کے لئے ہے۔ زمانہ دراز میں بڑی تحقیقاتوں سے ایک امر قائم ہوتا ہے جھوٹ تو نہیں جلد رونق پاجاتا ہے۔ جس بات کی بنیاد کہ راستی پر نہیں ہوتی اُس کو نیچر پلٹ کر کسی نہ کسی وقت میں دکھا دیتا ہے۔ کہ وہ بے اصل ہے۔ اِس لئے کہ دیر تک مکر و فریب نہیں چلتا۔ کاٹھ کی ہانڈی دیر تک نہیں چلتی۔ کاغذ کی ناؤ دیر تک نہیں بہتی +

(۹) انسان کی خوشی کی بنیاد سچ پر ہے۔ اِس کے گروہوں کی باہمی اتفاق کی بندش سچ پر رہی ہے۔ بغیر سچائی کے نہ کسی زبان پر اعتبار ہو سکتا ہے۔ نہ قسم عہد و پیمان کی ضمانت پر اعتماد۔ نہ کسی فریق میں دوستی و اتفاق +

کہتے ہیں کہ شیاطین بھی آپس میں سچ بولتے ہیں تو اُن میں اتفاق رہتا ہے +

(۱۰) تمام علوم کا مرکز سچ ہے۔ انسان کے دل میں بڑا و اعلا تاج سچ ہے
جب دل میں راستی کی موجیں اٹھتی ہیں تو حق کی فوجیں نازل ہوتی ہیں۔ کوئی چیز
اس سے خالی نہیں کواکب میں آفتاب میں گل و نسیم میں موجود ہے۔ انسان فانی ہی
اس کی سچائی بھی فانی ہے۔ مگر خدا کی سچائی ازلی و ابدی ہی۔ اس کی بنیاد
کو کوئی خوف و خطر نہیں اس کا سر سب آفتوں سے محفوظ ہے وہ اس ہاتھ کی بنی
ہوئی ہی۔ جس نے آسمان بنایا ہے۔ بھلا اس پر طوفان کا اثر کیا ہوگا اور سمندر
کا تلاطم اس کو کب اپنی جگہ سے ہلا سکے گا۔ وہ زمانہ کی ہزاروں سالوں کی
طغیانی میں قائم رہتا ہے۔ اس کو ہمیشگی ہے +

(۱۱) افعال کا اقوال کے ساتھ موافق کرنا۔ راست بازی ہی۔ سچ بولنا فراخ حوصلگی
ہی۔ انسان کے دل میں نیکی ہوشمندی انصاف سچ ہی پیدا کرتا ہے راستی ہی
اس کی رای کو زینت بناتی ہی۔ ان میں استقلال و استحکام پیدا کرتی ہی۔ فہم و فراست کو
روشن اور نیت کو درست۔ حافظ کو خیالات سے معمور کرتی ہی۔ تکالیف کو گھٹاتی
ہے۔ درحقیقت راست بازی ہی کا نام دانشمندی ہی اس کے بغیر آدمی اندھا ہے وہی اس کی عقل
آنکھ کی پتلی ہے کوئی بیش بہا نعمت سچ کی برابر انسان کے پاس نہیں۔ مکاری اور
ریاکاری سے بہت زیادہ فائدے راست کرداری سے حاصل ہوتے ہیں +

(۱۲) سچ کی بڑی اور یقینی نشانی یہ ہے کہ تمام عالم اس کا تجربہ اور امتحان کریں تو
اس کو ایک ہی طرح پائی گا۔ اور کبھی اس میں تغیر اور فرق نہ دیکھی گا +

(۱۳) سچائی میں سوا اچھائی کے کچھ اور نہیں ہوتا۔ سچ سے محبت کرنی اور خدا سے محبت کرنی
ایک ہی معنی رکھتی ہے اس لئے کوئی فرض انسان کا سچائی کی محبت کی برابر نہیں۔
اصل نسب کی شرافت سچائی ہی۔ تمام خلقت کی لیاقت کا تاج سچائی ہی۔ سچائی انسان
کا زیور ہی نہیں ہے بلکہ اس کا ایک آلہ ہی امیر آدمیوں کے لئے سچائی شان و شکوہ ہی غریب

آدمیوں کا وہ راس المال ہی۔ رزق ہی اس کی سفارش ہی۔ اس لئے اعتبار کا مخزن ہے
سچائی آفتاب کی روشنی ہو کر کسی غلاظت سے ناپاک نہیں ہوسکتی۔ سچائی ہی ہماری عقل و
نیکی موضوع ہے جیسی کہ ہماری نیت کی موضوع نیکی ہے۔ عقل جھوٹ سی خوش نہیں ہوسکتی
جیسے نیت کسی ظاہری بدی سے۔ سچائی ہی ہماری بہت سی معاملات موقوف ہیں
یہ بڑی شرم اور کم بختی کی بات ہی کہ ہم اس کو دیکھیں جس راہ میں ہم چلتے ہیں اس پر
وہ ایسی چمکتی ہوئی روشن حرفوں میں لکھی ہوئی ہوتی ہی کہ دوڑنے والے بھی پڑھلیں
بس تم اس سے کیمیا بناؤ۔ کہ خیال سچا ہو علم دانشمندانہ ہو۔ شاہی عارفانہ ہو۔
(۱۴) یہ امر مشتبہ ہے کہ جو لوگ چاندی سونے کی کانیں تلاش کرتے ہیں اُن کا
آدمی احسان مند ہو۔ یا اُن کا جو اُن کو صاف کرکے اُن پر سکہ چلاکے اور قیمت
مقرر کرکے اس رائج کرتے ہیں اس طرح یہ امر بھی تحقیق نہیں ہی کہ انسان ان لوگوں کا
ممنون ہو۔ جو سچی باتیں کتابوں میں لکھ کر صندوق میں بند کرگئے ہیں یا اُن کا جو
لوگوں کو وہ باتیں سکھاتے پڑھاتے ہیں گو انھوں نے خود سچائی کو منکشف نہیں کیا۔
مگر صندوق کے اندر جو کتابوں کی قید میں وہ تھی اُسے آزاد کیا۔ انھوں نے سچائی کی روشنی
کو بند کرکے نہیں رکھا۔ بلکہ اس سے ہزاروں مشعلیں روشن کرکے اپنے ہاتھوں میں لیکر
جہاں جہاں جہالت کی گہری تاریکی تھی وہاں لے گئے ہیں *
(۱۵) سچ کے تین حصے ہوتے ہیں اوّل سچ کی تحقیقات کرنا جس سی اس کا عشق ظاہر
ہوتا ہی دوم سچ کا جاننا جس سے اس کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہی۔ سوم
سچ کا یقین کرلینا ہی جس سے آدمی مسرور ہوتا ہی۔ یہ تینوں باتیں انسان کی نیکیوں کی
بادشاہ ہیں سچ کا زبان سی کہنا آسان ہی۔ وہ کانوں کو گیت اور باجوں کے
آوازوں کی طرح بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے احکام سننے سے دل خوش ہوتا ہے
بہت سے آدمی اس نیکی کی تعریف کرتے ہیں لیکن اس کے علم کی پیروی نہیں کرتے اس کی

پیچ دار راہوں پر چلنا بھی سخت دشوار ہے۔ بیشک نام اس کے ہنرمندی کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور بہت سے رمز و کنایہ میں اس کے معنے بیان کئے جاتے ہیں جب سچائی کی سچی تصویر بناؤ تو اس میں نور الہی نظر آئیگا۔ لیکن اگر چھوٹی تصویر بناؤ تو وہ آنکھوں کو بڑا دھوکا اور فریب دیگی +

جھوٹ سچ دونو آپس میں بڑی تپاک و راخلاق سے مل کر ٹھگوں کی طرح گھات میں جا کر بیٹھے رہتے ہیں اور موقع پا کر ہم کو زخمی کرتے ہیں +

(۱۶) ایک سچائی اور سچائیوں کا بیج ہوتا ہے۔ وہ آدمی کے دل میں اس لیئے بویا جاتا ہے کہ گو پھولے پھلے۔ سڑ کر پڑا نہ رہے۔ اس بیج میں جو قوت دل تک لاتی ہے وہ آزادی ہے۔ جب توانائی دل اور آزادی دونو جمع ہو کر ایک کام پر توجہ کرینگے تو اس میں سچائی زیادہ دریافت کرلیں گے +

(۱۷) جو شخص انکشاف حق کیواسطے مستعد ہوتا ہے اس کو غلطی اور ناحق یقین سے لڑنا پڑتا ہے۔ پبلک کی کچہری ایسی صاف دل اور روشن ضمیر نہیں ہوتی کہ وہ تنقیح لکھ کر فیصلہ کردے۔ اس لئے اس کو اپیل آیندہ نسلوں میں کرنا پڑتا ہے جو سچی ڈگری اس کے حوالہ کرینگے +

(۱۸) جیسے ہمیشہ خشک زمین میں پیداوار کے واسطے پانی کی ضرورت رہتی ہے ایسے انسان کی خوشی کے واسطے سچائی کی حاجت رہتی ہے۔ جیسے کہ ایک درخت دریا کے کنارہ پر پیدا ہو تو وہ آفتاب کی تپش اور موسم کی سختی کی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ بس ایسی ہی جس شخص کے دل میں مذہبی دانائی ہمیشہ آتی رہتی ہے وہ تمام دکھوں سے بچتا رہتا ہے۔ گو اتفاق سے وہ جھوٹ کی تاریکی میں چلا بھی جائے تو بھی اپنی اصلی روشنی کو نہیں کھوئیگا +

حق کا آفتاب جس کو فنا نہیں کبھی بادلوں میں چھپ جاتا ہے اس سبب سے یہ نہیں ہوتا

کہ اُس کی روشنی میں کوئی عیب لگ جای مگر ہاں تعصب ایمان کا نقص اُس کو تاریک
دکھاتا ہی +

(۱۹) بعض نیک نہاد شاعری کو بھی بُرا کہتے ہیں کہ شاعر جھوٹ کے پتلے ہوتے ہیں جو
اور ہمارے دل میں جھوٹے خیالات پیدا کرتے ہیں مگر ایسے جھوٹ سی جو صرف خیال میں
اگر گذر جای - کچھ نقصان نہیں ہوتا - ہاں جو دل میں بیٹھ جای - یا دوسروں کے دلوں
میں بٹھایا جای تو - البتہ اس سے مضرت پہنچتی ہے +

(۲۰) حکیم دیمقریطیس کا قول ہی کہ سچائی ایک عمیق چاہ کی تہ پر پڑی ہوتی ہی - جس میں
آئینہ کی طرح چمکتا ہی - اور اس کا عکس دکھاتا ہی - مگر تہ پر سے اُس کے باہر نکلنے کی
امید بہت کم ہی - سنا گیا ہے کہ بعض دفعہ حکما تحقیق حق میں اپنے عکس کی تصویر کو سچائی
سمجھ کر اُس کی تعظیم و ادب کرنے لگتے ہیں +

(۲۱) سچ ایک چشمہ ملائم ہی کہ زمین سے گرم نکلتا ہی - مگر اُس کے منبع کے گرد برف کے انبار لگے
ہوئے ہیں جن میں وہ گذرتا ہی - جو چیزیں اُس کی سدراہ ہوتی ہیں اُن کو آگے سی اپنے
طور پر ہٹاتا ہی - اور جتنا وہ چلتا ہی - اُتنی ہی اُس کی دھار تیز ہوتی جاتی ہی - جب موسم
نہایت سرد ہوتا ہی - تو وہ رُک جاتا ہی - اُس کی روانی میں توقف ہوتا ہی - مگر وہ فنا
نہیں ہوتا - وہ ہوا کے بدلنے کا منتظر رہتا ہی - جس سی وہ دوبارہ زندہ ہو کر پھر آگے چلتا ہی +

(۲۲) ایک گھر جل جاے اور اُس کا اسباب خاکستر ہو جای - جس میں ایک چاندی کا ٹکڑا پگل کر
چھپ جای تو بہت سے خاکستر کے ڈھیر اٹھانے پڑینگے اور سلیقہ سی بڑی محنت کرنی
پڑے گی - تو یہ چاندی کا ٹکڑا ہاتھ آئیگا - اُس سے محنت کی اُجرت مل جاتی ہی ایسے ہی
جب کسی شی میں اختلاف آرا ہوتا ہے اور وہ سب رائیں سوای ایک کے غلط ہوتی
ہیں تو ہم متضاد رایوں کے مختلف شاخوں کے تجزیہ و تحلیل کرکے امر حق کو دریافت کر دیتے

(۲۳) ضرور نہیں ہے کہ سچ کو ذہانت کا لباس پر تکلف پہنایا جاے - یہ لباس تو جھوٹ کے لیے

درکار ہوتا ہے جو اس کو چھپاتی ہے +

(۲۴) دُنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی تماشا خوشنما نہیں کہ ایک شخص سچائی کی حمایت میں دشمنوں کے رو برو اپنی جوانمردی دکھا رہا ہو اور شہید ہو کر اپنے یقین اور ایمان پر اپنے خون کا ٹھپہ جما یا ہو۔ اگر تم کو آسمان گِھل کر پامال کر ڈالے تو بھی سچ بولو؟ اور اگر تمام دُنیا کی نعمتیں تم کو ملیں تو بھی جھوٹ نہ بولو۔ سچ ہمیشہ مبارک ہوتا ہے۔ گو وہ بعض دفعہ آزار رساں دشمنی میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ اُس روشنی کی طرح عزیز ہوتا ہے جو تاریکی میں پہاڑوں کی گھپائیں دکھاتی ہیں وہ ایک ستارہ ہے جو زندگی کے طوفان میں رہنمائی کر کے سلامت رکھتا ہے +

(۲۵) سچائی اپنی ذات میں ایسی ایک موافقت اور مطابقت رکھتی ہے۔ کہ اُس کو اپنے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ہماری پاس رہتی ہے۔ ہماری ہونٹوں پر بھی بیٹھی رہتی ہے۔ ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ بے تکلف باہر نکل جاتی ہے۔ برخلاف اس کے جھوٹ بڑا دہشتناک ہوتا ہے۔ اس میں آدمی کو ایجاد کی کشمکش میں پھنسنا پڑتا ہے۔ اور فریب پر فریب ایجاد کرنے پڑتے ہیں +

(۲۶) سچائی کے قبول کرنے کے لئے دل کی ایک خاص حالت ہوتی ہے۔ جب تک دل میں اس کے قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی۔ اس کا قبول کرنا ایسا ہوتا ہے جیسے کہ آدھی رات کو آفتاب کا طلوع ہونا۔ جو کنواں کیچڑ سے اٹا ہو اُس میں پانی ڈالنے سے کیچڑ کی اولٹ پلٹ ہوگی۔ ایسے ہی جو دل نجاست سے بھرا ہے اس میں راستی کے ڈالنے سے ورنجاست چھلکیگی + بعض آدمی عمر بھر کلام الٰہی سُنا کرتے ہیں تو بھی اُن کو حق کا علم نہیں ہوتا بلکہ سُننے سے اور دل سخت ہو جاتا ہے اسواسطے جو وعظ کہ اُن کے دل پر گزرتے ہیں اور وہ دل کے اندر نہیں بیٹھتی۔ اُن کا حال بیج کا سا نہیں ہوتا۔ بلکہ مسافر کی نقش پا کا سا ہوتا ہے کہ وہ رستہ کو اپنی گزرگاہ بنانے سے اور زیادہ سخت کرتے ہیں +

(۲۷) دنیا کے کاموں میں سچ سب سے زیادہ عمدہ بات ہے - جو لوگ سچ کو نہیں برتتے وہ بھی کہتے ہیں کہ صاف معاملہ اور کھرا لین دین آدمی کی عزت ہے دنیا کے کاروبار میں جھوٹ کا ملاؤ ایسا ہے - جیسے کہ سونے چاندی کے سکوں میں کرا ہم دھاتوں کو زیادہ وہ کام کا بنا دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ان کو کھوٹا بھی کر دیتا ہے - کوئی چیز آدمی کو ایسا گوہ میں نہیں نہلاتی جیسے کہ جھوٹ اور فریب جھوٹ کیوں سب برائیوں میں زیادہ برا ہے - اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹ بولنے والا خدا سے نڈر اور آدمیوں سے خوف ناک ہوتا ہے - جھوٹ خدا کا سامنا کرتا ہے - اور آدمی سے جھجکتا ہے - جھوٹ بولنا دل کی نامردی اور ضعف کی علامت ہے - تم کو متنبہ ہونا چاہیے کہ عجیب چیزوں اور کہانیوں کو جلد یقین نہ کر لو - اور اس سے زیادہ اس امر کی احتیاط کرو - کہ تم خود ان کو اوروں کے سامنے نقل نہ کرنے لگو - اس واسطے اگر وہ جھوٹ ثابت ہونگے جیسے کہ اکثر وہ ہی ہیں تو تم کو بھی اس جھوٹ کے نقل کرنے کی ندامت اٹھانی پڑیگی اور اپنی اوروں کا بھی نقصان ہوگا +

(۲۸) بعض اصلی سچائیاں تو پر ہوتی ہیں جن پر اور بہت سی سچائیاں چنی جاتی ہیں اور ان سب میں ایک مناسبت و موافقت ہوتی ہے - ان کا حال آسمان کی روشنی کا سا ہوتا ہے کہ خود ہی خوبصورت نہیں ہوتی - بلکہ وہ اور چیزوں کو بھی اپنی روشنی سے چمکاتی ہے - جو بغیر اس روشنی کے معلوم نہ ہوتیں اور دکھائی نہ دیتیں حضرت مسیح کا قول ہے کہ تو اپنے ہمسایہ کو ایسا پیار کر - جیسا کہ تو اپنے تئیں ایک ایسی اصلی سچائی ہے جس پر بنی نوع انسان کے سارے اخلاق کی بنا قائم ہے - اور اس نے تمام اخلاقی مسئلوں کو آسان کر دیا ہے - بس ایسی اصلی سچائیوں کی جستجو چاہیے - اور دل میں ان کو خوب جمع کرنا چاہیے +

(۲۹) جو شخص سچ جانتا ہے - مگر اس کو عزیز نہیں رکھتا اس کا حال چمگادڑ کا سا

کر آنکھیں کھتی ہی - مگر ایسی بری کہ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی

تمام دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ گو کوئی چیز معدوم اور کم نہیں ہوتی - مگر سب چیزیں بدلتی رہتی ہیں لیکن سچائی کبھی نہیں بدلتی - سچائی میں حیات - قوت - جان سبب ہوتی ہیں مگر ہم نہ خود اس کو سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں +

سچائی یہ چاہتی ہی کہ مجھ کو تم پیار کرو - مگر وہ خود کسی کو پیار نہیں کرتی وہ ہمارے پاس آتی ہی اور ایسی چلی جاتی ہی کہ پھر مڑ کر نہیں دیکھتی - ہم جھوٹ کی طرف رغبت کرتے ہیں تو وہ ہم سی بار بار بغل گیر ہوتا ہے - اس کے ساتھ خوب عیش اڑاتے ہیں اس کے عشق میں دیوانے ہوتے ہیں اور اس کی باتوں سے دل خوش کرتے ہیں اس کی بغل میں سو کر سوت اور سچائی کے خواب دیکھتے ہیں مگر ان سی نفرت کرتے ہیں +

(۳۰) ایک شاعر نے کہا ہی کہ سمندر کے کنارہ پر کھڑے ہوکر جہازوں کا آنا جانا دیکھنا یا کسی قلعہ کے جھروکے میں سے میدان کارزار کی ہنگامہ آرائی کا دیکھنا - بڑی خوشی کے تماشے ہیں مگر یہ خوشی اس خوشی کے آگے ہیچ ہے - کہ ہم سچائی کے پہاڑ پر جو سب سے زیادہ سربلند ہے اور جہاں صاف اور خوش آیندہ ہوا چل رہی ہی - وہاں کھڑے ہو کر نیچے جھوٹ کی خرابیاں اور طوفان اور گمراہی اور آوارگی دیکھیں - مگر یہ دیکھنا بہ نظر عبرت ہو نہ غرور کی نظر سے +

(۳۱) علم و عقل کا اندازہ راستی سے ہوتا ہے سوا اس کے خواہ کسی بات کو لوگوں نے مان بھی لیا ہو اور اس کو پسند بھی کر لیا ہو - اور اس کا شاذ و نادر ہوتا اس کی سفارش بھی کرتا ہو - مگر وہ جہالت یا بدتر از جہالت ہے +

(۳۲) نیا سونا جو پایا جاتا ہی وہ جب تک مروج نہیں ہوتا جیبوں کا بوجھ ہی ہوتا ہی - یہی حال نئی سچ کا ہوتا ہی - کہ جب تک وہ مروج نہیں ہوتا - فائدہ نہیں ہوتا +

(۳۳) سچائی ایک سچ ہے جو بڑی گہرائی کے اندر رکھا گیا ہے مگر دنیا کے اندر وہ ظاہری رسم و رواج کی جھوٹی ترازو میں تولی جاتی ہے +

(۱۴۳) خلاصہ تمام اوپر کے مضامین کا یہ ہی کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب جھوٹ بولنے والا خوش کرتا ہی اور معاملات دنیا میں بے اعتبار و ذلیل کرتا ہی۔ جھوٹا بڑی حقارت کا لفظ ہی + سچ یاد رکھنا ہی جھوٹ ایجاد کرنا ہی +

(۱۴۵) بعض حکماء کا مذہب یہ ہی کہ نیک کام وہ ہی جو ہمسایہ کی خوشی بڑھاوے اور برا کام وہ ہی جو اس کی خوشی گھٹاوے ان کے نزدیک وہ جھوٹ گناہ میں داخل نہیں جو انسانوں کو خوش کرتا ہی۔ جو خباثت دلی اور سیاہ باطنی سے مکار جھوٹ بولے جس سے اس کی یا اوروں کی خوشی کم ہو تو وہ قابل نفرت ہی۔ ورنہ وہ جھوٹ جس سے خوشی اتنی حاصل ہو جاتی ہو برائی میں داخل نہیں سیکڑوں باتوں سے آدمیوں کے دل خوش ہوتے ہیں جاہلوں نے ان کا نام جھوٹ رکھ چھوڑا ہے۔ ان کے نزدیک اگر دنیا میں سچ کے طرفدار سچ کی سلطنت جما دیتے تو وہ بالکل سنسان ویران اور غمزدہ ہو جاتی۔ تفریح طبع کے سارے سامان غارت ہو جاتے۔ نہ دل لگیاں نہ چہلیں بازیاں۔ نہ ٹھٹھول۔ نہ ہنسی۔ نہ آؤ بھگت۔ تواضع تکریم۔ خوش اخلاقی کی باتیں تمام رہتیں نہ ہماری دل بہلانے کے لئے قصے و افسانے ایسے بنتے کہ جن سے نتیجہ پر دانش اور ہمارے اخلاق کی پالش ہوتی۔ نہ ہم کسی کی حماقت پر مسکرا سکتے۔ نہ کسی بات پر ہنس سکتے۔ نہ عاشق و معشوق میں ادا و انداز کی باتیں ہوتیں پھر جب یہ عشق کی باتیں نہ ہوتیں تو شاعری کہاں ہوتی۔ شاعروں کی زبان پر مہر خاموشی۔ لگ جاتی + اگر کوئی شخص انسان کی شائستگی اور تہذیب کی تاریخ کی تحقیقات کرے تو تحقیق ہو گا کہ آدمی جتنا جھوٹ بولنے کے فن میں ترقی کرتا گیا اتنی اس کی شائستگی بڑھتی گئی جو شخص اوروں کو خوش کرنا اور اپنی خوش اخلاقی کی تعریف سننی چاہتا ہو۔ اور دروغگو بھی چاہتا ہی کہ وہ اس سے بہ خوش اخلاقی پیش آئیں اس کی زندگانی ایک طولانی جھوٹ ہوتا ہے۔ روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیگموں کی خوش مزاجی کی جب تعریف ہوتی ہے کہ

غیبس جو مریض پیش کرے ۔ اُس کے لینے سے وہ زبان سے انکار کریں گو سو دل سے خواستگار ہوں جب مجلس میں کسی کو صدر انجمن بنائیں یا ممبر پر بٹھائیں یا امام بنائیں یا کسی کو اعلیٰ عہدہ دیں تو وہ زبان سے اُس کے قبول کرنے میں کوئی عذر پیش کرے ۔ گو اُس نے در پردہ ہزار سعی اُس کے حاصل کرنے کے لئے کی ہوں ایسی باتیں بنانی حسن اخلاق میں داخل ہیں ۔ ان میں جھوٹ بولنا ہی لطف دیتا ہے سچ میں یہ مزے کہاں ۔ غرض جہاں نقصان نسبت فائدہ کے زیادہ ہو ۔ وہاں جھوٹ ایسے حکما کے نزدیک داخل گناہ نہیں +

موت ۔

بچے اندھیرے میں جاتے ہوئے ڈرتے ہیں اور اگر اُن سے یہ کہہ دو ۔ کہ اُس اندھیرے میں ہَوّا بیٹھا ہے ۔ یا اور ڈراونی کہانیاں اُس کی سُنا دو تو اور زیادہ اسمیں جانے سے خوف کرنے لگینگے ۔ اسی طرح آدمی موت سے ڈرتے ہیں ۔ جب آدمی موت کو یوں خیال کرتا ہے کہ وہ گناہ کی سزا ہے اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں جانے کی راہ ہے تو یہ خیال مذہبی ہو جاتا ہے ۔ اور پھر اس سفر آخرت کی زادراہ کے لئے وہ تیاری کرنے اور موت سے کم ڈرنے لگتا ہے ۔ مگر مذہبی خیالات میں بعض اوقات توہمات باطلہ اور بیہودہ خیالات بھی شامل ہو جاتے ہیں +

بعض کتابوں میں لکھا دیکھا ہے ۔ کہ اگر ایک آدمی کی اُنگلی کی نوک دبائی جاوے تو اُس کو کس قدر دکھ درد ہوتا ہے ۔ بس اس پر قیاس کرنا چاہئے ۔ کہ جب موت آئیگی اور ہر عضو پر صدمہ عظیم پہنچائیگی تو کیا غضب کی تکلیف ہوگی ۔ اِس خیال سے موت کا خوف زیادہ ہو جاتا ہے ۔ باوجودیکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جان آسانی سے نکل جاتی ہے کہ اُس میں اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی کہ ایک عضو کے درد سے (موت کا خوف فقط تکلیف کے خیال سے ہوتا ہے بچپنے کی بات ہے ۔ حکیموں کا قول ہے کہ موت میں اتنی تکالیف نہیں ہیں

حقیقی کہ اُس کے جلو کی چیزوں میں جو یہ ہیں کہ مریض کا بستر پر تڑپنا۔ کروٹیں بدلنا ہاتھ پاؤں کو دے دے مارنا کبھی سکیڑنا۔ کبھی پھیلانا۔ کراہنا۔ آہ و فغاں کرنا دوستوں کا آنا اور غمزدہ ہونا۔ عورتوں اور بچوں کا رونا نوکروں کا بدحواس زرد چہرہ ہو کر خدمت کا کرنا۔ گھر کا ڈراؤنا ہونا۔ اُس میں بیمار کے پلنگ کا بچھنا۔ اُس کے گرد شمع و عود کا روشن ہونا۔ طبیبوں کا بیٹھنا۔ اور مایوس اُٹھنا۔ آخر کو موت کا آجانا۔ تجہیز و تکفین کی تیاری کا ہونا۔ یہ سب باتیں موت سے زیادہ دل پر خوف طاری کرتی ہیں خدا نے انسان کے دل میں ایسے جذبے بھی رکھے ہیں کہ وہ موت کے خوف کو کم کر دیتے ہیں۔ انتقام کا جوش موت کے خوف پر غالب آتا ہے۔ عشق تو موت کی کچھ حقیقت ہی نہیں گنتا۔ عزت و ناموس کے لیے جان دے دینا ایک بات ہے۔ غم و الم تو خود اُس پاس آکر جاتے ہیں دولت کی طمع و حرص بھی موت کی پروا نہیں کرتی۔ تم سُنتے ہو گے کہ کتنے آدمی ان اپنے جذبات نفسانی میں اپنی جان کھوتے ہیں دوستوں کے چہرے اگر نقاب کے اندر چھپے ہوئے ہوں تو اُن سے بچے ڈرتے ہیں اور جب نقاب اُٹھا کر دیکھ لیں تو پھر ہنستے ہیں بس اسی طرح موت جب تک نقاب کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ تو ڈرتے ہیں مگر جب نقاب کو اُٹھا کر اُسے دیکھ لیتے ہیں تو پھر خوف نہیں رہتا۔ کچھ آدمی اپنی دلیری یا آفت زدگی کے سبب سے موت کا خواہاں نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس سبب سے بھی اُس کو چاہتا ہے کہ ایک ہی کام کے بار بار کرنے سے تھک جاتا ہے۔ جیسے پیدا ہونا ایک امر طبعی ہے۔ ایسا ہی مرنا ہے۔ چھوٹے بچوں کو تو شاید مرنے اور پیدا ہونے میں ایک ہی سی تکلیف ہوتی ہے۔ زخم کی تکلیف جب تک محسوس نہیں ہوتی کہ اُس سے گرم لہو نکلتا ہے اور وہ گرم رہتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ کسی نیک کام میں شوق سے اپنے دل کو سرگرم کرتے ہیں موت کے رنج اُن کو محسوس نہیں ہوتے۔ ان کو اپنے توقعوں کے پورا ہونے کا اور اپنے کاموں کی نیک انجامی کا یقین ہوتا ہے موت شہرت اور نیک نامی کا دروازہ آدمی پر کھولتی ہے۔ اور حسد و حقد کا

کا دربند کرتی ہے ساری برائیاں اُس کے ساتھ قبر میں دفن ہو جاتی ہیں مرنے کے بعد وہ عزیز ہو جاتا ہے +

(۲) موت ایک شب تاریک ایسی ہے۔ کہ اُس میں ہم کو گزرنا ناگزیر ہے۔ اُس کی صبح کا انتظار کرنا بے فائدہ ہے۔ وہ ایک قعر عمیق ہے۔ جس کی تہ پر ہماری رسائی کسی راہ سے ممکن نہیں موت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو ہم نہیں جانتے۔ مگر اس سے ایسے ڈرتے ہیں کہ جان نکلتی ہے +

(۳) موت ہماری مکان کے آستانہ پر کھڑی رہ کر اتنی مہلت ہم کو دیتی ہے۔ کہ ہم اپنے ساری کاموں کو سوا اُن کے جو اوروں کی بھلائی اور اپنی تزکیہ نفس کے لئے کیئے ہیں بیہودہ اور باطل و لاطائل ہیچ سمجھ لیں +

(۴) تعجب ہے کہ لوگوں کو موت پر تعجب ہوتا ہے مگر سونے پر نہیں جو موت کی بہن ہے ہم برسوں تک متواتر دیکھتے ہیں کہ راتوں کو بوڑھے بچے عورتیں سوتے ہیں مگر کبھی ان کو دیکھ کر متحیر نہیں ہوتے +

(۵) موت بھی ایک تازگی ہے جنگل میں قبرستان کے مُردوں سے زندہ آہیں بھر کر کہتی ہیں کہ درختوں کے پتے گر کر تمھاری قبروں کے گرد ہوا سے صدقے ہوتے ہیں مگر تم ان کی کھڑکھڑ کی آواز نہیں سنتے۔ جانور درختوں پر بولتے ہیں ان کی نغمے تمھاری کان میں نہیں جاتے۔ تم ایسے تنگ و تاریک مکانوں میں خاموش پڑی ہو کہ ان سے نکل کر شہر میں ہماری جلسوں و محفلوں میں نہیں شریک ہو سکتے۔ افسوس ہے کہ ہم بھی تم کو جلد بھول گئے۔ مردے اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہم بڑے آرام سے اپنے گھر میں رہتے ہیں یہاں رہنے سے ہماری دُنیا کی تمام مصیبتوں اور آفتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ساری مضرت رساں باتیں سارے زہریلے کام ہماری ہم سے جُدا ہو گئے۔ تمام نا اُمیدیوں اور افکار تردد سے سخت بلاؤں سے چھٹکارا ہو گیا۔ دل کی حرکت کے موقوف ہونے سے

تسکین ہو گئی۔ کوئی بات ایسی نہیں کہ جس کی فریاد و شکایت کریں برخلاف اس کے تمھاری زندگی بنجر زمین ہے۔ جو آنسوؤں سے بوئی جاتی ہے تم عزت و شان حاصل کرنے کے لئے خوفوں میں گھرے ہوئے ہو۔ تمھاری حساسیت پر پژمردگی چھائی جاتی ہے تم کیا زندہ ہو ہم زندہ ہیں +

(۶) آدمی خواہ کیسا ہی احمق اور بیوقوف ہو مگر اس کو یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ میری موت نہیں آئیگی۔ موت کا سیاہ بادل جو اس پر آنے والا ہے اس کے فاصلے کے حساب میں خواہ وہ غلطی کرے۔ مگر اس کو یقین ہے کہ وہ میرے سر پر ضرور آئیگا۔ آدمیوں کی سب حالتوں میں یوں تو اختلاف ہے مگر مرنے میں سب کا اتفاق ہے۔ اس لئے موت کی نسبت جو کچھ کہا جائے۔ اس کو ہر ایک آدمی اپنی نسبت منسوب کر سکتا ہے۔ آدمی کی زندگی کی ہزاروں دھاریں ہیں کوئی ان میں تیز چلتی ہے کوئی سست کوئی اجلی کوئی میلی۔ مگر موت ان سب کو ٹھہرا دیتی ہے۔ موت کہیں نہیں دکھائی دیتی مگر وہ سب جگہ زمین پر موجود رہتی ہے۔ خزاں میں جیسے پتے جھڑتے ہیں ایسے آدمی موت سے مرتے ہیں جینے کی شرط مرنا ہے۔

شعر

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے + زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا + آنا ترا دلیل جانے کی ہے

کبھی آدمی کو یہ امید نہیں ہو سکتی کہ میں اپنی موت سے بچ جاؤں گا۔ اس کو یقین کامل ہے کہ زمانہ تو نہیں چلا جائیگا۔ میں ہونگا نہ میری دولت اور اولاد ماتم داری کی لئے ہونگی۔ میں خواہ کہیں دنیا کے پردہ پر ہوں۔ اور میری حالت خواہ کیسی ہو۔ ایسا ہی زبردست قوی ہوں مگر ضرور موت کے پنجہ میں گرفتار ہوا گا۔

قضا و قدر نے موت کا فتویٰ مجھ پر دیدیا ہے وہ کسی طرح نہیں ٹل سکتا۔ کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ جس کو میں کہوں کہ میری ہے ــــ مگر موت اور دو گز زمین

جو میری ہڈیوں کو چھپا ئیگی +

(۷) ملک عدم کا حال تو کسی کو نہیں معلوم کہ کیا ہی۔ مسافر وہاں جا کر پھر انہیں کہ اُس ہی حال معلوم ہوتا۔ مگر جانے والے بہت تھوڑی ہی ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں جانے سے ناراض نہ ہوں۔ مگر ہاں امراض کی سختی ایسی ہی۔ کہ اُس کے سبب سے مریض چاہتے ہیں کہ اُس ملک کی سیر کو جلد چلے جائیں تو مصیبت سے چھوٹ جائیں بعض آدمی اپنے مذہبی خیالات ایسے رکھتے ہیں کہ وہ موت کے وقت چپ چاپ اپنے تئیں سنبھالے ہوئے رہتے ہیں اور مرنے سے خوش معلوم ہوتے ہیں تاریخ کا وہ حصہ سب سے زیادہ دلچسپ۔ جس میں بڑے بڑے بیدار مغزوں ہشیار دلوں بزرگ منشوں کے وہ کلمات لکھے ہیں جو اُنھوں نے اپنے آخری وقت میں زبان گوہر افشاں سے فرمائے۔ جس سے اُن کی ہمت واستقلال معلوم ہوتا ہی۔ کہ اس موت کے نازک وقت نے بھی اُن کو بدلا نہیں جیسے تھے ویسے ہی رہے +

(۸) موت ایک غول ہی۔ جو آدمی کی امیدوں کی ساری راہوں میں کھڑا رہتا ہی+ ایک بھوت ہی جو بن بلائے گستاخانہ آدمی کے عیش و عشرت کے محفلوں میں گھس آتا ہی۔ اُس کی ہنسی خوش طبعی۔ ظرافت۔ لطیفہ سنجی میں اپنا تاریک ہاتھ دکھاتا ہی اور اپنا نام موت اُس سے لکھاتا ہی۔ اس کی دنیاوی خوشیوں کی جڑ میں گھن کی طرح لگا رہتا ہے۔ کیڑے کی طرح اُس کو اندر ہی اندر کترتا ہی۔ اس کی ساری شیرینیوں میں زہر ملاتا ہے۔ اس کی کل شگفتیوں کے گل کے لئے کانٹا بنتا ہی۔ اس کی خوشبویوں میں چیکٹ ملاتا ہے۔ اس کی بہار پر خزاں لاتا ہی۔ اس کے خندہ کو گریہ بناتا ہے۔ اس کی حسانت میں داغ لگاتا ہی۔ اس کی موزونیوں کو ناموزوں کرتا ہی۔ اس کے کل کے اقراروں میں اور فرداکے کاموں میں شرط زندگی کی قید لگاتا ہی۔ آدمی اس سے نفرت رکھتا اور خوف کھاتا ہی +

(۹) کوئی امر موت کے آنے سے زیادہ تحقیق اور موت کے آنے کے وقت سے زیادہ ناتحقیق نہیں اسواسطے آدمی کو چاہئے کہ وہ موت کے لئے ہمیشہ آمادہ رہے جو برگزیدہ نیک صفات موت کے لئے تیار رہتے ہیں وہ کچھ جلد مرنا نہیں چاہتے بلکہ اچھی طرح مرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ موت کی تلخیوں کو ہمیشہ شیرینی میں پرورده کرتے رہتے ہیں +

(۱۰) موت وہ ظالم ہے کہ کبھی نچلی نہیں بیٹھتی کہ کوئی اُس کی صحیح تصویر اتارے۔ جو تصویر اُس کی اُتاری گئی وہ اٹکل پچو نہ اُس کی مثل نہ مشابہ۔ بھلا اس کافر کی تصویر کیونکر اُترے۔ ہاتھ میں پنسل اس کے خوف سے لرزتی ہے۔ خیال کو اس کا بڑھانا ناپسند ہے اس کے سایہ بناتے ہیں جہالت اپنی تاریکی خرچ کرنے میں اسراف کرتی ہے۔ بس اس طرح اس کی تصویر بہت ڈراونی بنتی ہے +

(۱۱) ہنسنے اور رونے سے۔ جاگنے اور سونے سے۔ شگفتہ اور پژمردہ ہونے سے۔ روشنی اور تاریکی سے خوف وامید سے۔ نشست وبرخاست سے۔ قرار اور بے قراری سے۔ یاد و فراموشی سے فراہمی و پراگندگی سے۔ جوار بھاٹے سے ہجر و وصل سے۔ لہی کبھی سے۔ بخار و فالج سے ان سب چیزوں سے موت جلد نکال کر لے جاتی ہے۔ اور اُس گھر میں لے جا کر بسا دیتی ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور وہاں آرام چین۔ محبت الفت۔ نیک امیدیں ہوتی ہیں +

(۱۲) حکیم سنیکا کا قول ہے کہ اُس شخص کو موت سخت بھاری معلوم ہوتی ہے۔ جس کو لوگ بہت جانتے ہیں مگر وہ اپنے تئیں نہیں جانتا۔ لون ٹی ٹس ایک بڑا ادیب گزرا ہے۔ جس نے علوم ادبیہ کو دوبارہ زندہ کیا تھا۔ اپنے نفس کے علم کو یعنے خود شناسی کو ایسا ضروری جانا کہ اپنی ترکے لئے یہ کتبہ تصنیف کر گیا۔ کہ لوگوں کو اُس سے عبرت اور نصیحت ہوا کرے +

میں کون تھا میں کون ہوں۔ علم ادب کی تمام قوتیں اور استعدادیں مجھے پیار کرتی تھیں ہر دل عزیز تھا۔ بادشاہان زمین میری تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ تو اب جانتا ہے کہ میں کون ہوں یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ تو جانتا ہی کہ میں کون تھا؟ اب میں تاریکی میں پڑا ہوں۔ مجھ مسافر کو نہیں جان سکتا۔ لیکن میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو اپنے تئیں جان اور پہچان +

(۱۳) تم دیکھتے ہو کہ بڑے بڑے دولت مند مرتے ہیں اور اپنے عالیشان مکان چھوڑ جاتے ہیں ان کے باغوں کے درختوں میں سے کوئی ان کے ساتھ نہیں جاتا۔ اگر جاتا ہی تو ادک (ایک درخت کا نام ہی) تابوت بن کر یا سرو تختہ بن کر +

(۱۴) موت سب جگہ موجود ہے۔ وہ سب جگہ ہم کو ملتی ہی۔ ہر بہانے موت موجود ہے سختی سے۔ خفیہ اثر سے۔ ستارہ سے گھر کی بدبو سے۔ بادل کے اٹھنے سے۔ بخارات کے ملنے سے۔ پتھر پر گرنے سے۔ پیٹ بھر کر کھانے سے۔ معدہ کے خالی رکھنے سے۔ شراب پینے دوائیوں کے پڑھنے سے۔ آفتاب سے۔ چاندنی سے۔ گرمی سے۔ سردی سے۔ راتوں کے نیند نہ آنے سے۔ دنوں کے سونے سے۔ پانی کے جم کر سخت ہو جانے سے۔ خنجر کے تیز ہونے سے دریا میں پانی کی طغیانی سے۔ بال کی کشمکش سے۔ حرکت کی شدت سے۔ جب ہیا بے تجسس دو خدا کے فضل سے۔ خدا کے قہر سے۔ غرض ہر ایک چیز سے جو انتظام گیتی میں داخل ہی اور ہر ایک امر اتفاقیہ سے موت آتی ہی۔ یہ وہ قانون قدرت ہے جو ازلی و ابدی ہی۔ اس میں کبھی تغیر ہوا نہ ہوگا۔ وہ حکم الٰہی ہی۔ اس کی زنجیروں نے ہم کو ایسا ہی مضبوط جکڑ رکھا ہی۔ جیسا قضا و قدر نے +

(۱۵) جب ہم موت کا خیال کرتے ہیں تو وہ ہزاروں گناہ جن کو ہم نے کیڑوں کی طرح روندا ہی پھنکارتے ہوئے سانپ بن جاتے ہیں اور ہم کو کاٹتے ہیں +

(۱۶) موت کا وقت کوئی معین نہیں اس لئے تو اپنی پہرہ پر سنتری بنا کھڑا رہ۔ دشمن ضرور آنے والا ہی۔ تو ہر وقت چوکنا رہ آنکھوں کو سب طرف لگائے رکھ +

(۱۷) لوگ موت کی بیجا شکایت ناحق کرتے ہیں کہ وہ اچانک فعتہً ہمارے پاس آجاتی ہے۔ وہ تو ہمیشہ اپنے آنے کی خبر دیتی رہتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ میں مروں گا۔ اور مرنے کا وقت معین نہیں اگر یہ دو نو باتیں معلوم ہو تیں تو شکایت بجا ہوتی +

(۱۸) موت بھی کیا منصف ہے کہ سب فقیر و غنی اور ضعیف و قوی کو برابر کر دیتی ہے سب مرتے ہیں اور مرنے کے بعد سب خاک میں ملکر برابر ہو جاتے ہیں جیسے انگیٹھی بڑکی خاکستر یہ نہیں بتلاتی کہ وہ ایسا بڑا درخت تھا۔ کہ جس کے سایہ میں لوگ آرام پاتے تھے کبھی کاٹ کر اس کی یہ نوبت پہنچائی۔ اسی طرح جو بڑے شخص گزرے ہیں کہ جن کے فتوحات کے اشتہار وہاں تک پہنچے تھے۔ جہاں تک کہ دن رات پہنچتے ہیں ان کی خاک نہیں بتلاتی کہ وہ ایسے ذی جاہ تھے۔ یا غریب آدمی تھے۔ جس بادشاہ کو جاہ و جلال کے سبب۔ اور جس فقیر کو حقارت کے سبب ہم نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ ان دونوں کی خاکیں اڑ رہی ہیں ان کی چھان بین کر کے کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ یہ خاک شاہ کی ہے اور وہ گدا کی۔ بادشاہوں کی خاک گرجاؤں کے صحنوں سے اڑکر ان کے اندر جاتی ہے جس کو جاروب کش پھر نکال کر صحن میں ڈال دیتا ہے۔ غرض موت سب کو ہم مرتبہ بنا کر چاہتی ہے چین اور آرام سے سلاتی ہے اور فرق مراتب سے جو عناد و فساد اٹھتے تھے ان کو مٹا دیتی ہے۔ بادشاہوں کی قبروں کے نشان خاک چھاننے سے بھی نہیں ملتے

(۱۹) جب موت ایسی عالمگیر ہو۔ لازمی اور طبعی ہو تو۔ یہ ناممکن ہے کہ حکمت الٰہی نے انسان کے واسطے اسے مضر بنایا ہو ضرور وہ مفید ہوتی ہے +

(۲۰) اکثر آدمی اس طرح جیتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہی نہیں کہ مرنا ہے۔ ایسے ہی جو آدمی مرتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے۔ کہ ہم کو مرنے کے بعد جینا ہے +

(۲۱) دوست پر دوست مرتے چلے جاتے ہیں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کا کوئی دوست نہ مرا ہو۔ کوئی یہاں ایسا وصل ہی دلوں میں نظر نہیں آتا جس کے ساتھ ہجر

نہ دکھائی دے مگر ہاں کہتے ہیں۔۔ کہ دوسرے عالم میں وصل کے لئے ہجر نہیں۔۔ وہاں کی زندگانی کا حال یہاں کی زندگانی کا سا نہیں ہے۔ کہ برق کی چمک شرر کی لپک ہو۔ کہ آنکھ جھپکنے میں غائب ہو +

(۲۲) جو دنیا کو علے الدوام جانتا ہے۔۔ وہ موت کے نام سے ڈرتا ہے۔ مگر جو اُس کو ایسا نہیں جانتا۔ وہ اُس سے خوش ہوتا ہے۔ جس شخص کو آزادی آزاد نہیں کر سکتی۔ اُس کو موت آزاد کر سکتی ہے۔ جس کو دوا اچھا نہیں کر سکتی۔ اُس کے واسطے وہ شفا دینے کو حکیم بنتی ہے۔ جس کام میں کوئی تسلی نہیں دے سکتا اس میں وہ تسلی دیتی ہے +

(۲۳) بعض دفعہ جو آدمی کو یہ خیال ہونے لگتا ہے۔ کہ اب میں مرونگا تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ قوا اور روحانیہ اُس کے ضعیف ہو جاتی ہیں۔ وہ دماغ کو رگوں کے ذریعہ سے اُس کی خبر پہنچا دیتے ہیں + +

(۲۴) انسان موت کو اس طرح دیکھتا ہے۔ جیسے بجلی کو کہ بہت دور ہے۔ یا آسمان پر ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا۔ کہ یہ بجلی اُس کے اندر موجود ہے اس کے بال بال کی اور ہر جزو بدن کی روح ہے۔ وہ ہر دماغ سے نکلتی ہے۔ زمین سے اوپر اور آسمان سے نیچی آتی ہے۔ اور ہر ایک کے لئے مناسب طور پر موت بنتی ہے۔ اور پھر اپنی کل سے جا کر ملتی ہے + + +

(۲۵) موت ایسی کریہ منظر ہے۔ کہ اگر وہ ہمارے پیش نظر ہمیشہ ہوتی تو ساری زندگی

تلخ ہو جاتی۔ اور کسی کام میں لطف نہ آتا۔ کوئی تیر بہی ایسی نہ ہوتی۔ جو اس کے سبب کڑوی نہ معلوم ہوتی۔ مگر خداوند تعالیٰ تو بڑا رحیم ہے۔ اس نے ہماری خلقت ایسی بنائی ہے۔ کہ ہمارے حواس۔ اور ہمارا دل اشیا کو محسوس و ادراک کرکے بڑا خوش رہتا ہی۔ ہم اپنے سب کاموں میں موت کو اتنی دور سے دیکھتے ہیں کہ اس کی صورت ہم کو نظر نہیں آتی۔ لیکن آخر موت کا آنا یقینی ہی۔ وہ کبھی نہ کبھی آئیگی اور معلوم نہیں کہ کس وقت آئیگی۔ اس لئے اس کے خیال کے واسطے بھی کوئی حصہ حیات کا مقرر کرنا چاہئے۔ انسان کو خود اپنی ذات سے بڑی محبت ہی۔ اس لئے اس کو ضرور فکر ہوتا ہی کہ بعد مرنے کے میرا حال کیا ہوگا۔ اہل مذہب کا خیال یہ ہے کہ نہ دولت و مال نہ عزیز و اطفال ہماری ساتھ جائینگے۔ فقط ہماری اعمال ہماری ساتھ جائینگے۔ وہی سزا و جزا دلائینگے۔ اس لئے موت کا خیال ان کو بد اعمالی سے بچاتا ہی اور نیک اعمالی پر لے جاتا ہی +

(۲۶) بعض لطیفہ سنجوں نے اخلاق کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنے کا ایک رستہ بنایا اور جانے کی راہیں بے شمار بنائیں۔ اور دردوں اور سببوں سے جو موت آتی ہی اس کی تشبیہ یوں دیتے ہیں کہ موت سب سے اول آگ کے جسم میں حلول کرتی ہی۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد برف کا آدمی بن جاتی ہی۔ اور پھر توپ کے گولہ کی طرح کرہ کی گرد غلطاں ہوتی ہی۔ پھر ترا تر طمع کے گولی کی طرح پڑتی ہی۔ ہر دفعہ تلوار کی صورت بن جاتی ہی۔ پھر چھوٹی ہو کر خنجر۔ پھر سوا پھر خمیدہ پن پھر بال کی برابر ہوئی۔ غرض موت ہزاروں روپ بھرتی ہی +

(۲۷) مشرقی بادشاہوں کا ایک فسر ہوا کرتا تھا۔ جو صبح کو کسی خاص وقت موت کو یاد دلایا کرتا تھا۔ موت کے اکثر یاد رکھنے کا یہ ضرور نتیجہ ہوتا ہی کہ انسان دنیا کے کاموں کی بیجا ہوس نہیں کرتا + جن بادشاہوں نے ساری دنیا کے

فتح کرنے کی آرزو کی ۔ یا جن عالموں نے دنیا کے کل علموں میں کمال چاہا ۔ وہ اگر موت کو جانتے تو یہ آرزوئیں بیجا نہیں کرتے ۔ موت کا یقین سکھاتا ہی کہ کسی سے دشمنی وحسد کرنی بیجا ہے کسی دنیا کے عزیز چیز کے تلف ہونے کا رنج نامناسب ہے ۔ وہ بتلاتی ہے کہ دو دوستوں میں ضرور پہلے ایک مر جائیگا ۔ اور دوسرا زندہ رہیگا ۔ اس کو مرنے پر زیادہ رنج نہیں چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ اچھا ہوا کہ دوسرے دوست نے میرے مرنے کا رنج نہیں دیکھا +

مذہب

(۱) مذہب کے لئے دلائل عقلیہ کافی نہیں ہوتیں ۔ بلکہ اس کے لئے کچھ اور بھی چاہئے ۔ جو اہل مذہب اپنے احکام مذہبی کے پابند ہیں وہ اپنے ایمان اور عقیدہ کے ایسے دوست نہیں ہوتے جیسے کہ عقل کے دشمن ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عقل فی نفسہ رفیع القدر اور بلند پایہ ہے ۔ اسی کے سبب انسان حیوانوں میں ممتاز ہو کر اشرف المخلوقات بنا ہی ۔ اسی کی افزائش پر انسان کی ترقی ۔ خوشی نیکی منحصر ہے ۔ وہی انسان کے نفس کی وہ قوت ہی کہ جس سے امور حق کا انکشاف علمی ہوتا ہی ۔ جب مقدمات ترتیب پاتے ہیں ۔ اور شہادت پیش ہوتی تو اُن کو مرتب کر کے عقل ہی نتیجہ نکالتی ہے ۔ غرض اسی قوت مدرکہ کے طفیل سے سارے ادراکات ہوتے ہیں امور حق کے دو حصے ہیں جن میں ایک ایسا حصہ ہے جس کے انکشاف میں عقل کو بالکل دخل ہی ۔ اور وہ خود کافی ہی کسی اور امداد کی اُس کو ضرورت نہیں ۔ مثلاً مادیات اور مادوں کی طبائع ۔ خواص کی تحقیقات فقط اپنی قوت سے وہ کر لیتی ہی ۔ مگر دوسرا حصہ امور حقہ کا ایسا ہی کہ جس کے ادراک میں عقل عاجز ہے ۔ کچھ تو اس سبب سے کہ الحاد نے اس کی شہادت کو تاریک یا محو کر دیا ہی ۔ کچھ اس وجہ سے کہ اُن کی ذات وصفات کی شان ہی

ایسی ہی کہ خدای جل شانہ کی خاص تعلیم اور القاؔ و الہام و مکاشفہ پر ان کا انکشاف
موقوف ہی۔ گو اس حصہ میں بھی عقل کو دخل ہی۔ مگر ایک خاص حد تک اس حد سے پرے
اُن امور میں جن سے کہ تمام عالم کی اغراض متعلق ہیں عقل نے اپنی غرور اور تکبر کے
سبب اپنے عجز و خطا و خرابی کو ظاہر کر دیا۔ ایسے امور میں ہم اس کے دخل کو
تبرّ سمجھتے ہیں اور اس کے اعتبار خدا داد پر اعتماد نہیں کرتے +

علوم ریاضیہ جبر مقابلہ علم ہندسہ کل علوم طبیعات میں عقل رہنمائی کے لئے
کافی و وافی سمجھی جاتی ہی۔ کبھی یہ خوف نہیں ہوتا کہ وہ ہمکو ان علوم میں گمراہ
کرے گی۔ تمام اشیاء میں جو ثبوت عقل رکھتی ہیں ان میں وہ اپنی حد کے
دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھتی۔ غالبًا کبھی غلطی نہیں کرتی۔ اور جو کبھی کسی اتفاق
سے بھٹک جاتی ہے تو ایک تحقیقت جدیدسے کامل استقراء ہوکر اس کی غلطی کی
تصحیح ہو جاتی ہے مگر جب وہ تن تنہا اخلاق اور مذہب کے دائرہ میں قدم رکھتی
ہی اور کوئی اس کی استعانت نہیں کرتا۔ تو وہ نیکی اور راستی سے بڑی خوفناک سے خلاف
کرتی ہی۔ اور خدا کے باب میں بھی اپنے نقص فساد انگیز ظاہر کرتی ہی۔ جہاں
اس نے الہام ربانی سے انحراف کیا تو وہ اپنی دانائی سے باغی ہو جاتی ہی
اور انسان کے دل کی فطرت کو ناپاک کرتی ہے۔ اُسے بے اعتقاد بناتی
ہی۔ سب سے بڑی عقل پوچھو تو دین ایمان عقیدہ ہے جس کے سبب سے انسان عاقل
اور بازپرس کے قابل ہوا ہی +

غرض یہ الہام و مکاشفہ کے امور حق انسان کے دل پر بڑی موثر ہیں
ہر فرد بشر اور ہر گروہ کے لئے جو باتیں کہ مسرت جاوید رکھتی ہیں ان میں
وہ موجود ہیں حیوان ناطق اور خدا تعالی کے درمیان جو خدا کا رکھا ہوا
تعلق ہی اسکو وہ بتاتے ہیں اس میں غلطی کرنا ہلاکت ناک ہی عقل اس میں گڑبڑ

کرکے بڑے مغالطے دیتی ہے۔ حیران و دق کرتی ہے۔ کتب مقدسہ کے الہام الٰہی کی مخالفت کرکے انسانیت کے حصول میں خلل ڈالتی ہے۔ جب عقل اپنی حد کو جانتی ہے نہ اپنی عزت کام کو وہ ان کاموں میں اپنی مداخلت کرتی ہے۔ جو اس کے ماتحت ہونے سے باہر ہیں۔ وہ دماغ اُس کا چلتا ہے۔ کہ الہام الٰہی کو چاہتی ہے۔ کہ میرے آگے سر جھکائے وہ ان مسائل کا کچھ پاس و لحاظ نہیں کرتی۔ جو بمنزلہ اسرار الٰہی ہیں۔ وہ ان کو یقین نہیں کرتی ایسی حالت میں عقل دہشت ناک و خوف ناک ہو جاتی ہے۔ اس سے بجائے نفع کے نقصان پہنچتا ہے ورنہ عقل اگر اپنی حد کو پہچان کر تحقیقات مذہبی میں آزادانہ قدم رکھے تو انسان کو بہت فائدہ پہنچائے +

(۲) برک صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس بات کو خوب جانتے ہیں اور اس جاننے پر فخر کرتے ہیں۔ کہ انسان بالطبع مذہبی حیوان ہے۔ ملحد ہونا انسان کی عقل ہی کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی جبلت اور فطرت کے بر خلاف ہے۔ اس لئے الحاد دیر تک نہیں قائم رہ سکتا۔ اس امر کی تصدیق تمام زمانوں میں ساری قوموں نے کی۔ انسان خواہ کیسا ہی ضلالت۔ توہمات باطلہ۔ بت پرستی۔ غلطیوں میں مبتلا ہو۔ مگر وہ وجود الٰہی اور اس کے کمالات کا ضرور معتقد ہوگا۔ سارے ملک کے باشندے خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل ہوں۔ مہذب ہوں۔ غیر مہذب۔ وحشی ہوں۔ وہ سب کے سب خدا کو کسی نہ کسی طرح سے مانتے ہیں۔ انتظامات و تدابیر الٰہی کے قائل ہوتے ہیں اُس کی عبادت کرتے ہیں گناہوں کی معافی کے واسطے قربانیاں کرتے ہیں آخرت کو مانتے ہیں۔ خدا کے ہونے پر ان کی تمام وحشیانہ نیکیوں کی بنیاد قائم ہوتی ہے غرض خدا کا انکار کسی سے کسی طرح نہیں ہو سکتا +

الحاد مذہبی۔

دنیا میں کوئی چیز آدم زاد کے اجتماع میں بحاد پیدا کرنے والی مذہب سے زیادہ

نہیں ہے۔ اتحاد کی صحیح حدود میں جب مذہب محدود ہوگا۔ تو وہ انسان کے لئے سعادت و برکت کا سبب ہوگا۔ جیسے خدا پرست مذہبوں میں اختلافات و فساد و عناد کم پیدا ہوتے ہیں ایسے بت پرستی کے مذہبوں میں نہیں ہوتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خدا پرستوں کا خدا بڑا غیور ہے۔ وہ اپنی عبادت اور مذہب میں غیر کی شرکت کو نہیں دیکھ سکتا۔ بت پرستی کے مذہبوں میں مذہب کا مدار فقط رسوم ظاہری کے برتاؤ پر ہوتا ہے۔ ان کے مذہب کے مصنف بھی اکثر شاعر ہوتے ہیں۔ جس مذہب میں اختلافات اور بدعات سیئہ زیادہ تر نمایاں ہوتی ہیں تو اس سے خود مذہب کو کلنک کا ٹیکا لگ جاتا ہے۔ اور اہل مذہب کا اخلاق بگڑ جاتا ہے انسان کے جسم میں کسی خلط کے فساد سے وہ خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ جو ایک زخم یا عضو کی شکستگی سے صدمہ پہنچتا ہے۔ روحانی امراض میں اتحاد مذہبی کا جاتا رہنا سخت مرض ہے۔ اس سے غیر مذہب والوں کو مذہب کی تحقیر و تذلیل کی دلیل خوب ہاتھ لگ جاتی ہے وہ کہنے لگتے ہیں کہ اس مذہب کی ایک زبان نہیں یہ دہن یا ہیں ہیں ایک کچھ کہتا ہے۔ دوسرا کچھ بولتا ہے۔ کوئی بات ٹھکانے کی نہیں معلوم ہوتی۔ متناقض رائیں مختلف عقیدے ان میں ایسے ہیں کہ جن سے وہ دیوانے یا کچھ دیوانوں سے بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

پس اتحاد مذہبی کے نہ ہونے کا ایک نتیجہ تو یہ غیر مذہب والوں میں نمودار ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مذہب بے اعتبار ہوتا ہے۔ اور دوسرا نتیجہ اپنے مذہب والوں میں یہ ہوتا ہے کہ آپس کی مصالحت جاتی رہتی ہے جس سے ہزاروں آفتیں اور نعمتیں بھر جاتی ہیں۔ مصالحت سے ایمان قائم رہتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ فیاضانہ سلوک ہوا کرتا ہے۔ اس کی بجای ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت شروع ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی تحریروں کو پڑھتے ہیں۔ اور تبرا بھیجتے ہیں

دو فریق لڑنے والے اور تیسرے اُن کے درمیان ثالث بالخیر بنے والے کھڑے
ہوجاتے ہیں کوئی کہتا ہی کہ جو ہماری مخالفت کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے
اور جو ہماری مخالفت نہیں کرتا وہ ہماری ساتھ ہے - جزئیات پر تکراروں کی
تحریروں کے طومار کے طومار بھجاتے ہیں کلیات پر تھوڑی بحث ہوتی ہے جزئیات
میں اختلافات کے سبب سے بحث و تکرار کو طول ہو تو مضائقہ نہیں مگر کلیات میں
اتحاد رہنا چاہئے - کپڑے مختلف پہنے جائیں مگر کہیں اُن میں چاک نہ ہونا چاہئے
جو سمجھدار ہیں وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے اختلافات کا کرنا - اور اُس پر آپس میں لڑنا
جاہلوں کا کام ہی - وہ جانتے ہیں کہ دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر جہالت
سے اس بات کے ماننے میں متفق نہیں ہوتے - خدا ایسے جزئیات کے اختلافات
پر خیال نہیں کریگا وہ تو دلوں کو دیکھتا ہے یہ نہیں دیکھتا کہ انسان ضعیف العقل اس
ہے کہ وہ اپنی متناقض باتوں کو نہیں سمجھتا کہ وہ ایک ہی ہیں - اب اتحاد مذہبی کی
دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ اُس کی بنا جہالت پر رکھی گئی ہو - جیسے اندھیرے
میں سب رنگ ایک ہی نظر آتے ہیں ایسے ہی جہالت میں مذہب کے سب رنگ متحد
معلوم ہوتے ہیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا دوم اصول گو آپس میں متضاد ہوں مگر ان کو
اتحاد تسلیم کرادے - اس صورت میں جھوٹ سچ کا حال ایسا ہوگا جیسے لوہے
مٹی کا کہ گو وہ دو تو آپس میں چپاں ہوں مگر مل نہیں سکتی +

(۴) مذہب وہی ہے جو انسان کی خوشی پر خوشی زیادہ کرتا چلا جاے
مذہب اس کا نام نہیں ہے کہ آدمی دنیا کی تمام بے گناہ خوشیوں اور چین و آرام
صحبت کو چھوڑ کر غار و کوہ میں جا بیٹھے اور غمزدہ ہو کر آفت اور مصیبت میں
پھنسائے ترک لذات کرے - طرح طرح کی سختیاں اٹھاے - ریاضتیں کرے - کم کھائے
اور ننگے زمین پر سونے سے اپنے تئیں لاغر و ناتواں بنالے مذہب تو اس کا نام ہے

کر دل کو گناہ کی آلودگی سے پاک صاف کرے۔ جن خوشیوں میں کوئی گناہ نہیں اُن کو مذہب منع نہیں کرتا۔ مگر ان میں اعتدال رکھنے کو کہتا ہے۔ کیونکہ افراط سے وہ گناہ بن جاتی ہیں جس کا انجام تلخ کام کرتا ہے۔ ایسی خوشی انجام خوشیوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ جو گناہ سے ہوتے ہیں ٭

(۵) مذہب کا اثر۔ مذہب بھی عجیب و غریب کام کرتا ہے۔ زنگ کی طرح کشتی نگی میں نہیں گھسا ہوتا۔ وہ تو خدا کا روشن چراغ ہوتا ہے۔ جس کی صاف روشنی دل کو روشن کرتی ہے۔ وہ فیض الٰہی کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ جس میں سراسر انصاف۔ سچائی۔ بھری ہوتی ہے۔ وہ قلب سے خطاؤں کو دھوتا ہے۔ دل سے دنیا کو اٹھا دیتا ہے۔ نفس کو تاریکی سے بالکل خالی کر دیتا ہے۔ وہ تاریک تماشا گاہوں کو روشن کرتا ہے۔ ناہموار راہوں کو ہموار۔ ناخوش دلوں کو خوش۔ نہایت کڑوے تلخ کو میٹھا شہد۔ نہایت بیمار روح کو صحیح و تندرست۔ دل میں امیدیں پیدا کرتا ہے۔ بشرہ کو رونق دیتا ہے۔ سر میں تیل ڈالتا ہے۔ آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔ ہاتھوں کو قوت دیتا ہے۔ پاؤں کو تیز روی۔ زندگی کو خوش و خرم۔ محنت کو راحت۔ موت کو فیروزمند خوفناک کو امین۔ نامرد کو مردانگی کمزور کو زور۔ قبر کے خوفوں کو اپنے زور سے دور کرتا ہے موت کی تکلیفوں سے بچاتا ہے۔ ایمان کو تقویت دیتا ہے۔ محبت کو شوق۔ امید کو خوش آیندہ۔ حرارت مذہبی کو تابندہ۔ غلاموں کو بیٹا بناتا ہے۔ چیتھڑے اتروا کر لباس پہناتا ہے۔ لعنت ملامت سے دل کو خوش کرتا ہے۔ قید خانہ کو محل شاہی بناتا ہے شہید ہونے کی آگ کو نسیم بہار و گلزار۔ مذہب روپیہ خریدا جاتا ہے۔ نہ کسی اور استحقاق سے ہاتھ آتا ہے فقط فضل رب کریم پر موقوف ہے۔ جو خدا کی عبادت کریگا۔ خدا اُس کو خود اپنی راہ بتائیگا۔ کچھ ستارے و فرشتے کی رہنمائی کی ضرورت نہیں عاجزانہ محبت سے خدا ملتا ہے۔ مغرورانہ عقل سے نہیں۔ بارگاہ الٰہی میں محبت لے جاتی ہے

سفر و بیابان میں علوم کو وہاں دیکھتے ملتے ہیں مذہب خواہ الہامی ہو یا نیچری یہ - دونو صورتوں
میں یکساں فائدہ پہنچاتا ہے - عین شباب - صحت - ثروت میں وہ احسانمندی اور بڑے
درجہ کی محبت کو دلوں میں چمکاتا ہے - مصیبت - بیماری - بڑھاپے میں ایمان و عقیدہ میں لگا
خدا کی مرضی کا بالکل تابع - اپنے فرائض کے ادا کرنے میں خوش باش کرتا ہے - ایسی حالت میں
مذہب سے وہ قوتیں موجود ہو جاتی ہیں جو معلوم ہوتی تھیں کہ معدوم ہو گئی ہیں آخر زندگی
پر جو ستارۂ شام تھا - وہ دوسرے موسم میں صبح کا ستارہ بن جاتا ہے - اور موت کی تاریکی
میں اپنی روشنی دکھاتا ہے +

(۶) مذہب کی تعظیم - مذہب کو خواہ کسی پیرایہ میں دیکھو - وہ تعظیم و ادب کے قابل ہے
اس کی عبادت گاہ بڑی شان و شکوہ رکھتی ہے - اس کے پوجاری اندر جا کر تسکین قلب
پاتے ہیں خدا کے فضل و کرم کی امید رکھتے ہیں - مگر اس کے ساتھ خوف و عبرت بھی رکھتے ہیں
اگر ہم روحانی اشیاء کو جسمانی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے مجاز ہوں تو ہم مذہب کو ایسے
قدرتی فضاؤں سے تشبیہ نہیں دے سکتے جس میں سب چیزیں شگفتہ و خنداں ہوں بلکہ اس
کی تشبیہ اونچے پہاڑوں - گہرے سمندروں - یا ستاروں بھری رات سے دینگے جن کے
دیکھنے سے انسان کے دل کو مسرت و عبرت دونو ہوتی ہیں ان کی حسانت کو شان و
شکوہ کی ساتھ دیکھ کر دل خوش بھی ہوتا ہے - اور عبادت بھی کرتا ہے +

(۷) مذہب خود غرض نہیں ہوتا - جو شخص خدا کے مذہب کو مانتا ہے - اس کے واسطے
پہلا حکم یہ ہی کہ تو بارور رہو - جو نیک آدمی ہوتا ہے - اُس کی نیکی دل کے اندر چھپی ہوئی
نہیں ہوتی - بلکہ وہ اس سے اپنے کمزور بھائی کو زور آور کرتا جانتا ہے +

جب انسان کی روح رستی پر ہوتی ہے - تو وہ ضرور چاہتی ہے کہ میں بہشت میں اور
لوگوں کو لے جاؤں - جو نیک آدمی ہوتے ہیں - ان کا مقصد اعظم یہ ہوتا ہے کہ اوروں کو
بھی اپنا سا بنائیں - جو شخص اس طرح مرجاتا ہے - کہ جس سے شان الٰہی کی شکوہ نظاہر ہو -

وہ بڑا ناسپاس ہے۔ وہ درخت کس کام کا ہے۔ کہ زمین کا بوجھ ہو۔ اور پہلے بھی مگر
کوئی بیج ایسا نہ چھوڑے۔ کہ جس سے اس جیسا اور درخت پیدا ہو۔ یہ سچ ہے کہ سب آدمی
اپنی مثل نہیں چھوڑ سکتے۔ مگر اپنے مشابہ چھوڑ سکتے ہیں۔ ایسے آدمی جو اپنا مثل نہیں چھوڑتے
وہ ان پژمردہ اور مردہ دانوں کی مانند ہیں۔ کہ جن سے ایک سال بھی فصل نہیں پیدا
ہوتی۔ اگر ایک طبیب کو کوئی عمدہ نسخہ معلوم ہوا اور وہ اس کو شائع کرنے بغیر مرجاوی تو اسکو
یوں کہنا چاہئے کہ جس نے حقیقت میں بہت سی وہ نعمتیں چرائیں جو اس کے مرنے کے بعد بہت
بڑھ جائیں بس اس کے جینے کا نتیجہ فقط یہ ہوا کہ اس نے اوروں کے ساتھ بھلائی اس
لئے کی کہ اپنی ساتھ زیادہ بھلائی ہو۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ فقط میں ہی اکیلا بہشت
میں جاؤں معلوم نہیں جائیگا یا نہیں۔ جو ارکان شاہی حسد کے سبب سے یہ چاہتے ہیں
کہ سوای ہمارے کوئی اور بادشاہ کا خیرخواہ نہ ہو۔ وہ بادشاہ کے بھی خیرخواہ
نہیں ہیں۔ جن کے دل خداشناس ہوتے ہیں۔ وہ فیاض ہوتے ہیں۔ ان کا دل نورانی
ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی روشنی پھیلائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ نیک نہاد جو چاہتے ہیں خاطر خواہ
وہ نہیں کرسکتے مگر جو کچھ وہ کرسکتے ہیں۔ اس میں محنت کرتے ہیں۔ ان کی دلی
تمنا یہ ہوتی ہے۔ کہ اوروں کو بہشت میں ساتھ لے جائیں +

(۸) مذہب کا دنیا کے کاموں کے لئے دستورالعمل ہونا۔ دنیا میں اکثر مذہب ایسے
ہیں کہ ان میں دنیا کے تمام چھوٹے بڑے کاموں کے لئے قاعدے۔ اور سلطنت و حکومت
کے لئے قوانین آئین مقرر ہیں۔ ہر شخص کو ان کے موافق زندگی بسر کرنی فرض ہوتی ہے
انسان کو بالطبع یہ جکڑبندی پسند نہیں ہوتی۔ وہ ان قیدوں سے گھبرا جاتا ہے۔
اور زنجیریں تڑانی چاہتا ہے۔ اور فراخ دلی کی حالت میں وہ ان متعلقات کو بھی جو
خدا کی ساتھ ہوتے ہیں۔ چھوڑ دیتا ہے۔ مذہبوں میں عیسائی مذہب اس باب میں
مستغنی ہے۔ اس میں سوسائٹی کے برتاؤ کے قاعدے نہیں مقرر کئے۔ سلطنت کے لئے

کوئی صورت نہیں متعین کی۔ اس کے تمام احکام روحانی ہیں جو ہوائے نفسانی اور شہوات جسمانی کے روکنے کے واسطے زنجیریں ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ اس کی ترقی بالاستقلال چلی جاتی ہے۔ اور مذہبوں کا تنزل ہوتا جاتا ہے مسلمانوں کی جو عالیشان سلطنتیں تھیں ان کو ایسی پابندی شرع نے پست کر دیا ہے۔ ترقی کو روک دیا ہے۔ اور یہی بڑا سبب ان کے تنزل کا ہوا ہے +

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ یہی مذہب تھا۔ کہ جس کے سبب سے ترقی ہوئی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہر مذہب میں کچھ نیکیاں ہوتی ہیں کچھ برائیاں۔ ایک زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ہوا اس کی نیکیوں کے نشوونما کے لئے موافق ہوتی ہے۔ اور ان کو سرسبز شاداب کرتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ برائیاں بھی دبے دبے پرورش پاتی ہیں زمانہ کی ہوا بدلتی رہتی ہے۔ بس جہاں وہ بدلی تو معاملہ بالعکس ہو جاتا ہے۔ کہ برائیوں کا نشوونما ہوتا ہے۔ کہ نیکیاں اس کے تلے دب جاتی ہیں اور مذہب کی بہار پر خزاں لاتی ہیں اب کوئی زبردست مصلح و مجدد دین پیدا ہو گیا۔ کہ اس نے ان برائیوں کے بڑھنے کو روک دیا اور نیکیوں کی پژمردگی میں جان ڈال کر شگفتہ کر دیا تو خیر رہی نہیں بربادی تو ہے۔ عیسائی مذہب آزادی سے چلتا ہے۔ دنیا کے معاملات میں کوئی زنجیر اس کے پاؤں میں نہیں پڑی ہوئی۔ وہ اپنی بے لباسی کے پشمینہ لباس میں پھر رہا ہے۔ وہ ہر زمانہ کے مناسب چال چلتا ہے۔ کوئی زمانہ اس کی شائستگی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ اور مذہبوں نے سوسائٹی کے ڈھانچ بنانے کے قواعد کے ساتھ دل کی ہدایت کے واسطے قوانین بتائے ہیں۔ مگر عیسائی مذہب نے فقط افراد کے لئے روحانی قاعدے تجویز کئے ہیں جس سے اب بھی اور آئندہ بھی تبدیلیاں سوسائٹی کے حق میں عمل میں آئنگی +

(۹) جیسے تھرمومیٹر کو (مقیاس الحرارت) اصلی آفتاب کی حرارت میں رکھو تو اس میں پارہ اوپر کو اٹھیگا مگر برف کے ڈلے کے پاس رکھو تو وہ نیچے آتریگا۔ ایسا ہی

اہل مذہب کا حال ہے۔ کہ جب وہ کلام الٰہی کے آفتاب کے قریب ہوتا ہے۔ تو اُس کا عروج محبت الٰہی میں ہوتا ہے۔ جس سے اُس کو خوشیاں ہوتی ہیں مگر جب وہ دنیا کی ٹھنڈی برف کی ساتھ ہوتا ہے۔ تو وہ نیچے اُترتا ہے اور اس کی وہ خوشیاں جاتی رہتی ہیں +

(۱۰) جس وقت بگل بج رہا ہو اور وہ لڑائی کی خبر دے رہا ہو تو ہتیاروں کا لگا لینا مشکل نہیں ہوتا۔ مگر جب لڑائی کی کچھ اطلاع نہ ہو تو ہر وقت ہتھیار باندھے رہنا مشکل ہے۔ ہماری روحانی لڑائی جنگہا عظیم کی طرح نہیں ہے۔ کہ جن میں مہلت اور فرصت ملتی ہے۔ بلکہ وہ روزانہ۔ ہر ساعت۔ ہر لمحہ میں موجود ہے جس میں دشمنوں کو ہٹانا پڑتا ہے +

(۱۱) مذہب افلاس کو روکتا ہے۔ سچا مذہب انسان کو عقبیٰ میں بہشت ہی میں نہیں لے جاتا۔ بلکہ وہ دنیا میں بھی انسان کی حالت بہتر بناتا ہے۔ وہ امیروں ہی کو فائدہ نہیں پہنچاتا جو مرفہ حالی سے عالیشان مکانوں میں رہتے ہیں۔ بلکہ وہ زیادہ تر اپنا نیک اثر غریب بیچارے مسکین آدمیوں کے جھونپڑوں میں دکھاتا ہے۔ یہ سچے مذہب کا کام ہے۔ کہ وہ انسان کی ہواء نفسانی کو کم کرتا ہے اور ان کو محکوم بنا لیتا ہے۔ ہواء نفسانی کا غلبہ انسان کو عیاش اوباش۔ شراب خوار۔ اور طرح طرح سے بدکار بنا لیتا ہے۔ جس کے سبب سے افلاس کی مصیبت میں گرفتار۔ قرضدار۔ ذلیل خوار بےعزت ہوتا ہے۔ وہ اپنی شہوات نفسانی کی لگام کو ہاتھ میں نہیں رکھتا۔ اس کی طبیعت کا میلان برائی کی طرف ہوتا ہے۔ اس میں اپنا وقت۔ اپنا مال۔ اپنی قوت خرچ کرتا ہے۔ اس لیے نا وقت اُس کو موت آ جاتی ہے جن آدمیوں کی رائے یہ ہے کہ عوام الناس کی تعلیم ان کے حق میں مضر ہوتی ہے۔ وہ حق پر نہیں ہیں۔ تمام جاہلوں کے واسطے علم سے بہتر کوئی چیز نہیں جہالت سے تعصب پیدا ہوتا ہے۔ تعصب سے ہوا نفسانی میں جوش ہوتا ہے

تعلیم اس آفت سے بچاتی ہے - محنت - انتظام - کفایت شعاری کی عادتیں سکھاتی ہے - مذہب کا اثر جو عوام پر ہوتا ہے وہ روز تم دیکھتے ہو +

(۱۲) دُنیا میں جو بالفعل مذہب کی صورت ہے - ہر مُلک میں کم و بیش وہ بات نہیں ہے - جو پہلے تھی کہ لوگوں کے دلوں سے ہزاروں آوازیں خدا کی ستائش و نیایش کی نکلتی تھیں ہزاروں گیت اُس کی حمد و ثنا کے بڑے ذوق و شوق سے گائے جاتے تھے + اب مذہب ایک دُنیاوی ہوشیاری کا نام ہو گیا ہے - اس کا بھی منفعت اور مصلحت پر کیا جاتا ہے - ناچیز دُنیا کی خوشیوں کا معاوضہ عقبیٰ کی خوشیوں سے کیا جاتا ہے - مذہب کو بھی لوگوں نے ایک تجارتی منفعت سمجھ لیا ہے - مذہبی کاموں کا کرنا اجرت کے لئے ٹھیرا رکھا ہے - اب اللہ جل شانہ کی عظمت و ادب نہیں ہے - بلکہ وہ ایک وحشیانہ خوف و رجا ہے - اگرچہ بہت سے اہل مذہب ایسے ہوں کہ جن کا یہ حال نہ ہو - خدانخواستہ اگر ایسا ہو تو دُنیا کی بڑی کم بختی آئی - لیکن جو شخص دانا ہوشیار ہے - ہم کو یقین ہے - کہ وہ زمانہ کا رنگ و مقتضا دیکھ کر ہمارے قول کی تصدیق کریگا +

(۱۳) تسلی مذہبی - نیک آدمیوں کی بڑی تسکین و تسلی مذہب سے ہوتی ہے - بہشت کی بڑی خوشی لگی رہتی ہے - بُرے آدمیوں کو نہ اطمینان ہوتا ہے - نہ کوئی توقع ہوتی ہے - انسان کی روح اپنا تعلق آیندہ زمانہ سے کبھی منقطع نہیں کرتی ایسے وقت کو دیکھتی رہتی ہے - جب آدمی کو سب طرح عیش و آرام حاصل ہوتا ہے - جوانی میں تندرستی نبض خوب درست - بدن میں طاقت - صورت میں حسن و جمال، ہر ایک کام میں کامیابی تو بھی کبھی کبھی خیال آیندہ کا آتا ہے - کہ کیا ہوگا - جب زمانہ بدل جاتا ہے - دوست آشنا چھوڑ دیتے ہیں بیماری اور بڑھاپا ستاتا ہے - تو پھر عقبیٰ کا فکر زیادہ ہوتا ہے - اور یہ پیدا ہوتا ہے - کہ اب مر کر کہاں جانا ہوگا - ایسے نازک وقت میں سوا مذہب کے کوئی

تسلی اور تشفی دینے والا نہیں ہوتا۔ مذہب کا بڑا تعلق آیندہ حالت سے ہے۔ اس لئے ہر ایک آدمی کو
اُس کی خبر رکھنی چاہئے۔ بہت سے علم ہیں اُن کی شاخیں بھی بہت سی ہیں۔ جن کا حاصل کرنا
عوام کو بڑا فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ کچھ تعلق ان کے فرائض سے نہیں رکھتے۔ اُن کی جبلت میں
نہ اُن کی طبیعت میں وہ ذہانت ہے۔ نہ عقل ہے۔ کہ جن سے وہ ان علموں کی تحقیقات کے
درپے ہو۔ مگر ان علموں کی تحقیقات سے مبادی مذہبیہ کا حال
مختلف ہے۔ ان سے ہر روز انسان کو کام پڑتا ہے۔ اور ان کی ضرورت رہتی ہے۔
کچھ وہ عقلی دل لگی کی باتیں نہیں کہ ضیافت طبع ہوں +

(۱۴) سچے مذہب میں نہ تو کوئی مکر و فریب ہوتا ہے۔ نہ اُس میں قوت متخیلہ کی تخییر کا جوش
خروش۔ نہ اُس میں ہوا و نفسانی کا زور شور ہوتا ہے۔ مگر ہاں جب مذہب ہٹ دھرمی
کرتا ہے۔ تو آنکھوں کے سامنے ایسی کُہر آجاتی ہے۔ کہ یہ سب بالائی باتیں مذہبی معلوم
ہونے لگتی ہیں اور بہت سے مغالطے کھانے پڑتے ہیں سچا مذہب انسان میں تواضع
عاجزی کسر نفسی نفس کشی بغیر کسی طرفداری اور تعصب کے پیدا کرتا ہے۔ جس کے سبب سے وہ خدا
کو جانتا ہے۔ اور کسی سے محبت کرتا ہے + غرض وہ انسان میں نیا نیچر پیدا کرتا ہے
جو اُس کی روح کو خبر دیتا ہے۔ کہ اُس کا حال خدا کا سا ہے +

(۱۵) مذہب میں سرد مہری۔ بعض آدمیوں میں مذہبی حرارت ذرا نہیں ہوتی ہے بالکل
مذہب میں ٹھنڈے اور سرد ہوتے ہیں۔ بعض آدمیوں میں حرارت مذہبی کی [illegible]
ان میں اصلی نیکی ہوتی ہے۔ گو کبھی کبھی اس حرارت کے اضطراب و اضطرار میں انکی نوبت دیوانگی
تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر اُن کی دوبارہ صحت پانے اور بحال ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ مگر جو
مذہب میں بالکل ٹھنڈی آوہ کی طرح ہیں۔ وہ تو ایسے کودن محض بے حس ہیں کہ جن کے سنبھلنے
کی امید ہی نہیں ایک وہ لوگ ہیں کہ جن کی حالت ان دونوں افراط تفریط کے درمیان
اعتدال کی ساتھ ہے۔ ان کا حال ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص دو شخصوں کے درمیان عین

وسط میں کھڑا ہو تو ہر کنارہ کے دیکھنے والے کو وہ دوسرے کنارہ کے قریب معلوم ہوگا۔ بس اسی طرح جو شخص ان دو نو حالتوں کے درمیان بیچو بیچ ہوگا۔ تو وہ شخص اس کو حرارت مذہبی سے خالی کہیگا۔ جو خود حرارت مذہبی سے بھرا ہوا ہے۔ اور جو شخص حرارت مذہبی سے بالکل خالی ہے۔ وہ اُس کو کہیگا کہ حرارت مذہبی سے بھرا ہوا ہے۔ غرض دونو طرف سے اُسپر لعنت ملامت ہوگی +

(۱۶) مشکلات مذہبی ۔ اگر مذہب فقط اتنی بات ہوتی کہ جسم کو کچھ حرکتیں دے لیں کچھ زبان ہلالیں تو بہشت میں جانا ایسا آسان ہوتا۔ جیسے کہ کسی دوست کی ملاقات کو جانا۔ مگر بڑی مشکل تو یہ ہے۔ کہ مذہب تو اس کا نام ہے۔ کہ دُنیا کی محبت کے خیالات کو چھوڑکر خدا سے بالکل دل لگائے۔ اور دُنیا اور مافیہا کو بھول جائے۔ ماسوا سے جو تعلق رکھے وہ للہ +

(۱۷) نیک آدمیوں کو اگرچہ بڑھاپا آتا ہے۔ ان کے تمام قوا ضعیف روز بروز ہوتے جاتے ہیں جس سے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر ان کی رُوح میں غور کرنے کی قوت وتنومندی ایسی آتی جاتی ہے۔ کہ کوئی صدمہ اُن کو مغلوب نہیں کرسکتا۔ غرض یوں نفع نقصان برابر رہتا ہے۔ جو ایک طرف سے کھویا جاتا ہے وہ دوسری طرف سے ملتا جاتا ہے اس طرح یہ کہنا درست ہے۔ کہ وہ بوڑھے ہی نہیں ہوتے +

(۱۸) آزادی کے شجر کی بلندی پر مذہب نشو ونما پاتا ہے۔ وہیں شگفتہ و پختہ ہوتا ہے جب ملک میں یہ افراط و تفریط نہیں ہوتی کہ نہ طوائف الملوک ہوتی ہے نہ ایک شخص کی تھرانی سلطنت ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی آزادی ہوتی ہے جس میں صلح و اعتدال ہو تو وہاں مذہب کی ترقی بہت ہوتی ہے +

(۱۹) مذہب کی محبت ۔ جو شاہزادہ کہ مذہب سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس سے ڈرتا ہے۔ وہ ایسا شیر ہے کہ جو اُس کو پچکارتے اور بچاتے ہیں تو وہ اُن کی طرف جھکتا ہے۔

اور جو شاہزادہ مذہب سے نفرت رکھتا ہے اور محوف نہیں کرتا وہ ایک وحشی درندہ ہے جو بھوک کر اس زنجیر کو کاٹتا ہے۔ جو اُسے مسافروں پر لپکنے نہیں دیتی۔ جو شخص مذہب بالکل نہیں رکھتا وہ وحشت ناک حیوان ہے۔ جو اپنے تئیں آزاد چھوڑ دینے اور کھانے کے لئے سمجھتا ہے +

(۲۰) سب انسان فطرت میں مساوی ہیں مگر ان میں سے ایک کو بہ نسبت دوسرے کے نیکی بڑا کرتی ہے۔ غریبی مسکینی کی حالت میں نیک طبیعت عالی طبع اور فراخ حوصلہ بناتا ہے۔ اور دل میں وہ استغنا پیدا کر دیتا ہے کہ دولت کے فائدوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ مذہب خواہ جھوٹا ہو۔ یا سچا ہو۔ یہ سب کو ماننا پڑتا ہے کہ اُسی کے عمدہ اصول بے خوف وخطر انسان کی حیات وموت کے لئے رہنما ہوتے ہیں +

(۲۱) بہت سے آدمی معیشت کے مارے مذہب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ دنیاداری کے ہزاروں دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ رات دن مشقت اُٹھاتے ہیں اور تردد وتفکر کرتے ہیں۔ ان کی روح کا خدا کے ساتھ گفتگو کرنا ایسا ہی جیسا کہ میرے دل پہاڑ پر چڑھنا۔ یا آفتاب سے اوپر اچھلنے کا قصد کرتا۔ دنیا کو وہ اپنی بہشت بناتے ہیں اور اپنے امثال واقران کی دلیلیں لاتے ہیں مگر وہ سب ہی سچی دلیلیں ہوتی ہیں۔

(۲۲) اہل مذہب کی سنگدلی اور دنیا طلبی سے مذہب کی جو ذلت وخواری ہوتی ہے وہ دشمنوں کی لعنت ملامت سے کبھی نہیں ہوتی۔ اکثر آدمیوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ پہلے مذہب کے چہرہ پر خاک دھول مل دیتے ہیں اور پھر اس خاک آلودہ رنگ کو مذہب کا اصلی رنگ قدرتی سمجھنے لگتے ہیں پھر اس صورت سے خوش نہیں ہوتے۔ اور کہنے لگتے ہیں کہ اس ڈراونی شکل کی کیوں اچھی طرح مدارات کریں +

(۲۳) مذہب کی روکیں — اکثر دولتمند مذہب کے پابند نہیں ہوتے۔ کیونکہ مذہب مقید کرتا ہے۔ دولت شتر بے مہار بنا کے آزاد کرتی ہے +

(۲۲) اگر دنیا میں خدا اور مذہب نہ مانا جائے۔ تو پھر انسان کی زندگی کا مقصد عظیم باقی
نہ رہے شخصی خوشی اور قومی بہبودی اور خاص و عام کی نیکی کی جڑ مذہب ہی ہے +
جو شخص خدا کی مرضی پر رہتا ہے راستی کے قطب کے گرد پھرتا ہے۔ فیاضی اختیار کرتا ہے
اس کے لئے دنیا ہی بہشت ہو جاتی ہے۔ یہ مذہب کی ساتھ بڑی گستاخی ہے
کہ کوئی کہے کہ کم عقلوں بچوں عورتوں کے واسطے فقط مذہب بنایا گیا ہے مذہب کا
بڑا مطلب یہ ہے کہ انسان کی یہی خوشی ہو۔ کہ وہ اپنے تئیں خدا کے مشابہ بنائے۔ جو
مذہبی علم اس بات کی تعلیم نہیں سکھاتا وہ مذہبی علم نہیں ہے۔ بلکہ کوئی اور جھوٹا علم ہے۔
اکثر آدمی اور بعض وقت کل آدمی طول دعا و نماز سے گھبراتے ہیں اور اس کے جلد تمام
ہونے سے خوش ہوتے ہیں مگر یہ کچھ محنت و مشقت کی بات نہ تھی۔ جس سے وہ گھبرائے وہ
اپنے خدا تعالیٰ کی عظمت ظاہر کرنے اور اپنی عزت حاصل کرنے کی بات تھی۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ضعف روحانی ہے اور وہ مذہب کے خیالات میں جھوٹا ہے۔
نقل مشہور ہے کہ کیا چھونہیں یا گھیرے ہو وہ مذہب پر صادق آتی ہے کہ مذہب ہی
تھوڑا ہی واقف ہونا انسان کو غمزدہ بناتا ہے ۔ جیسے کہ علم کا تھوڑا ہونا مغرور بناتا ہے
بعض آدمی اپنے مذہب کو بھی اسی طرح بدلتے رہتے ہیں جیسے کہ لباس کی وضع طرح
بدلتی رہتی ہے۔ بہت آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب مروجہ بھی ایک ٹکٹ ہوتا ہے۔
کہ ایک دفعہ اس کو خرید لیا اور بہشت کے دروازہ پر دکھا دیا اور اندر چلے گئے۔
جو مذہب انسان پر پوری فرمانروائی نہیں کر سکتا وہ اس کی پوری شفاعت
نہیں کرا سکتا۔ مذہب جو دنیا کی شرارت سے آدمی کو نہیں بچا سکتا۔ وہ عاقبت کی ہلاکت سے
کیسے بچا سکتا ہے + مذہب میں اس سے زیادہ کوئی عمدہ خیال نہیں ہے۔ کہ تکمیل روح میں وہ
برابر ترقی کرتا چلا جائے۔ اور قوت پر قوت حاصل ہوتی جائے۔ نیکی پر نیکی بڑھتی جائے
علم پر علم زیادہ ہوتا جائے۔ جس سے دل کو گرم۔ ہاتھوں کو پاک۔ قول و فعل میں مطابقت

کرتا ہے جس سے خدا راضی ہو کہ میری بندی اپنے تئیں خم ہوں میں میری مشابہ بنائے جاتے ہیں +

(۲۵) بعض ملک اور قومیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں مذہبی فرقے سیکڑوں طرح کے ہمیشہ قائم ہوتے رہتے ہیں ان کے مذہب ایسی تشبیہ سے تعبیر ہو سکتے ہیں۔ کہ ایک اژدہا ہو جس کے بہت سے سر ہوں اور ان کے پھن نکلے ہوئے ایک دوسرے پر پھنکار رہے ہوں بعض سر بہت بڑے ہوں اگر ان میں ایک سر کاٹ ڈالو تو اُن کی جگہ دس بیس سو تک چھوٹے چھوٹے سر نکل آئیں اور اُن خم میں کلبلاتے ہوئے دکھائی دیں +

انتقام

(۱) انتقام لینے کی طرف انسان کو بالطبع میلان ہے۔ اور میلان بھی ایسا ہے کہ کوئی دوسرا میلان اس کی برابر نہیں اس لئے اس کی روک تھام میں سب سے زیادہ اہتمام چاہیئے انتقام ایک وحشیانہ عدل ہے (یعنی قانونی نہیں) قانون کا کام یہ ہے کہ انتقام کی راہ کو بند کرے جو شخص کسی کے ساتھ بُرائی کرتا ہے۔ وہ قانون سے تجاوز کرتا ہے۔ مگر جو شخص اس کا عوض لیتا ہے وہ قانون کو معطل کرتا ہے۔ دشمن سے انتقام لینے میں آدمی اُس کی برابر ہو جاتا ہے مگر معاف کرنے میں اس سے برتر۔ کیونکہ بزرگوں اور بادشاہوں ہی کا کام معاف کرنا ہے حضرت سلیمان کا قول ہے کہ آدمی کی دانائی غصہ کو ٹالتی ہے اور یہ اُس کی عظمت ہے۔ کہ خطا سے اغماض کرے۔ دانشمند آدمی حال اور استقبال کی باتوں پر توجہ کرتے ہیں ماضی کی باتوں کو سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ہو چکیں گزشت آنچہ گزشت ہر گزشتہ صلوٰۃ کسی نے بُرائی کی۔ کی۔ قصہ تمام ہوا۔ کوئی شخص بُرائی کو بُرائی کی خاطر سے نہیں کرتا۔ بلکہ اس میں اپنی منفعت یا خوشی۔ یا عزت۔ یا کوئی اور بات اس طرح کی دیکھ لیتا ہے۔ بُرائی کرنے میں ہر شخص اپنے تئیں دوسرے سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ بس اس لئے مجھے غصہ نہیں ہونا چاہئے۔ کہ کوئی شخص اپنے تئیں مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اپنے نفع کے واسطے مجھے ضرر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بُرائی اپنی بد سرشتی کی مقتضا سے کرے۔ تو اُس کا حال کانٹے کا سا ہے۔ جو

چھبتا ہے اور جھیلتا ہے کیونکہ اسکے سوا وہ کچھ اور نہیں کرسکتا - جن برائیوں کی سزا قانوناً نہیں مل سکتی - اگر اُن کا عوض خفیف سا لیا جائے تو خیر کچھ مضائقہ نہیں مگر کبھی وہ اس حد تک نہ پہنچ جاوی جو قانوناً مجرم بنائے - اور سزا کا مستحق کرائے جس سے ایک اور دشمن قانون پیدا ہوجاے - ایک کے دو دو دشمن ہو جائیں یک نہ شد دو شد - دشمن کیلئے ویسے اسی بھٹی نہیں گرم کرنی چاہئے - کہ جس کی گرمی سے خود اپنا منہ جھلس جاوی - بعض آدمی دشمن کو جتلا کے انتقام لینے میں خوش ہوتے ہیں وہ پاجی نامرد کمینوں کی طرح اُس کو چھپ کے نہیں اور اندھیرے میں تیر نہیں لگاتے - یہ اُن کی فراخ حوصلگی ہی - جب دشمن سے نفرت ہوتی ہی تو کوئی اُسکو معدوم کردے اس کی پروا نہیں ہوتی - مگر جب اُس سے انتقام لینا منظور ہوتا ہی - تو اُس میں لذت آتی ہی کہ خود اپنے ہاتھ سے اُس کو عدم کی راہ دکھائیں یا خوب ستائیں - اگر دشمن دوسرے کی تلوار سے مارا جاوی تو دل ایسا خوش نہیں ہوتا جیسا اپنے ہاتھ سے سر اُڑائے میں اور پاؤں سے سر کچلتے ہیں +

ایک شخص نے اپنے بے وفا دوستوں کی نسبت کہا - کہ وہ جو برائی کریں وہ معاف نہیں ہو سکتی - اِس لئے حکم یہ ہی کہ دشمنوں کی خطائیں معاف کرو - نہ یہ کہ دوستوں کی مگر اس باب میں حضرت ایوب نے خوب فرمایا ہی - کہ کیا ہم خدا سے اچھی چیزیں لیویں بری چیزیں نہ لیویں ؟ پس اسی ارشاد کو دوستوں کے ساتھ ایک مناسب اندازہ کے ساتھ برتو - جن دوستوں سے فائدہ اٹھاتے ہو اُن سے نقصان بھی اُٹھاؤ +

یہ امر تحقیق ہی کہ جو شخص انتقام کے درپے رہتا ہے وہ اپنے زخم کو ہرا رکھتا ہی - اگر وہ یہ نہ کرتا تو زخم بھر کر اچھا ہو جاتا + سخت انتقام یہ ہی کہ تو اپنے دشمنوں کی ساتھ نرمی اور شیریں کلامی کرکے اُن کی ہڈیاں توڑ - اور اُن کے سر پر کوئلے جلا اُن کی خطائیں معاف کرکے خوب خوش ہو - انتقام استسقاء روح ہی - کہ جو ہم کرنا چاہتے ہیں اس سے زیادہ ہم کو تکلیف پہنچتی ہی - جو شخص انتقام زیادہ لیتا ہے وہ

برائی کرنے والوں سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ برا آدمی کون ہوگا
جو ہمسایہ کی برائی کو اپنی بھلائی جانے۔ آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل و دماغ سے تمام انتقام
و کینہ کے خیالات کو نکال کر پھینک دے۔ انتقام لینا ایک شیطانی حرکت ہے۔ انسان
سے شیطان کا کام کرانے والا انتقام سے زیادہ کوئی اور نہیں ہے۔ اس میں اپنی ہی
مزاج کا زہریلا پن اپنے اوپر اثر کرتا ہے۔ اگر تم پورا انتقام نہیں لے سکتے تو فی الحال
تکلیف و رنج میں ہوگے۔ اور اگر پورا عوض لے سکتے ہو تو آئندہ رنج اٹھاؤگے۔ انسان کو
کوئی چیز انتقام سے زیادہ گزند رساں نہیں وہ سوہان روح ہے انتقام کا غصہ بہت
ہوتا ہے۔ اگر غصہ میں آن کر ہم کسی کو برا کہیں تو ہم کو چاہیئے کہ سورج کے ڈوبنے سے
پہلے ہم صلح کرکے مصافحہ کریں اور دوست آپس میں ہو جائیں +

(۲) یہ انتقام لینا نہایت عمدہ ہے کہ اگر کوئی ملک کے سینے کا ایک قطرہ خون نکال لے
تو اس کے گاڑھے لہو کی دھار بہانی چاہیئے۔ تلوار کی دھاریں ان کی طرف موڑنی
چاہئیں جو ہمارے ملک کو تکلیف دیتے ہیں۔ اگر کوئی داغ ملک پر لگ گیا ہو۔ تو
اس کو آنسوؤں کے دریا سے دھونا چاہیئے۔ جب جوانمرد دشمن کے ملک کو فتح کرتے
ہیں تو وہ اپنے سپاہیوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ ہماری بڑی فتح یہ ہے کہ دشمنوں سے
انتقام لینے میں ہم اپنے دلوں کو محکم بنائیں ۔ ہ

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا ؏ نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

(۳) جو شخص جور و جفا کی عوض میں جور و جفا کرتا ہے وہ قانون سے تجاوز کرتا ہے مگر
طرف ثانی ہی نہیں۔ جو لوگ خود اپنے طور پر انتقام دشمنوں سے لے لیتے ہیں اس کا اثر ناقص
ہوتا ہے کیونکہ قانون اکثر اس کے لئے ہوتا ہے۔ جو شخص کسی کو ضرر پہنچاتا ہے۔ وہ برائی
کو شروع کرتا ہے مگر جو اس کا انتقام لیتا ہے۔ وہ اس کو بے انتہا بڑھاتا ہے اور اپنے پیچھے ایک
بیعزتی کی دم لگاتا ہے۔ جس کو نیک دلی اور خوش چلنی بھی الگ نہیں کر سکتی۔ اپنے گھر کے پیچھے

ایسی آفت لگاتا ہے جس سے عزت جاتی رہیگی۔ اس لئے سب سے اچھا بدلہ یہی ہے۔ کہ جو شخص ہم کو مضرت پہنچاے ہم اُس کی مثل نہ بنیں ؎

مصیبت

اِس مضمون میں جگہ مصیبت کے معنے یہ ہیں کہ جو ہم چاہیں اُس کے خلاف ہو۔

(۱) دنیا میں اقبال واد بار کے بھی عجب تماشے نظر آتے ہیں کہ بعض آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ ایک ادبار کی گھٹا اُن پر ایسی چھائی ہوئی ہے کہ وہ جس کام میں سعی کرتے ہیں اُس میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں جو منصوبہ باندھتے ہیں وہ ادھورا رہتا ہے۔ پُورا کسی طرح ہوتا ہی نہیں۔ ان کے سارے سعیاں بے فائدہ ہوتی ہیں ان کے گرد آفات کی تاریکی ایسی چھائی ہوتی ہے۔ کہ کبھی اُس میں خوش نصیبی کی جھلک تک نہیں دکھائی دیتی۔ اس کے برخلاف بعض شخصوں کو ایسا اقبال مند دیکھتے ہیں کہ مٹی کو ہاتھ لگائیں تو سونا ہو جاے۔ جس کام کو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اُس میں کامگار ہوتے ہیں۔ دولت کا مینہ اُن پر برستا ہی۔ خواہ وہ کیسا ہی اوکھا اوبے جوڑ کام کریں۔ کامیابی اُن کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑی ہی۔ جن باتوں کی اُنھیں اُمید و توقع بھی نہیں ہوتی وہ بھی حاصل ہو جاتی ہیں ادبار اور مصیبت کا سر پر آنا انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ وہ اس حکیم کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اِس لئے انسان کو یہ خیال کرنا چاہیے۔ کہ اس بیماری اور مصیبت وادبار میں بھی اُس دانا نے کوئی حکمت رکھی ہوگی۔ وہ حکمت یہ ہی کہ مصیبت انسان کی بڑی معلم وادیب ہے۔ وہ آدمی کو بتلاتی ہی۔ کہ اُس کی ولادت اور وفات کے مابین عمر رواں کے چند سالوں کا جملہ معترضہ کچھ ہستی نہیں رکھتا۔ اگر خداے تعالیٰ نے ایک شربت کا پیالہ پلایا تو اُس کے مٹھاس کا مزہ کچھ دیر کے بعد جاتا رہتا ہی اور اگر تلخی کا جرعہ مُنہ میں ڈالا تو تھوڑی دیر بعد کڑوے پن کا پتا نہیں رہتا ہے۔ مگر مدبر عالم نے ان کے بعد اثر ایسے رکھے ہیں کہ وہ دیرپا ہمیشہ ہوتے ہیں۔ خداے تعالیٰ نے جو اپنے اخلاق کی گورنمنٹ بنائی ہی۔ اس کی بچے دار

کل کو وہ طرح طرح سے چلاتا ہے۔ اور اُس سی دلوں کو اکساتا ہے۔ وہی اپنی اس گورنمنٹ کی قانون کو کماحقہ جانتا ہے۔ ان ہی قوانین کو اُس نے اپنی محبت کا رشتہ بنایا ہے۔ کسی پر خدا خفا ہوتا ہے کسی پر مہربان۔ بعض پر اپنی نعمتوں کا انبار لگا دیتا ہے۔ کہ وہ شکرگزار ہوں بعض کے سر پر مصیبتوں کا بار رکھ دیتا ہے۔ کہ وہ دنیا کو بے اعتبار جانیں۔ اس کی عیش و عشرت مال و دولت پر اعتماد نہ کرے۔ جو یہ سمجھتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ایسی تسلی و تشفی پاتے ہیں۔ کہ جس سے کوئی اُن کو محروم نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیشہ اس تسکین و تسلی کی تلاش کے درپے ایسے رہتے ہیں جیسے کوئی جہاز تباہی میں آجاتا ہے۔ تو وہ ایسی بندرگاہ کی تلاش کرتا ہے۔ کہ جس میں جاکر سلامت رہے۔ اور سمندر کے اندر جس بلا میں مبتلا ہو رہا ہے اس سی بچ جاوی +

(۲) جیسے کہ بے موسم بارش آدمیوں و حیوانوں کے حق میں مضر ہوتی ہے۔ مگر زمین کو سرسبز و شاداب۔ اور بعض پھولوں کو شگفتہ اور بعض پھلوں کو پختہ کردیتی ہے ایسے ہی مصیبت و آفت جو آتی ہے۔ گو وہ اکثر آدمیوں کے حق میں مضر ہوتی ہے۔ مگر بعض کو مفید بھی ہوتی ہے

(۳) دنیا میں مصیبتوں کا پڑنا بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ اس لئے کہ اس حالت میں خدا اسے زیادہ یاد آتا ہے۔ اور دل خدا کی طرف خوب رجوع ہوتا ہے۔ اور آدمی دنیا سی اُداس ہوکر برداشتہ خاطر ہوتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ میں یہاں اپنا وطن چھوڑ کر غریب الوطن ہوں مسکینی و غریبی میں رہنا مجھے بدکاریوں سے بچائیگا۔ گو لوگ مجھے آفت زدہ اور غریب جان کر ذلیل جانینگے۔ مگر میں اپنے باطن کو جسے خدا دیکھ رہا ہے راست کردار کروں۔ اور اسی کو اپنی شیخی غرور۔ نخوت۔ نمود شان کے زہر کا تریاق بناؤں۔ ایسے حالت ہر آدمی سمجھتا ہے کہ میں اپنے اصلی وطن سی جلاوطن ہوکر یہاں آیا ہوں +

(۴) مصیبت زدگی کے فائدے۔ انسان کی حالت موجودہ ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ اس کو قیام نہیں ہوتا۔ کوئی حماقت اس سی زیادہ نہیں ہے۔ کہ ہم یہ توقع کریں۔ کہ

ہماری زندگی ہمیشہ آرام سے بسر ہوگی۔ اور ہمپر راحت کا چشمہ ہمیشہ یکساں واں رہیگا۔ خواہ جھونپڑوں کے رہنے والے ہوں یا محلوں کے۔ آن کیواسطے بچپن سے لیکر بڑھاپے تک ہمیشہ چھوٹے چھوٹے واقعات ایسے پیش آتے ہیں جو اُن کو تکلیف پہنچاتے ہیں اُن سے کسی طرح نجات نہیں ہو سکتی۔ ان واقعات کا نام سخت مصائب نہیں رکھنا چاہئیے۔ نہ ان کو سخت سمجھنا چاہئیے۔ ہو گز صاحب کہتے ہیں کہ مصیبت زدہ اس شخص کو نہ کہنا چاہئیے کہ جس کی کامیابی دُنیا میں تھوڑی دیر کے لئے رُک گئی ہو۔ بلکہ اُس شخص کو جس پر آسمان ٹوٹ پڑا ہو اور سخت صدمات واقع ہوئے ہوں ایسے مصیبت زدہ بھی دُنیا میں تھوڑی نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت دیکھو گے کہ کتنے امیر صاحب دولت مفلس ہو جاتے ہیں تندرستی بیمار راحت و آرام سے رنج و عذاب میں گرفتار۔ کام سے معزول کیا خاصے بھلے چنگے اپنے عزیز و اقارب دوست آشناؤں میں رہتے تھے۔ یا موت کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں جب اس قسم کی بلائیں ہماری گرد جمع ہوتی ہیں تو ہمارا دل متفکر ہو کر اُن کا علاج کرتا ہے۔ مصیبت حقیقت میں ایک مکتب ہے جو تمام قواء روحانیہ کی وہ تعلیم و تادیب کرتا ہے۔ جس سے روحانی چین اور آرام ہوتا ہے۔ اور یہ مفید سبق وہ سکھاتا ہے کہ انسان عاجز و ناتواں ہے۔ اس کو مذہب کی ضرورت ہے۔ دنیا ہمیشہ اُس کو پھسلاتی ہے اور مغالطہ دیتی ہے۔ آدمی اسی مدرسہ میں دانائی اور گناہ کی بُرائی اور دنیا کی بے ثباتی سیکھتا ہے۔ عیش و عشرت میں بعض نیکیاں دیکھنے میں آتی ہیں جو بڑی دلاویز اور نمود و شان کی ہوتی ہیں۔ مگر اندوہ و ملال میں جو نیکیاں نظر آتی ہیں وہ بڑی مستحکم و مستقل ہوتی ہیں۔ مسکینی۔ صبر۔ وقار۔ ہوشمندی۔ عابدانہ توکل۔ یہ نیکیاں سب ایسی ہیں کہ اُن کی ترقی سخت مصیبت زدگی کی حالت ہی میں ہوتی ہے۔ اس سے ہم اپنی شرمگیں غفلت کی نیند سے جاگتے ہیں جب سے ہماری خوابہائے شیریں جو ہماری دل کو بہلاتی اور پھسلاتے تھے۔ پراگندہ او منتشر ہو جاتے ہیں اور دل خدا کی ساتھ لو لگاتا ہے اور

اُس کو اپنا مامن بنا کے پناہ مانگتا ہی۔ اُس پر توکل کر کے اپنی کارروائی چاہتا ہی۔ جس سے دل کو بڑی تقویت اور طمانیت ہوتی ہی۔ مصائب اور آفات کے سمندر میں اُس کو سہارا ایسا ملتا ہی کہ اُس کا بیڑا پار ہوتا ہی۔ ثبات قدم کا علم بلند ہوتا ہی۔ دل نور سعادت سے منور ہوتا ہی۔ اس تاریکی میں جہاں ندصیر الگوپ ہوتا ہی۔ خدا کے توکل کا نور اُسکو منزل مقصود پر پہنچاتا ہی + غرض فائدہ مصیبت زدگی کا یہ ہی کہ قواء روحانیہ کو ایسے بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہے۔ کہ وہ اس دُنیا کو پست پایہ سمجھ کر بازیچۂ اطفال کی طرح بے ثبات جانتی ہیں۔ اور عالم فانی سے برداشتہ خاطر ہو کر عالم باقی کی تمنا کرنے لگتی ہیں جہاں جاودانی نعمتیں کیتیں ملتی ہیں وہ دُنیا کے قابل القدر اشیاء کی قدر کرتی ہیں مگر اُن کا قبضہ اپنے اوپر ایسا نہیں ہونے دیتیں کہ جب ضرر اور تکلیف پہنچیں وہ اپنے ایمان ورضا پر توکل کرتی ہیں +

دوئم مصیبت زدگی کا فائدہ یہ ہی کہ ہم اس کے سبب سے اپنی سوسائٹی کی خدمات کا حق خوب بجا لاتے ہیں جہاز راں جب ہی کامل ہوتا ہی کہ سمندروں کے طوفانوں کی مصیبتوں کو اُس نے سہا ہو سپاہی جب ہی اپنے فن سے ماہر ہوتا ہی۔ کہ محاصروں اور لڑائیوں کے داؤ گھاتوں سے آفتیں اُٹھا کر واقف ہوا ہو۔ ان کاموں کے جاننے کے واسطے اوروں کے کارناموں کا فقط پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اپنے ذاتی تجربہ کی ضرورت ہی +

(۵) ہمیشہ مصیبت کم و بیش کسی بُرائی کے روکنے کے واسطے ہوتی ہی۔ وہ اُن باتوں کو جو کانوں سے سُنا کرتے تھے آنکھوں کو دکھا دیتی ہی وہ ساری بیماریوں اور افلاس کی آفتوں اور موت کی تکلیفوں کو بیمار مفلس قریب الموت بنا کے دکھا دیتی ہی۔ آدمی کو چاہئی کہ وہ مصیبت کے نیشوں سے بے قرار و بے صبر ہو کر زیادہ چھبنے نہ دے +

(۶) جو شخص مصیبت زدہ ہو۔ اُس سے پوچھو کہ اور لوگ اُس کی ساتھ اس حالت میں کس طرح پیش آتے ہیں اور وہ خود اس حالت میں اوروں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہی۔

ان دونو کے واسطے مصیبت زدگی معیار ہے۔ مصیبت زدہ کے واسطے یہ کہ وہ کمینگی اور بیدیانتی اس حالت میں نہ اختیار کریں۔ اور اور لوگو کے واسطے یہہ کہ اُس کے ساتھ گستاخی نہ کریں غرور سے نہ پیش آئیں اور ذلیل حقیر نہ جانیں +

(۷) مصیبت کا حال زہردار مینڈک کا سا ہی۔ کہ نہایت بدشکل اور زہریلا۔ مگر سر میں ایک بیش قیمت جوہر رکھنے والا +

(۸) اگر ہماری گرد طوفان برپا ہو۔ ہمارا جہاز بھنور میں پھنسا ہو تو ہم کو بچوں کی طرح رو رو کر اُس طوفان کو نہ دیکھنا چاہئے۔ اور مایوس ہوکر یہہ نہیں خیال کرنا چاہی۔ کہ ہوا کا اور جھونکا ہم کو برباد کردیگا۔ اور لہروں کا تلاطم ہم کو ڈبو دیگا۔ بلکہ اُسوقت ہماری ساری توجہ دل سی خدا کی طرف ہونی چاہئی۔ کہ جس نے یہ طوفان اور تلاطم اٹھایا ہی۔ وہی ناخدا بن کر ہمارا بیڑا پار کریگا ہم کو دلیری اور جرأت وہمت ایسی دیگا۔ کہ ہم طوفان کی مصیبتوں کو خوشی سے اُٹھائیں

(۹) عاقل نیک نہاد آدمی کا حال مصیبت میں دھندلی لالٹین کا سا ہوتا ہے۔ کہ جو آدمی اُس کے گرد ہوتے ہیں اُن کو وہ تاریک معلوم ہوتی ہی۔ مگر اُس کے اندر خوب روشنی ہوتی ہی۔ جب اُس کا دروازہ کھلتا ہی تو وہ خوب دکھا سکتی ہی +

(۱۰) جس شخص پر مصیبت نہیں پڑتی وہ کبھی خودشناس نہیں ہو سکتا اور اپنی نیکی کو پہچان سکتا ہی

(۱۱) اقبالمندی کی خوبیوں کی آرزو سب کو ہوتی ہی۔ مگر ادبار کے خوبیوں کی تعریف خوب ہوتی ہی۔ اگر معجزہ کے معنی نیچر پر حکمرانی کے قرار پائیں تو وہ مصیبت کی حالت میں انسان سے صادر ہوتے ہیں اقبالمندی میں بڑی نیکی اعتدال ہی۔ اور ادبار میں بڑی نیکی استقلال ہے اقبال خوف وآفت سی خالی نہیں ہوتا۔ اور ادبار تسکین اور توقع سی۔ اول میں آنکھ کی خوشی ہے دوسرے میں دل کی خوشی۔ نیکی کا حال خوشبو کا سا ہی کہ وہ آگ میں جلنے سے یا پیسنے سے بہت مہکتی ہی۔ اقبال بدی کو خوب کھول کر دکھا دیتا ہی۔ ادبار نیکی کا اظہار خوب طرح سی کر دیتا ہی +

(۱۲) جیسی برف اور پالے کا موسم گذر جاتا ہی۔ مگر اس کا اثر زمین نرم کرنے میں اور فصل کے بڑھانے میں

اور پکانے میں موسم گرما میں معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی مصیبت کا وقت اور موقع گزرجاتا
مگر اُس کا اثر انسان کے پختہ کار کرنے کے لئے باقی رہتا ہے +

(۳۱) مصیبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تنبیہ تادیب کے لئے دوسرے امتحان کے لئے۔ تنبیہ
تادیب سے یہ مراد ہے کہ مصیبت سے وہ خوبی آدمی میں پیدا ہو جائے جو پہلے اُس میں نہ تھی اور اگر تھی
تو اُس کی ترقی ہو جائے + امتحان سے مراد یہ ہے کہ ترقی کی مقدار معلوم ہو جائے کہ کتنی
ہوئی۔ معلم کا کام یہ ہے کہ طلبہ کو اچھی طرح پڑھائے۔ ممتحن کا کام یہ ہے کہ یہ بتلائے کہ کہاں تک
طلبہ نے ترقی کی ہے۔ مصیبتوں کی یہ دونو قسمیں اکثر خلط ملط ہو جاتی ہیں کیونکہ ہم تعلیم اور
امتحان سے ایک ہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ ایسی خلط ملط کرنے سے خرابی پیدا ہوتی ہے جب مصیبت
ادنےٰ درجہ کی ہوتی ہے تو وہ تنبیہ و تادیب کے لئے ہوتی ہے۔ اور جب وہ بڑھ جاتی
ہے۔ تو امتحان کے لئے ہوتی ہے۔ بیماری ایسی مصیبت ہے کہ جو دونو تادیب اور امتحان کے لئے
ہے جب وہ تھوڑی ہوتی ہے تو تادیب و تنبیہ کے واسطے۔ اور جب زیادہ طول کھینچے
تو امتحان کے لئے۔ جب آدمی کو نئی نئی بیماری ہوتی ہے تو دوستوں کی تیمار داری کا ممنون
وہ دل سے ہوتا ہے۔ مگر جب مرض کو طوالت ہوتی ہے۔ تو وہ کسی کی تیمار داری کا احسان مند
نہیں ہوتا۔ ایک مساوات ہو جاتی ہے۔ وہ خود اپنی ہی رنج و تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔
آدمی یہ خوب سمجھ لے کہ کوئی چیز اُس کو دانشمند اور نیک نہیں بنائیگی۔ جب تک وہ اُس کے
سیکھنے میں سخت رنج و تکلیف نہیں اُٹھائیگا +

(۳۲) یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ زندگی میں حسین کے
کوئی چھوٹی بڑی مصیبت نہ واقع ہوئی ہو۔ اُس سے کسی طرح ہمارا چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔
نہ اُس کو اپنی شان و شکوہ دکھا کے ڈرا سکتے ہیں نہ اپنے ثبات و استقلال سے اُس پر فتحیاب
ہو سکتے ہیں۔ نہ بھاگ کر اُس کے آگے آنے سے۔ نہ تاریکی میں چھپ کر اُس کے پیچھا کرنے سے بچ سکتے
ہیں + حکمائے حاذق اِن مصیبتوں کے حزن و ملال کا یہ علاج بتا کے ہماری کچھ آنسو پوچھتے ہیں

خداوند تعالیٰ نے ہماری حالت کے انقلاب کے ساتھ رنج میں راحت کو غالب کیا ہی اور ہماری جہالت وغیرہ کے سبب سے ہماری برائیاں ہم کو مصیبت زدہ بناتی ہیں یہ علاج انکا ایسا ہی جیسا کہ طبیبوں کا ہوتا ہی کہ جب وہ کسی درد کو رفع نہیں کرسکتے تو جس جگہ وہ ہوتا ہی اُسے سُن کر دیتے ہیں جو مصیبت زدگی کی مداحی کرتے ہیں اُن کی فصاحت کی تعریف ہو جاتی ہے۔ مگر ان کی دلائل تسلیم نہیں کیجاتیں اب تک کسی کی تقریر ایسی فصیح اور ایسی بلیغ ہوئی۔ کہ ظلم سی جو تکلیفیں پہنچتی ہیں یا محتاجی سے جو آفتیں آتی ہیں یا ضعف و ناتوانی سی جو رنج پہنچتے ہیں اُن میں تخفیف ہوجاتی +

آدمی جو اپنی بلند سودائی سے بڑی بڑی امیدیں کرتا ہی۔ وہ گو سب طرح پوری نہیں ہوتیں مگر جس کام میں وہ بہت کوشش کرتا ہی اس میں کچھ نہ کچھ کام بن جاتا ہی + پہلے حکمائے جو مصیبتوں کے زہر کے تریاق کی تلاش میں بڑی جانفشانی کی تو وہ ایسا تو نہ ہاتھ لگا۔ کہ جو جام حیات کو شیرین و لطیف بنا دیتا۔ مگر اس سی تلخی اُس کی کم ہوگئی۔ دل کے ناسوروں پر جو مرہم اُنھوں نے لگایا گو وہ اُس سے بالکل اچھے نہ ہوئے مگر ان کی اذیت کم ہوگئی + غرض مصیبت پر فضول اور حد اعتدال سی باہر جو اضطرار و اضطراب ہوتا تھا۔ اُس سے نجات حاصل ہوگئی۔ جو قوت مصائب کی بیقراری میں زائل ہوتی تھی وہ رنج کے گھٹانے میں اور اس سوچ بچار میں صرف ہونے لگی کہ ہر مصیبت ایک منفعت ہے +

(۵۱) سنیکا نے فقط مصیبت زدگی پر صبر و ثبات ہی کی ہدایت نہیں کی بلکہ اُس سے دل کے خوش کرنے کی راہ بتائی ہی۔ وہ کہتا ہی کہ جو شخص مصیبت میں گرفتار نہیں اُس نے دُنیا کا ایک ہی رخ دیکھا۔ دوسرے رخ کے تماشے سی محروم رہا۔ دل کے خوش کرنے کے واسطے مصیبت کا پڑنا ضرور شرط ہی۔ وہ اپنے شاگردوں سے ارشاد کرتا ہی۔ کہ تم مصیبت اُٹھاؤ جس سی تم کو راحت و عافیت کا لطف آئے۔ جو محقق حقیقت آگاہ ہونا اور مشہور ہونا ہو کے

عوام الناس کے درجے سے بلند ہو کر خواص بنا چاہتے ہیں وہ ہمیشہ تحقیق و تفتیش کے درپے رہتے ہیں
جہاں ایک تحقیق ختم ہوئی دوسری شروع ہوئی۔ اسی طرح سے جتنے وہ عقل و دانش میں افراد ہوتے
جائیں گے اُتنا ہی نیرنگی عالم کا تماشا زیادہ دیکھیں گے۔ میدان عقل میں جتنے وہ جفاکشی و رنج اٹھاتے
ہیں اتنی ہی اُن کو وہ خوش دلی حاصل ہوتی ہے کہ وہ کسی بادشاہ اور امیر کی لذت حیات پر رشک و
حسد نہیں کرتے۔ مشقت کی مصیبت اُٹھانے ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ خوشیاں علم سے حاصل کرتے ہیں
سنیکا نے نہایت خوش بیانی سے مصیبت زدگی کا حال لکھا ہے۔ اور خوب لکھا ہے۔
کہ مصیبت زدگی ہی آدمی کو دُنیا کے تجربہ کرنے کا موقع دیتی ہے۔ ہمیشہ کی راحت سے
کچھ بھی نہیں حاصل ہوتا مصیبت سے بھاگنا لاعلمی ہے۔ اور راحت سے رہنا ایک جہالت ہے جب تک آدمی
مصیبت نہ اٹھائے۔ راحت کے سچے معنے ہی سمجھ میں نہیں آتے   قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار
آید۔ ہماری خوشحالی ایک امر اضافی ہے۔ ہر شخص اپنی مصیبت کے رنج کو یوں خیال کر کے
گھٹا سکتا ہے۔ کہ بہت سی مصیبتوں سے بچا ہوا ہوں ہیرے کی چمک دمک سیاہ چیزوں کے پاس لانے
سے اور تصویر میں سایہ کے ہونے سے روشنی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ پس اسی طرح اپنی مصیبت بھی
اوروں کی مصائب کے ساتھ ملانے سے راحت دیتی ہے کہ دُنیا میں انسان کے لئے
کوئی مسرت اس سے زیادہ نہیں کہ محنت کے بعد راحت ملے۔ جس محنت سے خوشی ہو وہ
خود راحت ہے۔ تونگری ثروت تو آدمی کو خود شناس بننے ہی نہیں دیتی۔ وہ ایسے مست
خیال آدمی کو بنا دیتی ہے کہ وہ اپنی قوتوں کا تخمینہ درست کر ہی نہیں سکتا جس شخص کے
استقلال نے خوف کا مقابلہ نہ کیا ہو جس کی فراست مشکلات پر غالب ہوئی ہو جس کی
دیانت بری ترغیبوں میں امتحان کے اندر نہ آئی ہو۔ اس کا حال اُس سونے کا سا ہے جو
جو کسوٹی پر نہ چڑھا ہو اور اس سبب سے اس کی قیمت نہ مقرر ہوئی ہو +

بناوٹ

اس مضمون میں جہاں بناوٹ کا لفظ لکھا ہے۔ وہاں مراد یہ رکھی ہے کہ آدمی اپنے

تئیں بہانے بناکے وہ دکھاوی جو حقیقت میں نہیں ہی یا جو حقیقت میں ہی اُس کو چھپاوی
بناوٹ بھی حکمت عملی اور دانائی سمجھی جاتی ہی - مگر ادنے درجہ کی اور ضعیف - یہ بڑی ذہین
اور ذکی اور قوی دل آدمی کا کام ہی - کہ وہ ان موقعوں کو پہچان جاوی - جہاں سچ بولنا
اور سچ کام کرنا چاہیے - جو مدبران ملکی اس رستہ کو چھوڑ کر بناوٹ کی باتیں کرتے ہیں وے
دانائی میں ضعیف سمجھے جاتے ہیں - جو مدبران ملکی معاملات ملکی میں یا اور لوگ جو اور قسم کے معاملات
دُنیاوی میں ماہر اور باہنر ہوتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ معاملات کے اندر کون سی باتیں
چھپانی چاہئیں اور کون سی ظاہر کرنی اور کون سی آدمی کسی پیرایہ میں بتلانی چاہئیں -
اور یہ کام کس موقع پر اور کس کے سامنے کرنا چاہیے - ان آدمیوں کے واسطے تو بناوٹ کی عادت
مانع کام روائی میں ہوتی ہے - مگر جن کو بناوٹ کی عادت نہیں ہوتی - علی العموم
ان کو بناوٹ سے کام پڑتا ہی - اور اخفاء اپنے کاموں کا کرنا ہوتا ہی - اور ایسی احتیاط
کرنی پڑتی ہی جیسے کہ رستہ چلنے میں کم دکھائی دینے والے کو کہ وہ سہج سہج رہ رہ کر قدم
رکھتا ہی - جو عاقل ہوشیار بیدار مغز ہوتے ہیں وہ معاملات میں کھری اور صاف ہوتے
ہیں اور ان کا نام راستبازی اور راست گوئی میں مشہور ہوتا ہی - اُن کا حال سدھائے ہوئے
گھوڑوں کا سا ہوتا ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ کہاں ٹھہرنا اور کہاں مڑنا چاہیے انکو
جہاں ضرورت بناوٹ کی پڑتی ہی وہاں اسکو اختیار کرتے ہیں مگر ان کی راست معاملگی
کی شہرت اور ناموری ان کی بناوٹ کو کسی پر کھلنے نہیں دیتی - آدمی اپنے اوپر تین
طرح سے نقاب ڈال کر چھپاتے ہیں + اوّل خلوت - اختفا - کم گوئی - اختیار کرتے ہیں وہ
آدمیوں کے مشاہدہ میں ہی نہیں آتے - اور کوئی موقع نہیں دیتے کہ کوئی ان کو پہچانے
کہ وہ دراصل کیا ہیں دوم وہ حرکات ایسی کرتے ہیں اور دلائل ایسی بیان کرتے ہیں کہ جس سے
ان کی اصل حقیقت برخلاف لوگوں پر ظاہر ہو - سوم اپنے تئیں ایسا دکھاتے ہیں جو وہ
درحقیقت نہیں ہیں +

اول صورت میں جب آدمی اپنے تئیں خلوت میں بیٹھ کر چھپاتا ہی۔ تو بہت سے لوگوں کا حال اُس پر ظاہر ہو جاتا ہی۔ اُس پاس لوگ جا کر اپنے دل کا حال کہہ دیتے ہیں اور کم گوئی کی عادت سے بھی وہ اور لوگوں کے حال پر مطلع ہوتا ہی۔ کیونکہ جو شخص بکواسی ہوتا ہی وہ جو کچھ جانتا ہی اور علاوہ اس کے وہ جو نہیں جانتا اسی بھی کہتا ہی اور پیٹ کا ہلکا ہوتا ہی اس لئے لوگ اُس کے روبرو اپنے راز کی باتیں نہیں کہتے ہیں۔ مگر چپ چاپ آدمی کے آگے اپنے دل کی باتوں کے کہنے میں دریغ نہیں کرتے ہیں جانتے ہیں کہ وہ ان کا اعلان نہیں کریگا دوسری صورت کے آدمی سے لوگ گستاخانہ سوالات ایسے کرتے ہیں کہ خواہ وہ خاموشی جواب میں اختیار کرے یا سچا جواب دے تو دونوں سے ایک نتیجہ نکالتے ہیں مثلاً اس سے پوچھینگے کہ یہ مضمون آپکے فلاں دوست کا لکھا ہوا ہی۔ یا آپکے فلاں دوست کا دوالا نکلنے کو ہی۔ اور وہ فلاں جگہ چھپا ہوا ہی۔ اب اگر ان سے وہ یہ کہے کہ میں ایسے سوالوں کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔ تو لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان باتوں کو تسلیم کرتا ہی۔ اور اگر سچا جواب دے تو اُس میں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تیسری صورت جو ہے وہ نہایت ہی مکروہ ہی اور نازیبا اور چھوٹی ہی۔ وہ جھوٹ اور ڈرپوک پن سے پیدا ہوتی ہی۔ بناوٹ کے تین فائدے ہیں اول فائدہ یہ ہے۔ کہ جو شخص بناوٹ جانتا ہی اُس کا مقابلہ ہمیشہ سوتا رہتا ہے۔ اس لئے مقابلہ تو جب جاگتا ہی کہ کوئی شخص اپنے ارادہ اور نیت کا اعلان کرتا ہی۔ جس کے سبب سے اُس کے مخالف جو ہوتے ہیں وہ مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوم بناوٹ میں آدمیوں کو پھیر جانے کے واسطے خوب موقع ہاتھ میں رہتا ہی۔ اور اُن پر عدم ایفا کا الزام نہیں عائد ہو سکتا اس واسطے اُن کا جو اظہار ہوتا ہے وہ کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہوتا کہ اُس پر چلنا یا پھسلنا پڑے اور ان پر عدم ایفا کا الزام عائد ہو سوم بناوٹ سے دوسرے آدمی کی باتیں خوب دریافت کر سکتا ہی کیونکہ جو شخص اُس کے سامنے دل کی باتیں کہتا ہے وہ اُس کی مخالفت نہیں کرتا

تائید ایسی کرتا ہے کہ اور آگے وہ چلتا ہے اور آزادانہ گفتگو کرتے کرتے اپنے خیالات آزادانہ بیان کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے یہ بڑی سیانی ضرب المثل اہل سپین کی ہی کہ ایک جھوٹ بات کہو ایک سچی بات دریافت کرو۔ غرض کوئی اور طریقہ بات دریافت کرنے کا بناوٹ کے سوا نہیں ہی بناوٹ کے تین ہی نقصان ہیں اول بناوٹ کرنے والا ڈرپوک اور نامرد سمجھا جاتا ہی۔ وہ کاموں میں سیدھی طرح اپنے مقصد تک پہنچنے میں اپنے پیروں کو لوچتا ہے۔ دوم وہ اُن لوگوں کے خیالات کو حیران اور پریشان کرتا ہے جو اس کے معاون ہوتے اسی سبب اس کو اکیلا اپنے مقصد تک جانا ہوتا ہی۔ سوم سب سے بڑا بھاری نقصان یہ ہوتا ہی کہ اعتبار اور اعتماد جو کارروائی کا بڑا اوزار ہے وہ اس سے چھن جاتا ہے۔ سب سے بہتر اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے کے اظہار میں صاف و کھرا ہو۔ اپنی عادات کا اخفا کرے۔ کبھی کبھی موقع پر بناوٹ کو بھی کام میں لائی۔ اس کو زمانہ سازی کا ملکہ ایسا ہو۔ کہ جہاں کام چلانے کا علاج کوئی اور نہ ہو تو وہ اُس کو کام میں لائی۔ مگر یہ یاد رکھو کہ آدمی کی بڑی خوبی یہ ہے کہ بناوٹ میں باوجود قدرت اور ملکہ رکھنے کے اُس کو کام میں نہ لائی۔ اگر بناوٹ میں لیاقت نہ ہو تو اس کو کام میں نہ لانا کوئی خوبی نہ ہوتی۔ مگر بعض جگہ بناوٹ کا کام میں لانا ضروری معلوم ہوتا ہی جیسا کہ لڑائی میں۔ کیونکہ وہاں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہوتا۔ جس میں خدع سے کوئی خلل ہو۔ وہاں تو پولس اور چور کی سی لڑائی ہوتی ہی۔

(۲) بناوٹ بھی ایک مختصر دانائی ہی۔ بالکل دل کا عریان ہونا ایسا ناخوش معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ جسم کا ننگا ہونا۔ بناوٹ بھی انسان کی محافظ ہی جو آدمی بناوٹ نہیں کرتا وہ بھی لوگوں کو ایسا ہی مغالطہ میں ڈالتا ہی۔ جیسا وہ شخص کہ جو بناوٹ کرتا ہی۔ اس لئے کہ دنیا اُس پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتی۔ اُس کو

اس کو کچھ مال نہیں سمجھتی - جو شخص بناوٹ نہیں جانتا وہ اپنے اوپر اختیار نہیں رکھتا
اگرچہ انسان اشیا کا خیال بالکل راست درست نہیں کر سکتا - مگر کم از کم یہ تو اس کو چاہئے
کہ جو خیال کرے وہ سچ سچ بیان کرے - جو شخص سچی پولیسی کو اپنی سمجھ سے پرے
دیکھتا ہے - وہ بناوٹ کو دانائی سمجھتا ہے - جو بناوٹ کرتا ہے وہ آزادی سے
ہاتھ اٹھاتا ہے - بناوٹ کا جواب بناوٹ سے دیا جاتا ہے - جواب ترکی بہ ترکی
(۳) بناوٹ دو طرح کی ہوتی ہے - ایک ظاہری صورت اور لباس میں جیسے کوئی
شخص بڑا دولت مند ہو - مگر کپڑے ایسے موٹے جھوٹے پہنے کہ غریب معلوم ہو - جیسے
بنئے اور مہاجنوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں روپئے تلے ہوتے ہیں مگر کپڑے گزی گاڑھے
کے چھوٹے پلّوں کے ہوتے ہیں دوسرے دولت ایسی کم ہو جیسی کہ پوشاک فوق البھڑک ہو
کم دولت مسلمانوں کا یہی حال ہے - سوم وہ مفلس جو کرایہ کا جوڑا پہن کر اپنی تئیں آسودہ
حال دکھاتا ہے - اور کپڑوں کا کرایہ بھی نہیں دے سکتا - یہ ان تینوں میں بدتر ہے +
بعض جاہلوں کو دیکھتے ہو - کہ جبہ و دستار وہ پہنتے ہیں کہ عالم معلوم ہوں یا مکار و دغاباز
کہ عابدوں اور زاہدوں کے سے کپڑے پہنتے ہیں دوسری طرح کی یہ کہ جو دل کی
حالتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے آثار چہرہ پر ضرور نمودار ہوتے ہیں وہ ان کو ظاہر
نہ ہونے دیں یا اس کے برخلاف ظاہر کریں مثلاً غم - غصہ - عشق - یہ تینوں
دل کی حالتیں ایسی ہیں کہ جیسی دل میں اضطرار وہ پیدا کرتی ہیں ایسی ہی چہرہ پر اضطراب
مگر بعض آدمیوں میں بناوٹ کا وہ ملکہ ہوتا ہے - کہ اثر کو چہرہ پر ظاہر ہونے نہیں دیتے
بلکہ برخلاف اس کے اگر دل غمزدہ ہے تو چہرہ پر بشاشت دکھاتے ہیں اگر غصہ کے مارے
سینہ میں کینہ دشمن سے ایسا ہے کہ بس چلے تو تسمہ لگا نہ رکھیں مگر ظاہر میں خندہ پیشانی
کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں دشمن سے کرتے ہیں +
معشوق کے عشق کا تیر دل میں لگا ہوا ہے مگر ظاہر میں ایک بے التفاتی دکھاتے ہیں

ڈرتے ہیں کہ کہیں وہی مثل نہ ہو کہ گدھی نے کھیت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برخلاف کسی حسین سے ان کو نفرت قلبی ہے۔ مگر زبان سے اس کے حسن و اداؤ انداز کی وہ تعریف کرتے ہیں نہایت مشکل ہے کہ آدمی کو بناوٹ۔ تکلف۔ تصنع میں وہ ملکہ حاصل ہو کہ ان کو بے تکلف کرنے لگے۔ برسوں کے مشق کی ضرورت ہے +

ماباپ اور بچے

بچوں سے ماباپوں کے دلوں کو جو خوشیاں ہوتی ہیں وہ ان سے بیان نہیں ہوسکتیں۔ اور جو رنج و خوف ہوتے ہیں وہ ان کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے۔ بچوں کے سبب سے محنت مشقت کرنے میں راحت معلوم ہوتی ہے۔ مگر مصیبت کی حالت ان کے ہونے کے سبب سے زیادہ تر تلخ ہو جاتی ہے اولاد بہت سے تفکرات و تردد پیش لاتی ہے مگر موت کی یاد کم دلاتی ہے۔ بچوں کی وجہ سے حیوان و انسان میں بقاء نسل کا ہمیشہ رہنا مشترک ہے۔ مگر عمدہ کاموں کے سبب سے یادگار روزگار رہنا انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ باپ کی محبت سے ماکی شفقت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات تو وہ بڑھ کر حماقت بن جاتی ہے +

حضرت سلیمانؑ کا قول ہے کہ دانشمند بیٹا باپ کو خوشنود کرتا ہے۔ پر بے دانش فرزند اپنی ماکا بار خاطر ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اولاد کی نیکی اور خوبی کو بہ نسبت ماکی باپ زیادہ سمجھتا ہے۔ ماکی محبت ایسی نرم و ملائم ہوتی ہے۔ کہ جب وہ اولاد کی مصیبت و کم بختی دیکھتی ہے تو جانتی ہے کہ شاید میرے لاڈ پیار نے خراب کردیا۔ بچوں سے جو گھر بھرپور ہو تو اُن میں جو بڑے ہوتے ہیں اُن کا ادب لحاظ ہوتا ہے۔ جو چھوٹے ہوتے ہیں اُن سے کھلونوں کی طرح ماباپ دل بہلاتے ہیں اور ان دونوں کے بیچ میں جو ہوتے ہیں اُن کو کوئی پوچھتا نہیں مگر وہ دونوں سے اکثر اچھے ہوتے ہیں +

وہ ماباپ اولاد کے حق میں کانٹے بوتے ہیں جو اُن کی ساتھ سختی و تنگی و بخل کرتے ہیں

اور اُن کے دینے کے واسطے تھیلی کا مُنہ بند کرتے ہیں وہ ساری بُرائیوں کا دروازہ اُن پر کھولتے ہیں اُن کو کمینہ بناتے ہیں بہانہ جوئی کی خو ڈلواتے ہیں کمینوں کی صحبت میں بٹھاتے ہیں اُن کو ندیدہ ایسا بناتے ہیں کہ جب اچھا کھانا اُن کے سامنے آئے تو پیٹ سے زیادہ کھا جائیں ✦ بچوں پر حکومت رکھنی اچھی ہے۔ مگر رویہ کا بخل اُن کے ساتھ اچھا نہیں۔ وہ ماں باپ اور اُستاد بڑے بیوقوف ہیں جو بھائیوں بھائیوں میں باہم اور شاگردوں میں آپس میں رشک کی عادت ڈلواتے ہیں یہ گویا اُن کے درمیان اس فساد کی بنیاد جماتے ہیں جس سے وہ بڑے ہونے پر خانہ برباد ہوں ✦ ملک ملی میں قریب کے اقربا کے ساتھ وہی محبت کرتے ہیں جو اولاد کے ساتھ بھتیجے بھانجے بیٹے کو برابر ہی سا سمجھتے ہیں۔ یہ کچھ نیچر کا بھی قاعدہ ہی کہ ہر خاندان میں ایک بہت مشابہت اور مماثلت ہوتی ہی۔ بعض دفعہ بیٹے کی شکل باپ سے ایسی نہیں ملتی جیسی چچا یا ماموں سے ماں باپوں کو چاہئے کہ بچوں کے واسطے ابتدا عمر میں کوئی پیشہ و ہنر و حرفہ و علم ایسا تجویز کریں جس کا سیکھنا اُن کی عمر میں آیندہ کام آئے۔ مگر یہ بات نہایت مشکل ہے کہ والدین اولاد کے واسطے ایسا کوئی کام سیکھنے کے لئے تجویز کریں کہ جو اُن کی طبیعت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو۔ دُنیا کو یوں تشبیہ دیا کرتے ہیں کہ وہ ایک تختہ ہے کہ جس میں بہت سے سوراخ ہیں اور اُن پر میخیں پھینکی گئی ہیں اب یہ ایک اتفاق کی بات ہے کہ کوئی میخ اُس سوراخ میں داخل ہو کہ اُس میں ٹھیک آئے۔ ورنہ کچھ ایسے ہونگیں جو ان میں جا ہی نہیں سکیںگی۔ اور کچھ اُن کے اندر ہو کر باہر نکل جائیںگی۔ بس اسی طرح یہ امر اتفاقی ہے کہ بچپنے میں آدمی وہی کام سیکھے جو اُس کی طبیعت کے لئے مناسب موزوں ہو جیسے والدین خود غرض نہیں ہوتے۔ اور اپنی آسائش اور آرام کا خیال اپنی اولاد کے آرام اور فائدہ کے آگے کچھ نہیں گنتے۔ اُن کی اولاد خود غرض اور آرام طلب ہوتی ہی۔ کیونکہ وہ ابتدائے عمر سے اس کی عادی ہوتی ہی کہ اُن کو آرام اور آسایش اور اُن کا مقصد و مطلب

اوروں کی تکلیف سے حاصل ہو۔ اور خود اُن کو تکلیف اٹھانی نہ پڑے۔ مگر جو ماباپ خود غرض ہوتے ہیں وہ اپنے آسایش اور چین کو اولاد کی آرام و فائدہ پر مقدم رکھتے ہیں ان کی اولاد نہایت جفاکش ہوتی ہے اور خود غرض نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود انکو آغاز عمر سے حصول مطلب کے لیے اوروں کی ناز برداری اٹھانی پڑتی ہے +

(۲) آدمی کے دل میں ملک کی محبت کنبے کی الفت کے سبب سے پیدا ہوتی ہی + مجرد آدمی اکثر بہت تند مزاج ہوتا ہے۔ جن آدمیوں کو سب طرح کا عیش و عشرت کا سامان ہوتا ہی وہ اولاد کی طرف سے اکثر بد نصیب ہوتے ہیں +

(۳) اولاد کے وجود ظاہری کے سبب ماں باپ ہوتے ہیں اور وہی ان کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں اس لیئے اولاد پر واجب ہے کہ وہ ماباپوں کا ادب لحاظ پاس و تعظیم و تکریم و محبت دل و جان سے کریں + ماباپوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے حسن خلق کا نمونہ شیریں کلامی اور فیاضی کی مثالوں سے ایسا دکھائیں جس سے ان پر اثر ہو۔ نصائح ایسی شفقت و مہربانی سے کریں کہ اُن کے دل پر یہ بات نقش ہو جائے۔ کہ ماباپوں سے زیادہ کوئی ہمارا شفیق دوست نہیں وہی ہمارے محافظ ہیں وہی ہماری خزانے ہیں وہی ہمارے رہنما ہیں وہی ہماری قبلہ گاہ ہیں جب ماباپ شکی ہوتے ہیں تو ان کی اولاد بڑی مکار ہوتی ہی +

(۴) گھر میں باپ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ کوئی بوڑھا درخت کہ وہ سب صدمات سے بچا رہتا ہے۔ اور بال بچے اس کے مثل سبز شاخوں اور پتوں کے ہوتے ہیں۔ جن کو وہ جانتا ہے کہ میں اپنے پیچھے چھوڑ جاؤنگا +

تجرّد و تاہل

(تجرد کے معنے بیاہ نہ کرنے کے اور تاہل کے معنے بیاہ کرنے کے ہیں)

کارہای نمایاں خواہ خیر کے لیئے ہوں یا شر کے لیئے ان کے کرنے میں بیوی بچوں کا ہونا

آدمی کا سدراہ ہوتا ہے سرکشی یا آزادی کے کام جو صورت عظیم میں نمودار ہوتے ہیں۔
ان کی سزا اولاد یا بیوی کو پہنچتی ہے۔ گویا کہ بیوی بچوں کا ہونا تقدیر کو اول دنیا یعنی
محکوم ہونا ہے اکثر مجرد اور بے اولاد آدمیوں نے بڑے بڑے کام رفاہ عام اور
فائدہ عوام کے لیے کئے ہیں ان کاموں کے کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو انہوں نے
جسمانی ازدواج کسی عورت سے نہیں کیا۔ مگر روحانی نکاح رفاہ عام کے ساتھ
کرکے اسمیں وہ ایسے مصروف ہوئے جیسے کوئی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہوتا ہے
صاحب اولاد اس سبب سے آئندہ زمانہ کا بڑا خیال رکھتے ہیں کہ ان کو اپنی اولاد
اس میں چھوڑنی پڑتی ہے +

بعض مجرد آدمی فقط اپنی ذات تک زمانہ کا خیال رکھتے ہیں آیندہ زمانہ کی کچھ پروا
نہیں کرتے۔ بعض ان میں سے بیوی بچوں کو یہ سمجھتے ہیں کہ خرچ کے بل (چٹھیاں) ہیں
بعض احمق طامع دولتمند فخریہ یہ کہتے ہیں کہ ہم دولتمند اسی سبب سے ہیں کہ جورو
بچے نہیں رکھتے۔ زیادہ اولاد دولت کو کم کرتی ہے۔ دو دولتمندوں میں اگر
دولت برابر ہو تو جس کی اولاد زیادہ ہوگی وہ کم دولت بہ نسبت دوسرے کے سمجھا جائیگا
اسلئے کہ اسکی اولاد کا خرچ زیادہ ہوگا۔ تجرد کو آزاد طبع آزادی کے سبب سے پسند کرتے
ہیں ان میں بعض یہاں تک آزادی پسند ہوتے ہیں کہ کمربند اور گارٹر کی بندش سے
بھی ان کی طبیعت میں بستگی پیدا ہوتی ہے۔ مجرد آدمی عمدہ دوست۔ عمدہ آقا۔
عمدہ ملازم ہوتے ہیں۔ مگر عمدہ رعیت و محکوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ اہل وعیال رکھنے کے
سبب سے ایسے سبکبار ہوتے ہیں کہ ان کے فرار کے لئے کوئی روک ہی نہیں ہوتی۔
بھگوڑے اکثر مجرد ہی ہوتے ہیں کلیسا کے خادموں کا مجرد ہی رہنا مصلحت ہے۔ ایسی حالت
میں ان سے خیر کے کام زیادہ ہو سکتے ہیں جب پانی کو تالاب بھرنا ہو تو وہ زمین کو کیا شاداب
کریگا ایسی ہی جب وہ اپنے گھر کی خیر منانے میں لگیں گے تو اور کار خیر مشکل سے کرینگے

مجسٹریٹ وجج خواہ مجرد ہوں یا نہ ہوں یکساں ہیں۔ پانچ ملازم خراب ہوں تو
چنداں خرابی نہیں ہوتی جیسی کہ ایک بیوی کے خراب ہونے سے۔ سپاہیوں کے واسطے
جرنیلوں کی اکثر نصیحتیں تاہل کے باب میں ہوتی ہیں تاہل درحقیقت انسانیت کی تعلیم و
تادیب کرتا ہے مجرد آدمی اس سبب سے کہ عیالداری کا خرچ ان کے ذمہ نہیں ہوتا ۔
فیاض ہوتے ہیں مگر کٹر اور سنگدل بڑے ہوتے ہیں کیونکہ ان سے کوئی چیز ایسی متعلق
نہیں ہوتی کہ وہ ان کی الفت اور شفقت کی متقاضی ہو۔ بیویاں جوان آدمیوں کے لئے
بمنزلہ بادشاہ کے ہوتی ہیں (حکم زوجہ یہ از حکم خدا) متوسط العمروں کے لئے دوست
مصاحب بڈھوں کے لئے اتائیں۔ تاہل اور تجرد دونو ایسے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کی
تردید اور تائید میں دلائل پیش ہوسکتی ہیں بڑی بڑی دانشمندوں نے تجرد اختیار کیا
ہے۔ تھلیز سے جب اس کی ماں نے بیاہ کرنے کے پہلی دفعہ کہا تو۔ جواب دیا کہ
میں ابھی کم عمر ہوں۔ دوسری دفعہ اس درخواست پر وہ بولا کہ میں بوڑھا ہوں ❊
ارسطو سے کسی شخص نے پوچھا تھا کہ بیاہ کرنا کیسا ہے۔ تو اس نے جواب دیا تھا کہ جو کریگا
وہ بھی پستائیگا اور جو نہ کریگا وہ بھی پستائیگا (موتی چور کے لڈو جو کھائیگا وہ بھی پستائیگا
اور جو نہ کھائیگا وہ بھی پستائیگا) بدمزاج خاوندوں کی بیویاں نیک مزاج ہوتی ہیں اسکا
شائد یہ سبب ہو کہ بدمزاج خاوندوں کی ساتھ بیاہ کرنے میں عورتوں کی نیک نامی
بڑھی ہوتی ہے اور ان کو اپنی صبر پر فخر ہوتا ہے یا وہ اپنی پسند سے برخلاف اپنے
عزیزوں کی صلاح کے بُرے خاوند کر لیتی ہیں تو اپنی اس حماقت کے چھپانے کے لئے
عقلمندی سے اُن کی ساتھ نباہ کرتی ہیں اور اپنے کئے کو بھگتی ہیں جہاں میاں بیوی
دونو بدمزاج ہوتے ہیں تو اُن پر لوگ توجہ نہیں کرتے۔ جیسے کو تیسا۔ مگر جب ایک بد
ہوتا ہے تو خیال کرتے ہیں ✦

(۴) تاہل کے باب میں یہ مقولے جو نیچے لکھے ہیں ان کو غور سے دونو میاں بیوی مطالعہ

کر کے فائدہ اُٹھائیں +

اوّل دُنیا میں گھر کی خوشی سے قربت جب حاصل ہوتی ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی خود غرض نہ ہو +

دوم دونوں ایک وقت میں ساتھ غصے نہ ہوں۔

سوم نہ خلوت میں نہ جلوت میں ایک دوسرے کے ساتھ گستاخانہ باتیں کریں۔

چہارم۔ جب تک کہ گھر میں آگ نہ لگے کبھی ایک دوسرے سے غل شور مچا مچا کے باتیں نہ کریں۔

پنجم ہر ایک کے دل میں یہ آرزو ہو کہ میں وہ کام کروں جس میں دوسری کی خوشی ہو۔

ششم ہر ایک کا یہ برتاؤ ہو کہ دوسری کی خاطر کو اپنی خاطر پر مقدم رکھے۔

ہفتم میاں بیوی میں سے جب تک ایک سے خطا کا سرزد ہونا نہ تحقیق ہولے دوسرا اُس پر الزام نہ لگائے اور جب الزام لگایا جائے تو محبت و اخلاص سے۔

ہشتم خطاءِ گزشتہ پر ایک دوسرے پر طعن و تشنیع نہ کرے۔

نہم گو ساری دُنیا کو دونو بھول جائیں مگر ایک دوسرے کو نہ بھولیں۔

دہم کبھی ایسا کام نہ کرے کہ ایک کو دوسرے سے دو دفعہ درخواست کرنی پڑے۔

یازدہم ایک دوسرے کے خرچ میں چون و چرا نہ کریں یہ پاجی پن کی بات ہی۔

دوازدہم ایک دن کے لئے بھی اگر جدا ہوں تو وقت رخصت پیار کی باتیں کریں۔

سیزدہم جب پھر آن کر ملیں تو محبت و شوق سے ملاقات کی مبارک یاد دیں۔

چہاردہم آفتاب غروب ہونے پائے کہ اپنے غصہ و رنج کو جو باہم ہو دور کریں۔

پانزدہم دونوں میں سے جو ایک خطا کرے اُس سے اقرار کر کے دوسرے سے معاف کرالے۔

شانزدہم روزانہ پیار اخلاص کی باتیں کرنی کبھی نہ بھولیں

ہفدہم گزشتہ را صلوٰۃ سمجھ کر آئندہ کے لئے بہبود کی باتیں اختیار کریں

ہشتدہم ہمیشہ یاد رکھے کہ نکاح خدا کے حکم سے ہوا ہے اُسی کے فضل و کرم سے وہ ہوگا جو ہونا چاہئے۔

نوزدہم جب تک یقین تم کو نہ ہو کہ ہم دونو جنت کی راہ پر چل رہے ہیں تب تک فائز ہوں

بستم بہشت میں داخل ہونے کی توقع کبھی کم نہ ہو۔

(۳۹) متاہل اُس گل کی مانند ہے جو آگ پر کھچ کر گلاب دیتا ہے۔ اُس کا بڑھنا جینا۔ مرنا۔ سب سہل ہیں مجرد مثل اُس گل کی ہے جو کانٹوں پر مرجھا کر رہ جاتا ہے۔ بس جیسا پھلا گل دوسرے گل سے بہتر ہوتا ہے۔ ایسا ہی متاہل مجرد سے اچھا ہوتا ہے۔

(۴۰) تاہل کے فائدے۔ تاہل میں حسانت کم ہے مگر سلامتی زیادہ ہے۔ اس میں آرام بہت زیادہ ہیں مگر خوف نہایت کم ہے۔ رنج اور خوشی دونو اس میں زیادہ ہیں وہ خوشیوں سے بھی بھرا ہوا ہے اور رنجوں سے بھی۔ اُس کا بوجھ بڑا بھاری ہے۔ مگر محبت و نیکی اس کو سنبھال کر ایسا ہلکا کر دیتی ہے کہ جس سے دل خوش ہو جاتا ہے۔ تاہل ساری دُنیا کی ماں ہے۔ وہی سلطنتوں کو قائم کرتا ہے۔ شہروں کو آباد و معمور۔ کلیسا اور بہشت کو وہی بھرتا ہے تجرد کا حال اس مکھی کا سا ہے کہ سیب کے اندر بیچو بیچ میں بیٹھی ہو۔ کہ ہمیشہ شیرینی میں رہتی ہے۔ مگر اکیلی ہے اور مقید ہے۔ اسی تنہائی میں مرجاتی ہے۔ مگر تاہل کا حال شہد کی مکھی کا سا ہے۔ کہ گھر بناتی ہے ہر پھول سے مٹھاس چوس کر جمع کرتی ہے۔ محنت کرتی ہے۔ اپنی سوسائٹی قائم کرتی ہے سلطنت کی بھی بنا جماتی ہے اپنی آبادی میں سے نقل مکان کر کے نئی بستیاں آباد کرتی ہے دنیا کو مزہ دار چیزیں کھلاتی ہے اپنے بادشاہ کی فرماں پذیر ہوتی ہے۔ انتظام رکھتی ہے اور بہت سے اور بھلے کام کرتی ہے۔ تاہل انسان کی اغراض کو بڑھاتا ہے اور اُس قانون کے موافق چلاتا ہے۔ جس کے اوپر خدا تعالیٰ نے دنیا کی بنیاد رکھی ہے۔

(۵) نیک ماں کی لڑکی سے شادی کرو۔ عقد نکاح کی گرہ کو خوب نیکی سے باندھو
آپس میں باتیں کرنے میں نہایت احتیاط یہ رکھو کہ کوئی بات ایسی نہ ہو کہ جس سے
کوئی ایک خفا ہو جائے۔ ہوا کے ذرا سے جھونکے سے کلی گر پڑتی ہے ایسے ہی ذرا
سی بے چٹنگی بات بگاڑ کرا دیتی ہے۔

(۶) تاہل کی مختلف حالتیں — تاہل بے لطف و پھیکا ہوتا ہے جن
دو میں شادی بیاہ ہو جائے مگر نہ ان میں کوئی ذہانت ہو نہ کوئی مذاق ہو بلکہ
فقط اس وجہ سے شادی ہو کہ طرفین کے ماں باپ نے دولہا دلہن کو ملکیت زمین اور نقدی
اور مقدرت میں ہم حالت دیکھ لیں اس میں دلہن کی ذاتی خوبیوں کا خیال اس سے زیادہ
نہیں ہوتا جیسا کہ جائداد زرعی کے خریدنے میں کسی مکان کے ہونے کا۔ ان سے
ایک گروہ دولت مندوں کا پیدا ہوتا ہے اور اس سے بنی نوع انسان میں ایسے
آدمیوں کی بھیڑ لگتی ہے کہ نہ جو اپنے سے کمتر کو فائدہ پہنچائیں نہ برتر کا ادب لحاظ
کریں۔ ایسا تاہل ایذا رساں ہوتا ہے۔ کہ ایسی دو آدمیوں میں یہ رشتہ ہو کہ
جن کا مذاق جلد باز اور مزاج کینہ توز ہو۔ ان کے دوست یہ جانتے ہیں کہ یہ
رشتہ مندی فقط اس لئے ہوئی ہے کہ افلاس سے بچیں جس کو سب سے زیادہ برا جانتے
تھے اور اس سے اور برائیوں کے ساتھ دولت مند بنیں یہ دو نو مجلسوں اور
صحبتوں میں کچھ رُکے رُکے گھٹے معلوم ہوتے ہیں مگر خلوت میں ان کے اندر
خوب جوتی بیزار ہوتی ہے اور ایک دوسری کی صورت و سیرت پر لعنت ملامت
کرتا ہے وہ جلوت میں برزخ کے اندر اور خلوت میں دوزخ کے اندر ہوتے ہیں۔
ایسا تاہل خوشحال ہوتا ہے کہ میاں بیوی نے خود اپنی پسند سے آپس میں یہ عقد
باندھا ہو آپس میں حسانت اور دولت کا چنداں خیال نہ کیا ہو وہ ہر حال میں
شریک رہتے ہیں راحت مصیبت میں بیماری و صحت افلاس و ثروت میں ایک دوسرے

محبت و اخلاص کرتے ہیں ✤

(۷) بعض بیاہ ایسے ہوتے ہیں کہ ابتدا میں تو بڑا سہاگ بھاگ ہوتا ہی مگر وہ صبح کی شفق کی طرح جلد جاتا رہتا ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ شادی کی وقت آپس میں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے بعد اس کے نہیں پسند کرتے۔ تم کو خدا سے ڈرنا چاہئے اور ایک دوسرے کو خوش کرنا چاہئے۔ اور یہ سمجھنا چاہئی کہ نکاح میں فقط آج ہی کا دن نہیں ہے کہ پیار میں فضولی کریں بلکہ آج کے بعد کل ہی اور کل کے بعد اور کل ہی۔ ای لڑکیو تمھارا خطاب کدبانو ہے۔ تم کو اس کی شرم ہمیشہ رکھنی چاہئے کہ جب سے خاوند کے گھر کی تم مالک بنتی ہو۔ تم پر واجب ہی کہ ایسا اعتبار پیدا کرو کہ خاوند اپنے دل کی کنجی اور گھر کا قفل تمہارے حوالہ کرے۔ اُس کے گھر کی عزت اور بھلائی تمھارے ہاتھ میں ہے۔ ای لڑکو تم بھی اچھے باپ اپنے بچوں کے ہو۔ تم وہ کام کرو کہ تمہاری بیویاں دل و جان سے تمہاری عاشق ہو جائیں انسان کے دل کا چین و آرام جیسا کہ ایک عورت کی محبت میں مخفی مقفل ہے۔ ایسا دولت عمیق خزانوں میں نہیں جب وہ اپنے گھر کے پاس آتا ہی تو اُس کی ہوا میں برکتوں اور نعمتوں کی خوشبو سونگھتا ہے ✤

(۸) تاہل سے جوش شہوت کم ہو جاتا ہے مگر اُس سے اوضاع و اطوار میں اصلاح نہیں ہوتی۔ بیاہ سے اگر خوش ہونا چاہتے ہو تو جلدی نہ کرو جو جلد شادی کرتا ہے وہ پستاتا ہے۔ بیوی کو خوب سوچ بچار کر کرو۔ اُس کا حال ایسا ہی جیسا کہ لڑائی میں خدع و حکمت عملی کا کہ اگر اُس میں ایک دفعہ چوک گئی تو پھر کچھ نہیں ہوتا اُسی پر تمھاری آئندہ زندگی کی ساری خوشیوں کا مدار ہے۔ اُس کی خو بو عادت مزاج کو خوب دریافت کرلو اور اُس کے ماں باپوں کے جواتی کے مزاج کو تحقیق کرلو۔ اگر وہ فیاض طبع ہوں تو مفلس نہ ہونے چاہئی۔ کیونکہ بازار میں کوئی چیز بے قیمت دیئے فقط فیاض طبعی سے نہیں

مل سکتی۔ کسی بدمزاج یا کج طبع سے خواہ وہ کیسی ہی حسینہ ہو نکاح نہ کرو۔ اور نہ کسی بدشکل عورت سے شادی کرو۔ گو وہ دولت مند ہو۔ اُس سے ذلیل ہو جاؤ گے۔ ایک مصیبت تم پر پڑے گی کبھی کسی بوتی نہ کسی احمق عورت سے شادی کرو۔ اسواسطے کہ اُس سے بونوں اور احمقوں کی نسل بڑھیگی۔ بیوی حماقت کریگی اور ذلت تم کو ہو گی یہ بھی ایک گالی ہے کہ کوئی کہے کہ بیوی تمہاری احمق ہے +

بیاہ کرنا بھی لوٹری میں چٹھی ڈالنا ہے کہ جب چالیس چٹھیاں خالی نکلتی ہیں تو ایک چٹھی مال کی نکلتی ہے۔ اسی طرح صدہا بیاہوں میں ایک میں یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی کا سنجوگ ایسا ہو کہ سہاگ بھاگ خوب ہو۔ جو آدمی اپنے مزاج کو بس میں کر سکتا ہے وہ بیوی کو بھی اپنے اختیار میں لا سکتا ہے +

بیاہ سے اگر خوش ہونا چاہتے ہو تو اُس عورت سے بیاہ کرو۔ جو ہمعمر اور ہم حالت حسب نسب و دولت میں ہو۔ تاہل انسان کی زندگانی کا فردوس ہے۔ دُنیا کو اُس کی خوشیاں جنت بنا دیتی ہیں اس کے لڑائی جھگڑے ایسے رنج پہنچاتے ہیں کہ وہ دُنیا کو جہنم بنا دیتے ہیں جو لوگ برزخ کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ تاہل میں سوائے جنت اور جہنم کے کوئی تیسرا مقام نہیں تم فقط یہی خیال نہ کرو کہ بیوی خوب ملتی ہے نکاح کرلو۔ بلکہ اس سے زیادہ تر یہ سوچو کہ ہمارے لئے شادی کرنے کا وقت بھی آیا یا نہیں +

(۹) بیوی بچے انسان کو اس محنت و مشقت پر مجبور کرتے ہیں جس کے قابل وہ نہیں ہوتا جب وہ محنت کرتے کرتے مایوس ہو جاتا ہے تو وہی پھر اُس کو ایسا اکساتے ہیں کہ کیا وہ نامردوں کی طرح کونے میں پڑا ہوا تھا کیا پھر بہادرانہ لڑنے لگا +

غرض آدمی کو جتنا افلاس سہارا دیتا ہے اتنا وہ کُنبے کو سہارا نہیں دیتا +

(۱۰) تاہل کی جواب دہی تاہل بڑی جواب دہی اور ذمہ داری کا

مقدس کام ہے - ایک چھوٹی سی کشتی میں دو جانیں بیٹھ کر عمر رواں کے بحر متواج کے تلاطم میں رواں ہوتی ہیں ان کا مددگار سوا ان کی اپنی ذات کے کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی نازک کشتی آیندہ خود انہیں کے کنارہ سے ہم کنار ہوتی ہے۔ کوئی اُن کی رنج و خوشی کا شریک نہیں ہوتا۔ بیوی کی ساری خوشیاں خاوند سے پیدا ہوتی ہیں جن کا جاننا اس کو ضرور ہے۔ وہی ایک شخص ہے جس کو خوش کرنے کے لئے اُس کو سو جتن کرنے پڑتے ہیں باقی اور آدمی تو ایسے ہیں جیسے کہ دیوار پر سائے جھک رہی ہیں خاوند پر بیوی کے یہ حقوق ہیں کہ جو عقد بندھا ہے اور اس میں عہد ہوا ہے اُسے پورا کرے۔ ہر حال میں اُس کا شریک اور ہمدرد رہے۔ بیوی کی خطاؤں کو رحم و شفقت کی نظر سے دیکھے۔ اُس کی اطاعت کے حق کا عوض دے۔ وہی مبارک شادی ہے جس میں یہ سب باتیں ہوں +

(۱۱) ہم نیچے تاہل کی دلائل ایسی لکھتے ہیں کہ چند الفاظ کے بدلنے سے وہ اُس کے رد کی دلائل ہو جاتی ہیں

اول اگر اوقات بسر کرنے کی اسباب تمہارے پاس ہیں تو تم کو تاہل سے ایک ایسا شخص ملجائیگا کہ وہ اُن کی حفاظت کریگا اور اُن کو بڑھائیگا -

دوم اگر یہ سب اسباب موجود نہیں ہیں تو تاہل سے ایسا شخص ملیگا جو تمہاری تائید اُن کے پیدا کرنے میں کریگا -

سوم اگر تم خوش حال ہو تو تاہل سے تمہاری خوشی دوچند ہو جائیگی -

چہارم اگر تم مصیبت زدہ ہو تو تاہل سے تم کو ایسا شخص ملے گا کہ وہ تمہاری رنج کو بٹائیگا اور تسلی اور تشفی دیگا -

پنجم جب تم گھر کے اندر ہوگے تو بیوی رنج کو گھر سے باہر نکال دیگی -

ششم جب تم گھر سے باہر ہوگے تو بیوی شوق کے ساتھ تمہاری منتظر رہیگی اور

آنے پر تمھیں مبارک باد دیگی ۔
ہفتم انسان کو کوئی خوشی بغیر سوسائٹی کے نہیں حاصل ہوسکتی اور سوسائٹی کوئی بہتر اہل و عیال سی نہیں ہوسکتی ۔
ہشتم ازدواج کی محبت نہایت سخت ہوتی ہے ۔
نہم یہ ازدواج ہی ہے جس سے کنبا بڑھتا ہے ۔ بھائی بہن بھتیجے بھانجے زیادہ ہوتے ہیں والدین کی تعداد دوچند ہوتی ہے ۔
دہم اُس سے تم اچھی اولاد کے باپ بنتے ہو ۔
یازدہم حضرت سلیمان خاندان کے بانجھ ہونے پر لعنت کرتے ہیں اور تجرد کی حالت پر اس سی زیادہ + اب ہمیں دلائل کو برعکس یوں بناتے ہیں
اول اگر اوقات بسر کرنے کے اسباب تمھارے پاس موجود ہیں تو تاہل سی ایک شخص اُن کا خرچ کرنے والا پیدا ہوگا ۔
دوم اگر نہیں ہیں تو وہ شخص اور افلاس بڑھائیگا ۔
سوم اگر تم خوش حال ہو تو تاہل سے یہ حالت جاتی رہیگی ۔
چہارم اگر تم مصیبت کی حالت میں ہو تو حضرت ایوب کی بیوی کی طرح تمہاری مصیبت کو بیوی بڑھا دیگی ۔ بہت سی آفتیں اُس کی تمھاری جان کو عذاب میں ڈالیں گی ۔ تمہاری سر پر ایسا بوجھ بھاری رکھ دیگی کہ تم سے نہیں اُٹھ سکے گا ۔
پنجم جب تم گھر میں ہوگے تو بیوی تم سے ایسا لڑیگی کہ گھر سے باہر نکال دیگی ۔
ششم اگر تم باہر ہوگے تو یہ عقلمندی ہی کہ تم باہر ہی ہو ورنہ جب اندر جاؤگے تو بیوی تیوری میں بل ڈالیگی ۔
ہفتم خلوت سی قناعت ہوتی ہی اور تجرد سی بہتر کوئی خلوت نہیں ۔
ہشتم ازدواج کی بندش ایسی سخت ہوتی ہی کہ وہ کسی طرح کھلتی نہیں آخر کو تباہ کر دیتی ہی

نہم۔ کُنبے کی افزائش بھی کم ہو جائیگی۔
دہم۔ بی عصمت بیوی ایسے بچے جنے گی جو تیرے نہیں ہونگے۔
یازدہم۔ سنٹ پال تجرد کو تاہل پر ترجیح دیتا ہے۔
غرض خواہ حکما کے مقولوں کو دیکھو یا شعرا کے اشعار پر غور و تامل کرو دونو تجرد و تاہل میں سے ہر ایک کے موافق و مخالف دلائل پاؤ گے۔
(۱۲) بعض آدمی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد شادی کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے جو نہیں کرتے اُسکے دو سبب ہوتے ہیں اول یہ کہ پہلی بیوی سے اُن کو اُنس ایسا ہوتا ہے کہ وہ اُسکے مرنے کے رنج سے شادی نہیں کرتے ہیں یا وہ پہلی بیوی کے ہاتھ سے دق ایسے ہوتے ہیں کہ اُس کے مرنے کے بعد تاہل سے توبہ کرتے ہیں جو شادی کرتے ہیں اُس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ تاہل میں چین اور آرام پہلی بیوی کے سبب سے ایسا پاتے ہیں کہ بغیر اس کے خوش نہیں رہ سکتے۔
(۱۳) اچھا خاوند وفادار ایسا ہوتا ہے جیسا کہ گڈریہ کا کُتّا۔ پیار ایسا ہوتا ہے جیسا کہ بچّہ ماباپوں کو۔ محسن ایسا جیسا کہ چشمہ تشنہ لب مسافروں کو +
اچھی بیوی خاوند کا داہنا ہاتھ ہوتی ہے اُس کا مرنا خاوند کو ایسی تکلیف دیتا ہے جیسا کہ دہنے ہاتھ کا سوکھ جانا یا کمر کا ٹوٹ جانا کہ پھر اُٹھا ہی نہ جای۔

حسد

(۱) محبت اور حسد دونو دل پر جادو کا اثر کرتے ہیں جہاں کوئی شی محبوب اور محسود نظر کے سامنے آئی۔ اُس کا اثر تصور میں ہوا اور ظاہر میں بھی وہ نمودار ہوا بعض تو زخم چشم اور نظر بد یا نظر لگنے ہی کو کہتے ہیں کہ وہ چشم حسد ہوتی ہے کہ محسود کی شان و شکوہ کو دیکھ کر اُس کو گزند پہنچاتی ہی۔ غرض یہ تحقیق گو بیفائدہ نہ ہو مگر اس میں پڑنا خالی از دقت نہیں اس لئے ہم اُس کو چھوڑکر یہ تین باتیں بیان

بیان کرتے ہیں کہ اول کون لوگ حاسد ہوتے ہیں یعنے جو حسد کرتے ہیں۔ دوم وہ کون سے آدمی ہوتے ہیں جو محسود ہوتے ہیں یعنے جن پر حسد ہوتا ہے۔ سوم حسد شخصی اور حسد اجتماعی میں کیا فرق ہے۔ اول بات کا بیان جو شخص خود نیکی و خوبی سے خالی ہوتا ہے یعنے بد آدمی ہوتا ہے وہ حسد کرتا ہے۔ انسان کی روح کی غذا کیا اپنی نیکی یا دوسرے کی برائی ہوتی ہے۔ جب اس میں پہلی موجود نہیں ہوتی تو دوسرے سے وہ اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ جس شخص کو یہ امید نہیں ہوتی کہ میں دوسرے کی خوبی اور نیکی اپنے میں پیدا کرلوں گا۔ تو وہ اُن کو گھٹا کے دوسرے کی ساتھ اپنی مساوات پیدا کرلیتا ہے۔ دوم وہ شخص حاسد ہوتا ہے جو اوروں کے حال کی تجسس اور تفحص کے درپے رہتا ہے اور خود بڑا کارکن ہوتا ہے اور آدمیوں کے حال سے زیادہ واقفیت چاہتی اس سبب سے نہیں ہوتی کہ وہ کچھ اس کی دولت جائداد کے معاملات سے تعلق رکھتی ہے بلکہ اس سے خوشی اُس کو ایسی حاصل ہوتی ہے جیسے سانگوں کے دیکھنے میں جو شخص کہ اپنے کاموں میں سرتا پا مصروف رہتا ہے اور دوسرے کے کام سے کچھ غرض نہیں رکھتا۔ اُس کے لئے حسد کا سامان کوئی نہیں ہوتا۔ ہاں جو شخص اوروں کے حال کا تجسس کرتا ہے اس کو واسطے حسد کے اسباب موجود ہوتے ہیں حسد تو کوچہ و بازار میں ہرزہ گردی کرتی پھرتی ہے اس کا کوئی گھر مقرر نہیں ہے اس لئے جو آوارہ گرد ہوتا ہے اس سے وہ ملتا ہے۔ سوم اشراف ان آدمیوں سے ہمیشہ حسد کرتے ہیں جو ادنے درجہ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچتے ہیں وہ نظر کی طرح دھوکہ کھاتے ہیں۔ کہ اوروں کے آگے بڑھنے کو اپنا پیچھے ہٹنا سمجھتے ہیں * اور جانتے ہیں کہ ان کے مراتب میں جو بعد و فصل تھا وہ گھٹ گیا۔

چہارم بدصورت خواجہ سرا بوڑھے حرام زادے حاسد ہوتے ہیں اس لئے کہ جو شخص اپنا عیب کسی طرح دور نہیں کرسکتا وہ دوسروں کو عیب لگا کر اپنے برابر

کرنا چاہتا ہے مگر یہ عیب اگر کسی بڑی بہادر شجاع جوانمرد میں ہوتی ہیں تو وہ ان عیبوں کو
اپنے کارہائے نمایاں سے اعجاز بنا دیتا ہے۔ اور وہ اس کی عزت و عظمت کے جزو اعظم
ہو جاتے ہیں جیسے تیمور گورکاں کا لنگ۔ پنجم وہ لوگ کہ جن کو زمانے نے دھکا دیکے نیچے گرایا
تھا۔ مگر پھر وہ سنبھل کر اٹھے۔ مصائب و ذلت اور آفات سے نکلے۔ اس لئے وہ اوروں کو
بھی چاہتے ہیں کہ ذلت و خواری میں پڑیں کہ جس سے ان کو پہلی اپنی بے عزتی سے نجات ہو
ششم وہ لوگ بھی حاسد ہوتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ ہم بہت سے ہنروں میں صاحب کمال
ہوں مشکل ہے کہ ایک شخص متعدد ہنروں میں کمال رکھے ضرور ہے کہ کسی نہ کسی ہنر میں اور لوگ
اس سے زیادہ تر کامل ہوں پس وہ انسان سے حسد کرتا ہے۔ شہنشاہ اندریں میں یہ بیہودگی تھی
کہ وہ شاعری مصوری۔ کاریگری میں یہ چاہتا تھا کہ میں ان سب کاموں میں اوروں سے
سبقت لیجاؤں۔ اس لئے اس کی عادت یہ تھی کہ وہ شاعروں مصوروں۔ کاریگروں سے
حسد کرتا تھا۔ ہفتم رشتہ داروں اور ہم پیشوں اور ہم سبقوں میں زیادہ حاسدت ہوتی
ہے۔ جب ان ہمسروں میں کوئی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ تو اس پر باقی حسد کرنے پر تیار
ہو جاتے ہیں اسے دیکھ دیکھ کر ان کو اپنی بدنصیبی یاد آتی ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اس کی
برتری سے ہماری کمتری لوگوں کے نزدیک عیاں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے نصیبے کو روتے
ہیں اور اسے دیکھ کر جلتے ہیں اور اس کی شہرت اور ناموری سے ان کی حسد اور بھی دوچند
ہو جاتی ہے۔ قابیل کی حسد اپنے بھائی ہابیل کے ساتھ پرلے درجہ کی کمینگی اور ریا جی پنے
کی تھی کیونکہ جب ہابیل کی قربانی اچھی طرح قبول ہوئی تھی تو وہاں کوئی اور دیکھنے والا
تھا اب ہم ان آدمیوں کا ذکر کرتے ہیں جو محسود ہوتے ہیں یعنی جن پر حسد ہوتا ہے
اول رذیل آدمی جو اول ہی اول معزز و نودولت ہوتے ہیں ابتدا میں ان پر حسد کا
بڑا زور ہوتا ہے مگر یہ کم ہو جاتا ہے۔
دوم لائق و قابل آدمی جن کی اقبال مندی اور برتری پر مدت دراز گزر جاتی ہے

تو وہ زیادہ محسود ہو جاتے ہیں اسواسطے کہ گو ان کی خوبیاں بدستور رہتی ہیں
مگر اس مدت دراز میں اُن کے نئے حریف و رقیب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جو اِن کے
اقبال و دولت کے سورج کو زوال کا گرہن لگانا چاہتے ہیں جو محسود کم ہوتے ہیں
یہ ہیں۔ اول بادشاہ عالیوں کے مقابلہ کرنے سے حسد پیدا ہوتا ہے جہاں مقابلہ
میں کوئی نہیں ہوتا وہاں حسد نہیں ہوتا۔ پس بادشاہوں کے مقابل بادشاہ ہی ہوتے
ہیں اس لئے بادشاہ پر حسد بادشاہوں کو ہوتا ہے۔ کسی دوسری کو نہیں ہوتا۔
دوم وہ لوگ جو اپنی نیک فعالی کے سبب سے اعلیٰ درجہ پر پہنچتے ہیں اُن پر لوگوں کو
حسد اس سبب سے کم ہوتا ہے کہ وہ اس بزرگی و عزت کا مستحق اُن کو جانتے ہیں کسی شخص
کو ادای قرض پر حسد نہیں ہوتا بلکہ انعام و عطیات پر۔
سوم۔ خاندانی شریف عالی نسب آدمیوں کا عروج ہوتا ہے تو اُن کی اقبالمندی پر
لوگ کم حسد کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ ابھی کچھ بڑھے نہیں پہلے سے بڑھی ہوئی ہیں حسد کا
حال دھوپ کا سا ہے کہ وہ پشتوں اور ناہموار زمینوں پر زیادہ گرم ہوتی ہے۔ اور ہموار زمین
پر کم۔ ایسی ہی جن آدمیوں کی بہ تدریج ترقی ہوتی ہے۔ اُن پر بہ نسبت اُن لوگوں کے جو
دفعۃً بڑھ جاتے ہیں حسد کم ہوتی ہے۔
چہارم۔ جن لوگوں کو بڑی جانکاہی اور دور دراز کے سفروں کی مصیبت اُٹھانے
سے اور جان جوکھوں کے کام کرنے سے عزت و بزرگی حاصل ہوتی ہے اُن پر لوگ کم حسد
کرتے ہیں بلکہ اُن کی جفاکشی اور سختیاں اُٹھانے پر رحم کرتے ہیں۔ یہ رحم حسد
کی تیزی کو کند کر دیتا ہے۔ اسی لئے مدبران ملکی جو بیدار مغز و ہوشیار اور سنجیدہ متین
ہوتے ہیں وہ اپنی مصائب و آفات کا حال اپنی جاہ و منصب حاصل کرنے میں بہت
ظاہر کیا کرتے ہیں تاکہ لوگ اُن سے حسد کم کریں اور اُن کے حال پر رحم کریں۔
یاد رکھو کہ جو لوگ اپنی فراخ دلی اور آزادی سے بزرگی کو ظاہر کرتے ہیں اُن پر حسد

ایسا نہیں ہوتا جیسا اُن لوگوں پر جو اپنی برتری کو مکر فریب دغا کے لباس میں دکھاتی ہیں اس طرح دکھانا ثابت کرتا ہے کہ وہ خود اپنی کم لیاقتی سے آگاہ ہیں جو دغا سے لیاقت کو کستے ہیں اُن آدمیوں کے بڑے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں جو اپنی بزرگی اور برتری کو مغرورانہ دکھاتے ہیں اور اُن کے دل کو چین نہیں آتا۔ جب تک اپنی عظمت کی نمائش ظاہری سامان سے یا اپنے حریفوں پر فتح پانے سے وہ نہ دکھائیں حقیقت میں لوگوں کو حسد کرنا وہ سکھاتے ہیں برخلاف اس کے ان لوگوں کے حاسد بہت کم ہوتے ہیں جو اپنے چھوٹوں کے ساتھ مدارات اور تواضع سے پیش آتے ہیں اور اپنے ماتحت افسروں کو استحقاق میں فرق نہیں آنے دیتے اور اُن کی بزرگی کو مانتے ہیں سیدھی سادی وضع رکھتے ہیں کوئی ظاہری نمائش و نمود مکان میں اسباب میں پوشاک میں خوراک میں نہیں رکھتے جو لوگوں کے دلوں میں حسد کا اشتعال کریں۔

اب تک ہم نے شخصی حسد کا بیان کیا یعنے جو ایک شخص میں ہو اب ہم اجتماعی کا بیان کرتے ہیں یعنے جو پبلک میں ہو۔ شخصی حسد میں کوئی خوبی نہیں مگر اجتماعی حسد میں بعض خوبیاں ہوتی ہیں جب کوئی آدمی اعلیٰ درجہ پر سرافراز و ممتاز ہوتا ہے تو اُس سے عوام کی ناراضی یعنے حسد اُس کی حد اعتدال سے پاؤں باہر نکالنے کو لئے ایک شکنجہ ہوتی ہے اور شہر بدر ہونے کا خوف دلاتی ہے اور ناجائز قوت حاصل کرنے سے روکتی ہے ریاستوں اور سلطنتوں میں حسد کا حال مرض متعدی و وبائی کا سا ہوتا ہے جو اُس سے ڈرتا ہے اُسی کے پیچھے وہ زیادہ پڑتا ہے۔ بھلے چنگے آدمیوں میں وہ متعدی ہوتا ہے بس یہی حال سلطنتوں اور ریاستوں میں حسد کے پھیلنے کا ہے کہ اُن کے اچھے کاموں کو بھی بدنام کرتی ہے اور بھلے کاموں کی بھی بری صورت بنا دیتی ہے اور جو لوگ حسد سے ڈرتے ہیں انھیں پر وہ زیادہ اثر کرتی ہے عوام کی حسد زیادہ تر ارکان شاہی پر ہوتی ہے۔ کچھ بادشاہ سلطنت

نہیں لیکن اگر کل ارکان شاہی سے حسد ہو تو گویا وہ سلطنت سے ہی حسد ہوتی ہے۔ تمام برائیوں میں سب سے بدتر حسد ہے۔ اس کی برابر کوئی پاجی و کمینہ برائی نہیں وہ ایک شرارت شیطانی ہے۔ جو اندھیرے میں اپنا کام اندر ہی اندر چھپ کے کرتی ہی اور رات کو کھیوں میں موثر ہوتی ہے جتنی بھلائیاں ہیں اُن کی ساتھ برائیاں کرتی ہی۔ موت کے سوا حسد کا کوئی علاج نہیں +

(۲۰) حسد درحقیقت خود پرستی ہے خود پرستی یوں تو بہت سے گناہوں کی صورتیں بدل لیتی ہی۔ مگر جن کو وہ خود پیدا کرتی ہے ان میں سے حسد بھی ایک ہی جس کو رنج اور نفرت سے مرکب کرکے بناتی ہی۔ وہ دل کی کیفیت ایسی کردیتی ہی کہ دوسرے کی خوشحالی اُس پر صدمہ پہنچاتی ہی۔ اور دوں کی خستہ حالی اور آفت زدگی اُس کو چین و آرام دیتی ہی۔ انسان کی ہوا و نفسانی میں سب سے زیادہ بڑی حسد ہے غضب ظالم ہوتا ہے۔ غصہ قہر ہی مگر حسد وہ بدبلا ہے کہ اُس کے سامنے کوئی نہیں کھڑا رہ سکتا۔ کوئی پناہ گاہ اُسے بچا نہیں سکتی۔ کوئی قوت اُس کے حملوں کو دفع نہیں کرسکتی۔ جیسا لوہے کو زنگ برباد کرتا ہے ایسا ہی حسد دل کو +

حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں کہ حسد ہڈیوں کو بوسیدہ کرتی ہے + جانئ صاحب کہتے ہیں کہ انسان اس سبب سے کہ مدنی الطبع ہے اس کے لئے کوئی چیز حسد سے زیادہ غیر مناسب نہیں ہوسکتی وہ ذراسی ترغیب پر صداقت اور محبت سے مُنہ پھیر لیتی ہی۔ اب تک نہ اولیا کو اور نہ ہجو کرنے والوں کو ایسا اوزار ملا ہے۔ نہ کوئی حکمت اور ہنر ایسا دریافت ہوا ہے کہ اُس سے اس موذی دیو کا سر کچلا جاتا۔ انسان کی طبیعت کا مقتضا یہ ہے کہ وہ شرارت کی طرف رغبت کرتا ہی جسمانی اور روحانی فائدے۔ عالی نسبی۔ نام و ناموری ایسی چیزیں ہیں جن کی انسان بالطبع دل سے تمنا رکھتا ہی۔ وہ جب غیروں کو ملتی ہیں تو دلوں کی قدرتی خباثت زور کرتی ہے اور اس سے حسد پیدا ہوتا ہے +

(۳) جو انسان یہ چاہتا ہے کہ میں ممتاز او سرافراز بھی ہمسروں میں ہوں اور چین اور آرام بھی کروں تو یہ دو نو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ عیش و عشرت بے محنت مل نہیں سکتا۔ بس جو شہرت اور ناموری کی نردبان پر عروج کرنا چاہتا ہے مگر چڑھنے کی تکلیف کو گوارا نہیں کرتا وہ بُری نظر سے ان لوگوں کو دیکھتا ہی کہ جو اپنی فراست ذکاوت۔ مستعدی و نیروی بازو۔ محنت۔ صبر و استقلال سے بزرگی اور برتری حاصل کرتے ہیں بس یہ سستی اور کاہلی اسکے دل میں حسد پیدا کرکے دل اُس کا جلاتی ہے۔ مال و دولت کی طمع و حرص بھی بعض وقت حسد کا سبب ہوتی ہی۔ زرپرست جب دوسرے شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ دولت کے جمع کرنے میں اپنے تمام منصوبوں اور تدابیر میں کامیاب ہوتا ہے مگر میری قسمت ایسی بُری ہے کہ مجھے ذلت و خواری کی حالت میں رکھتی ہے اور ہر طرح سے ناکام و نامراد کرتی ہی اس لئے وہ اس شخص سے حسد کرکے جلنے لگتا ہے یہ نہیں جانتا کہ تجارت ہزاروں پہلو رکھتی ہے۔ کسی کو کوئی پہلو دکھاتی ہی۔ کسی کو کوئی +

حسد کا سبب خواہ کچھ ہی ہو اس سے سوائے رنج اور تکلیف کے کچھ اور نہیں حاصل ہوتا۔ اسکے اجزا مقوم نامرادی اور بدخواہی ایسے ہیں جنسے زیادہ انسان کی بدحالی کی واسطے کسی اور اجزا کی معجون نہیں بن سکتی۔ حاسد اپنے تئیں ضرر پہنچاتا ہے۔ حسد کرنا ایک زہریلے سانپ کا کھلاتا اور پالنا ہے جو پالنے والے ہی کے دل پر ڈنک مارتا ہے اوروں کی خوشحالی دیکھکر جلنا۔ یہ ایک اور اضافہ حاسد کی ذاتی مصائب پر ہو جاتا ہے +

ایک ظریف نے جب ایک شخص کو افسردہ خاطر دیکھا تو اس سے پوچھا کہ کیا آج تم پر خود کوئی آفت پڑ گئی ہی۔ یا تم نے کسی اور کی حالت اچھی دیکھی ہی جو تم پر یہ افسردگی چھائی ہے حسد شرارت کی کلیں بناکر بڑے ظلم و جور و جفا کے کام برپا کرتی ہے ایک جو اس نے شرارت کے کام کئے ہیں وہ اتنے ہیں کہ اگر ان کو لکھیں تو پڑھنے والے تھک جائیں اس کا آغاز جب سی ہے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ حسد نے ہی اول انسان کے خون سے

زمین کو تر کیا۔ معلوم نہیں وہ کتنے قتل آدمی کراتی ہے۔ اگر حسد اپنے کانٹے دل میں نہیں چبھوتی۔ تو وہ اپنے زہریلے اثر دوسری طرح سے پہلاتی ہے نتیجہ میں اُس کے زہر کا کوئی تریاق نہیں حکمت و فلسفہ اُس کو پکڑتا ہے مگر مار نہیں سکتا۔ سوائے اس کے کوئی علاج اس کا نہیں کہ آدمی خدا سے گڑگڑا کر دُعا مانگے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس بلا کو میرے پیچھے نہ لگائے

(۴) ہر گناہ میں کچھ لذت اور خوشی ہوتی ہے۔ اُس کے کرنے کے لئے آدمی عذر بھی کر سکتا ہے۔ مگر حسد میں یہ دونوں باتیں نہیں جب کسی کو منظور ہو۔ کہ ہم یہیں دُنیا میں پہلے سے جہنم کے مزے چکھیں تو وہ حسد کرنا اختیار کرلے۔ خوبیوں کے دیکھنے میں وہ اندھی ہے مگر برائیوں کے دیکھنے میں اس کی سو آنکھیں ہیں اُس کو سوای عیبوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ حسد سے زیادہ کیا بُرائی ہوگی کہ وہ خدا سے لڑنا چاہتی ہے مگر اُس کا جاہ و جلال کب اُس کو پاس آنے دیتا ہے اس لئے وہ ان آدمیوں سے لڑنے لگتی ہے جن پر وہ فضل و کرم کرتا ہے اور جن کو دولت و جاہ مرحمت کرتا ہے۔ دل میں حسد کا ہوتا ایسا ہے جیسے کہ چھاتی پر ہزاروں زہریلے کالے سانپ بیٹھے پھنکارتے ہوں اور چھاتی ہی کو کھاتے ہوں حسد لیاقت و قابلیت کا سایہ ہے جو اُس کے پیچھے پیچھے لگا پھرتا ہے +

قاعدہ ہے جیسی اصل ہوتی ہے ویسا سایہ ہوتا ہے۔ پس محسود کی لیاقت و قابلیت کے موافق حاسد کی حسد چھوٹی بڑی ہوتی ہے۔ حسد سے بعض دفعہ آدمی ایسے خائف ہوتے ہیں کہ وہ اپنے تئیں برتر اور اعلیٰ درجہ کا بنانا گناہ کی برابر سمجھنے لگتے ہیں اچھے کام کرنے میں حسد کی طرف سے خوف لگا رہتا ہے حسد کمینگی اور پاجی پنے سے پیدا ہوتی ہے وہ یہ چاہتی ہے کہ نیکی کا زور گھٹے خوشی کا پیمانہ خالی ہو۔ وہ تو خوشحالی کو دیکھ کر بدحال اور تندرستی دیکھ کر بیمار ہوتی ہے۔ جب برائی سے خوش ہونے والی حسد کے پر جھوٹ کے لگ جاتے ہیں تو وہ اُڑ کر بری بری خبریں خوب اُڑاتی پھرتی ہے تم حسد سے بھاگتے رہو یہ ایسی بُرائی ہے کہ ہمیشہ تمہاری بدی بتلاتی ہے وہ اُسی میں رہتی ہے دولت کے

پیچھے بڑے شوق سے بستی ہے - خواری ہی اُس کی خوراک ہے - خانہ گیری میں وہ بڑی شوخ و بیباک ہے +

(۵) جیسے گھاس پوس ہر سرزمین اور ملک میں خواہ اس کی آب و ہوا کچھ ہی ہو سرسبز و شاداب ہوتے ہیں ایسی ہی حسد سب جگہ خواہ گائوں ہو یا بادشاہی دربار ہو موجود ہے وہ تمول و افلاس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہر درجہ و مرتبہ کے آدمیوں کے دلوں میں وہ جوش و خروش کرتی ہے رنگیلی اور بھڑکیلی پوشاک میں وہی اپنے رنگ دکھاتی ہے جو افلاس کے پھٹے پرانے گدڑ گودڑ کے لباس میں طالب العلموں اور معلموں گنواروں بادشاہ کے مقربِ درباریوں میں ایک ہی سی حقارت اپنے ہمسروں اور ہمسایہ کی کراتی ہے اور خدا سے سرکش بناتی ہے - اس لئے سب کو چاہئے کہ بہت احتیاط و نگہداشت کر کے اس کو اپنا گھر دل میں بنا کے آباد نہ ہو جائے۔ اُس کے باہر رکھنے کی تدبیریں کرتے رہیں۔

(۶) حسد غرور کی ماں ہے قتل کی بانی۔ روح کے لئے بڑی میلی کچیلی کیچڑ۔ تازہ گوشت کے اور ہڈیوں کے گودے سکھانے کے واسطے سنکھیا۔ ہمسایہ کے موٹے ہونے سے دُبلی ہونی والی۔ حاسد سب سے حسد کرتا ہے مگر کوئی اُس سے حسد نہیں کرتا۔ اُس کی کچھ طبیعت میں غرور حاسدانہ ہوتا ہے۔ اُس کو یہ برداشت ہی نہیں ہوتی کہ سوا اپنے کسی دوسرے کی اچھی حالت دیکھ سکے۔ جب وہ کسی کی سچی تعریف سُنتا ہے تو اُس میں ناحق چون و چرا کرتا ہے اور جب نیکیاں کسی کی ایسی نمایاں ہوتی ہیں کہ ان میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا تو وہ اپنی اگر مگر لگا کے اُن میں ایسی بُرائیاں بتلاتا ہے جو اُن کی شان کو بٹا لگاتی ہیں اور اگر زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تو خاموشی ایسے انداز سے اختیار کرتا ہے کہ جس سے اُن میں شبہ پڑ جائے +

(۷) جو آدمی تم کو اپنے سے برتر نظر آتے ہیں اور اُن کے خطاب و القاب بڑی دھوم دھام سے اُن کے نام کے ساتھ لگائے جاتے ہیں مکانات عالیشان اور باغ فردوس آئین

رکھتے ہیں اُن کی سونے چاندی کی سواریاں چھم چھم کرتی ہیں اُن پر حسد نہ کرو۔ اُنکا یہ سارا سامان کیا ہی؟ وہ سوا مالکوں کی آنکھوں کے سب کی آنکھوں کو چکا چوند لگاتا ہے جس شخص کو اُن کے دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے اس کی نظر میں ان کی کچھ قیمت نہیں ہوتی۔ انسان اُن کو جانتا ہے اور قابل التفات نہیں سمجھتا۔ یہ سارا خانمان عمدہ و عالی شان اُس کی نزدیک ایسا ہی سادہ ہی جیسے کہ کسی غریب آدمی کا سامان خانہ ہوتا ہے جیسے غریب اپنے جھونپڑے میں جاتا ہی۔ امیر اپنے محل میں داخل ہوتا ہے۔ اپنے سامان کی عظمت شان اُس کے دھیان میں بھی نہیں آتی۔ جن تصاویر بیش بہا اور اسباب خوش نما پر سے تم اپنی آنکھ اُٹھانی نہیں چاہتے۔ وہ انہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ تم یہ خوب سمجھ لو کہ چیزوں میں خواہ کیسی ندرت اور حیرت ہو۔ مگر روزمرہ دیکھنے سے نہ حیرت دلاتی ہیں نہ تعجب اس عالم کو دیکھو کہ اس میں آفتاب عالم تاب کیا شان کبریائی اپنی دکھاتا ہے۔ آسمان پر کیا کیا تعجب خیز چیزیں ہیں۔ عادت نے ایسی مساوات کردی ہے کہ ہم ان کو کبھی دیکھتے بھی نہیں۔ تعجب و حیرت تو کیا کریں بس جب کل عالم کا یہ حال ہو تو اُس کے آگے کسی بڑی آدمی کے خانمان کی کیا بساط ہی +

غرض یہ بڑی غلطی ہی کہ ہم بڑے آدمیوں اور دولت مندوں کی خوشی پر حسد کریں۔ ہم نہیں جانتے ہیں کہ اُن کے دل کے اندر ایک گھن لگا ہوا ہی جو اُن کے دل کی خوشی کو کھائے جاتا ہی وہ حقیقت میں ہم سے زیادہ مصیبت زدہ ہیں +

(۸) جو شخص پہاڑوں کی چوٹی پر چڑھتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اُن کی بلند چوٹیاں بادلوں اور برف سے گھری ہوئی ہیں ایسے ہی جو شخص کہ اور آدمیوں سے درجہ و رتبہ میں بلند ہو جاتا ہے یا ان کو محکوم بنا لیتا ہے وہ اپنے تئیں نیچے کے درجہ کے آدمیوں کی حسد سے گھرا ہوا دیکھتا ہے۔ اگرچہ اوپر آفتاب باشان و شکوہ بہت دُور چمکتا ہی۔ اور نیچے بہت دُور زمین اور سمندر بچھا ہوا ہے۔ مگر اس کے ننگے سر کے گرد برفی

پہاڑیاں اور ہوا کے سخت طوفان برپا ہیں +

(۹) دوسرے کی آسایش و آرام و خوش حالی سے نفرت کرنے کا نام حسد ہے۔ حاسد اپنے بڑوں سے اس لئے جلتا ہے کہ وہ مجھ سے بڑے کیوں ہیں برابر کیوں نہ ہوئے اور اپنے چھوٹوں سے اس لئے حسد کرتا ہے کہ خوف ہے کہیں وہ اُس کی برابر نہ ہو جائیں برابر والوں سے اس لئے حسد کرتا ہے کہ وہ اس کی برابر کیوں ہیں جب یہ حال ہو تو حسد سے دنیا کا تنزل کیوں نہ ہو +

(۱۰) حاسد کی مت ایسی اُلٹ جاتی ہے کہ جن چیزوں سے اور لوگوں کو جو حسد نہیں رکھتے خوشی ہوتی ہے اُس کو دلی رنج ہوتا ہے جوانی۔ حُسن شجاعت۔ دانائی۔ یہ سب خوش بیان اُس کے دل میں کانٹے چبھوتی ہیں وہ وہاں رنج کرتا ہے جہاں اُس کو خوش ہونا چاہئے۔ وہ ایسے عالم میں رہتا ہے کہ اُس میں جو شخص اپنی خوشی و خوبی حاصل کرنے میں سعی کرتے ہیں وہ اُسی میں آگ جلاتے ہیں کیا یہ کم بخت حالت ہے کہ وہ کسی شخص سے عداوت اس سبب سے رکھے کہ اور لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں۔ حاسد کے دل کی اُس وقت تسلی ہوتی ہے کہ کوئی بڑا نامور صاحب ہنر ایسی حرکت کرے کہ جو اُس کی شان کے لائق نہ ہو اور اُس سے کچھ اُس کے عیب و نقص ظاہر ہوں یا کسی شخص نے کار عظیم کیا ہو۔ مگر اُس میں کوئی خلل ایسا پڑ جائے جس سے فقط وہی اکیلا اس کام کا کرنے والا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اور لوگ بھی اُس کے شریک جانے جائیں مثلاً کوئی نظم ہو جس میں مصنف نے اپنا نام نہ ظاہر کیا ہو تو حاسد جو ایسی کتاب نہیں تصنیف کر سکتے۔ اُس کے مصنف بہت سے آدمیوں کو قرار دینگے اور کہیں گے کہ کتاب کی طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ایک شخص کی تصنیف سے نہیں۔ جس پر لوگوں کا گمان ہے اگر کسی حاسد سے کہو کہ فلاں آدمی بڑا امیر و دولتمند ہے تو اس کا مُنہ بگڑ جائیگا۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ کچھ بہت سارے اُس کے ہیں تو البتہ کچھ صورت سنوریگی حاسد کی خوشی کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ نقل میں ایک جن کا حال لکھا ہے

کہ اس کے مکان کی شان نہیں آدمیوں کی ہڈیوں سے معلوم ہوتی تھی کہ جن کو مار کر اُس نے ان کی ہڈیوں سے بنایا تھا بس دیکھو کہ حاسد کا رنج دلی تسلی خاطر دلی خوشی کیا ہے خدا کا شکر بھیجو کہ تمھارا دل حسد سے خالی مسکین بنایا ہے۔ گو وہ چھوٹے چھوٹے کام کرتا ہے مگر بڑی لغزش مطلق نہیں کرتا۔

غرض و حسد میں فرق

انسانوں میں جو باہم رقابت و عداوت قائم ہوتی ہے اس کے دو سبب ہوتے ہیں ایک غرض۔ دوسرے حسد جب ایک غرض میں بہت سے آدمی مشترک ہوتے ہیں تو وہ چند کو حاصل ہوتی ہے اور باقی اُس سے محروم ہوتے ہیں اس ہی کامیاب و ناکام میں عداوت ہوتی ہے ہر شخص دولت ناموری حکومت چاہتا ہے مگر یہ سب چیزیں اضافی ہیں اس لئے وہ اوروں کی مفلسی۔ گمنامی۔ محکومی کا بھی آرزومند ہوتا ہے جب تک اور کم دولت نہ ہوں اپنے دولت مند ہونے کا مزہ نہیں آتا غرض کی صورت میں اوروں سے منفعت حاصل کر کے اپنی برتری کی آرزو ہوتی ہے۔ مگر حسد کی حالت میں بغیر اپنی کسی منفعت کے اوروں کے گھٹ جانے کی تمنا ہوتی ہے ابتداءً نظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونو تباہ اور غارت کرنے والی قوتوں میں غرض زیادہ قوی اور پر تاثیر ہے اس لئے کہ یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آتی ہے کہ آدمی کو اپنے خوش کرنے کا شوق بہ نسبت دوسرے کے خوش کرنے کے زیادہ ہوتا ہے۔ انسان کا مقتضائے طبع کہ جو بدی اپنی منفعت کے سبب سے زیادہ تر کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ خسارت کر کے فقط شرارت کے لئے کرے لیکن درحقیقت غرض پر حسد غالب ہے۔ فیاضی کے قدرتی قوانین کے خلاف جتنا حسد کام کرتی ہے اتنا غرض نہیں کرتی۔ بے عیب کاموں کی مذمتیں اور دیانت مندی کے کاموں پر خیانت کی تہمتیں جو انسانوں پر مصیبتیں لاتی ہیں ان سے کوئی منفعت ان مصیبت لانے والوں کو نہیں ہوتی۔ وہ تو اس ضیافت کے کھانے میں

زہر ملاتے ہیں جس میں خود شریک نہیں ہوتے۔ اور اس فصل کو برباد کرتے ہیں جس سے خود متمتع نہیں ہوتے۔ غرض کا میدان تنگ ہی معزول آدمیوں کے عہدوں کے چاہنے والے تھوڑے ہوتے ہیں جیسیوں کی جانشینی کی توقع کرنے والے تھوڑے ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کاموں کے لئے لیاقت ہونی ضرور ہے۔ مگر حسد کا میدان بے حد و پایان ہے اس کو اپنے اثر کرنے کے لئے کسی خارجی امداد کی ضرورت نہیں کسی لیاقت کی حاجت نہیں کاہلی و غرور سے وہ پیدا ہوتی ہے۔ جو سب جگہ افراط سے موجود ہیں خود غرض جب کسی کو اپنی جگہ سے اکھیڑیگا کہ اس کے قائم مقام ہونے کی لیاقت ہوگی اور اس کے کام کے سرانجام دینے کی لیاقت رکھیگا مگر حسد تو ایک خیالی چیز ہے۔ اس میں لیاقت کی حاجت نہیں آدمی خواہ کیسا ہی نالائق اور ناہنجار ہو۔ وہ نامردی اور حماقت سے حاسد بن سکتا ہے جو غرض کے سبب سے گرتا ہے اس کو بھوکے شیر جھنجھوڑتے ہیں وہ اپنے دشمنوں کو دیکھ سکتا ہے اور ان سے مقابلہ کرسکتا ہے مگر جو حسد کی کمین سے ہلاک ہوتا ہے وہ اپنے حملہ آوروں کو نہیں دیکھ سکتا کہ ان سے مقابلہ کرے۔ اس کا دم گھٹ کر اس طرح نکل جاتا ہے جیسا کہ زہریلے بخارات میں +

غرض مندی کے ساتھ ہمیشہ محنت و مشقت جوکھوں لگی رہتی ہے۔ جو زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو نقصان کا بھی خوف ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی بڑے سے کشتی کرکے پچھڑتی ہے تو پھر کھڑی کبھی نہیں ہوسکتی۔ مگر حسد کرنے میں نہ کچھ خرچ ہوتا ہے نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ کچھ محنت اٹھانی پڑتی ہے۔ جس نیک نام کو چاہا اس کو بدفرجام کہنے لگے۔ اس میں کچھ محنت کی ضرورت نہیں جھوٹی بات کے کہنے میں خواہ وہ گھڑی جاتی اور ناحق ہو۔ مگر اس کے پھیلانے میں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ خلاصہ یہ کہ حسد سے جو نقصان ہوتے ہیں وہ غرض مندی سے نہیں ہوتے۔ غرض مندی میں تو منفعت بھی ہوتی ہے۔ مگر حسد میں نقصان ہی نقصان ہوتا ہے +

عشق و محبت

زندگی بسر کرنے کے اندر عشق انسان کے کسی کام نہیں آتا۔ مگر تھیٹر تماشا گاہ
میں وہ بڑا تماشا دکھاتا ہے۔ اور ناٹک کو خوب چمکا دیتا ہے۔ مثنویوں کے لئے خوب خوب
مضامین بنا دیتا ہے۔ برای شعر گفتن خوب است۔ انسان کے ساتھ تو وہ شرارت
شگفتیوں اور برائیوں کی مانند کرتا ہے۔ جہاں تک حافظہ کام کرسکتا ہے وہاں تک
زمانہ گزشتہ و حال کسی ایسی آدمی کو یاد نہیں دلاتا۔ کہ وہ عاقل و فرزانہ بھی ہو۔ اور
عشق میں دیوانہ۔ اگر ڈھونڈ ڈھانڈ کر کوئی اُس کی مثال نکال بھی لائے۔ تو وہ مستثنیٰ صورت
ہے۔ جو ہر قاعدہ و قانون کی ساتھ لازمی ہے۔ آدمی اس لئے بنایا گیا ہے۔ کہ وہ آسمان
زمین کی عمدہ عمدہ چیزوں کو دیکھ کر اُن پر غور کرے۔ بھلا یہ کب اس کو زیبا ہے۔ کہ وہ بجائے
اس کے فقط آنکھ کی پتلی کو صنم بنا کر دل سے پرستش کیا کرے۔ جیسے چوپایہ اپنی منہ کی کرتا ہے۔
یعنے جیسے چوپایہ سارے دن منہ سے کھایا کرتا ہے۔ ایسے ہی آدمی اپنی آنکھوں سے معشوقوں کو
بت دیکھ کر بت بنایا کرتے جن بڑے کاموں کے واسطے آنکھیں بنائی گئی ہیں اُن کو چھوڑ دیتے
عشق اپنے زور کے آگے تمام مخلوق کو حقیر سمجھتا ہے۔ سب باتوں میں مبالغہ برا معلوم ہوتا ہے
مگر عشق کی باتوں میں وہ بھلا لگتا ہے۔ انسان کا خوشامدی سب سے بڑا اُس کا اپنا آپا
ہے وہ سب اور خوشامدیوں کو خوب جانتا ہے۔ مگر عشق اُس سے بھی زیادہ خوشامدی ہے
اس لئے کہ وہ معشوق کی ایسی خوشامد کرتا ہے۔ کہ اپنا آپا بھی دل سی خوشامد آدمی کی نہیں کرتا۔
جب عاشق معشوق سے محبت کرتا ہے تو معشوق کیا عاشق سے محبت کرنے لگتا ہے۔ یا نفرت +
اس دوسری حالت میں آدمی اپنے تئیں اور اپنی دولت و عقل سب کو برباد کرتا ہے۔ عاشقوں کے
مصائب کو شاعر خوب بیان کرتے ہیں۔ جو عاشق معشوق پر مرتا ہے وہ اپنی حکومت و فراست
کھوتا ہے۔ عشق و عقل ایک دل میں کسی طرح ساتھ نہیں رہ سکتے۔ عشق کمزوروں پر زبردستی
کرتا ہے اور زبردستوں سی بھاگتا ہے + یہ امر شاذ و نادر ہے کہ کسی قوی دل کے دل میں

کسی غفلت کے سبب سے عشق داخل ہو جاے۔ ورنہ وہ اکثر ضعیف القلب کو دباتا دستاتا ہے آدمی کو چاہیے کہ اپنے کاروبار میں ذرا بھی عشق کو دخل نہ دے اگر وہ ایک دفعہ کام کا سد راہ ہو تو وہ دولت و مال کو برباد کر دیگا۔ اور کسی کام کا انجام نیک نہیں ہونے دیگا۔ سپاہی زیادہ تر عاشق مزاج ہوتے ہیں مگر یہ عشق اُن کا ایسا ہوتا ہی۔ جیسا کہ شراب کا پینا کہ جس سے یک گونہ انبساطِ خاطر ہو اپنے نقصان کا معاوضہ خوشی سے ہو جاے +

غرض یہ عشق فقط شہوت پرستی ہوتی ہے۔ انسان کو بالطبع رغبت دلی ہی کہ وہ اور آدمیوں سے موانست کرے جب اپنی محبت کو ایک شخص یا چند شخصوں میں تقسیم نہیں کرتا تو بہت سے آدمیوں میں تقسیم کرتا ہے جس سے فقراکی سی انسانیت اور سخاوت اُس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ زن و شوہر کی محبت تو ہی نوع انسان کی بانی ہے اور دوستانہ موانست انسانیت کی تکمیل کرتی ہے۔ مگر شہوت پرستی سے جو محبت پیدا ہوتی ہی وہ خانہ خراب ہوتی ہی۔

(۲) جن آدمیوں کی یہ آرزو ہو کہ ہم ساری دُنیا کے محب بنیں اور سارے عالم کو محبوب بنائیں تو اُن کو لازم ہی کہ وہ اول نہایت گہری اور کامل محبت اُس شخص سی کریں جو اُن سی بہت اقرب ہو۔ اگر اس اقرب سی وہ محبت نہیں کرسکتے جس کا نام محبت ہی تو وہ بعید سے کیا کرینگے۔ ستارہ جتنا بعید ہوتا ہی۔ اُس کی اُتنی شعاعیں ضعیف آتی ہیں بس جو آدمی کہ ساری دُنیا کے آدمیوں کو اپنا محبوب بناتے ہیں وہ درحقیقت کسی سے محبت سوا اپنی ذات کے نہیں رکھتے +

(۳) محبت الٰہی – وہ دل کا نور ہے۔ ہمارے فہم کو روشن اور دل میں محبت و موانست کو گرم کرتی ہے۔ دماغ کو مصفّیٰ مجلیٰ بناتی ہے۔ رُوح کو وہ فراخی دیتی ہی۔ جس میں دین اور دُنیا کے امورِ حقہ کو آدمی خوب دیکھ لیں وہ حکمت نظری میں عمدہ معلم و ادیب ہے۔ اور عملی میں رہنما و ہادی ہے۔ کلام الٰہی کو ایسا سمجھاتی ہے کہ جس سے تمام شک و شبہہ مٹ جاتے ہیں۔ وہی بتلاتی ہی کہ خدا کیونکر راضی رہتا ہی

قلب کے تمام معاملات کو فیصلہ کر کے طے کر دیتی ہے۔ مذہب میں جو مباحثے اور تکراریں ہوتی ہیں اُن میں ثالث بالخیر پیدا کر دیتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کا خوف دانائی کا آغاز ہے۔ اس کی محبت دانائی کا انجام و کمال ہے۔ وہی تمام علموں کی کنجی ہے۔ خدا سے محبت جب تمھاری ثابت ہوگی کہ جو بُرا بھلا تمھارے آگے پیش آئے اُس سے راضی رہو۔ خدا کی طرف سے سمجھو۔ اچھی کا شکر بھیجو۔ اور بُرے پر صبر کرو۔ جو تازیانہ تمھاری پیٹھ پر پڑے اُس کو ہونٹ بند کر کے بوسہ دو +

(۴) محبت بھی کیا مسرت ناک ہے۔ محبت سست کو چالاک۔ بے خبر کو باخبر۔ طامع کو قانع۔ خاموش کو گویا۔ غمزدہ کو خرم و شاد بنا دیتی ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جہاں محبت نہیں ہوتی وہاں خوشی بھی ہوتی ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ اکثر ضرور دیا جائیگا کہ جہاں محبت نہیں وہاں مسرت نہیں اور جہاں محبت ہے وہاں مسرت ہے۔ خوشی کے معنے یہ ہیں کہ کسی اچھی چیز سے محبت چاہئے۔ غم کے روکنے اور ہٹانے کے واسطے دوستوں کی محبت سے زیادہ کوئی چیز نہیں +

(۵) دوستوں کی محبت ضرورت کے وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے روشن شمع سے دن کو کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ مگر رات کو اُس سے بہت کام نکلتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ شمع کی روشنی دن کو کم ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شام کو آفتاب کی روشنی نہیں ہوتی۔ یہی حال محبت کا ہے کہ سب وقت دوستوں میں وہ یکساں رہتی ہے مگر ضرورت و احتیاج کے وقت زیادہ وہ محسوس ہوتی ہے۔ محبت زیادہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی احتیاج زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ احتیاج ہی دوست کو مدارات کی مبارک باد دیتی ہے اور اُس کی قابلیت کے موافق قدر کراتی ہے۔ خوش حالی میں دوست اخلاق و مدارا کی ضرورت نہیں

(۶) عشق افلاطونی۔ ایک عشق للّٰہ عاقبت اندیش نوجوانوں کا ہوتا ہے۔ کہ آنکھوں سے دیکھے نہ کانوں سے سنے + دوسرا عشق روحانی ہوتا ہے جس میں روح کا

تعلق روح سے ہوتا ہی۔ اس عشق کا محقق اول افلاطون تھا۔ پیچھے اس کے مقلد اور بہت سے اس عشق کے باب میں ہوئی۔ وہ اُن آدمیوں میں ہوتا ہی۔ جن کی سرشت میں شرافت و تقدس پرلے درجہ کی ہوتی ہیں۔ اُس کو نخوت اور ناپاک خواہش سے تعلق نہیں ہوتا +

(۲) موت سے کچھ کم زور آور عشق نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی دریا کے پانی سے بجھ سکتا ہے نہ کسی سمندر کی طغیانی میں ڈوب سکتا ہے۔ وہ انسان کی خودی مٹاتا ہی خصائل انسانی کو مستحکم اور شریف بناتا ہے۔ زندگی کے کاموں کو عمدہ مقاصد کی طرف لیجاتا ہے۔ یہی محبت پرستی ایسی عطیہ الہٰی ہے۔ کہ کوئی اور عطیہ اُس کی برابر انسان کو نہیں ملا وہ ایسی متبرک ور مقدس آگ ہے کہ بتوں کے پاس نہیں جلائی جاتی +

(۳) ماں کی محبت سب سے بڑھ کر ہے کہ نہ کبھی کم ہو نہ کبھی بدلے نہ کبھی تھکے۔ باپ بیٹے سے مُنہ پھیر لیتا ہے۔ بھائی بہن آپس میں سخت دشمن ہو جاتے ہیں میاں بیوی ایک دوسرے کو چھوڑ دیتے ہیں مگر ماں بیٹے کو نیک نامی اور بدنامی دونوں حالتوں میں یکساں چاہتی ہے۔ بیٹے کو دنیا ملامت کرتی ہی۔ مگر وہ اپنی محبت سے باز نہیں رہتی اُس کو ہمیشہ یہ امید لگی رہتی ہے کہ اب میرا بیٹا توبہ کرتا ہی اور نیک راہ پر چلتا ہی۔ اولاد کا ایسا نار رفیق ماں سے زیادہ کوئی نہیں ہوتا وہ اُس روز سے کہ اُس کا نطفہ رحم میں پڑتا ہی۔ اُس کی محافظ ہوتی ہے۔ وہ خوب یاد رکھتی ہی کہ جب میرا بچہ مسکراتا تھا۔ تو میں شاد ہوتی تھی۔ جب وہ ہنستا تھا تو میرا دل باغ باغ ہوتا تھا۔ جب وہ کلکاریاں مارتا تھا تو میں خوش ہوتی تھی۔ اُس کی جوانی کی امیدیں دل خوش کرتی تھیں +

غرض ماں اور اولاد کے درمیان وہ رشتہ محبت مستحکم ہوتا ہے کہ وہ کبھی شکستہ نہیں ہوتا۔ یہ وہ مبارک رشتہ ہی کہ جس کی قدر مہد سے شروع ہوتی ہے — اور اُس وقت ختم ہوتی ہے کہ ماں کو قبر میں دفن کرتے ہیں۔ یہ ماں ہی ہوتی ہی کہ کبھی ہم کو اپنی چھاتی سے جدا ہونا پسند نہیں کرتی۔ کبھی ہم کو نہیں بھولتی۔ ہم گناہ کرتے ہیں تو وہ اُس پر لعنت

ملامت غصے سے نہیں کرتی - بلکہ غم و رنج کھاتی ہے - غرض ماں صداقت و وفا کی تصویر ہوتی ہے - اس کی محبت سب محبتوں پر غالب ہوتی ہے - اس میں کبھی خود غرضی کے سبب فرق نہیں آتا - اولاد خواہ اُس کا احسان نہ مانے اور نالائق ہو۔ مگر اس سے اس کی محبت کچھ کم نہ ہوگی - اُس کی ساری خوشیوں کا مدار اولاد پر موقوف ہوتا ہے - اُس کی نیکنامی و امارت اور ثروت سے وہ خوشی کے مارے پھولی نہیں سماتی - اگر اولاد مصیبت میں گرفتار ہو تو وہ زیادہ اُس کی مددگار ہوگی اولاد کے قصور سے تہمتیں لگا کر لوگ اُسے بدنام کرتے ہیں تو بھی وہ اُسے پیار کرے گی - اگر ساری دنیا اُسے چھوڑ دے تو بھی اُس کے ساتھ رہیگی - اور ساری دنیا اُسی کو سمجھیگی ...

(۹) آدمی کا دل ہمیشہ بدلتا رہتا ہے - بعض شخص جس کو آج پیار کرتا ہے کل اُس سے نفرت کرتا ہے بہتر یہ ہے کہ محبت میں بہتری وہ عقل و دانش ہے - جو تجھ کو ہمیشہ سیدھا سادھا و شائستہ بنائے جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ایسے ہی محبت اپنے ثمر سے جانی جاتی ہے - اشرافانہ محبت خواہ اُس میں خوشی ہو یا ناخوشی تمام زندگی کو عمدہ بنا دیتی ہے یہ محبت سب سے زیادہ خدا کی اپنے ملک کی اپنے بادشاہ کی اپنے خاندان سے ہونی چاہئے +

(۱۰) ہر شخص اپنے تئیں دریافت کرنا چاہتا ہے مگر عاشق ہی اپنے تئیں پہچانتا ہے - عشق ہی انسان کے دل کی تربیت ایسی کرتا ہے کہ وہ باقاعدہ ہو جاتا ہے عاقل کو چاہئے کہ وہ کسی نہ کسی چیز کو چاہے - اگر وہ کسی چیز کو نہ چاہے گا تو ضرور دنیا اُس کو ناخوش و ناگوار معلوم ہوگی +

(۱۱) عشق بھی تو ایسا احمق ہوتا ہے کہ وہ اپنے تئیں خود نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں کبھی وہ پاجی کمینہ ایسا ہوتا ہے کہ اپنا چہرہ روغن میں چھپا کے دکھاتا ہے +

(۱۲) یونانیوں کے بت خانوں میں عشق کی بت کی صورت ایک حسین اندھی بچی کی

ہوتی ہے جس کے پہلو میں تیروں کا ترکش ہوتا ہے اور کمان ہاتھ میں تو
ہے چاروں طرف تیر پھینکنا اس کا کھیل ہے مگر کسی کو اپنا نشانہ بنانے کا قصد نہیں
کرتا جس سے یہ معلوم ہو کہ معشوق کا ارادہ عاشق کو تکلیف پہنچانے کا ہے بلکہ خود اس کا
حسن ایسا دل لبھاتا ہے کہ بے اختیار اس پر پیار آتا ہے جیسا کہ پیارے بچے کی صورت
پر آتا ہے۔ وہ خود اوروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر بچپنے کے سبب سے اس کو خبر
نہیں کہ میرا یہ حسن دلربائی کر رہا ہے۔ اور مجھ میں ایسی خوبی ہے کہ وہ اوروں کو
فریفتہ کرتی ہے +

(۱۲) زر نیست عشق ٹیں ٹیں

عشق بازی میں نہ شرافت کام آتی ہے۔ نہ ذکاوت و ذہانت۔ نہ
لیاقت و فراست۔ فقط زر اس میں کام آتا ہے۔ وہی معشوقوں کی خرید و فروخت
کرتا ہے فقط اس لئے جس شخص نے اول زر نکالا ہے۔ اُس پر عاشق تبرا بھیجتے ہیں
زر کی بُرائی یہ کرتے ہیں کہ وہی ایک بھائی کو دوسرے بھائی کا جانی دشمن بناتا
ہے بیٹے کو باپ سے لڑاتا ہے سب سے زیادہ یہ غضب ڈھاتا ہے کہ معشوقوں کو
عاشقوں سے چھڑاتا ہے +

(۱۳) عشق کی پیدایش - جب حسن پیدا ہوا تو اُس کی چھٹی بڑی
دھوم دھام سے ہوئی۔ بہت سے مہمان بلائے گئے ان میں دولت بھی گئی جو عاقبت
اندیشی کی صاحبزادی تھی اور بہت سی خوبیاں رکھتی تھی۔ جب اس چھٹی کی دعوت
کا جلسہ ختم ہوا تو جیو پی طرح کے باغ میں سب مہمان سیر کو چلے گئے۔ مہمانوں میں افلاس
بھی ایک مہمان تھا۔ اُس نے دیکھا کہ دولت ایک سیج پر بڑے چین سے سوتی ہے
اُس سے وہ ہم بستر ہوا۔ ان دونوں سے عشق پیدا ہوا۔ اس لئے عشق میں ماں
(دولت) کی طرف کا اثر یہ ہے کہ وہ سازشیں اور تدبیریں اور حکمتیں کرتا ہے۔ اور باپ افلاس کا اثر

ہے کہ وہ گدائی کرتا ہی - زمین پر لوٹتا ہے اپنے تئیں خاک میں ملاتا ہی - ہر طرح کی ذلت و خواری اٹھاتا ہی - ان ما باپوں دولت و افلاس کے اثر سے اُس میں متضاد صفات موجود ہوتی ہیں +

(۱۴۵) انسان خیال کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے وہ ایک لحظہ بھی خیال سے خالی نہیں رہتا - مگر فقط خیالات سے اُس کی زندگی بسر نہیں ہوتی - خالی خیالات خواہ کیسے ہی نیک و رخوش کرنے والے ہوں وہ دل کو سست پست کر دیتے ہیں انسان کی ہوا و نفسانی جو افعال پر متحرک کرتی ہیں دو ہیں - ایک محبت - دوم جاہ - یعنی اپنی برتری کی خواہش انہیں سے آدمی کی خصلت پہچانی جاتی ہی - اور وہ غیروں پر اور اپنے اوپر بہت اثر کرتی ہیں - اُن کی جڑیں عمیق چشمے دل کے اندر ہوتی ہیں جو افعال پر متحرک کرتے ہیں اور اُن میں بڑی زبردست قوت ہوتی ہی - یہ دونو ہوا و نفسانی گو ساتھ ساتھ ہمیشہ رہتی ہیں مگر متحد نہیں ہوتیں گو وہ ایک دوسرے کو فنا نہیں کرتیں مگر ضعیف ضرور کرتی ہیں خواہ انسان کا قلب کیسا ہی وسیع ہو اُس میں ایک ہوا و نفسانی محبت یا جاہ خوب وسعت کے ساتھ پھیل سکتی ہے - مگر جب دونو اُس میں آتے ہیں تو ہر ایک تنگ وسعت میں پھیلتا ہے - انسان کے دل میں اپنی محبت پوری سماتی نہیں اس لئے وہ اُس سے باہر نکل کر خارج کے اشیا پر جاتی ہے یہ محبت اس لئے دو چیزوں پر زیادہ ہوتی ہے - ایک حسانت پر اور دوسری کمال پر - خدا تعالیٰ نے انسان کی برابر کسی کو حسین نہیں بنایا - اُس کے چربہ کا سایہ بھی دوسری مخلوق میں نظر نہیں آتا - پھر انسان میں بھی عورت کے حسن کو برتری ہے - اُس کو خدا تعالیٰ نے عقل دی ہے - وہ مرد کا عجیب زندہ پرتو ہے - جب عورت کا جی چاہے وہ مرد کا دل خوش کر سکتی ہے - اس کے ادا و انداز دل آویز اور دلکش ہوتے ہیں کوئی اُس کی برابری دلربائی و دلبری میں نہیں کر سکتا - پھر دل میں اس کی رہائی

ہوتی ہے ۔ جس دل میں چاہے وہ بس جائے ۔ عشق کی عمر کچھ نہیں ہوتی ۔ وہ نت نیا پیدا ہوتا ہے ۔ شاعر اسی لئے اُس کو بچہ کہتے ہیں عشق سے عقل و ذہانت بڑھتی ہے اور اُس کی تقویت عقل ہی سے ہوتی ہے ۔ ہر روز وہ ہماری حفاظت کو چھوڑتا ہے اور پھر از سر نو اختیار کرتا ہے ۔

اگر انسان تنہا ہوتا تو بڑا ہی ناقص الوجود ہوتا ۔ کوئی ذی حیات اُس کی برابر کمبخت نہ ہوتا ۔ اُس کو اپنی خوشی کے لئے ہمراہیوں کی سخت ضرورت ہے ۔ وہ اپنی حوائج اور تمناؤں اور آرزوؤں کو بغیر اوروں کی مدد کے دور نہیں کر سکتا ۔ اس لئے وہ اوروں کی تلاش کرتا ہے ۔ کبھی وہ عشق ان چیزوں سے رکھتا ہے جن تک رسائی اُس کی قدرت سے باہر ہوتی ہے ۔ جب اس میں مایوسی ہوتی ہے ۔ تو وہ اُس کو چھپاتا ہے اور اسلئے اندر ہی اندر اُس کے دل کو گھن لگ جاتا ہے آدمی جب اپنے سے کسی اعلےٰ درجہ کی ساتھ محبت کرتا ہے ۔ تو اُس محبت کے ساتھ اپنی برتری کی آرزو بھی شامل ہوتی ہے ۔ مگر اُس پر محبت غالب ہوتی ہے وہ ظالم بادشاہ کی طرح اپنے حریف کو نہیں دیکھ سکتی سارے دل کی آرزوئیں اُس کے تابع ہوتی ہیں اور اُس کے حکم کی منتظر رہتی ہیں سارا دل اپنے سے اعلیٰ درجہ کے معشوق کی محبت سے پر ہو جاتا ہے ۔ مگر اپنے سے کمتر یا برابر درجہ کی محبت ایسی ہوتی ہے کہ وہ دل کی ظرف کے ایک کونے میں پڑی رہتی ہے ۔ محبت کا اول کام یہی ہے کہ وہ بڑا ادب پیدا کرے ۔ جن سے ہم محبت رکھتے ہیں ضرور اُن کا ادب کرتے ہیں ۔ جب ہم کسی پر عاشق ہوتے ہیں تو اس کی بڑی قدر کرتے ہیں اور اپنے سارے کاموں کو اُس کے خوش کرنے کے واسطے وقف کر دیتے ہیں مگر جب معشوق متواتر بیوفائیاں کرتا ہے تو عشق میں پژمردگی آجاتی ہے ۔ اُس وقت جو مصیبت عاشق پر گزرتی ہے اُس کا حال بیان نہیں ہو سکتا ۔ یہ عشق دشمن جانی ہو جاتا ہے ۔ اور دل کے سو سو ٹکڑے کرتا ہے ۔

معشوق تمام دوستوں مربیوں عزیزوں کو بھلا دیتا ہے عاشق کو سوائے معشوق کے کسی اور کی ضرورت ہی نہیں معلوم دیتی۔ دل ایسا عشق سے معمور ہوتا ہے کہ کسی بے آرامی اور رنج کے لئے جگہ ہی نہیں رہتی +

عشق وعقل ایک دوسرے کی ضد نہیں۔ عشق کبھی بے دلیل کے نہیں ہوتا عشق سے کبھی عقل خارج ہی نہیں ہو سکتی وہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ ہی نہیں سکتی۔ اگر عشق میں عقل نہ رہے تو پھر انسان انسان نہ رہے وہ ایک بھدی کل بن جائے۔ شاعروں کی بے عقلی ہے کہ وہ عشق کو عقل کی ضد بتلاتے ہیں اور اس کو اندھا کہتے ہیں۔ ذرا اس کے چہرہ پر سے نقاب اٹھا دو تو وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ عاشقوں کی ان تدابیر کو جو وہ معشوق کے بس میں رکھنے کے لئے کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے عاقل ہوتے ہیں۔ عاشق جب اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے تو بہت سی باتیں بناتا ہے لیکن اس کے روبرو سب بھول جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب وہ دور ہوتا ہے۔ تو عقل میں خلل نہیں ہوتا جب وہ نظر کے سامنے ہوتا ہے تو طبیعت صحیح بجا نہیں رہتی ہے عشق میں بڑا خوف یہ لگا رہتا ہے کہ کبھی معشوق ہمارے بس سے نہ نکل جائے۔ اس خیال سے ہوش خطا ہو جاتے ہیں عشق کے خوف ورجا بڑے ہی تکلیف پہنچاتے ہیں معشوق کے عشق سے جو فائدے عاشق کو معلوم ہوتے ہیں ان کے قائم رہنے کا یقین نہیں ہوتا اس میں ان کا کلیجا دھڑکتا رہتا ہے

اعلیٰ درجے کے عہدے

اعلیٰ درجے کے عہدے جو لوگ پاتے ہیں۔ وہ تین چیزوں کے نوکر بنتے ہیں اول بادشاہ یا سلطنت کے دوم شہرت ناموری کے۔ سوم خود عہدے کے کاموں کے۔ اس سبب سے نہ خود ان کی ذات کو آزادی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کے ہاتھ بک جاتے ہیں اور اس کے بس میں ہوتے ہیں نہ ان کو اپنے کاموں میں آزادی ہوتی ہے۔

اس لئے وہ سب ناموری اور شہرت کے لحاظ سے مرتب کرتے پر مٹتے ہیں نہ ان کی اوقات میں آزادی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ عہدہ کا کام ان کا پیچھا ایک لمحہ نہیں چھوڑتا۔ یہ بھی انسان کی عجب آرزو ہے۔ کہ اپنی آزادی بیچ کر اوروں پر حکومت خریدنی اور خود اپنی ذات پر بے اختیار ہو کر اوروں پر اختیار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے عہدوں تک پہنچنے میں بڑی محنت اور مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور پھر پہنچکر اور مشقت پر مشقت بڑھ جاتی ہے۔ کبھی ان اعلیٰ عہدوں کی عزت بڑے کمینہ پن اور ذلت کے کاموں کے کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ غرض ایسے عہدوں کا حاصل کرنا اور اُن پر بحال رہنا اور معزول ہونا۔ ان سب حالتوں میں اُس میں تکلیف و محنت موجود ہے قیام اُن پر بے ثبات ہے۔ تنزل ہونا۔ معزول ہونا۔ اوندھے منہ گرنا ہے۔ یا گرہن لگتا ہے۔ جس سے وہ افسردگی اور ملال ہوتا ہے۔ کہ اس ضرب المثل پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کہ جب ہم وہ نہیں ہیں جو پہلے تھے تو کوئی عقل کی بات نہیں ہے کہ ہم اور زیادہ جینے کی آرزو کریں مقتضاء عقل جب ملازمت کا چھوڑنا لازم ہوتا ہے تو بھی اُن کا دل کبھی نوکری چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔ مگر ہاں جب وہ بیماری اور بڑھاپے سے مجبور ہوتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ اب ہم ملازمت کی دھوپ سے بچ کر اپنے گھر کی چھت کے سایہ تلے بیٹھیں بڑے عہدہ داروں کو ضرورت پڑتی ہے کہ وہ اپنے خوش کرنے کے لئے اوروں کی رائے کو مستعار لیں جب وہ اپنے کاموں کی نسبت لوگوں کی رائے اچھی سنتے ہیں تو دل میں بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے برعکس صورت ہوتی ہے رنجیدہ دل ہوتے ہیں اول اپنی خطا پانے میں آخر ہوتے ہیں جب اعلیٰ درجہ کی آدمی کو امارت حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ اپنے حال سے ناواقف رہتا ہے۔ کاموں کی سرگردانی میں ایسا پھنسا رہتا ہے۔ کہ اپنی جسمانی و روحانی صحت کی بھی خبر نہیں رہتی۔ اُس شخص کی موت بڑی سخت ہوتی ہے جس کو اور سب خوب جانتے ہیں مگر وہ اپنے تئیں نہیں جانتا +

آدمی کو اعلیٰ عہدہ میں بُرائی اور بھلائی کرنے کا اختیار ہوتا ہی - بُرائی کرنا تو خدا کی
لعنت کا اپنے اوپر لینا ہی - مگر بھلائی کرنے کی قدرت حاصل کرنی انسان کی سچی آرزو ہی
دو طرح کی آدمی اعلیٰ عہدوں پر پہنچتے ہیں ایک تو وہ ہیں جنھوں نے اس سوچ بچار میں اپنا
وقت صرف کیا ہی - کہ کیونکر اعلیٰ عہدے وہ حاصل کریں دوسرے وہ ہیں کہ اس
خیال میں رہتے ہیں کہ جب عہدے حاصل ہو جائیں تو اُن کے کام کیونکر سر انجام دیں -
اول قسم کے لوگوں کو جب عہدے ملجاتے ہیں تو وہ پورا فائدہ اُٹھاتے ہیں کیونکہ فاعلے
کر سچی اطاعت کا ہنر یہی حکومت کے ہنر کا رہنما اور ہادی ہی **مصرعہ** —
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد + دوسری قسم کے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ
جس دولت کے حاصل کرنے میں اُنھوں نے اپنی عمر کا عمدہ حصہ کھویا - جب وہ ہاتھ لگی
تو نہیں جانتے کہ اُسے کیا کریں جو آدمی نیک خیالات کرتے ہیں گو وہ خدا کے
نزدیک مقبول ہوں مگر وہ نیک خیالات جب تک عمل میں نہ آئیں تو مثل خواب ہیں اور
عمل میں وہ جب آئینگے کہ آدمی کو اختیار اور اقتدار کے عہدے ہوں اور موقع مفید
اور حکومت کی جگہ اُن کے کرنے کے لئے میسر ہوں جب آدمی اعلیٰ عہدہ پر پہنچے تو
اُس کو پہلے زمانہ کے بزرگ عقلمند عہدہ داروں کی جن کے ہزاروں احکام موجود
ہیں تقلید کرنی چاہئے پھر خود کام کو اچھی خوش اسلوبی سے سر انجام دینا چاہئے کہ تھوڑے
دنوں میں لوگ خود اُس کو قابل تقلید سمجھنے لگیں + جن عہدہ داروں نے کام کو
بُری طرح کیا ہی - اُن پر لعنت ملامت نہ کر بلکہ اُن سے یہ سیکھ کہ کن چیزوں سے اپنے
عہدہ کی خدمات میں مجھے بچنا چاہئے - ہر حال اپنی اصلاح میں سعی کر - پہلے زمانہ کو
اور اُس کے عہدہ داروں کو اپنی شیخی و تعلی کے لئے بُرا نہ کہہ - اپنے میں ایسی خوبیاں پیدا کر کہ
ہر مخلوق واہ واہ کہہ کر تیرے پیرو ہو جائے ہر چیز کی اصل اور تہ پر پہنچ اور سمجھ کہ
اُس کی ترقی کیونکر ہوئی اور تنزل کس وجہ سے ہوا اور زمانہ گزشتہ و حال دونوں سے

صلاح و مشورہ سے۔ پہلے زمانہ سے یہ کہ کیا اس میں سب سے اچھا تھا۔ اور زمانہ حال سے کہ کیا اس کے لئے مناسب ہے۔ اپنے طریقے کو ایسا با قاعدہ بنا کہ لوگ جو تجھ سے کام کرنے کی تمنا کریں وہی نوکر رہے۔ مگر اس اپنے طریقے کی پابندی میں ایسی ہٹیلے اور متعصب بھی نہ ہو کہ کبھی اس سے ضرورت کی حالت میں بھی انحراف نہ کرو ٭ غرض زمانہ حال اور گزشتہ کو دیکھ کر عقل کے مطابق کام کرو۔ تم اپنے عہدہ کے حقوق بھی قائم رکھو۔ اور اپنے ماتحت کے استحقاق اور خدمات کی قدر و منزلت کرو۔ نئی باتیں ایجاد کرنے کے درپے نہ ہو۔ زیادہ تر خاموشی اختیار کرو۔ نو ایجاد باتوں کا اظہار لوگوں کو چونکا دیتا ہے۔ پہلی باتوں سے ان کو ایسی محبت و موانست ہوتی ہے کہ تم اس میں جو ایجاد کرتے ہو وہ برا معلوم ہوتا ہے۔ مگر کبھی عوام کی غلط رای کے موافق تم کو کام کرنا نہیں چاہئے۔ تم کو خود جاننا چاہئے کہ کسی زمین کا جوہر کیا ہے۔ اور کونسا درخت اس میں خوب نشو و نما پا سکتا ہے گو عوام اسے جانتے ہوں تم ایسے درخت کو بو کر اس کا بارور ہونا دکھاؤ گے ٭

تم کو چاہئے کہ اپنے ماتحتوں کو اپنا کام اعلیٰ درجہ کا سکھاؤ۔ نہ یہ کہ خود ادنیٰ درجے کے بن کر ان کا کام کرنا شروع کرو۔ ماتحت برابر اونچے ہونے سے جتنے خوش ہونگے اتنے تمہارے نیچے ہو کر برابر بیٹھنے سے راضی نہیں ہونگے۔ اپنے عہدہ کی خدمات میں ان کے صلاح و مشورہ سے مدد لو۔ وہ جن باتوں کے مہیا بنیں ان میں سے جو اچھی باتیں ہوں ان کو انتخاب کر لو۔ اعلیٰ درجہ کے عہدہ داروں کو اپنے ماتحت نوکروں کے رکھنے میں بڑی دقت پڑتی ہے۔ جو امیدوار عہدوں کے ہوں۔ ان میں ان لوگوں کو نوکری دو۔ جو اپنے حق خدمت کے ادا کو فرض جانتے ہوں اور کام کی لیاقت اور عہدہ سے مناسبت رکھتے ہوں۔ گو عوام اس معیار پر ہمیشہ اعتراض کرتے رہیں گے۔ کیونکہ وہ خود اس کو نہیں جانتے ٭

(۲) اعلیٰ درجہ کے عہدوں میں چار بڑی برائیاں ہیں اُن سے بچنا چاہئے۔ اوّل تاخیر
دوم رشوت لینے سے (بلکہ اس کے شبہ سے) سوم ناہمواری سے چہارم ملائمت سے
اوّل تاخیر سے لوگوں کو کاموں میں دخل بیجا کا موقع ملتا ہے۔ ہر کام کے لئے جو اوّل تو
مقرر ہو سکے مقرر کرنا چاہئے اور اُس میں وہ ختم کرنا چاہئے اگر ضرورت کے سبب سے تبدیلی ہو تو کاموں کو
غلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ دوم رشوت کے باب میں تم کو اپنے اور اپنے ماتحتوں ہی کے
ہاتھ نہیں باندھنے چاہئیں بلکہ اہل معاملہ و مقدمہ کو بھی کہ وہ رشوت دینے کے واسطے کھول ہی
نہ سکیں اور ان کو یہ شبہ بھی نہ ہو کہ کوئی رشوت لیتا ہے کہ اس کے دینے کی جرأت کریں۔
جو حاکم ایسے متلون مزاج ہوتے ہیں کہ وہ اپنی رای کو بغیر کسی سبب ظاہری کے بدلتے ہیں تو
اُن پر رشوت ستانی کا شبہ ہوتا ہے۔ اس لئے تم کو چاہئے کہ جب اپنی رای بدلو
تو اُس کا اقرار اور اظہار وجوہ کے ساتھ کرو۔ اور کوئی بات اُس میں نہ چھپاؤ۔ کسی
دوست اور عزیز کی قدر و منزلت اتنی نہ کرے کہ جس سے لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ اس کی
معرفت رشوت لیتے ہو۔ اور تم نے اُس کو اپنی رشوت ستانی کا آلہ بنا رکھا ہے
سوم ناہمواری ۔ اعلیٰ عہدہ دار جو ناہموار ہوتا ہے تو بے ضرورت اُس سے لوگ
ناراض ہو جاتے ہیں اُس کی سختی سے خوف پیدا ہوتا ہے مگر ناہمواری سے نفرت پیدا
ہوتی ہے۔ عہدہ دار کو چاہئے کہ وہ اپنے منصب حکومت کے موافق لوگوں کو لعنت ملامت نہایت
سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کیا کرے نہ طعن و تشنیع کے ساتھ +
چہارم ملائمت ۔ حاکم میں ملائمت رشوت سے بھی زیادہ بُری ہوتی ہے۔ رشوت
کی صورت تو کبھی کبھی ہوتی ہے۔ مگر ملائمت کا حال یہ ہے کہ جہاں اُس کی تحریک ہوئی۔ تو
اُس سے ناحق مہربانیاں اور رعائتیں ہونے لگتی ہیں جیسے مسرف کی فیاضیاں اعلیٰ
عہدہ دار ہو کر موم کی ناک بنا اپنے حق میں کانٹے بوتے ہیں اُس سے بُری بڑی خرابیاں
پیدا ہوتی ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کا قول ہے کہ آدمیوں کی ذات کا لحاظ پاس کرنا اچھا

نہیں کیونکہ ایسا آدمی ایک روٹی کے ٹکڑے کے لئے خطا و گناہ کریگا۔

عہدہ پانے سے آدمی کے بعض خصائل صلاح پاتے ہیں اور بعض بگڑ جاتے ہیں۔ آدمی کے عیب صواب عہدہ پانے پر خوب کھل جاتے ہیں بعض عہدہ دار اپنی خوبیوں کو دکھا کر اچھی معلوم ہوتے ہیں بعض برائیوں کو بتلا کر بُرے۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو لوگ لائق حکومت سمجھتے ہیں لیکن جب وہ حکومت کے عہدہ پر مقرر ہوتے ہیں تو ایسے کام کرتے ہیں کہ اگر وہ حاکم نہ ہوتے تو اُن کی فیاضی اور لیاقت کے قائل لوگ رہتے۔ عزت کا گھر تنگی میں ہے قانون فطرت ہے۔ کہ چیزیں اپنی مرکز کی طرف بڑی تیزی سے حرکت کرتی ہیں۔ اور مرکز پر پہنچکر ساکن ہو جاتی ہیں ایسے ہی نیکی اُلوالعزمی میں بہت تیز و تند حرکت کرتی ہے۔ اور حکومت پر پہنچ کر ساکن ہو جاتی ہے۔ اعلےٰ عہدہ پر پہنچنے کی راہ ایک پیچیدار نردبان ہے۔ اگر اُس پر چڑھنے میں دیکھے کہ جھگڑے اور فساد پیش آتے ہیں تو آدمی کو چاہئے۔ کہ وہیں تھم جاوے۔ جہاں جانے کہ میں یہاں تُلا رہونگا۔ جہاں پارٹی یعنی فریق بن کر مخالفت اور فساد کھڑے ہوتے ہیں وہاں آدمی کو بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں جو لوگ یہ مصلحت بتلاتے ہیں۔ کہ آدمی دونو کے بیچ میں کھڑا رہے تو وہ غلطی کرتے ہیں اس صورت میں آدمی زین سو راندہ وزان سو ماندہ ہو جاتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب فرقے مخالف کھڑے ہو جاتے ہیں تو ہر طرف کچھ باتیں سچ ہوتی ہیں کچھ جھوٹ۔ طرفین میں سے جو باتیں سچ ہوں ان کو انتخاب کر کے اُن کا طرفدار ہو جاوے۔ کسی فریق کی طرف نہ ہو یہ سمجھ لے کہ فریقین موجود ہی نہیں ہیں گو عہدہ کسی فریق میں تجھ سے ملا ہو +

(۲) جو بلند مرتبہ تجھ سے پہلے گزرے ہوں اور جو تیرے شریک ہوں ان سب کی عزت و تعظیم ادب کر۔ جو تیرے شریک ہوں اُن کو بلا۔ جس وقت اُن کو بلانے کی امید بھی نہ ہو۔ اور جس وقت بلانے کی امید ہو تو اُن کو خارج نہ کر۔ اپنے عہدہ کے آداب کو ملاقات کی

کام میں لاؤ۔ ایک شخص گھر پر ملاقات کو آئے تو اُس سے ملاقات کرنے میں وہ برتاؤ برتو جو اپنے عہدہ کی حیثیت سے برتتے ہیں اُس سے کہہ دینا چاہیے کہ جب ہم اپنے عہدہ کے کام پر بیٹھتے ہیں تو اور آدمی ہوتے ہیں اور اپنے گھر پر اور +

(۳) اعلیٰ عہدہ سلطنت کی بساط میں پیادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ انتظام الٰہی کی بساط میں پیادہ ہوتا ہے + عہدہ آدمی کی بُرائیوں بھلائیوں کو کھول دیتا ہے نیکیوں کو مہمیز مارتا ہے اور بُرائیوں پر لگام لگاتا ہے +

جب تک عہدہ دار کے آگے برتر عہدہ کا میدان نہ کھلا ہو۔ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ میں نے میدان نیکی کی دوڑ میں کہاں تک ترقی کی +

عہدہ ہم کو اُن چیزوں کے درست کرنے کے قابل کرتا ہے جن کے لئے آرزو کرتی نہیں چاہیے بہتر یہی ہے۔ کہ ہم کوئی حکومت ہی نہ رکھیں عہدہ پانے سے اوروں کی راحت پر عہدہ دار کی خوشی موقوف ہوتی ہے اور اُس کی آزادی اوروں کے ہاتھ بک جاتی ہے مگر دُنیا میں سب سے بڑی یہ نعمت ہے کہ ہم خوش ہوں اور اُس سے زیادہ یہ کہ ہم اوروں کو خوش کریں سو یہ بات حکومت کے عہدہ میں نہیں ہوتی +

(۴) بادشاہ نائب خدا ہوتا ہے۔ جو اُس سے سرکشی کرتا ہے وہ خدا سے بغاوت کرتا ہے اُس کا اثر سلطنت پر وہ ہوتا ہے جو ستاروں کا آسمان پر۔ اُس کو مثل اجرام فلکی کسی وقت گردش سے آرام نہیں ملتا گو اُن کی تعظیم و تکریم بڑی ہوتی ہے +

بہادری۔

(۱) انسان کی سرشت میں دانائی سے زیادہ حماقت ہے۔ اِس لئے اُس کے کاموں میں حماقت بہ نسبت دانشمندی کے زیادہ ظاہر ہوتا ہے جو قوائے نفسانی حماقت کے کام کراتے ہیں وہ اُس پر زیادہ تر اختیار رکھتے ہیں بس یہ بہادری بھی اسی قسم کی ہے جو جہالت کے کام زیادہ کراتی ہے۔ بہادری کی ماں جہالت اور حماقت ہے۔ د

انسان کی اور قوتوں سے کم درجہ رکھتی ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ ان سب لوگوں کے
ہاتھ پاؤں باندھ لیتی ہے۔ جو ضعیف الرای اور بے ہمت ہوتے ہیں وہ امور سلطنت میں
عجیب و غریب حرکتیں کرتی ہے۔ اور تماشہ دکھاتی ہے۔ جیسے اناڑی حکیموں کے دو چار نسخے اور
تجربے جسم انسانی کے کام آجاتے ہیں ایسے ہی ان بہادروں کے کچھ کام سلطنت کے لئے
بکار آمد ہوتے ہیں گویا وہ بھی بدن سلطنت کے واسطے اناڑی نیم حکیموں کا حکم رکھتے ہیں
دونو صورتوں میں یہ کامیابی اصول علمیہ و حکمیہ پر مبنی نہیں ہوتی اس لئے وہ مستقل و پائدار
نہیں ہوتی بڑی بڑی کاموں کے کرنے کے دعوی بہادرانہ کرتے ہیں اور جب ان
میں ناکام رہتے ہیں تو نہ شرم کرتے ہیں نہ پھر ان کے کرنے کی پرواہ رکھتے ہیں
وہ ایک بازیچہ ارباب دانش کے ہوتے ہیں۔ بہادری اندھی ہوتی ہے وہ خوفوں
اور تکلیفوں کو نہیں دیکھتی۔ اس وجہ سے وہ صلاح و مشورہ کار اچھی نہیں ہوتی۔ مگر کارکن
خوب ہوتی ہے۔ کیونکہ صلاح و مشورہ میں مقدم امر یہ ہے کہ خوف و اندیشے تمام دیکھے جائیں مگر
کارکنی میں ان پر کچھ خیال نہیں ہوتا۔ خواہ وہ کیسے ہی بڑے ہوں اسی وجہ سے بہادر
آدمی سپہ سالاری کے واسطے ایسا موزوں نہیں ہوتا جیسا کہ ماتحت افسری کے لئے +

(۲) انسان کو اپنے اور غیروں کے حقوق ادا کرنے میں ایسے مشکل جھگڑے اور دشوار
قصے آن کر پڑتے ہیں کہ جن کے انفصال میں ہمیشہ اس کو کامیابی نہیں ہوتی
اور ایسے جوکھوں اور خطروں میں اس کی جان پھنستی ہے کہ وہ ان سے بچ کر ہمیشہ نہیں
نکل سکتا۔ غرض انسان کی زندگی ایک جنگ ہے۔ جنگ کے لئے بہادری اور شجاعت
کی سخت ضرورت ہے۔ شجاعت سے مراد ہماری یہ ہے کہ طبیعت میں ایسی قوت ہو کہ وہ
خوف اور خطروں کا مقابلہ استقلال اور تحمل کے ساتھ کرائے۔ جس میں یہ صفت ہوتی ہے
اس کی عزت دل میں بغیر اس خیال کے پیدا ہوتی ہے کہ اس کی شجاعت آزادی
کی حفاظت کرکے چین و آرام پیدا کریگی۔ یا ظلم کی حمایت کرکے سر پر بلائیں لائیگی

ایک شجاعت تو بہ مجبوری کرنی پڑتی ہے۔ کہ کوئی خدمت و منصب ایسا ہوتا ہے۔ کہ اگر اُس کے سبب سے خوف و خطر کا مقابلہ نہ کیا جاے تو ناک کٹ جاے اور ساری عمر بدنامی رہے۔ ایسے محل پر شجاعت کرنا اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ اس سبب سے نیکنامی نہیں حاصل ہوتی بلکہ بدنامی سے بچاؤ ہوتا ہے۔ دوسری شجاعت وہ ہے جو آدمی خود بخود کرتا ہے اُس کو اختیار ہوتا ہے خواہ پلنگ پر آرام سے سوئے۔ یا آدھی رات کو دشمن کے شہر میں آگ لگانے کے لئے فصیل پر کمند لگا کے اتر جائے۔ جاڑے پالے برف میں جہازوں کے لئے نئی راہیں تلاش کرے اور طوفان سے مقابلہ کرے جو یہ کرتے ہیں وہ بڑے اولوالعزم عالی ہمت ہوتے ہیں +

(۳) شجاعت کو فضیلت میں یعنے نیکی میں شمار کرنے کے اندر بڑی احتیاط چاہئے جب تک اس کا سبب اور وسائل اور مآل نہ معلوم ہوں وہ فضیلت میں نہیں شمار ہو سکتی اگر کوئی شخص اپنی حرص و آز اور جاہ کے واسطے جان کو جوکھوں میں ڈالے مثلاً پہاڑوں میں دور دراز سفر اس لئے کرے کہ اُن کی معدنیات کا مالک ہو جاے۔ یا اُن قوموں کو جو اُس کے زبردست ہتھیاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی محکوم و مطیع بنالے تو ایسی شجاعت نیکی میں نہیں گنی جائیگی نہ اُس کا کرنے والا شجاع سمجھا جائیگا۔ وہ تو ایک قزاق چور ہے جو مال کی طمع میں پھانسی اور سزا کی پروا نہیں کرتا۔ یا وہ احمق ہے جو اپنے کل مال کو لوٹری کے ٹکٹ میں لگا دیتا ہے + جو شجاع بے غرض اور وں کے فائدہ کے لئے خوف و خطر کا مقابلہ کرتا ہے اور جان کو جوکھوں میں ڈالتا ہے۔ وہ تحسین و آفریں کا مستحق ہے۔ ایسے ہی شجاعوں کے بت صنم خانوں میں رکھے جاتے ہیں اور وہ دیوتا سمجھے گئے ہیں اور اُن کے نام کے عبادت خانے بنائے گئے ہیں اور اُن کی تصاویر کی پرستش ہوئی ہے شجاعت کے ساتھ عزت توام ہے اور عزت کے ساتھ فضیلت +

بھل منسائی اور بھلائی کرنا۔

بھلائی کرنے سے مراد ہماری یہ ہے کہ خلائق کی خیر خواہی و بہبودی اور بہتری کو اپنی عادت بنا لیں۔ بھل منسائی سے یہ مراد ہے کہ آدمی کا دلی میلان اور انسانوں کی بہی و خیر خواہی کے واسطے ہو۔ سب اور نیکیوں پر اس نیکی کو شرف حاصل ہے کوئی اس سے زیادہ دل کی بزرگی نہیں ہے۔

اس میں جناب الہی کا خلق پایا جاتا ہے اگر آدمی میں یہ نیک خو نہ ہو تو پھر وہ کیڑے مکوڑے سے بہتر نہیں ہے۔ بلکہ وہ شریر اور ذلیل ہے۔ یہ بھلائی کرنا خیر الہی ہے اس کو فیاضی کہتے ہیں۔ اس میں افزونی نہیں ہو سکتی۔ مگر غلطی ہو سکتی ہے مثلاً ایک شخص اپنا سارا مال متاع خیرات کر دے جس سے تمام خاندان مفلس ہو جائے۔ اور پھر اس میں بالکل فیاضی کی قابلیت نہ رہے یا یہ دولت کو غیر مستحقوں میں تقسیم کر دے تو ان دونوں باتوں میں یہ نہیں سمجھا جائیگا۔ کہ فیاضی کے مقدار میں افزونی ہوئی۔ بلکہ یہ جا تا جائیگا کہ فیاضی کرنے میں غلطی ہوئی۔ ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے چال چلن کو خواہ کیسا ہی وہ نیک ہو عقل کا مطیع و منقاد رکھیں اور اپنے سب فرائض کے ادا کرنے میں عقل کو رہنما بنائیں اگر نیک مزاج بے پروائی سے نیک کام کرتا ہے تو اس سے برائی پیدا ہوتی ہے مثلاً ایک شخص اپنی نرم دلی کے سبب سے مجرموں کو سزا نہ دے تو وہ ایک خاص گروہ کو مشتبہ فائدہ پہنچاتا ہے مگر ہزاروں آدمیوں کا نقصان کرتا ہے تکلیف پہنچانے کے لئے مظلوموں پر ظالموں کو چھوڑتا ہے یا ایک بڑا دولت مند فیاضی سے کاہل بدمعاشوں کی پرورش کرتا ہے تو وہ محنت شعاری کو برباد کرتا ہے اور اس سے تمام قوم کی تونگری اور اخلاق کو خراب کرتا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بے تمیزی کے ساتھ خیرات دینا بہ نسبت فائدہ کے نقصان زیادہ کرتا ہے اور سستی و کاہلی کی طرف رغبت دلاتا ہے اور مکر و فریب بڑھاتا ہے۔ اگر تم کوچہ و بازار کے میلے کچیلے چیتھڑے لگائے ہوئے

فقیروں کو خیرات دو تو گویا اُن آدمیوں کو تم گرا یہ پر رکھتے ہو جو میلے کپڑے پہنیں
اپنی مصیبت کی جھوٹی کہانیاں بنائیں اگر تم خوب تحقیق کر کے سچے محنتی آدمیوں کو اس
صورت میں خیرات دو کہ آفات ناگہانی میں وہ مبتلا ہو گئے ہیں تو تم اُن کے ساتھ
فقط نیکی ہی نہیں کرتے ہو بلکہ محنت جو دیانت کے ساتھ کی جاتی ہے اُس کی حمایت کرتے
ہو + بعض نیک نہاد یہ کہتے ہیں کہ ہم خیرات میں اپنی نیت کو دیکھتے ہیں کہ سوا محتاجوں
کے احتیاج رفع کرنے کی اور نہیں ہوتی + اگر کوئی محتاجوں کی صورت مکر و فریب سے بنا کر
ہم سے کچھ لے جائے تو اُس میں ہمارا کیا قصور گناہ ہے۔ یہ اُس کی خطا ہے جس نے مکر و فریب کیا
یہ خیال اُن کا صحیح جب ہے کہ وہ تحقیق تفتیش کے بعد محتاج کو دیں لیکن اگر تحقیق نہیں کی تو
اُن کی اور مکار کی دونوں کی خطا ہے۔ وہ اپنے معاملات میں جن کے اندر اُن کی غرض
متعلق ہوتی ہیں دیکھیں کہ اگر وہ کسی شخص کو اہل کار مقرر کر کے کہیں کہ وہ ہمارے لئے گھوڑا یا مکان
یا کوئی اور چیز خریدے اور وہ اُسے بہت سی قیمت دے کر خرید لے اور یہ عذر کرے کہ میں نے
بیچنے والے کی بات کو بے تحقیق صحیح سمجھ کر قیمت کا روپیہ دیدیا۔ یہ اگر خطا ہے تو بیچنے والے کی ہے
کہ اس نے مجھ سے دغا کی میرا کیا اس میں دوش ہے تو کیا تم اس سے یہ نہیں کہو گے کہ جیسی فریب کنندہ
کی یہ خطا ہے کہ اس نے تم کو دغا دی اور سستے کے مال کے روپئے لے لئے۔ ویسی ہی
تمہارا یہ قصور ہے کہ چیز کی واجب قیمت چکانے کے لئے تحقیق میں تکلیف نہیں اٹھائی +

پس اس اصول پر غور کر کے یہ سمجھو کہ خدا نے تم کو اپنی دولتوں کا خزانچی مقرر کیا ہے اس کو ناحق
نہ اڑاؤ۔ بہتر طور سے اُسے خرچ کرو اور اپنے غفلت کی خطا کو دوسرے کی بدچلنی کی پناہ میں نہ
لے جاؤ۔ اب اس بات کو اکثر عاقل تسلیم کرتے ہیں کہ محتاجگی دور کرنے سے اور محتاجگی زیادہ
بڑھتی ہے۔ ہاں بیمار اور اپاہج اس قسم کے محتاج ہیں کہ وہ اپنی احتیاجوں کو نہیں بڑھا
سکتے کہ زیادہ اپنے تئیں بیمار یا اپاہج کریں۔ اس لئے ایسوں کی احتیاجیں زیادہ تر دور
کرنی چاہئیں اور اُن کے ساتھ بھلائی کرنا انسان کے دل پر منقش ہے۔ اگر وہ انسان کے

ساتھ بھلائی نہیں کرتا تو جانوروں کے ساتھ کرتا ہے۔ تم نے بعض بے رحم آدمیوں کو دیکھا ہوگا
کہ وہ کتے بلیوں کو کیسا پیار کرتے ہیں اور عمدہ کھانے کھلاتے ہیں ۔

(۲) اہل اٹلی کی ایک ضرب المثل مشہور ہے کہ وہ ایسا نیک ہے کہ کسی کام کا نہیں اُن کے
ایک فاضل نے کہا کہ متقدمین نے عیسائیوں کو نیکی کا ایسا بتا کے ایسا ضعیف اور نامرد کر دیا ہے کہ اُن کو
یہاں اپنے انتقام کا خیال نہیں ہوتا ——— بہشت میں سے خریدنا چاہتے ہیں گو قوت
بازو اور شجاعت سے نہیں میں خود اس طرح زیست بسر کرنے کو اپنے مذہب کے برخلاف
جانتا ہوں جنھوں نے اس پیرایہ میں مذہب کی تشریح کی وہ غریب پست ہمت تھے
کہ سوا آرام طلبی کے کسی بڑے امر خیر کو نہیں چاہتے تھے ۔ اگر عیسائی مذہب کا
حکم یہ ہے کہ وہ اپنے ملک اور قوم کو سربلند کریں تو اُن پر فرض ہے کہ وہ ملک و قوم
سے محبت کریں اور اس کی عزت اس طرح رکھیں کہ سارا سامان حفاظت کا مہیا
رکھیں عیسائیوں کی بود و باش کا جو طریقہ ہے وہ ان کے مذہب کے بالکل برخلاف ہے
جو اُن کو کام کرنا چاہیئے وہ کرینگے تو اپنی حفاظت کر سکینگے ۔ اور اگر وہ کام کرینگے
جو کرتے آئے ہیں تو تباہ اور خستہ حال رہینگے ۔ جو نرم دل یہ چاہتا ہے کہ میں کام
میں دیانت دار رہوں وہ بڑے نقصان میں رہتا ہے اور جوکھوں میں پڑتا ہے
بڑے مخالف اصولوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اسلیئے بادشاہوں کو سخت دل رہنا
چاہیئے ۔ اور حسب ضرورت نرم دل ہونا +

آج کل دنیا میں اسی بات کو خوب جانتے ہیں کہ آدمی وہ کام کرے جو آدمی
کرتے آئے ہیں ۔ نہ وہ کام جو اُس کو کرنا چاہیئے ۔ یہ ممکن نہیں کہ آدمی اپنے میں
سانپ کی سی دانائی اور فاختہ کی سی بے گناہی جمع کر سکے ۔ آدمی پر لازم ہے کہ
بدی کی فطرت و صفت سے خوب واقف ہو ۔ کیونکہ بغیر اس کے نیکی بے حفاظت رہتی ہے
طعن و خوف سے بچنے کے لیئے یہ بہتر ہے کہ آدمی کو علم اپنی نیک عادت کی غلطی پر

ہو جاؤ اور آدمیوں کی بھلائی چاہو۔ مگر یہ نہیں کہ اُن کے بشرے اور توہمات کے غلام بن جاؤ یعنے کوئی شخص تمھارے پاس اپنا بشرہ بناتا ہوا اور توہمات بتلاتا ہوا آئے تو تم اپنی نرم دلی سے اُس کو پیار کرنے لگو اور اُس کی بہبودی کے درپے ہو جاؤ۔ اور اپنے دل کو اُس کی ساتھ وابستہ کرو ہر شخص کی ساتھ وہ سلوک کرنا چاہیے جو اُس کے لئے مناسب ہے۔ لقمان کی مرغ کی حکایت یاد رکھو کہ اُس کو ایک اناج کا دانہ گوہر کے دانہ سے زیادہ خوش کرتا ہے ✤

(۳) خدا تعالیٰ کو دیکھو کہ وہ سب بُرے بھلے ظالم عادل پر اپنا مینہہ برساتا ہے اور سورج چمکاتا ہے۔ مگر نہ سب پر دولت کا مینہ برابر برساتا ہے۔ نہ عزت و دولت کی روشنی سب کو مساوی پہنچاتا ہے۔ اُس کے عام فیض سب کو برابر پہنچتے ہیں مگر اُس کے خاص فیض خواص ہی کو ملتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو خود اپنی ساتھ محبت کرنے کو بجیاسے جربہ کی بنایا ہے اور ہمسایہ کی محبت کو تصویر۔ تم تصویر بنانے میں جربہ کو نہ توڑو۔ اوروں کی خیرخواہی میں عقل کو رہنما بناؤ۔ وہ انسان کے وہم و خیال کے مطابق نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ضرورت مصلحت کے موافق حاجت مندوں پر بھی اور اپنے وسائل پر بھی نظر کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص وسائل تھوڑے رکھتا ہے۔ اور فیاضی زیادہ کرتا ہے تو چشمہ خالی کرتا ہے اور وہار بہاتا ہے ✤

(۴) عقل مستقیم کی ہدایت سے خیرخواہی خلائق کی عادت نہیں پیدا ہوتی بلکہ وہ بعض آدمیوں کی جبلت و فطرت میں داخل ہوتی ہے برخلاف اس کے یہی ہوتا ہے کہ بدخواہی خلائق بعض آدمیوں کی طینت میں ہوتی ہے۔ اس خوئے بد کا ادنےٰ اثر تو یہ ہے کہ مزاج میں چڑچڑاپن ہٹ دھرمی۔ مقابلہ کے لئے تیاری۔ کسی بھلائی کی طرف مشکل سے رغبت کرنا پیدا ہو اور اعلیٰ اثر یہ ہے کہ حسد اور شرارت پیدا ہو۔ ایسے آدمیوں کی خوشوقتی اُس وقت ہوتی ہے کہ اور لوگ مصیبت میں مبتلا ہوں وہ لیزبرک کے کُتّے سے بھی بدتر ہوتے ہیں جس نے اُس کے زخم کو چاٹا تھا۔ اُن کا حال مکھیوں کا سا ہوتا ہے کہ زخم جب تک ہرا ہے اُس کے گرد بھن بھناتی ہیں اُن کو آدمیوں سے نفرت ہوتی ہے اُن کا حال طائی من کا سا ہوتا ہے

کہ جس نے کہا تھا کہ میرے باغ میں ایک درخت نشو و نما پاتا ہے میں اس کو اپنے مطلب کے لئے کاٹ لیتا ہوں کچھ دنوں کے بعد آسے اُکھیڑ کر پھینک دونگا۔ میری دوستو اور اہل اتی تھنز کے سب چھوٹے بڑوں سے کہہ دیا جاوی کہ جس کسی کو اپنی مصائب کا دور کرنا منظور ہو۔ وہ اُس سے پہلے کہ میرے درخت پر کلھاڑی لگے اُس کی شاخوں میں لٹک کر اپنے تئیں پھانسی دے لیں۔ بس ایسی ہی وہ لوگ درخت نہیں دیتے ہیں اُن کی شاخیں پھانسی لگانی کے واسطے دیتے ہیں ✣

(۵) خیر خواہی خلائق کی اجزا اور نشانیاں اور بہت سی ہیں جو شخص غیر آدمیوں پر لطف و کرم کرتا ہی۔ اُس کو کسی خاص شہر کا باشندہ نہ جاننا چاہئی۔ بلکہ ساری دنیا کا ✣ اُس کے دل کا حال جزیرہ کا سا نہیں ہوتا ہی کہ ساری زمینوں سے علیحدہ اور بریدہ ہو بلکہ اقلیم کا سا ہوتا ہے کہ اور زمینوں سے ملا ہوا ہی۔ اگر وہ اوروں کی تکالیف اور رنج و محن کو دیکھ کر شفقت اور رافت کرتا ہے تو اُس کا دل درخت کا سا ہی کہ خود زخمی ہو کر اوروں کے لیئے مرہم تیار کرتا ہے۔ اگر وہ اوروں کے قصوروں اور خطاؤں کو آسانی سے معاف کرتا ہی تو اُس کا دل ایسا ہو گیا ہے جس پر کوئی گزند نہیں پہنچتا ہے اور نہ کوئی نشانہ تیر لگ سکتا ہے سب سے بڑی بھلائی یہ ہے کہ آدمی خلائق کی خیر خواہی میں اپنے تئیں سرتا پا وقف اور قربان کر دے ✣

(۶) بھلائی چھپ کر کرو اور اُس کی شہرت پانے سے منفعل ہو۔ جن کو خدا روشن ضمیر بناتا ہے وہ اپنی شعاعوں سے اوروں کو روشن کرتے ہیں اگر اوروں کی ساتھ بھلائی جتنی کرنی آدمی چاہتا ہو اُتنی نہ کر سکے تو جتنی کر سکے اُس میں کوشش کرے۔ جیسے بلسان کا درخت اپنا تیل اوروں کے فائدے کے لئے نکالتا ہے اپنے لئے نہیں ایسے ہی نیک آدمی اوروں کے فائدہ کے لئے خود اپنے تئیں تکلیف دیتے ہیں اور بڑے بڑے کام کرتے ہیں بھلائی کا درخت خدا ہی نے لگایا ہے۔ وہی اُس کو پانی دیتا ہی وہی اُس میں کلیاں اور پھول

لگاتا ہی۔ اور پھل لاتا ہی +

(۷) تخلق باخلاق الٰہی یہی ہی کہ جہاں تک ہمارا اختیار اور اقتدار ہو۔ وہاں تک ہم ہمیشہ کریں خلائق کی بھلائی کے لئے منصوبہ باندھیں تمام دنیا کے فائدوں کی ترقی پر کمربستہ ہوں نیک آدمیوں کی پہچان یہ ہے کہ اُن کے تمام دوست آشنا نیک ہوں اور دشمن آپ کے بد ہوں

(۸) دنیا میں ہزاروں آدمی سانس لیتے ہیں چلتے پھرتے ہیں رہتے سہتے ہیں طفلی جوانی پیری۔ بسر کرکے چل بستے ہیں پھر کوئی اُن کا نام نہیں لیتا یہ کیوں اسلئے کہ انہوں نے دنیا میں کوئی بھلائی کا حصہ نہیں لیا کسی کو کوئی نعمت اور برکت ایسی نہیں دی نہ ایک سطر لکھی نہ کوئی بات ایسی کہی کہ اُس کو کوئی یاد کرتا وہ فنا ہوگئے۔ اُن کی زندگی تاریکی میں چلی گئی۔ جیسے حشرات الارض کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ ایسا ہی اُن کو بھی کوئی یاد نہیں کرتا تم کیا اس طرح کا جینا مرنا چاہتے ہو؟ تم کو چاہئے کہ ایسی بھلائی کے کام کرو۔ کہ مرنے کے بعد وہ زندہ رہیں اور انقلاب زمانہ کا طوفان اُن کو نہ مٹا سکے۔ مدارات کو بو دوستی کا پھل پاؤ رحم دلی اور الفت کا درخت لگاؤ محبت کا ثمر پاؤ۔ لوگوں کو احسان کرکے خوش کرو۔ یہ کام کبھی بے ثمر نہیں ہوتا۔ احسان کرنے کا اجر ضرور ملتا ہی۔ ان کاموں کی قلم سے اپنا نام لوح دل پر یا یقرہ خط میں لکھو تو تمہارا نام ایسا چمکے گا جیسا کہ سر شام ستارے چمکتے ہیں اور تمہارے کام ایسے روشن ہونگے جیسے کہ آسمان پر ماہ و مہر +

امارت امرا اور شرافت شرفا

اوّل ہم اُن امراء کی امارت کا ذکر کرتے ہیں جو ارکین سلطنت ہوتے ہیں اور پھر خاص شرفا کی شرافت کا ذکر کریں گے جس سلطنت میں امرا ارکین سلطنت نہ ہوں وہ یک قہری سلطنت ہے سلطنت میں اُمرا کا ہونا بادشاہ کی خود مختاری کو روکتا ہے اور شتر بے مہار ہونے نہیں دیتا وہ خاندان شاہی کی طرف سے رعایا کی نظر کو اپنی طرف پھیر لاتے ہیں سلطنت جمہوری میں اُن کا ہونا کچھ ضرور نہیں امرا میں ان کے ہونے سے وہ امن امان

نہیں ہوتا جو نہ ہونے سے رہتا ہے۔ اس میں رعایا کاموں کو دیکھتی ہی کام کرنے
والوں کو نہیں دیکھتی۔ اور اگر اُن کی طرف دیکھتی ہی تو کچھ امارت کی نشانیوں اور خاندانی
شجروں کے سبب سے نہیں بلکہ کاروبار کی خاطر سے کہ وہ اُن کے لائق ہیں یا نہیں بادشاہ
کی شان و شکوہ کو باوقار و با اختیار اُمرا بڑھا دیتے ہیں مگر اُسکے زور کو گھٹا دیتے ہیں
رعایا میں اولوالعزمی اور جرأت ہمت پیدا کر دیتے ہیں مگر اُس کی دولت کو دبا دیتے
ہیں۔ یہ بہتر ہے کہ حکومت و عدالت میں تو بادشاہ کی برابر درجہ اُمرا کو ملے نہیں مگر وہ
رعایا اور بادشاہ کے درمیان میانجی ایسے رہیں کہ رعایا کی گستاخیوں کا سلسلہ اُنہیں
پر ٹوٹ جائے۔ بادشاہ تک اُس کی نوبت نہ آئے۔ جب اُمرا کی کثرت ہوتی ہی تو اُنکے
خرچ اُٹھانے سے رعایا زیر بار ہو کر مفلس ہو جاتی ہے اور تکلیفیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔
علاوہ اس کے یہ بھی ایک امر ضرور ہے کہ ایک زمانہ میں امرا ایسے کم دولت ہو جائیں
کہ اُن کی آمد و خرچ میں کچھ مناسبت نہ رہے۔ خرچ آمد سے کہیں زیادہ ہو جائے۔ خاص شرفا
کی شرافت کا حال یہ ہے کہ جب ایک قدیم قلعہ و عمارت کو جس میں کوئی فرسودگی اور
بوسیدگی نہ ہو اور ایک لکڑی کے پرانے درخت کو جس میں کچھ نہ بگڑا ہو نہ گھن لگا ہو
عظمت کی نظر سے دیکھتے ہو تو شرفا کے قدیمی خاندانوں کو جو زمانہ کی حوادث کی
طغیانی کا مقابلہ کر کے بچا رہا ہے۔ کیوں نہ عزت کی نگاہ سے دیکھیں جب بے جان
اشیاء کی قدامت کی عزت کرتے ہیں تو جانداروں کی عزت اُس سے کہیں زیادہ کرینگے
امرا جدید اپنی قوت بازو سے پیدا ہوتے ہیں اور امراء قدیم زمانہ کی مساعدت سے
جو لوگ اول امارت کے درجہ پر سرافراز ہوتے ہیں وہ گو نیکوکار زیادہ ہوتے ہیں مگر اولاد
کی طرح بے گناہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ کوئی امارت کی سربلندی نہیں حاصل ہوتی۔ جب تک نیکی و
بدی دونوں اُس میں شامل نہیں ہوتیں اولاد اُن کی نیکیوں اور خوبیوں کو یاد کرتی ہی
اور بدیوں کو اُن کے ساتھ دفن کر کے بھلا دیتی ہے اُمرا حاسد تو ہوتے ہیں اس لیے کہ

خاندانی امیر جفاکش کم ہوتے ہیں اور جو جفاکش کم ہوتا ہے وہ جفاکش پر حسد کرتا ہے
سوا اس کے امرا ایک درجہ تک بلند ہو کر ٹھہر جاتے ہیں۔ اور نہ زیادہ اونچے بلند نہیں ہوتے اور
نئے نئے آدمی بلند ہو کر ان کے پاس آتے ہیں تو پھر مشکل ہی کہ وہ اُن پر حسد نہ کریں لیکن
محسود کم ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ معزز ہوتے ہیں کسی بادشاہ کے پاس خاندانی امرا لائق
موجود ہوں تو وہ اُن کو سلطنت کے کارہائے بزرگ آسانی سے سپرد کرسکتا ہے کیونکہ رعایا
بالطبع ان کی طرف ملتفت ہوتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ حکومت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ؛

(۲) جو لوگ شرافت نسب رکھتے ہیں اُن کا کچھ پاجی کمینہ ہو جانا ناممکن نہیں ہے +
امارت کا سہرہ سر پر زمانہ کے ہاتھ سے بندھتا ہے اگر کوئی شخص شرافت امرا کو بے قدر
جانے تو پھر انسان اور حیوان کی اولاد میں کیا فرق و تمیز باقی رکھے گا + شریف امرا
حاسدوں کی حسد سے بھی نیکی حاصل کرتے ہیں کہ اُن پر مہربانی کرتے ہیں یہ شاذ ہے کہ نیکی
سے امارت پیدا ہو اور اس سے زیادہ یہ شاذ ہے کہ امارت سے نیکی پیدا ہو۔ انسان کو
امارت حاصل کرنے کا وہ شوق دامنگیر ہے کہ زمانہ کی دوڑ میں وہ ایسا دوڑتا ہے کہ نیا
امیر بن جاتا ہے اور اُس کی بغل میں پرانے امیر بے حس و حرکت بت بنے ہوئے معلوم ہوتے
ہیں اور اُس سے پیچھے رہ جاتے ہیں +

(۳) شرافت نسب کی وہی شخص بے قدری کرتا ہے جو خود شرافت نسب نہیں رکھتا۔ اور
شرافت نسب کا فخر وہی شخص کرتا ہے جو کوئی ہنر اپنی ذات میں ایسا نہیں رکھتا کہ اُس پر
فخر کرے جو شرفا نجابت ذات اور اصالت نژاد رکھتے ہیں وہ پیشے اور حرفے رذیل
کرتے ہیں تو وہ یہ افسوس کرتے ہیں کہ ہم ایسے بزرگوں کی اولاد ہو کر یہ کاسب خسیسہ کرتے
ہیں اور رذیلوں کی اولاد جو امارت کے کام کرتے ہیں وہ افسوس کرتے ہیں کہ ہمارے
باپ دادا رذیل کام کرتے تھے۔ مگر یہ دونو افسوس اُن لوگوں کو ہوتے ہیں جو حسن اخلاق سے
معرا ہوتے ہیں ورنہ جو لوگ سچی شرافت رکھتے ہیں وہ شرمندہ ایسی باتوں سے نہیں ہوتے

بلکہ پاجی پنے کی بات کے سرزد ہونے سے اب لوگ کہتے ہیں کہ شرافت وہ نہیں جو باپ دادا سے ورثہ میں ملے۔ بلکہ وہ جو انتخاب سے یعنے لوگوں کی پسند سے ہاتھ آئے سچ یہہ ہے کہ سخاوت بڑی شرافت ہے ❖

الحاد (خدا کے ہونے سے منکر ہونا)

انگریزی لفظ اتھیزم کے اصلی معنی خدا کے وجود سے انکار کرنے کے ہیں ہم نے اُس کا ترجمہ الحاد کیا ہے جس کے عربی زبان میں معنے دین سے پھر جانے کے ہیں وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہہ کہ انسان کو یقین ہو کہ خدا نہیں ہے دوم یہہ کہ یہہ یقین ہو کہ کوئی نہیں جانتا کہ خدا کی صفات کیا ہیں انسان کا اعتقاد کوئی اس سے بدتر نہیں ہے کہ خدا کے نہ ہونے کا یقین کرے۔ ساری دُنیا کی جھوٹی کہانیوں اور دروغ افسانوں کو یقین کر لینا ایسا کل نہیں ہے جیسا اس بات کا کہ یہ سارا عالم بغیر کسی مدبر و منتظم خالق کے ہست ہو گیا ہے خدا نے اپنے منکرین کے وجوہ رد کرنے کے واسطے معجزے نہیں کئے وہ خود اُس کے تمام کاموں سے رد ہوتے ہیں یہ سچ ہے کہ جب آدمی فلسفہ شروع کرتا ہے۔ اور تھوڑا سا ہی اس کو اوپر اوپر کا علم ہوتا ہے تو علت ثانیہ پر جو حواس سے محسوس ہوتے ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہے اور وہیں ٹھیر جاتا ہے اور وجود الٰہی کے انکار پر اُس کو مبادرت ہوتی ہے مگر جب فلسفہ کو نظر تعمق سے مطالعہ کرتا ہے اور اُس کو استعداد حاصل ہوتی ہے اور اُس کی تہ پر پہنچتا ہے تو علت ثانیہ سے علت اولی یعنی علت العلل پر (خدا) جس میں حواس کو دخل نہیں ہے اُس کا ذہن منتقل ہوتا ہے اس سے زیادہ کیا کم عقلی اور ہوگی کہ آدمی یہ یقین کرے کہ ہمارے چار عنصر ناپائدار اور پانچواں عنصر پائدار جس سے اجرام فلکی پیدا ہوئے ہیں خود بخود اس خوش اسلوبی سے ترتیب و اندازہ کے ساتھ ترکیب پا گئے ہیں اور اُن کو کسی منتظم اور مدبر کی ضرورت نہیں ہوئی یہہ کیونکر ہو سکتا ہی کہ ایک بے انتہا چھوٹے چھوٹے ذروں یا بجیوں کی فوج خود بخود مجتمع اور منتظم اور حسین بغیر خدا کے سپہ سالاری کے ہو جانے ملحد زبان سے

خداتعالی کے وجود کا انکار کرتا ہے مگر دل میں اُس کے ضرور کچھ نہ کچھ اقرار ہوتا ہے
کہتے ہیں کہ ملحدرات کو خدا پر آدھا یقین کرنے لگتا ہے وہ ضرور کسی ایسی چیز کو
مانتا ہی جس میں صفات الٰہی پائی جاتی ہیں اُن کا حال وحشی قوموں کا سا ہوتا ہی کہ اپنی
جہالت وحشت کے سبب سے الفاظ میں خدا کی تعریف نہیں کر سکتے مگر افعال میں وہ بتوں
کی پرستش اس طرح کرتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خدا کا خیال ہے۔
دہریہ دہر میں وہی صفات مانتا ہے جو خدا میں ہیں ملحد خدا سے انکار کرنے والے دنیا
میں بہت تھوڑے ہیں مگر اُن کی تعداد ہمیشہ مبالغہ سے بیان کی جاتی ہے بعض حکما
کے نزدیک دُنیا میں ایسے ملحد کا وجود نہیں ہے کہ جس کو یہ یقین ہو کہ خدا نہیں ہے۔ الحاد کی
اسباب یہ ہوتے ہیں اوّل مذہب کی تفریق اگر اُس میں دو فریق ہوں تو مذہب کی حمایت
کا جوش اور شوق بڑھ جاتا ہے مگر جب اُس میں فریقوں کی کثرت ہو جاتی ہے تو آدمی
مذہب سے پھرنے لگتے ہیں اور ملحد ہو جاتے ہیں دوم علماء مذہبی کا بد اخلاق ہونا پھر یہ
کوئی نہیں کہتا کہ علما ایسے بُرے ہیں جیسے اور آدمی بلکہ اور آدمی ایسے بُرے نہیں جیسے
عُلما۔ سوم مقدس چیزوں کی اہانت ہنسی اور مسخرگی اس سے رفتہ رفتہ مذہب کا
ادب آدمیوں کے دلوں سے اُڑ جاتا ہے چہارم زمانہ جس میں علم زیادہ ہو اور لوگ امن و
امان سے خوش وخرم رہتے ہوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ مصیبت میں آدمی کو خدا بہت
یاد آتا ہے اور اُس کو مانتا ہے۔ ملحد شرافت انسانی کو مٹاتے ہیں کیونکہ انسان میں
ایک جزو حیوانی ہے جو حیوانوں سے ملتا ہے اور دوسرا جزو روحانی ہے جو رحمان
سے ملتا ہے پس جب دوسرا رشتہ تعلق قطع کیا گیا تو انسان حیوان ہی رہ گیا شرافت
روحانی اُس سے دور ہو گئی علاوہ اس کے وہ انسان کی شان وشوکت اور انسانیت
کی ترقی کو بھی روکتا ہے اِس بات کو کُتے کی مثال سے سمجھاتے ہیں انسان کُتے
کی پرورش کرتا ہی تو وہ انسان کو اپنا خدا جانتا ہے اور اُس کے سبب سے وہ کیسے کیسے

جرأت اور وفا کے کام کرتا ہے - یہ کام اُس سے ہرگز نہ سرزد ہوتے اگر انسان جو اُس سے غیر ہی اُس کی اعانت اور حمایت نہیں کرتا۔ اسی طرح آدمی جب خدا کی حمایت پر بھروسا اور یقین کرتا ہی - تو اُس کو ایمان اور تقویتیں ایسی حاصل ہوتی ہیں کہ وہ صرف طاقت بشری سے کبھی نہیں ہاتھ آسکتے ہیں خدا کو نہ ماننا اور اُس کے ہونے کا انکار کرنا سب طرح سے قابل نفرت ہے - ایسا کرنا فطرت انسانی کو ان وسائل سے محروم کرتا ہی - جو اُس کو عجز بشری سے نجات دیتے ہیں خدا کا انکار ایک شخص کرے - یا ایک قوم دونو پر ایک سا اثر ہوتا ہے +

(۲) خدا پرستی کا زور سب زوروں پر غالب ہے - جو قوم کہ خدا پرست ہوتی ہی خواہ وہ تعداد میں اور جسمانی قوا میں مکر و فریب میں علم و ہنر میں وطن و قوم کی محبت میں اور قوموں کی برابر نہ ہو - مگر وہ اپنی سچی خدا پرستی اور مذہب کی پابندی کے سبب سے اُن پر غالب آتی ہے +

(۳) یہ امر امکان سے باہر ہے کہ انسان کا دل سچے خدا سے منکر ہو - ملحد بڑا مکار ہوتا ہی جو سچا ملحد ہے وہ مقدس چیزوں کو پکڑتا ہے مگر اُن کا ادب نہیں کرتا - الحاد کا اُلو بےحیائی کے پر لگا کے دوپہر کو اُڑتا ہے اور جب آسمان پر آفتاب درخشاں ہوتا ہی تو اپنے پپوٹے خوب بند کرکے بولتا ہی کہ میں کہاں ہوں وہ ملحد تو ایک پیپ کا سیور ہوتا ہے جو ہوا سے خالی ہوتا ہے بھلا اُس میں اِس کی عقل کے پر و بازو کیا اُڑ سکتے ہیں اور اس کی فصاحت و بلاغت کی آواز کب نکل سکتی ہے اجرام فلکی کو ملحد دیکھے تو وہ ایسا اندھا نہیں بن سکتا کہ اسکو اِس عجیب و غریب عالم کا منتظم و مدبر و خالق نظر نہ آئے - جہالت - غرور - قوی حواس ضعیف عقل خوش خوراکی - بری طرح زندگی بسر کرنے سے الحاد پیدا ہوتا ہے وہ سوسائٹی کے واسطے وبا ہے - آخر اخلاق میں وہ فساد پیدا کرتا ہے مال کا وہ دشمن ہی - آدمی ملحدانہ زیست بسر کر سکتا ہے - مگر وہ دل میں ملحد نہیں ہو سکتا - کوئی آدمی ملحد کی برابر ذلیل و خوار نہیں ہوتا

اس کا عقیدہ کہتا ہے کہ وہ بیڈول مٹی کا ڈھیر ہے ایک سست رفتار کل ہے۔ روح بغیر ایک بولتا ہوا سر ہے۔ اسکے تمام خیالات قوانین حرکت کے پابند۔ اسکے تمام کام پہلے سے متعین اُس میں اس سے زیادہ آزادی نہیں جیسے کہ دریا کی دھار کو۔ یا طوفان باد تیز کے جھونکے کو۔ جہاں انتخاب نہیں وہاں لیاقت نہیں ملحد سچا دوست محبت والا رشتہ مند۔ خیر خواہ رعایا نہیں ہو سکتا +

(۳) ملحد تو روح کو چھری بھونک کے بالکل اس کا کام تمام کرتا ہے۔ نجات اخروی سے ہاتھ دھوتا ہے گناہ گار آدمی تو حیوانوں سے کمتر ہوتے ہیں مگر ملحد شیاطین سے بدتر ہوتے ہیں کیونکہ شیاطین خدا کا یقین کرتے ہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں +

(۴) جنگل میں جب کسی وحشی آدمی کا نشان قدم ملحد دیکھتا ہے تو آدمی کے ہونے کا اس کو یقین ہوتا ہے گو پہلے سے وہاں اُس کی صورت نہ دیکھی ہو تو کیا وہ اُس خالق اکبر کا یقین نہیں کریگا۔ جس کے ہاتھوں کے نشان سارے عالم پر منقش ہیں +

(۵) ملحد بڑا ہوشمند ہوتا ہے وہ اہل مذہب سے کہتا ہے کہ خدا نہیں ہے تو کیوں مذہبی تکالیف اُٹھاتا ہے اہل مذہب جواب دیتا ہے کہ مذہب سے میرا نقصان کیا ہوتا ہے۔ اُسکے سبب سے مجھے کچھ شہوات نفسانی کو مارنا پڑتا ہے جو میرے حق میں نہایت مفید ہوتا ہے کچھ تھوڑی سی ظاہرا تکالیف اُٹھانی پڑتی ہیں جس سے میرا دل اندر سے راضی اور خوش ہوتا ہے اس پابندی مذہب کے سبب سے شاید لوگ میرا بڑا ادب کرتے ہیں اور بے ریا وفادار دوست ملتے ہیں میں تجھ سے زیادہ خوش وخرم اور تندرست رہتا ہوں۔ اور اس دُنیا کی بہت سی بُرائیوں اور سزاؤں سے ایسا بچتا ہوں کہ تو نہیں بچتا۔ اگر خدا نہ ہوا تو میں اور تو دونو یکساں و برابر ہیں اگر خدا ہوا تو پھر تیری بڑی کم بختی ہے اگر خدا کے ہونے اور نہ ہونے کے دلائل برابر کانٹے کی تول ہوں تو بھی خدا کے نہ ماننے میں جو بھاری جوکھوں اور خوف ہیں وہ ماننے میں نہیں ہیں کہ اگر خدا

نہ ہوا تو ماننا نہ ماننا اُس کا برابر ہوا۔ ماننے والے کا کچھ نقصان نہ ہوا لیکن اگر ہوا تو پھر دیکھیے کہ ملحد کی جان کیا سخت عذاب میں آتی ہی۔ جب اس کی جان اِس جسم سے جدا ہو کر عالم ارواح میں پہنچی جس کا خیال بھی اُس کو نہ تھا۔ اور وہاں اُس خداوند ذوالجلال کے روبرو ہونا پڑا جس کو وہ معدوم جانتا تھا تو کیا سخت حالت مصیبت کی پیش آئیگی کچھ ہمارے خیال سے اشیا معدوم و موجود نہیں ہو جاتیں جیسے وہ ہیں ویسے ہی ہیں خواہ ہم کچھ ہی خیال کریں ان پر یقین کریں یا نہ کریں اس سے اُن کی ماہیت میں فرق نہیں آتا اگر خدا ہے اور ہم اُس کے یقین کرنے سے سرکشی کریں تو کیا وہ معدوم ہو جائیگا ہمارے آنکھ جھپکانے سے کیا آفتاب تاریک ہو جائیگا +

(۵) ملحد کا حال ایسا ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی بڑے شاندار محل میں جاے جس میں نہایت خوش اسلوبی سے اسباب سجا ہوا ہو۔ نہایت خوبصورت چیزیں قرینے سے رکھی ہوں مگر وہاں کوئی ذی روح حیوان ہو نہ انسان ہو۔ ایک چوہیا اُس میں پھر رہی ہو تو وہ یہ یقین کرے کہ اُس عالی شان مکان کو اس چوہیا نے بنایا اور سجایا ہے۔ اسی طرح دنیا میں بڑے بڑے کاموں میں خدا کو کام کرتا ہوا وہ دیکھے تو کہے کہ دنیا کو خدا نے نہیں بنایا بلکہ آدمی نے

باطل پرستی اور توہمات باطلہ

انگریزی لفظ سوپرسٹیشن کا ترجمہ باطل پرستی اور توہمات باطلہ کیا ہی۔
باطل پرستی سے مراد ایسی چیزوں کی پرستش ہے جو پرستش کے مستحق نہیں ہیں اور توہمات باطلہ سے مراد یہ ہے کہ بغیر کسی معقول وجہ کے بیہودہ باتوں کا لحاظ اور ادب ایسا کرنا جیسا کہ مذہب کا ہوتا ہے یہ بہتر ہے کہ آدمی خدا کے باب میں کوئی راے نہ رکھے۔ بہ نسبت اس کی کہ ایسی راے رکھے کہ شان الٰہی کے سزاوار نہ ہو۔ پہلی صورت میں لایقین کرتا ہے دوسری صورت میں تحقیر اور گستاخی کرتا ہے اس باطل پرستی میں نسبت الحاد کے زیادہ ناخدا پرستی ہے ایک میں خدا کی طرف سے غفلت ہے دوسری میں خدا کی حقارت

پلوٹارک نے کہا تھا کہ اگر بہت سے لوگ یہ کہیں کہ ہم پلوٹارک کو نہیں جانتے کہ وہ کوئی آدمی ہے تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اسکے کہ لوگ کہیں کہ ہاں پلوٹارک کو ہم جانتے ہیں کہ وہ ایسا آدمی ہے کہ اپنے بچوں کو پیدا ہوتے ہی کھا جاتا ہے۔ بری طرح جاننے سے نہ جاننا اچھا ہوتا ہے الحاد اُس کا مانع نہیں کہ آدمی علوم معقول فلسفہ قانون میں شہرت ناموری حاصل کرے حسن خلق جو انسان کی فطرت کے موافق ہے پیدا کرے۔ غرض الحاد سے گو انسان کے دل میں مذہب کا خیال نہ ہو تو کوئی فرق حسن اخلاق میں نہیں واقع ہوتا۔ برخلاف اسکے باطل پرستی اور توہمات باطلہ میں کہ وہ حسن اخلاق اور تعلیم معقولات کو اپنی شان سے گراتے ہیں اور دل میں فقط ذہنی و خیالی سلطنت جماتے ہیں الحاد سے کبھی کوئی سلطنت درہم برہم نہیں ہوئی کیونکہ ملحد مذہب سے بے پروا ہوتا ہے کوئی فساد عناد مذہب کی بنا پر نہیں قائم کرتا۔ چنانچہ اگسٹس قیصر روم کے عہد میں الحاد کا زور تھا۔ مگر اُس کا عہد سلطنت لڑائی جھگڑوں کے فساد سے پاک صاف تھا لیکن باطل پرستی نے تو بہت سی سلطنتوں کو ستیاناس بلا دیا۔ وہ تو مجسم ہو کر سلطنت کی تمام گردن کو اپنی کشش کے زور سے کھینچ کر اپنی گرہ میں لے آتی ہے۔ الحاد سے بڑھ کر باطل پرستی گناہ ہے اس لئے کہ الحاد کوئی تمدنی اور ملکی معاملات میں بداخلاقی نہیں تعلیم کرتا۔ برخلاف اسکے باطل پرستی حسن اخلاق کو اپنے پایہ سے گراتی ہے اور گورنمنٹ کی جڑ کو گھن لگاتی ہے باطل پرستی اور توہمات باطلہ کا آغاز تو عوام الناس احمقوں سے شروع ہوتا ہے مگر بعد ازاں عاقل بھی مذہب میں سے دلائل کو الٹ پلٹ کر ان کے تائید کے واسطے نکال دیتے ہیں انسان کو ایسے رسوم کے ادا کرنے میں جن میں حواس کو احتظاظ اور التذاذ ہو خوشی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ رسوم مذہبی کی صورتیں جن کو وہ مستند جانتا ہے اپنی مرضی کے موافق ایجاد کر لیتا ہے یا وہ ہمیشہ جہالت اور وحشی زمانہ سے چلی آتی ہیں اکثر پروہت اور پیر و مرشد اپنے اقتدار اور اختیار بڑھانے کے واسطے

مذہبی باتوں کے اظہار کو رسوم ظاہری کی صورت میں ڈھال دیتے ہیں اور اپنی قوت متخیلہ اور زمانہ جہالت کے خیالات کو ملا کر توہمات باطلہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتے ہیں ایسی ایک راہ کھل جاتی ہے کہ جس سے انسان اپنی عقل کو اسرار الٰہی میں دوڑاتا ہی اور خدا کی باتوں میں دخل دینے لگتا ہے جیسے کہ بندر کی شکل جب وہ انسان سے مشابہ کی جاتی ہے تو نہایت مکروہ نظر آتی ہے ایسے ہی باطل پرستی کی شکل جب مذہب سے ملائی جاتی ہی تو نہایت بد اور کریہ دکھائی دیتی ہے جیسے عمدہ گوشت سڑنے سے چھوٹے چھوٹے کیڑوں میں بدل جاتا ہے ایسے ہی مذہب کی عمدہ صورت اور انتظام خراب ہو کر توہمات باطلہ کی صورت بن جاتے ہیں + قاعدہ ہے کہ دریا کبھی ایک خط مستقیم میں جہاں کی زمین نرم ہوتی ہے نہیں بہتا۔ اس کی دھار ہمیشہ ادھر ادھر کے کناروں کو کاٹ کر اپنا رستہ ٹیڑھا بنا کے چلتی ہے ایسے ہی انسان کے سارے معاملات ملکی و مذہبی کا حال ہے کہ وہ سیدھی رفتار سے نہیں چلتے۔ ادھر ادھر مڑتے چلتے ہیں مذہب میں علما اور مرشدوں کی چالیں شامل ہوتی جاتی ہیں توہمات باطلہ کا زور ہوتا جاتا ہے اور اس کے طریق کو پیچ در پیچ بنایا جاتا ہے جب مذہب کی ہر سچی بات میں جھوٹی باتیں شامل ہو جاتی ہیں تو مصلحان دین جب اس کی اصلاح کرنے بیٹھتے ہیں تو وہ جھوٹی باتوں کو مضر جان کر نکالنا چاہتے ہیں مگر جو سچ جھوٹ کی بغل میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو وہ بھی اس بری صحبت کے سبب سے ذلیل جان کو الگ کرنے لگتے ہیں اصلاح کے وقت اس بات میں بڑی احتیاط چاہئے کہ بری چیزوں کے ساتھ اچھی چیزیں نہ نکل جائیں مشکل ہے کہ فصد سے خون فاسد ہی صرف نکلے اور خون صالح نہ نکلے +

(۲) باطل پرستی کے توہمات باطلہ ایک دہشت ناک خواب ہے جو ایسے اندھیرے میں آدمی پڑا دیکھتا ہے جس کے پاس روشنی نہیں جا سکتی۔ اور اس میں [illegible] کے زہر بھرے پیالے اور بدخوابی کے جرعے پیتا ہے۔ گھاس پھوس کی روشنی کرنے سے آسمان کے ستارے

چھپ جاتے ہیں مگر وہ معدوم نہیں ہوتے پھر نمودار ہوتے ہیں ایسے ہی مذہب گو توہمات باطلہ کے سبب سے کچھ دیر کے لئے چھپ جائے۔ مگر وہ معدوم نہیں ہوتا۔ پھر اپنے تئیں نمودار کرتا ہے باطل پرستی کے سبب سے توہمات باطلہ کا بار بھی انسان کے سر پہ بڑا بھاری ہے فقط رسوم ظاہری کا نہیں بلکہ دل پر بھی خیالی اور ڈرانے والے گناہوں کا +

ہم باطل پرستی کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو تمدن میں مخل انداز ہو۔ اور نہ مذہب کا زیادہ دباؤ کر سکتے ہیں جو اُس کو سہارا دے۔ باطل پرستی سے بچنے کا عمدہ علاج بعد کلام الہٰی کے علوم طبیعیات ہیں جو شخص مذہب کے راہ رواں و کشادہ میں چلنا نہیں پسند کرتا تو وہ صحرا تجربہ میں گمراہ ہو کر جا پڑتا ہے جس میں کہیں راہ نہیں بنی ہوئی جو اُس کو لے یا خیالات کی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے بعض دفعہ تو توہمات باطلہ کو توہمات باطلہ ہی دور کرتے ہیں آگ کا جلا آگ سے ہی اچھا ہوتا ہے +

سفر کرنا۔

سفر کرنا چھوٹوں کی تعلیم کا اور بڑوں کے تجربہ کا ایک جزو ہے جو شخص اجنبی ملک میں جاتا ہے اور وہ پہلے سے اُس کی زبان سے واقفیت نہیں پیدا کرتا۔ وہ سفر نہیں کرتا بلکہ مدرسہ میں زبان سیکھنے کے لئے جاتا ہے جب نوجوان ایسے غیر ملکوں میں سفر کریں جہاں کی زبان سے ناآشنا ہیں تو لازم ہے کہ کسی معلم یا کسی شخص ملازم کو ساتھ لیجائیں جو اُس ملک کو پہلے دیکھ چکا ہو اور اُس سے واقف ہو۔ اور زبان وہاں کی جانتا ہو۔ وہ بتلا دیگا کہ یہاں کون کون سی چیزیں قابل دیکھنے کے ہیں اور کون کون سے آدمی ملاقات کے قابل ہیں کہاں تعلیم و تادیب روحانی اور ورزش جسمانی ہوتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرینگے تو اُن کا سفر ایسا ہو گا جیسے کہ برقع اوڑھ کر پھرنا کہ جس میں تھوڑا ہی نظر آتا ہے + بحری سفروں میں سوا پانی اور آسمان کے کچھ اور نظر نہیں آتا کبھی کبھی کچھ حادثات بھی دیکھنے میں آتے ہیں بری سفروں میں بہت چیزیں مشاہدہ میں آتی ہیں

اِس لئے سفر کے اندر خشکی کی سیر میں روزنامہ بنانے کی زیادہ ضرورت بہ نسبت تری کے سفروں کے حادثات بحری سے زیادہ مشاہدات بری ہوتے ہیں جن کا لکھنا مفید ہوتا ہے

سفر میں جو چیزیں قابل دیکھنے کے ہوتی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے

بادشاہ اور اُن کے دربار خصوصاً اس وقت کہ غیر سلطنتوں کے سفیر اُس میں موجود ہوں کچہریاں جس قسم کی جس وقت اُن میں حاکموں کے اجلاس ہو رہے ہوں اور مقدمات فیصل کلیسا معابد۔ خانقاہیں۔ کالج۔ کتب خانے۔ وہ مجالس جن میں مباحثے مناظرے ہو رہے ہوں وہ عمارات جو وہاں بطور یادگار باقی ہوں۔ قدیمی شہر عمارات افتادہ کھنڈر۔ شہر کا سواد اور شہر پناہ۔ بندرگاہ۔ گھاٹ۔ بادشاہی باغ۔ اور باغ جو صرف تفریح کے لئے شہر کے پاس لوگوں نے بنا رکھے ہوں۔ مکانات شاہی۔ سلح خانہ۔ توشے خانہ۔ میگزین۔ صرافہ کی دکانیں۔ بینک۔ سپاہ کی قواعد۔ خزانے۔ جواہرات۔ لباس و پوشاک سوا ان کے جو اشیا وہاں نادر ہوں۔ اور وہ قابل یاد رکھنے کے ہوں ان میں بعض باتیں معلم و ملازم جو ساتھ ہوں تحقیق کر کے بتائیں۔ عموم و عوام کے پہلے تماشے۔ دعوتیں ضیافتیں شادی بیاہ۔ تجہیز و تکفین اور اس قسم کی چیزوں پر توجہ نہیں چاہئے۔ جب کسی نوجوان کو تھوڑا سا سفر کرنا ہو تو وہاں کی زبان سے پہلے واقف ہو اور معلم و ملازم جو اُس ملک سے واقف ہوں ساتھ لے۔ کتاب جس میں اُس مقام کا بیان اچھی طرح ہو اور نقشہ یہ دونوں بھی ساتھ لے۔ اور اپنے سفر کا روزنامچہ بنائے کہ اُس میں روز روز کا حال لکھتا جائے۔ وہ سفر میں ایک ہی جگہ نہ پڑا رہے بلکہ مقامات کے مناسب حال اپنا قیام کم و بیش مقرر کرے جب وہ کسی شہر میں زیادہ دنوں ٹھہرے تو اُس کے ایک محلہ میں نہ رہے بلکہ مختلف محلوں میں رہے۔ جو دور دور شہر کے سروں پہ ہوں اس طرح رہنے میں سارے شہر کے حالات خوب معلوم ہونگے۔ وہاں اپنے وطن کے آدمیوں کی صحبت میں وقت ضائع نہ کرے۔ اُن سے جدا رہے۔ جو لوگ وہیں کے منتخب ہوں اُن کے ساتھ ہم کلام و

ہم نوالہ ہو۔ اگر ایک شہر سے دوسرے شہر میں جائے تو یہاں کے عمائد سے وہاں کے عمائد کے نام خطوط لے جائے۔ تاکہ وہاں لوگ مہربانی سے وہ چیزیں دکھا دیں جو قابل دیکھنے کے ہوں اور وہ باتیں بتلائیں جو یہ جاننا چاہتا ہے یوں اس مختصر سفر سے بہت سے فائدے حاصل ہونگے۔ شہر میں آدمی زیادہ تر ملاقات سکرٹریوں و غیر ملکوں کے سفیروں اور اُن کے اہل دفتر سے کرے۔ ایسی ملاقاتوں سے بہت سے غیر ملکوں کا حال بھی معلوم ہو جائیگا۔ جو اہل کمال ہوں اور کسی علم و ہنر و پیشے میں مشہور و معروف ہوں یا کسی اور طرح کی امارت ثروت رکھتے ہوں۔ اُن سے ملو اور دیکھو کہ انھوں نے اپنی زندگی کے کیا طریقے اختیار کئے ہیں کہ جن سے وہ نامور ہوئے ہیں سفر میں بڑی احتیاط یہ چاہئے کہ کسی سے لڑائی جھگڑا دنگہ فساد نہ ہو۔ جھگڑالو اور فسادی آدمیوں کی صحبت میں بہت ہوشیاری اور عقلمندی کے ساتھ جائے۔

جب سفر کر کے آدمی اپنے گھر صحیح سلامت آئے تو جن ملکوں میں سفر کیا ہے وہاں کے آدمیوں سے یہ نہیں کہ بالکل قطع تعلق کرنے بلکہ اپنے لائق واقف کار آشناؤں سے خط و کتابت برابر جاری رکھے۔ خاص اپنی سیاحت و سیر کو علم کے پیرایہ میں ظاہر کرے نہ لباس و گفتگو میں اُن سوالوں کا جواب سے جو کوئی پوچھے۔ نہ یہ کہ کہانیاں بنا بنا کے کہنے لگے +

مسافر کو یہ بھی چاہئے کہ اپنے ملک کی وضع و طرح کو ایسا نہ چھوڑے کہ غیر ملک کا آدمی معلوم ہونے لگے۔ مگر ہاں جو اُس نے باہر کی وضع و طرح کے پھول دیکھے ہوں۔ اُن کو اپنے ہاں کے اوضاع میں کانٹوں سے لگا دے +

(۲) مسافر بعض اندھے بن کر یعنے دونوں آنکھیں بند کر کے سفر کرتے ہیں اور کچھ نہیں دیکھتے۔ بعض خوب بصیر بن کر دونوں آنکھیں خوب کھول کھول چیزوں کو دیکھتے ہیں مگر اکثر مسافر ایک آنکھ بند کر کے سفر کرتے ہیں یعنے ایک خاص چیز کی اُن کو دھن ہوتی ہے اُسی کی تحقیق و تدقیق کے درپے رہتے ہیں اور باقی سب چیزوں کے دیکھنے میں اندھے بن جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو زمانہ قدیم کی تاریخ کا شوق ہے بس وہ سفر میں انھیں مقامات کو دیکھتا بھالتا ہے

جو اُس تاریخ سے متعلق ہیں باقی چیزوں کا ان خیال بھی نہیں کرتے جو مسافر عالمانہ تحقیق کے لئے سفر کرتے ہیں اُن کو اپنے استقرا اور تحقیقات میں بڑا صبر چاہئے یہ نہیں کہ چند جزئیات دیکھے اور ایسے بیتاب ہوئے کہ اُسی سے نتیجہ نکال کر ایک کلیہ بنا لیا - کسی شہر میں گئے - دو چار بھلے مانسوں سے ملے اور اُن کو دیکھا کہ وہ اپنے ماتحت ملازموں سے بہ لطف و مدارا پیش آتے ہیں - تو جلد یہ کلیہ بنا لیا کہ اس شہر کے آدمی بڑے خلیق اور متواضع اور منکسر ہیں یا برخلاف اسکے - دو چار بدمعاشوں سے مل کر اس کے برعکس نتیجہ پیدا کر لیا - کسی ملک کی اصل مزاج سیرت دریافت کرنے کی واسطے بہت سے جزئیات پر علم حاصل کرکے استقرا سے کلیہ بنانا چاہئے یہی سبب ہے کہ جب ایک ملک میں مختلف آدمی سیاحت کرتے ہیں اور وہ بالکل سچا حال بیان کرتے ہیں اور اُن کی نیت میں نہیں ہوتا کہ ہم کوئی بات گھڑ کر اس میں ملا دیں پھر بھی ان دونوں سچے مسافروں کا بیان ایک دوسرے کے مخالف ہوتا ہی اور آپس میں نہیں ملتا ایک سواری میں دو آدمی بیٹھے سے پیٹھ ملا کر اس طرح بیٹھیں کہ سڑک کی ایک طرف دکھائی دے ایک کو بنجر زمین نظر آئے دوسرے کو باغ اور کھیت - تو ایک اس ملک کو بنجر بتائیگا اور دوسرا مزروعہ - دونو سچے ہیں مگر اُن کا کلیہ بتانے کا قاعدہ غلط ہے - مسافروں کو بڑی احتیاط یہ چاہئے کہ اپنے مختصر تجربے سے غلط نتائج نکالتے ہیں بے صبر نہ ہوں +

(۳) سفر میں یہ مشکلات پیش آتی ہیں کہ کہیں دریا - پانی - دلدل میں تیرنا - ڈوبنا - پایاب چلنا - پڑتا ہے کہیں ناہموار راہوں کے نشیب فراز میں اور پستی اور بلندی میں پاؤں کا تھکانا - اور گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلنا پڑتا ہے +

(۴) سفر کرنے میں یہ فائدے حاصل ہوتے ہیں کہ اگر ہم کسی ایسے ملک میں گئے - جہاں کا حال ہمارے ملک سے اچھا ہے تو اُس ملک کی ترقی کے طریقے سیکھتے ہیں اور اگر اپنے ملک سے بدتر ملک میں جاتے ہیں تو اپنے ملک کو غنیمت جان کر اس کی نعمتوں سے زیادہ متمتع ہوتے ہیں ملک ملک کا سفر کرنا ایک خوان بوقلموں ہماری نظروں کے سامنے لاتا ہے کہ جس

ہمارے حواس خمسہ محظوظ ہوکر اُن پر فریفتہ ہوتے ہیں اور وہ چپ چاپ ہمارے دل میں پاک مسرت پیدا کرتا ہے جس کو سفر کا مذاق نہیں ہے اُن کو وہ بُرا معلوم ہوتا ہے وہ مدت سے لحد تک ایک ہی چیزوں کو دیکھا کرتے ہیں اور کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی جگہ میں پھرتے ہیں جہاں پیدا ہوتے ہیں وہیں اندھے اور لنگڑے ہوتے ہیں اُن کے اصطبل میں گھوڑے فقط اس لئے مقید ہوتے ہیں کہ شہر ہی کے بازاروں میں فقط ناچ کود کر اپنے آقاؤں کا دل خوش کردیں بعض آدمیوں کا دل پاک اور مضبوط ہوتا ہے گو وہ شعلوں کی طرح اوپر اُڑنا چاہتے ہیں اور آگ لگانی اور آگ بجھانی چاہتے ہیں مگر گھر کی چار دیواری اُن کو نکلنے نہیں دیتی وہیں بجھ کر رہ جاتے ہیں سفر کرنا ہمارے فہم و فراست کی کثافت کو دور کرتا ہے ہم کو چست و چالاک بناتا ہے مختلف قوموں اور لوگوں کے اوضاع و اطوار کے عیب و صواب سے واقف کرتا ہے جس کے سبب سے ہم اپنے اطوار و افعال کی خوب اصلاح کرسکتے ہیں کوئی دانشمند سفر کے ان فائدوں سے انکار نہیں کرسکتا اُس سے دربار بادشاہی کے اراکین کے اوضاع و اطوار پاکیزہ و شائستہ ہوتے ہیں مدبران ملکی کے خیالات وسعت پاتے ہیں حکما کے آگے مشاہدات و تجربوں کا میدان وسیع آتا ہے کہ جس سے سیرت انسانی کے باب میں صحیح نتیجے نکال سکتے ہیں

(۵) سفر میں ہم کو لباس ایسا پہننا چاہئے کہ جس سے ہم کو لوگ متین و سنجیدہ و معزز سمجھیں تقریر ایسی کرنی چاہیئے کہ کوئی راز کی بات منھ سے نہ نکلے گفتگو میں بہت احتیاط چاہئے۔ بہت سوچ بچار کرکے بات کرو۔ اکثر مسافر یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے یہ مقام دیکھا وہ چیز دیکھی مگر اصلی مذاق اس کا نہیں بیان کرسکتے۔ اس لئے زیادہ تر ایسے لوگوں کی آرزو ہوگی کہ سفر میں اس محنت و خطر ہے جوانی میں غیر ملک کی سیر کرنے سے گو بہت خوشی حاصل ہوتی ہے اس خوشی کو مثل اور خوشیوں کے ہم اپنی تشخص و تعلی کا اور آیندہ افسوس کا ذریعہ بناتے ہیں یا مستقل پائدار ترقی کا وسیلہ سفر فقط تجسس اور دل بہلانے کے لئے نہیں چاہئے

بلکہ اس لئے کہ بالفعل کچھ سیکھیں اور آیندہ اپنی فہم و فراست کی ترقی کریں ۔

صلاح و مشورہ۔

کونسل ایک انگریزی لفظ ہے جس کے معنے صلاح اور مشورہ کے بھی ہیں و مجلس شوریٰ کے بھی اور کونسلر کے معنے مشیر کے ہیں جہاں ہم نے کونسل کا لفظ لکھا ہی وہاں مراد ہماری مجلس شوریٰ سے ہے مشیر پر جو اعتبار بادشاہ کرتا ہے وہ کسی اور شخص پر نہیں کیا جاتا اور لوگوں پر جو اعتبار کیا جاتا ہے تو فقط ایک چیز اُن کے حوالہ کی جاتی ہے معلم کو بچے۔ خزانچی کو دولت اہل کاروں کو زمین یا خاص معاملات مگر مشیر کو تو سارے اپنی زندگی کے کام حوالہ کرنے پڑتے ہیں انھیں کے صلاح و مشورہ پر اُس کی بہبودی و بربادی موقوف ہوتی ہے جو بادشاہ بڑے دانشمند ہوتے ہیں وہ کچھ صلاح و مشورہ لینے سے یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اُن سے ان کی شان کی برتری میں کچھ کمی ہوگی یہہ جانا جائیگا کہ وہ اپنے کام کے لئے کافی نہیں جو اوروں سے صلاح و مشورہ لیتے ہیں حضرت سلیمان کا قول ہے کہ ہر کام بصلاح و مشورہ سے ٹھیک ہوتا ہی معاملات کیا صلاح و مشورہ کی تدابیر کے حوالہ کئے جاتے ہیں یا تقدیر کے۔ اس دوسری صورت میں وہ تذبذب کے تلاطم میں آن کر ڈانوا ڈول ہوتے ہیں اور بدمست کی طرح لڑکھڑاتے ہیں ۔

زمانہ قدیم میں ایک کہانی بنائی گئی جس میں سلطنت و مشورت کو تشبیہات میں اس طرح بیان کیا ہی۔ کہ جیوپی ٹر (رومیوں کا بڑا دیوتا ہے) نے می ٹس سے بیاہ کیا۔ یعنے سلطنت کا بیاہ مشورت سے ہوا۔ می ٹس کو حمل جیوپی ٹر سے رہا۔ مگر خاوند نے اُس کا انتظار نہیں کیا۔ کہ بیوی کے پیٹ میں بچہ پورے دنوں کا ہوکر پیدا ہو اس لئے وہ اُسے کھا گیا۔ جس سے اُسے خود حمل رہ گیا اور اُس کے سر سے پالس مسلح پیدا ہوا یعنے بادشاہ جو پہلے اپنے معاملات کونسل میں پیش کرتے ہیں وہ اول حمل سے کہانی میں تعبیر ہوا ہے۔ جب کونسل اُن معاملات کی صورت بنا سنوار کے تکمیل کرتی ہی۔ تو

تو بادشاہ اُن کو کونسل سے لے کر پیٹ میں رکھتے ہیں تاکہ خود اپنے دماغ سے اُن کا فیصلہ کرکے اُن کا اعلان بڑی ہوشیاری اور زور سے کریں گویا یہ دوسری حل سے پالس مسلح کا پیدا ہونا ہوا اُس سے فقط بادشاہ کی حکومت ہی نہیں ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے مدبر اور عالی دماغ ہونے کی شہرت خوب ہوتی ہے +

کونسل سے جو قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اور جو اُن کے رفع کرنے کے لئے علاج کئے جاتے ہیں وہ بیان ہوتے ہیں +

اوّل قباحت کونسل سے یہ ہوتی ہے کہ اُس کے سامنے اظہار معاملات سے راز داری کی باتیں کھل جاتی ہیں +

دوسری قباحت بادشاہوں کی کسرشان ہوتی ہے کہ وہ خود کاموں کو سرانجام نہیں کر سکتے جو اوروں سے صلاح مشورہ سے کام چلانا چاہتے ہیں +

سوم قباحت یہ خوف ہے کہ اگر مشیر مؤتمن نہ ہوئے سب بے وفا اور بے ایمان ہوئے تو اُن کا صلاح مشورہ اپنے فائدے کے واسطے ہوگا کچھ بادشاہ کے نفع کے لئے نہیں اِن قباحتوں کے دور کرنے کے واسطے کونسل خفیہ بادشاہ ہونیکے خلوت خانہ میں مقرر ہوئی تھی مگر یہ علاج مرض سے بھی بدتر تھا اُسنے کہ افشاء راز کی قباحت کا انسداد اِس طرح ہوسکتا ہے کہ بادشاہوں کو یہ ضرور نہیں کہ وہ اپنی باتیں سب مشیروں کے روبرو اعلان کردیں بلکہ جو عاقل بادشاہ ایسا ہے کہ وہ اپنی چکی اپنے ہاتھ ہی پیس سکتا ہی یعنے سب کام اپنے آپ کرسکتا ہے وہ ایک دو مشیر عاقل بیدار مغز ایسے انتخاب کرلے جو سب طرح سے قابل اطمینان ہوں اور علاوہ اس کے بادشاہ کونسل میں وہ باتیں پیش کرے جو وہ کرنی چاہتا ہے نہ وہ جو کریگا +

اب دوسری قباحت دور کرنے کے لئے جس سے بادشاہ کی حکومت کا ضعف کونسل کے ہونے سے معلوم ہوتا ہے وہ ایسے جو کہانی میں بیان ہوئی۔ کہ کونسل کی اولاد کا

جو بادشاہ باپ بن جاے۔ یعنے اُن کے صلاح و مشورہ کی تدابیر کو وہ خود اپنا بناکے اعلان کرے +

تیسری قباحت بے ایمان مشیروں کے انسداد کے واسطے یہ ہے کہ بادشاہ خود اپنے ہی آپ ہی مشورہ کرے۔ کیونکہ حضرت عیسےٰ کا قول ہے کہ دُنیا میں کوئی نیک نہیں مگر یہ مقولہ مخصوص بالوقت ہے ورنہ یوں مخلوق میں آدمی سچے ایماندار بے ریا باوفا ہوتے ہیں مکروفریب تا اُن کے پیٹ میں نہیں ہوتا۔ پس بادشاہ کا کام ہے کہ ایسے آدمیوں کو اپنی طرف ملتفت کرے اور اُن میں سے انتخاب کرے ہی۔ سوا اس کے مشیر باہم متفق نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک دوسرے کے رقیب و حریف ہوتے ہیں کوئی بات اُن کی بادشاہ کے کان تک پہنچنے سے باقی نہیں رہ سکتی اگر صلاح و مشورہ میں جھگڑے اور خانگی امور کو دخل ہوتا ہے تو بادشاہ کو معلوم ہو جاتا ہے سب سے بہتر اس قباحت دور کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ بادشاہ اپنے مشیروں کے حال سے ایسا واقف ہو جیسے کہ مشیر بادشاہ کے حال سے خوب واقف ہوتے ہیں سب سے بڑی خوبی بادشاہ کی یہ ہے کہ وہ اپنے آدمیوں کو خوب جانے +

مشیروں پر لازم ہے کہ وہ بادشاہ کے مشورہ کا ہوں نہ خوشامدی بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے مشیروں سے معاملات سلطنت میں خلوت میں الگ بھی مشورہ لے پھر مجموع کونسل میں بھی۔ قاعدہ ہے کہ آدمی خلوت میں رائے اپنی بڑی آزادی سے ظاہر کرتا ہے اور اُس کی طبیعت کو بڑی جراٴت ہوتی ہے۔ مگر مجمع میں آزادی اور جراٴت اوروں کی خاطرداری وادب لحاظ کے دباؤ سے دب جاتی ہیں + دونو طرح کا مشورہ لینا مصلحت ہے۔ اس کے اندر خلوت میں چھوٹوں کو آزادی ہوتی ہے اور مجمع میں بڑوں کو لحاظ و ادب ہی +

بادشاہ کو معاملات ملکی میں صلاح و مشورہ لینا بیکار ہے اگر وہ اہلکاروں کے باب میں صلاح و مشورہ نہ لے۔ اسواسطے کہ معاملات تو مردہ تصویریں ہیں اور کار کُن اُن کی جان ہیں ان کے انتخاب میں صلاح و مشورہ مقدم ہی۔ اس انتخاب میں ہی

بہت دیر لگانا پڑتا ہے - پھر بھی اُس میں غلطیاں ہوتی ہیں +
کتابیں ایسی مشیر ہوسکتی ہیں جو خوشامد نہیں کرتیں یہ سچ کسی نے کہا ہے کہ مردہ سب سے
زیادہ عمدہ مشیر ہوتا ہے کتابیں صاف صاف مشورہ دیتی ہیں برخلاف زندہ
مشیروں کے کہ وہ رو رعایت مشورہ میں کرتے ہیں پس ان کتابوں سے خوب واقف ہونا
چاہئے - خصوصاً اُن کتابوں سے جو خود سٹیج پر ایکٹر ہوئی ہیں +

ایجنڈا (جو باتیں کہ کونسل میں بحث کے لئے پیش ہوں) کی اطلاع پہلے سے دینی چاہئے
درخواستوں کے واسطے دن مقرر ہوں کمیٹیاں جو مقرر ہوں اُن کے ممبر ایسے مقرر
ہوں کہ کسی کی پاسداری نہ کریں نہ ایسے ہوں کہ اُن کی مخالفت آپس میں موازنت
کرتی ہو کمیشن مقرر ہوں جیسے کہ تجارت - خزانہ - لڑائی - بعض خاص مقدمات کے
واسطے خاص اضلاع میں مقرر ہوں پھر جو اُن کے سامنے شہادت پیش ہو تو
اُس میں معزز پیشوں کے آدمیوں کی جیسے کہ قوانین دان وغیرہ ہیں مگر گواہوں کی
بھیڑ بھاڑ گستاخانہ دنگہ فساد غل شور مچاتے ہوئے نہ آئے - بلکہ شہادت اس طرح
لی جائے کہ جس سے معاملات میں علم حاصل ہو - کونسل کے کمرہ کی موزوں شکل وصورت بھی خالی
از اثر نہیں ہوگی + جب بادشاہ میر مجلس ہو تو اُس کو جن باتوں کی طرف میلان
طبع ہو اُن کا اظہار نہایت ہوشیاری سے کرنا چاہئے - اگر وہ خود بولنے لگے گا
تو اُس کے مشیر خوشامدی بن جائینگے اور صرف اُس کا دل خوش کردینگے +

(۲) کمیٹیوں اور کونسلوں میں معاملات ملکی کا فیصلہ زیادہ تر کثرت رای پر ہونا -
جو لوگ بچوں کی سی معمولی سمجھ رکھتے ہیں یا علم تاریخ سے ناواقف ہیں یا جو دنیا میں گذر
رہا ہے اُس کا مشاہدہ نہیں کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی اصول جاری پاتے ملک
جن پر غلبہ آرا ہوتا ہے اور باقی رائیں سب نابود ہو جاتی ہیں اُن پر کچھ لحاظ نہیں ہوتا
جیسے کہ ایک جسم پر بہت زور اثر کریں تو جو زبردست زور ہو گا اُس کی طرف

جسم متحرک ہوگا ایسے ہی زبردست رایوں کی طرف فیصلہ بھی ہوگا۔ یہ دلو باتیں وہ غلط سمجھتے ہیں جسم تو کسی زور کی سمت میں حرکت نہیں کریگا۔ بلکہ ایسی سمت میں جائیگا جو کسی زور کی بھی سمت نہ ہوگی ایسے ہی معاملات ملکی میں تجربہ بتاتا ہے کہ جو اصول جاری ہوتے ہیں وہ کسی خاص مشیر کی راے کے مطابق نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک اور نیا اصول ہوتا ہے۔ جو کسی کی راے سے نہیں ملتا۔ انگلستان کی تاریخ کو پڑھئے تو معلوم ہوگا۔ کہ ایک گروہ خالص حکومت شخصی کا طرفدار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ قائم ہو دوسرا اُس کا مخالف گروہ سلطنت جمہوری کا خواہاں تھا۔ ان اختلاف آرا کا نتیجہ یہ تھا کہ سلطنت کی وہ تیسری صورت قائم ہوئی کہ نہ شخصی تھی نہ جمہوری۔ قاعدہ ہے کہ گو مخالف گروہوں میں کسی گروہ کی رایوں کی کثرت اور غلبہ ہو۔ مگر مغلوب رائیں بھی اپنا اثر ضرور کرتی ہیں یہ ممکن نہیں کہ ایک مجمع خواہ کیسے ہی بڑے عقلاء کا ہو وہ کسی امر کے فیصلہ کے لئے بیٹھے تو اُن میں اختلاف آرا نہ ہو۔ مگر یہ اختلاف ایک دوسری کو روکتا نہیں بلکہ تائید کرتا ہے اگر دُنیا میں اختلاف آرا کا اثر نہ ہوتا اور ایک طرف کی رائیں مغلوب ہو کر نیست و نابود ہو جاتیں تو دُنیا کا انتظام اس سے بدتر ہونا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کونسل قابل اعتبار و اعتماد ہو تو اُس سے سلطنت کا استحکام و اعتماد ہوتا ہے +

تاخیر

معاملات کے انصرام کرنے اور سرانجام دینے میں جو تاخیر اور سرعت کی جاتی ہے اُن دونوں کی تائید در تردید میں معقول دلائل پیش ہو سکتی ہیں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کار امروز بفردا مگذار (آج کا کام کل پر نہ ٹالو) دوسرا گروہ یہ کہتا ہے جو کام کل کر سکتے ہو اُس کو آج کرو۔ غرض تاخیر و شتابی کے واسطے ایسے قواعد منضبط نہیں ہو سکتے کہ اُن پر چلنے سے کام کا سرانجام پورا ہو جاے۔ قاعدے جلد ختم ہو جاتے ہیں پھر فکر عملی کو سوچ بچار کر کے منصوبے باندھنے پڑتے ہیں اور اُن کے موافق آگے قدم چلانا پڑتا ہے تاخیر سے کبھی موقع ہاتھ سے جاتا

رہتا ہے کبھی اُس سے کاموں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ قسمت کا حال بازار کا سا ہے۔ کہ کبھی اُس میں ٹھیرنے سے بھاؤ گر جاتا ہے چیز سستی ملتی ہے کبھی بھاؤ بڑھ جاتا ہے چیز مہنگی ملتی ہے جو بڑے دانشمند عالیمرتبہ ہیں وہ بہت تاخیر بھی کرتے ہیں بہت جلدی بھی کرتے ہیں مگر بہت سے آدمی اُن عاقلوں کا مُنہ بھی چڑاتے ہیں انھیں کی مثل تاخیر اور سرعت کرتے ہیں مگر بے موقع اور بے محل ایک امر کا فیصلہ جلدی کرتے ہیں مگر اُس کے موافق عمل کرنے میں تاخیر کرتے ایک کام کے شروع کرنے میں نہایت جلدی۔ مگر اس کی تکمیل میں نہایت تساہل وہ اپنے توشہ خانوں کو جلدی کھول کر لگا دینگے۔ مگر توشوں کے بھرنے میں اتنی دیر لگائینگے کہ اپنی ہری کھیتی کو ملیامیٹ کر دینگے۔ درختوں پر جو کچے پھل لگے ہوئے ہیں اُن کے توڑنے میں اتنی تاخیر کرینگے کہ وہ ہوا سے زمین پر گر کر گل سڑ جائینگے۔ جو لوگ تاخیر کے عادی ہوتے ہیں وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں کہ ابھی دنیا ان تدابیر کے عمل میں لانے کے لئے تیار و پختہ نہیں ہے۔ ابھی اُن کا وقت نہیں آیا۔ مگر وہ اس امر کی تحقیق کو بھول جاتے ہیں کہ جب وہ پک ہی ہے تو کب و کیوں کر وہ پختہ اور تیار ہوگی۔ اس کا پکانے والا اور کامل کرنے والا وقت نہیں ہوتا جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وقت نے یہ تبدیلیاں کیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اُس وقت میں یہ تبدیلیاں ہوئیں وقت فاعل نہیں ہوتا اور چیز ہوتی ہے جو یہ تبدیلیاں کرتی ہے اس واسطے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کون سی چیز ہے جو تبدیلیاں کر رہی ہے اور کس جہت میں تبدیلی کرتی ہے اور تبدیلی خاص جو اُس سے ہوگی وہ مشکلات ڈالیگی یا آسانی کریگی +

مثلاً ہم پانی میں گھر گئے ہوں تو ہم کو یہ سوچنا چاہئے کہ پانی کا اُتار ہے یا چڑھاؤ۔ اگر چڑھا ہے تو خواہ کیسی ہی جوکھوں اُٹھانی پڑے اُس میں سے جتنا جلد ممکن ہو باہر نکلنا چاہئے اگر اُتار ہے تو صبر کرنا چاہئے اگر پانی ٹھیرا ہوا ایک حال پہ ہے تو سمجھنا چاہئے۔ کہ گو ڈوبنے کا تو خوف نہیں ہے مگر پانی میں کھڑا رہنا مناسب نہیں ہے اُس سے ایک ہی دفعہ میں نکل آنا چاہئے۔

قسمت جلد بازوں سے چیزوں کی قیمت لیتی ہے اور تاخیر کرنے والوں کو مفت چیزیں

دیتی ہے - جب ہم کسی چیز کو جلد شروع کر دیتے ہیں تو اُس کے سایہ کو مٹھی میں پکڑ لیتے ہیں کوئی چیز ڈگمگا رہی ہو تو جب تک وہ بحال خود نہ آئے اُس پر عمل کرنا نہیں چاہئے جب کسی کام کا آغاز کرو تو اُس کو سو آنکھوں سے دیکھ لو - اور جب اُس کی تکمیل کرو تو سو ہاتھ اس میں لگاؤ - یعنے کام کے آغاز میں سوچ بچار کرو اور اُس کی تکمیل میں جلدی جب کسی کام کرنے کا موقع و محل ہوتا ہے تو وہ تمھارے ہاتھ میں استادی کا دستہ دیتا ہے جس کا پکڑنا نہایت آسان ہے مگر بعد اس کے وہ پیٹ پکڑاتا جس کی گرفت مشکل ہے اس سے بہتر کوئی دانائی نہیں کہ آدمی موقع اور وقت پر کام کا آغاز کرے اور اُس پر حملہ آور ہو - شتابی اور تاخیر زیادہ تر خوف کے محل پر کرنی پڑتی ہے - جو خوف ہلکے معلوم ہوتے ہیں وہ دیر کے بعد ہلکے نہیں رہتے بہت سے خوف آدمی کو دھوکا دیتے ہیں چڑھ کر وہ دباتے ہیں بہتر ہے کہ بعض خوفوں کو ہم چل کر آدھے ہی رستہ میں لے لیں کیونکہ دیر تک اُن کی چوکسی کے واسطے پہرہ دینے میں احتمال ہے کہ نیند نہ آجائے کبھی اس کے برخلاف یہ لوگ کرتے ہیں مگر ابھی خوف آیا نہیں کہ اُس کے دور کرنے میں شتابی کرتے ہیں جیسے چاندنی پا دشمنوں کی پیٹھ کی طرف چمک رہا ہو - تو یہ آنچ لمبے سایہ کو پکڑ لیا لگائی شروع کر دیتے ہیں غرض تاخیر و شتابی اپنے اپنے محل پر کرنی چاہئے - بعض کام تاخیر سے خاک میں ملجاتے ہیں بعض شتابی سے +

(۲) جس شخص نے اول یہ مقولہ کہا کہ کار امروز بفردا مگذار - اس کو دانشمند کہنے میں کوئی تامل کرے مگر کوئی اُسے احمق نہیں کہیگا - اگر آدمی آج کے کام کو کل پر ٹالتا جائے تو اس قدر کاموں کا ہجوم ہو جائیگا کہ پھر وارثوں ہی کو اُن کا پورا کرنا پڑیگا - آج ہی کے سیکڑوں کام ایسے ہوتے ہیں کہ آج کے آج نہ کرنے سے بڑا نقصان ہوتا ہے مثلاً بڑے آدمیوں کے چھوٹے آدمیوں کے ساتھ وعدے - سیکڑوں بنج بیوپار میں روپیہ دینے کا اقرار - اگر آج کے آج نہ پورے کئے جائیں تو بات میں اور رساکھ میں اُن کے فرق آتا ہے کہ آگے اعتماد اور اعتبار جاتا ہے - +

سیان پت

جس انگریزی لفظ کا ترجمہ ہم نے سیان پت کیا ہے۔ اُس سے مراد ٹیڑھی ترچھی عقل کے
ہیں سیان پت کی ساتھ مکاری کرنی ایک ہنر ہے مگر کج عقلی کے ساتھ۔ سیانے مکار و
عقل مند میں فرق صرف بہ لحاظ راستبازی کے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ لیاقت اور قابلیت کے
اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ کسی شخص کی عقل خواہ کیسی ہی ہو۔ مگر اخلاق اُس کے رذیل ہوں
تو وہ انسان کی سرشت کے خراب و ضعیف حصہ سے واقف ہو سکتا ہے اور نیک
حصہ سے نہیں شریر مکار کو یقین ہوتا ہے کہ میری ہی سی طبیعت اور سرشت سارے آدمیوں
کی ہے۔ بعض آدمی انسانوں کی تقسیم احمقوں اور شریروں میں کیا کرتے ہیں جب اُن کو
کوئی راست باز آدمی ملتا ہے تو وہ حیران ہوتے ہیں کہ اِس کو انسانوں کی کس قطار میں شمار
کریں + نپولین بوناپارٹ جب کسی کو پہلے دولت کی تحریص اور پھر جاہ و منصب عالیہ کی
ترغیب دیتا اور وہ اُس کے دم میں نہ آتا تو اُس کو پرلے درجہ احمق جانتا۔ یا آدھا پاگل
خواب دیکھنے والا۔ گویا کونشنس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر شریر مکار اور راست باز میں
سب باتیں اور برابر ہوں تو راستباز کو یہ فائدہ زیادہ حاصل ہے کہ وہ انسان کی سرشت
کو بہ نسبت شریر کے زیادہ سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ حیوان کے تمام اوصاف انسان سمجھ سکتا ہے
مگر انسان کی وہی صفتیں حیوان جان سکتا ہے جو خود اُس میں ہیں۔ بس ایسے ہی شریر
مکار راست کردار کے اوصاف نہیں سمجھ سکتا ہے۔ مگر راست کردار اُس کے اوصاف کو خوب سمجھ
سکتا ہے بشرطیکہ بالکل بھولا بھالا نہ ہو۔ بعض آدمیوں میں لڑائی فساد جھگڑوں معاملہ فہمی کی
بڑی عقل ہوتی ہے۔ مگر اور معاملات میں سب طرح سے ضعیف العقل و کم فہم ہوتے ہیں اُن کا
حال ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کوئی گنجفہ کے شعبدے دکھانے خوب جانے۔ مگر اُس کا کھیلنا نہ جانے
ایک مردم شناسی ہے۔ دوسری معاملہ فہمی۔ بعض آدمی مردم شناس ہوتے ہیں مگر معاملہ فہم
ایسے نہیں ہوتے کہ معاملہ کی اصل تہ پر اُن کی طبیعت پہنچ جائے وہ کتابوں سے زیادہ تر

آدمیوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں ایسے آدمی سازشوں کے لئے بہ نسبت عقل کے زیادہ مناسب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی روش کے عادی ہیں اس پر خوب چالیں چلتے ہیں مگر اس سے ذرا پھیر کر ان کو نیا رستہ بتا دو تو پھر وہ ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ ان کی اپنے مقصد تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ احمق او عقلمند پہچاننے کا یہ پرانا قاعدہ ہے کہ دونوں کو ننگا کر کے بیگانے آدمیوں میں بھیجدو پھر بتا ان لو کہ وہ کیا ہیں ان مکاروں پر صادق نہیں آتا ان مکاروں کا حال ٹٹ پونجیے بساطیوں کا سا ہوتا ہے کہ جن کی دکان کے اسباب کی تفصیل میں مشکل نہیں پڑتی ایسے ہی ان کے تدنظے چھوٹے چھوٹے مکر و فریب ہوتے ہیں انکے شمار کرنے میں کچھ دقت نہیں سو ہم ان کو شمار کرتے ہیں

(۱) جس سے وہ باتیں کرتے ہیں اس کے چہرہ کو خوب اپنی نظروں سے تاکتے ہیں گویا چہرہ سے باتیں وہ سمجھتے ہیں جو زبان کے کہنے سے جانتے۔ بشرہ کو دل کا عنوان جانتے ہیں بہت سے دانشمند ایسے ہوتے ہیں کہ جو باتیں انکے دل میں ہوتی ہیں وہ ان کے چہرہ پر عیاں ہوتی ہیں +

(۲) جن لوگوں سے مطلب نکالنا ہو ان کو اور باتوں میں ایسا متوجہ کر دینا کہ ان کو موقع اور وقت ان کے مطلب پر اعتراض کرنے کا نہ رہے جیسے کہ کسی حاکم سے کاغذات پر دستخط کرانے ہوں تو حاکم کو ایسی باتوں میں لگائیں کہ کاغذات پر دستخط کرنے میں ان کو اعتراض کرنے دیکھنے کا وقت ہی نہ رہے ایسے وقت پیش کریں کہ حاکم کو جلدی ہو +

(۳) کسی کام پر ان کو اعتراض کرنا مقصود ہوتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ دوسرا شخص اس کو بہت خوبی اور سلیقہ سے پیش کرے گا تو بظاہر وہ اس کام کے حامی اور خواستگار ہو کر خود پیش کرتے ہیں اور اس کو پیش کرنے میں ایسی شرارت کرتے ہیں کہ وہ کام خاک میں ملجاتا ہے +

(۴) معاملات میں اپنی معلومات بڑھانے کے واسطے باتیں ایسی ملاتے ہیں کہ دوسرا آدمی

کہ دوسرا آدمی اُن کی باتیں سننے کا شائق ہو جاتا ہے +

(۵) بعض وقت اُن کو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی بات جب کہیں کہ کوئی ہم سے پوچھے تو اُس مطلب کے لئے وہ اپنی عادت اور دستور کے برخلاف چہرہ کو بدل کر ایسی صورت بناتے ہیں کہ بے اختیار لوگ پوچھیں کہ خیر تو ہے آپ کی صورت ایسی کیوں بن رہی ہے۔ مثلاً بادشاہ کے روبرو ہشاش بشاش روز جاتے تھے مگر مطلب کے دن چہرہ کو اُداس بنا کر گئے تو خواہ مخواہ بادشاہ پوچھیگا۔ کہ چہرہ کیوں بنا ہوا ہے اُس وقت اپنے مطلب کا اظہار کرینگے +

(۶) جن باتوں کو وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی اپنی نہ معلوم ہوں تو وہ اُن کو اوروں کے نام سے بیان کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ باہر ان کی شہرت ہو رہی ہے اور ایک دنیا اُن کو کہہ رہی ہے +

(۷) دوسرے کے بیان میں ایک بات ایسی کہہ دیتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ کہنے والا اپنی عظمت بیان سے ماہر تھا یا حیران تھا +

(۸) اپنے حریف یا رقیب کے کان میں ایسی بات ڈال دیتے ہیں کہ جس کے کہنے سے وہ تباہ اور برباد ہو جاتے مثلاً کسی شخص کو عہدہ ملتا ہو تو وہ اُس عہدہ کے قبول کرنے کی شرائط ایسی بیان کرینگے۔ کہ اگر امیدوار اُن کو کہے تو عہدہ دینے والا بیزار ہو جائے

(۹) اپنی حفاظت کا بہانہ بنا کے دوسرے پر حملہ کرتے ہیں ایک بات خود کہتا ہے۔ مگر بتاتا یہ ہے کہ دوسرا شخص کہتا ہے یہ معاملہ دو آدمیوں میں ہوتا ہے اُس کے جھوٹ سچ کی تحقیق بھی مشکل ہوتی ہے کہ کس نے پہلے وہ بات کہی +

(۱۰) اپنے مطلب کو داستان کی لپیٹ میں بیان کرتے ہیں پہلے بہت سی تمہیدیں کہانی کے طور پر کہتے ہیں جس سے اور لوگ بھی محظوظ ہوتے ہیں اور اُن کو خود بھی مزہ آتا ہے یوں بہت دیر تک باتیں بنانا اور اصل مطلب کو بیچ میں کہنا

بڑے صبر کا کام ہی مگر فائدہ مند بھی زیادہ ہی +

(۱۱) ایک آدمی لے مُنہ میں وہ جواب کہہ دیتے ہیں جو اُن کا خود مطلوب ہوتا ہی۔ یا ایک سوال ایسا کرتے ہیں کہ جس کے جواب میں دوسرا آدمی کھل جاتا ہی +

(۱۲) اپنی تقریر کے لیے جب بات قطع اور وقت ہاتھ نہ آئے انتظار کرتے ہیں +

(۱۳) دوسرے کی بات کو دفعتہً سوال کرنے سے بزور چھین لیتے ہیں

اس مکاری میں بعض دفعہ بڑی ذہانت خرچ کی جاتی ہے۔ ایک دفعہ کسی جلیل القدر افسر کو گورنمنٹ نے یہ حکم بھیجا کہ اگر تم اپنے وطن سے باہر رہو تو تم کو بڑی پنشن دی جائیگی اور اگر تم اس حکم سے راضی نہ ہوگے اور وطن میں آؤگے تو تمھارے جرموں کی تحقیقات کی جائیگی۔ ایک مکار صلاح کار نے جو یاں بی بلا کے مچھلی پکڑنا چاہتا تھا۔ اس کو یہ صلاح دی کہ اگر تم حقیقت میں مجرم ہو تو گورنمنٹ کا حکم بسر و چشم قبول کرو اور اگر بے گناہ ہو تو وطن میں جاکے تحقیقات کراؤ۔ اس صلاح سے وہ افسر یہ سمجھا کہ اگر میں وطن نہ جاؤنگا تو یقینی مجرم سمجھا جاؤنگا وہاں گیا اور مجرم قرار پاکر سزایاب ہوا صلاح کار یہ اپنے مطلب میں کامیاب ہوا +

سیان پت کی چھوٹی چھوٹی باتیں بہت ہیں ان کی فہرست بنانی اچھا کام ہے۔ کیونکہ ان کی برابر سلطنت کے کاموں میں کوئی خلل انداز نہیں بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی سیان پت سے سلطنت کے کاموں میں چھلانگیں مارجاتے ہیں۔ مگر اُن میں قوت اور استعداد ایسی نہیں ہوتی کہ وہ مستقل طور پر نظم و نسق کر سکیں اُن کا حال ایسے مکانوں کا سا ہوتا ہے کہ جن کا دروازہ اور زینہ تو بہت عمدہ ہو مگر کوئی کمرہ اچھا نہ ہو عاقل آدمی اپنے قدموں کو دیکھ کر چلتا ہی۔ احمق مکروں کی طرف چل کر پھندے میں پھنستا ہی +

(۲) سیانے نیکی کا پاس لحاظ نہیں کرتے۔ فرزانگی کا مُنہ چڑایا کرتے ہیں یہ سیان پت کی

صفت بہت اچھی ہے۔ نہ بہت بری وہ نیکی اور بدی کے درمیان تیرا کرتی ہے لیکن اگر وہ ایک قدم اپنا بڑھا کر جھوٹ سے اپنے تئیں ملا دے تو پھر وہ شرارت بن جاتی ہے۔ کوئی ضرورت نہیں پیش ہوتی ہے کہ جس میں وہ اپنا قدم نہیں اڑاتی۔ لیکن نیکی اُسے نکال کر اُس کی جگہ لے لیتی ہے۔

(۳) سیانے آدمیوں کی تقریروں میں ہمیشہ یہ سوچ کر سمجھنا چاہیے۔ کہ مآل کار اُن کا کیا ہے جو باتیں وہ جانتے نہیں اُن سے یہ کہنی چاہئیں۔ اُن کے ساتھ تمام مشکل معاملوں میں آدمی یہ سمجھے کہ ایک دن میں بویا اور کاٹا نہیں جاتا بتدریج اُس کے پختہ ہونے کا انتظار کرے +

(۴) سیان پت اور ہوشیاری میں فرق۔ سیانے کے تمام مقاصد اپنی خودغرضی اور خودمطلبی کے ہوتے ہیں وہ کسی بات پر ایسا نہیں جمتا جس سے کامیابی ہو۔ سیان پت کوتاہ نظر ہوتی ہے جو ہاتھ تلے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو خوب دیکھتی ہے مگر دور کی چیزوں کو وہ نہیں دیکھ سکتی۔ ہوشیاری وہ بصارت ناقد اور بصیرت نافذ رکھتی ہے کہ بڑی بڑی منظروں کو اور سارے افق کو زیر نگاہ رکھتی ہے۔ ہوشیاری جتنی ظاہر ہوتی جاتی ہے اتنی ہی ہوشیار کی حکومت بڑھاتی ہے۔ اور سیان پت جو ایک دفعہ ظاہر ہو جاتی ہے تو سیانے کو بھولے بھالے سے آدمی سے بھی بدتر بنا دیتی ہے۔ اور پھر اُس کے کام اتنے بھی نہیں چلتے جیسے کہ ایک سیدھے سادے آدمی کے۔ ہوشیاری عقل کا کمال ہے اور وہ تمام زندگانی کے فرائض میں رہنمائی کرتی ہے سیان پت ایک عقل حیوانی ہے جو بالفعل کی بھلائی اور منفعت کو دیکھ لیتی ہے۔ ہوشیاری نہایت فہیم عاقل میں ہوتی ہے سیان پت وحشی حیوانوں میں یا انسانوں میں جو اُن سے کچھ ہی بہتر ہوں پائی جاتی ہے +

(۵) سیان پت اور فرزانگی کے درمیان فرق۔ سیان پت اور فرزانگی میں

ایسا فرق ہے جیسا کہ شفق اور دن کی دھوپ میں۔ جو شخص آفتاب کی روشنی میں چلتا ہے تو وہ ویرانہ پاس کے رستہ پر جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کہاں راہ سیدھی اور ہموار ہے وہاں وہ آسانی سے چلا جاتا ہے۔ اور جہاں دیکھتا ہے کہ راہ کج اور پرنشیب و فراز ہے۔ تو ایسی سد راہوں سے بچتا ہے لیکن جو آدمی شام کی تاریکی میں سفر کرتا ہے۔ تو جتنا اُس کو کم سوجھائی دیتا ہے اتنا ہی وہ خوف کھاتا جاتا ہے۔ اور ہر قدم پر خائف رہتا ہے۔ پھونک پھونک قدم اٹھاتا ہے۔ اور جو آواز کان میں آتی ہے اُس سے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ خطرناک نہ ہو +

فرزانگی ایک ہی دفعہ میں کسی کام کے انجام اور وسائل کو سمجھ جاتی ہے۔ اور اُس کی رسائی اور دشواری کا تخمینہ کرلیتی ہے اور اُس کے مناسب حال ہوشیاری کو اختیار کرتی ہے + سیان پت کو تجال بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اور اُس کو کوئی اور چارہ کرنا سوائے فضول مکر و فریب کے بیشمار شبہوں کے اتا نہیں سیانے آدمی کو کبھی طمانیت خاطر نہیں ہوتی اور وہ اپنے تئیں امین اور محفوظ نہیں جانتا۔ اسلئے اپنے تئیں ایک ایسے غلاف میں چھپائے رکھتا ہے کہ کبھی رقیب اور جاسوس کی نگاہ کی رسائی اُس تک نہیں ہوتی +

(۲) لومڑی بڑی سیانی ہوتی ہے جہاں اُس کی ناک اندر چلی جاتی ہے وہاں اُس کا سارا جسم چلا جاتا ہے۔ یہی حال سیانے آدمی کا ہے کہ جہاں کوئی بات اُس کی چل جاتی ہے پھر وہاں بہت باتیں اُس کی چل جاتی ہیں ؏

اپنی ذات کے لئے دانائی۔

اپنی ذات کے لئے دانائی سے مراد یہ ہے کہ آدمی دانائی کا کام فقط اپنی ذات کی محبت کے سبب سے کرے۔ ایک اپنی ذات سے محبت ہے۔ جس کو خودمہری کہتے ہیں دوسرے خود مطلبی یا خودغرضی جس انگریزی لفظ کا ترجمہ کیا جاتا ہے اُسکے اصل معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے اغراض اور مقاصد کو اور وں کے اغراض اور مطالب پر تقدیم اور ترجیح دے اور اپنی خوشی کے آگے اوروں کی خوشی کا خیال نہ رکھے۔ خودمہری انسان تنہائی میں بھی رکھ سکتا ہے

مگر خود غرضی میں سوسائٹی کا بھلا ضرور ہے۔ جو لوگ اپنی ذات سے محبت رکھتے ہیں وہ اوروں کو
تباہ کرتے ہیں آدمی پر لازم ہے کہ اپنی محبت کو اپنی ذات اور سوسائٹی کے درمیان تقسیم کرے
اور اپنی خود مہری اور غیروں کی محبت میں مصالحت رکھے۔ اپنی ذات کے ساتھ محبت میں بچاؤ ایسا
ہونا چاہئے کہ دوسرے کے ساتھ محبت میں جھوٹا نہ ہو۔ خاص کر اپنے ملک اور بادشاہ کے ساتھ
تو جھوٹ کا سایہ بھی نہ پڑا ہو اپنی ذات کو اپنے سارے کاموں کا مرکز اور مرجع نہیں بنانا چاہئے
اجرام فلکی جو اپنے محوروں کے مرکز کے گرد پھرتے ہیں تو وہ فائدہ پہنچاتے ہیں بادشاہ کی ذات
تنہا نہیں ہوتی۔ اُس کی برائی بھلائی میں اور لوگ بھی شریک ہوتے ہیں اس لئے بادشاہ کی
خود مہری سے وہ خرابیاں نہیں پیدا ہوتیں جو ارکین سلطنت اور وزرا کی خود مہری سے
ہوتی ہیں اُن کی یہ خود مہری کی اغراض سلطنت کی اغراض سے اُن کو منحرف کر دیتی ہیں اور
اُن کی خود غرضی کی چھوٹی چھوٹی باتیں سلطنت کے بڑے بڑے کاموں کو بگاڑ کر بھی بادشاہ کو
راضی رکھتی ہیں اُن کو بادشاہ کی خوشامد کا ڈھب ایسا یاد ہوتا ہے کہ وہ اُس کو کام
بگڑنے پر ناراض نہیں ہونے دیتے۔ یہ خود غرض دو ہی باتیں پیش نظر رکھتے ہیں ایک اپنی مطلب
برآری دوم بادشاہ کو راضی رکھنا ان دونوں غرضوں کے واسطے وہ اپنے آقا کی خیر خواہی چھوڑ
دیتے ہیں اگر بادشاہ کے جلیل القدر افسر مثل جنرل سفیر خزانچی۔ اور اور چھوٹے ملازم
نمک حرام اور بد خواہ ہوتے ہیں اور اُن کی خود غرضی کے دائرہ کا مرکز سلطنت کے اغراض کے
مرکز سے متحد نہیں رہتا۔ جتنا بادشاہ کا نقصان ہوتا ہے اتنا اُن نوکروں کو فائدہ نہیں ہوتا
جب نوکر کے فائدہ اور آقا کے نقصان میں تناسب نہیں رہتا۔ نوکر اپنے ٹکے کے فائدہ کے لئے
آقا کے روپیہ کے نقصان کا خیال نہیں کرتا تو نہایت مضر اور زبون اثر پیدا ہوتے ہیں
بعض کم بخت خود غرض وہ ملازم ہوتے ہیں کہ آقا کے گھر میں آگ اس واسطے لگاتے ہیں کہ اپنے
انڈوں کو پکائیں +

جن خود غرضوں میں خود مہری ہوتی ہے اُن میں جانوروں کی دانائی پائی جاتی ہے

کسی میں چیونٹی کی ۔ کہ وہ چند روز پہلے اس گھر کو چھوڑ دیتا ہے ۔ کہ گرنے کو ہوتا ہے ۔
کسی میں لومڑی کی ۔ کہ بجز جو اپنا گھر بناتا ہے اس کو وہ ڈھا دیتی ہے ۔
کسی میں مگرمچھ کی ۔ کہ جب کسی کو نگلتا ہے تو پہلے آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے + سب سے زیادہ دانائی جو قابل یاد ہے ان کی ہے جو اپنی ذات کے پیار کرنے والے بغیر کسی رقیب کے ہوتے ہیں وہ اپنا سارا وقت اپنی ذات کے لئے وقف کر دیتے ہیں مگر قسمت ان کو خود ذبح کرتی ہے ۔ اور بدنصیبی کے دن کھاتی ہے ۔ جن بازوؤں اور پروں سے وہ اڑنا چاہتی ہے وہی بندھ جاتے ہیں یہ خود مہری انسان میں بالکل حیوانوں کی سی ہوتی ہے +

(۴۴) تو کسی سے محبت نہیں کرتا ۔ مگر اس سے جس سے اور کوئی محبت نہیں رکھتا یعنے خود اپنے انسان کا خوشامدی کوئی اپنی محبت سے زیادہ نہیں ہے ۔ وہ سچ کو دھندلی روشنی میں دیکھتی ہے ۔ وہ اور خوشامد دونو جوڑواں بہنیں ہیں اور انھوں نے اپنی آنکھیں ایسی ایک کر رکھی ہیں کہ اگر ایک کو پھوڑو تو دوسری خود پھوٹ جاتی ہے + اپنی ذات کی محبت جیسی خطاؤں کو بڑھاتی ہے ایسی ہی نیکیوں کو ۔ جیسے تالاب کے اندر جس کا پانی ٹھیرا ہوا ہو ایک چھوٹا سا پتھر پھینکو تو وہ ایک مرکز پر سے موجوں کے دائروں پر دائرہ پیدا کریگا ۔ اسی طرح اپنی محبت نیک آدمیوں کے دلوں میں مربیوں ۔ دوستوں ہمسایوں ملک کل انسانوں کی محبت کی موجیں اٹھا کر پھیلاتی ہیں +

ایجاد ۔

(۱) جس انگریزی لفظ کا ترجمہ ایجاد کیا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ کسی جدید چیز کا یا نئی تبدیلی کا داخل کرنا ۔ خواہ وہ بری ہو یا بھلی ایجاد جوان کی ذہانت اور پیری کی حجت ہوتا ہے جیسے مخلوق میں ہر چیز ابتدا ہو پیدائش میں بدشکل و بھونڈی ہوتی ہے ایسے ہی زمانہ جو ایجاد کرتا ہے ابتدا میں وہ بدنما معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص جو اول ہی ابتدا میں اپنے خاندان کی عزت و حرمت قائم کرتا ہے وہ اکثر اپنے قائم مقاموں سے زیادہ

لائق ہوتا ہے ایسے ہی جو شخص کسی چیز کا موجد اول ہو۔ خواہ اُس کا ایجاد کیسا ہی بیہودہ اور بھونڈا ہو وہ اپنے مقلدین پر ترجیح و تقدیم رکھتا ہی۔ کہا کرتے ہیں کہ زمانہ بڑا موجد ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ زمانہ ایجاد کیا کرتا ہی۔ زمانہ خود کچھ نہیں کرتا۔ مگر اُس کے اندر اور اسباب ایسے ہو جاتے ہیں کہ وہ چپکے چپکے اندر ہی اندر تبدیلیاں کیا کرتے ہیں جو بظاہر نہیں معلوم ہوتیں مگر اُن کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ اُس میں وہ نمایاں ہوتی ہیں اگر یہ اسباب اپنا کام نہ کریں تو ہزاروں برس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہو۔ امور ات سلطنت میں جو تغیرات ہوتے ہیں اُن کے باعث اراکین سلطنت اور رعایا ہوتے ہیں نہ زمانہ۔ مگر یہ ہمارا محاورہ ہی کہ جو کام زمانہ کے اندر ہوتا ہے اُس کا فاعل زمانہ کو کہتے ہیں ظرف کو مظروف کی بجا مجازاً فاعل کہتے ہیں محاورہ کے موافق یوں بولا کرتے ہیں کہ زمانہ یہ کہہ رہا ہے اگر زمانہ چیزوں کو پرانا بنائے اور دانائی اور تدابیر اُن کو بہتر نہ بنائے تو معلوم نہیں کہ دنیا کا انجام کیا ہو یہ سچ ہے کہ رسم و رواج دستور کے موافق جو امور عمل میں ہوتے ہیں گو وہ اچھے نہ ہوں مگر وہ مناسب کچھ نہ کچھ ہوتے ہیں جو چیزیں کہ مدت تک رفاقت رکھتی ہیں اُن میں باہم الفت ہو جاتی ہے برخلاف نئی چیزوں کے۔ کہ گو وہ فائدہ پہنچائیں مگر اُن کو پرانی باتوں سے پیوستگی نہیں ہوتی وہ اپنی ناموافقت سے تکلیف دیتی ہیں اُن سے وحشت ہوتی ہی۔ اُن کا حال بیگانوں کا سا ہوتا ہے کہ جن کی عزت تو زیادہ ہوتی ہی مگر اُن سے محبت تھوڑی۔ گو آدمیوں کو اپنی پرانی باتوں سے زیادہ موانست ہوتی ہے وہ اپنے قدیمی آئین و دستور اور قوانین نہیں بدلتے۔ خواہ اُن کے بدلنے سے کیسا ہی فائدہ پہنچے مگر اس کے برخلاف یہ بھی ہی کہ انسان بالطبع ایجاد کا شوقین ہے۔ ایک ہی باتوں کو برتتے برتتے وہ تھک اور اکتا جاتا ہے کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ مشہور ہے۔ نئی تبدیلیاں اگرچہ وہ اچھی بھی نہ ہوں تو بھی اُس کے زمانہ دل لبھاتی ہیں اصل بات یہ ہے کہ آدمی بڑے باتوں میں تبدیلی کسی طرح پسند نہیں کرتا۔ مگر

چھوٹی چھوٹی باتوں میں وہ جدت کو پسند کرتا ہے جیسے لباس زیورات اسباب آرائش وغیرہ۔ اُس کا حال درخت کا سا ہے کہ وہ اپنے تنہ اور گدّوں کو تو نہیں بدلتا مگر پتوں و پھلوں اور پھولوں کو بدلتا رہتا ہے زمانہ کو قرار نہیں وہ جلدی جلدی تبدیلیاں کرتا رہتا ہے اس کے سبب سے قدیمی دستوروں کی آئیکلیفیں ہونے لگتی ہیں جیسے جدید دستوروں سے۔ ایک لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ زمانہ قدیم کا بڑا ادب کرتے ہیں اور زمانہ حال کی تحقیر۔ اپنے پُرانے دستوروں کے بدستور قائم رکھنے میں بڑی ضد و ہٹ کرتے ہیں یہ ضد بھی ایسی بُری ہے جیسے کہ نئی تبدیلیوں کے ساتھ گرویدگی۔ جن قوموں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ ہم اپنی پُرانی رسم و آئین کو خواہ اُن سے ہم کو کیسے ہی نقصان پہنچیں نہیں تبدیل کرینگے وہ یہ کہتی ہیں کہ ہمارے باپ دادا ایسے دانشمند تھے کہ جو کچھ اُن کا مقرر کیا ہوا ہے اُس میں تبدیل کرنے کے لئے لیاقت اور قابلیت ہمارے فہم و فراست میں نہیں ہم کسی طرح اُن سے بہتر کوئی جدید قاعدہ نہیں مقرر کر سکتے۔ اس خیال میں وہ دو غلطیاں کرتے ہیں اوّل وہ اپنی اولاد کو اس بات کا یقین نہیں دلا سکتے کہ اُن کے بزرگوں میں ایک نسل ایسی گذری ہے کہ جن کی عقل و دانش ایسی کامل تھی کہ بالکل سہو خطا سے خالی تھی اور اُن میں یہ قابلیت تھی کہ وہ ہمیشہ اپنی نسلوں پر حکومت کیا کریں اگر یہ محال اُن کا مان لیا جاوے تو اُس کے یہ معنی ہونگے کہ زمین زندوں سے چھین کر مُردوں کے حوالے کی جاوے دوسرے یہ کہ اگر یہ مان ہی لیا جاوے کہ ہاں اُن کے آبا و اجداد کی کسی نسل کی عقل ایسی تھی کہ قصور خطا سے پاک و صاف تھے۔ مگر زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے وہ بہت سی صورتیں ایسی پیش کرتا رہتا ہے جو اُن کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں اگر وہ خود زندہ ہوتے تو ضرور اپنے دستوروں میں تغیر کرتے۔ پس بہتر یہ ہے کہ آدمی ایجاد میں زمانہ کے موافق چال چلے اور اپنی پُرانی باتوں کی ترمیم کرے یا تنسیخ۔ زمانہ انہیں کا مددگار ہوتا ہے جو اُس کی چال پر چلتے ہیں وہی خوش نصیب ہوتے ہیں جن کا زمانہ یار و یاور ہو

وہی آدمی عقلمند ہوتا ہے جو زمانہ کی مصلحت پر چلتا ہے مصلحان قوم اور سلطنت جو
تبدیلیاں اختراع کرتے ہیں بہ نظر اصلاح و فلاح کرتے ہیں اصلاح کا خیال تبدیلی کے خیال کے
مقدم ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ پہلے اُن کے دل میں تبدیلی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔
اُس کو اصلاح کا بہانہ بناتے ہیں + جو تبدیلیاں وہ داخل کرتے ہیں گو لوگ اُن کو
پسند نہ کریں۔ مگر اُن میں مشتبہ ضرور رہتے ہیں تبدیلی کرنے میں کتاب مقدس کا یہ مقولہ
پیش نظر رکھنا چاہیے۔ کہ پرانے رستے پر کھڑے رہو اور اپنی چاروں طرف دیکھو اور
یہ دریافت کرو کہ کونسا راستہ سیدھا اور ٹھیک ہے۔ اُس پر چلو۔ یعنی قدیمی آئین و دستور
پر قائم رہ کر یہ تحقیق کرو کہ کون سی راہ اچھی راہ ہے۔ دستور اور آئین و طریق اس ادب کے
مستحق ہیں کہ آدمی اُن پر قائم رہے۔ اور یہ تحقیق کرے کہ کونسا بہتر راستہ ہے۔ جب
اس کو یہ بات منکشف ہو جائے تو پھر وہ اُس پر چل کر ترقی کرے اپنے پرانے قوانین
اور آئین جو جاری ہیں اُن کو دفعتہً نہ تبدیل کرے اُمورات سلطنت میں جب تک
کوئی سخت ضرورت آن کر نہ پڑے اور یہ نہ تحقیق ہو جائے کہ اس تبدیلی سے اصلاح و فلاح سلطنت
یقینی ہوگی وہ تب تک نہ کی جائے۔ کیونکہ اس امر کا تحقیق ہونا کہ جو ہم قدیم آئین کو جدید
آئین سے بدلتے ہیں اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ آسان نہیں ہے۔ کیونکہ آجتک انسان نے
کوئی بات ایسی نہیں ایجاد کی جو ایسی کامل ہو کہ اُس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہو
اور وہ بالکل عیب سے خالی ہو + یہ انسان کی حماقت ہے کہ وہ کسی چیز کے قبول کرنے
سے انکار اس وجہ سے کرے کہ وہ کامل نہیں یا بے عیب نہیں ہے غرض نہ پرانے دستوروں
کے ماننے میں ضد و ہٹ چاہیے کہ ہم اُن کو مانینگے خواہ وہ کیسے ہی بُرے ہوں۔ نہ خواہ
مخواہ نئی باتوں کو بے ضرورت داخل کرنا چاہیے اصلاح اور فلاح کے لیے جو تبدیلیاں
ضرور ہوں وہ پرانی باتوں میں ہمیشہ اور جلدی اور استقلال کے ساتھ کرنی چاہئیں
اصلاح و فلاح خواہ جمہوری ہو یا شخصی۔ شخصی اصلاح بھی جمہوری اصلاح ہو جاتی ہے۔ اگر کل

ہر مکاندار اپنے مکان کے آگے کوڑا کرکٹ غلاظت نجاست صاف کر دے تو کل گلی پاک صاف اور ستھری ہو جائیگی +

خلاصہ یہ ہے کہ نئی راہ پر قدم رکھیں جب تک کہ خوب ہوشیاری سے دیکھ بھال نہ لیں نہ ان پرانی راہوں میں چلیں جن پر ہمارے نشان قدم دھوکا دے کر کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی چکر میں پھرا تے ہیں نہ پروانہ بنیں کہ اڑکر شمع پر جل جائیں نہ گھوڑے بنیں کہ اصطبل میں جب آگ لگے تو اڑیل بن کر گھوڑے کے کھڑے جل جائیں بہت سے آدمی دنیا میں ایسے مخالف خصلت کے نظر آتے ہیں کہ ان کی خصلتیں کیا پروانہ کی سی ہوتی ہیں یا گھوڑے کی سی کیا وہ نئی باتوں کو بے سوچے سمجھے اختیار کر لیتے ہیں یا پرانے قانون پر ایسے جمے ہوتے ہیں کہ ان کو کسی طرح نہیں چھوڑتے مگر جو عقلمند ہوتے ہیں وہ بہت سوچ بچار کر نئی باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور پرانی باتوں کو چھوڑتے ہیں +

(۲) ہر دوا ایک ایجاد سے نئی دواؤں سے پرہیز کرنا۔ نئی خرابیوں کا منتظر رہنا ہے زمانہ بڑا موجد ہے۔ اس کی تقلید ہم کیوں نہ کریں؟ سابق دستوروں کے موافق کام کرنے کو احمقوں اور جیلہ جویوں پر چھوڑ دو تو خود بخود چیزیں بدل کر بری ہوتی جاتی ہیں اگر ان کا انتظام صلاح و مشورہ و تدبیر سے بہتر ہونے کا نہ کیا جائے تو معلوم نہیں برائیوں کا ڈھیر کیا لگ جائے؟ زمانہ ہی ایسی حکومت رکھتا ہے جس کے آگے سب خوشی سے سر جھکاتے ہیں جو لوگ رسم و رواج کے غلام ہوتے ہیں وہ ہنسی کے قابل ہوتے ہیں کوئی نئی چیز ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی نقصان نہ ہو۔ نئے کپڑے کے پیوند پرانے کپڑے کو زیادہ پھاڑ دیتے ہیں جس بات کی توقع کچھ نہ ہو وہ دفعتہ ہو جائے تو جس کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے وہ خوش ہوتا ہے اور جس کو نقصان پہنچتا ہی وہ زیادہ رنج کرتا ہے +

(۳) نئی باتوں کے ایجاد کا زیادہ تر شوق جن لوگوں کو ہوتا ہے وہ اکثر خود غرض اور تنگ خیال ہوتے ہیں جیسا اُن کو پہلے اپنے بزرگ آبا و اجداد کا پاس خاطر نئی تبدیلی میں نہیں ہوتا ایسے ہی اُن کو پچھلی اپنی اولاد کا خیال نہیں ہوتا۔ صرف اختراع میں اپنے مطلب کا خیال ہوتا ہے۔ وہ نئی راہوں پر اپنے نام کو بلند کرکے اڑاتے ہیں کہ جس سے شہرت حاصل ہو جاوے +

(۴) سب سے زیادہ زمانہ جلد جلد تبدیلیاں جو معلوم نہیں ہوتیں زبان میں اختراع کرتا ہے کتنی ہی زبانوں کی اس نے چپکے چپکے جان نکال کر مردہ بنا دیا کیا وہ زندوں کی زبانوں پر بولی جاتی تھیں یا کتابوں کے اندر مُردوں کی طرح قبر میں خاموش پڑی ہیں

کارہائے بزرگ کا جلد سرانجام دینا۔

جیسا کہ اطبا کے نزدیک کچی غذا کا معدہ سے قبل از وقت ہضم نکل جانا جسم میں بیماریوں کا بیج بوتا ہے ایسے ہی کسی کار بزرگ کی حد سے زیادہ جلد سرانجام ہونے کی خواہش ضرورتوں کی جڑ جاتی ہے مضرتیں پیدا کرتی ہے۔ گو کارہای بزرگ کے انصرام کرنے کے لئے وقت پیمانہ ہے جو اُس کا اندازہ کرتا ہے مگر اُن کی زود انجامی کے لئے رجلاس کار کے وقت کو پیمانہ نہ بناؤ بلکہ اُن کی نیک انجامی اور خوش اسلوبی اور ترقی کو گھڑ دوڑ میں کچھ لمبی دگو سے سرعت رفتار نہیں پیدا ہوتی ایسے ہی دفعتہً بہت کام کرنے سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ کام جب خوب ہوتا ہے کہ آدمی صبر سے لوگوں کی باتیں سنے اُن کو ذہن میں محفوظ رکھے اصل مطلب کو اُن سے اخذ کرے پھر خوش اسلوبی کے ساتھ حصول مقصد کے لئے بندوبست کرے۔ بعض آدمی کام کرنے میں متامل و سست کہلاتے ہیں وہ فرصت میں کام پر بہت تامل اور غور کرکے اپنی سچی رائے قائم کرتے ہیں پھر اُس کے موافق تدابیر درست کام میں لاتے ہیں گو وہ اپنی رائے قائم کرنے میں دیر لگاتے ہیں مگر اُن کے کام کا انجام آخر یقینی اچھا ہوتا ہے۔ ان [illegible]

ساتھ کام کرنے والے ان کاموں کے لائق نہیں ہوتے۔ جن میں مستعدی اور جلدی و چالاکی درکار ہو۔ ایسے کاموں میں وہ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں بعض آدمی بڑے روشن خیال ہوتے ہیں اور قیاس کرنے میں تیز و ہوشیار۔ اور عین وقت پر نہایت ذہانت کی تدبیر کرنے والے۔ مگر وہ ایسے کاموں میں جن میں سرعت کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت غور و خوض کرنے کی عادت نہیں رکھتے اور وقت کو اُس میں اپنے نہیں لگاتے۔ اُن کا کام کرنا ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی ہوا پر تیر مارے اور نشانہ پڑ لگا ہی۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ خوب سوچ بچار کرتے ہیں مگر تاخیر و اہمال کرتے ہیں جہاں حرکت و مستعدی اصل کام چلانے والی ہوتے ہیں اُن کا حال ایسا ہی جیسے کوئی مریض کو سخت دوا پہلے دیدے اور پھر اُس کی نبض اور زبان کو دیکھے بعض آدمی ایسی طبیعت کے ہوتے ہیں کہ جو اپنی رائے سے وہ فیصلہ کریں اُس کے درست اور صحیح ہونے میں شبہ نہیں کرتے ہر اعتراض کا جواب فوراً دیدیتے ہیں اور ایک نتیجہ نکال کے رکھ دیتے ہیں خواہ اس کی کوئی بنیاد ہو یا نہ ہو جو شخص اُن کا معترض ہوتا ہی۔ اُس کو وہ اپنا مخالف جانتے ہیں بعض آدمی جب کسی معاملہ میں طرفین کی دلائل معقول ہموزن ہوتی ہیں تو شبہ میں پڑے رہتے ہیں لیکن جب ایک طرف ذرا بھی غلبہ ہو جاتا تو پھر اُس کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اکثر دنیا میں آدمی معاملات کا فیصلہ اسی طرح کیا کرتے ہیں کہ اُن میں کسی طرف کوئی وجہ ترجیح نہیں ہوتی۔ اگر ایک آدمی کے سامنے روپیوں سے بھری ہوئی دو تھیلیاں ایک سی رکھ دو تو وہ اُن میں کوئی ایک بلا وجہ ترجیح اٹھالے گا۔ تھوڑے ہی آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ طرفین کی دلائل کو خوب سوچ بچار کر کے ایک طرف کی ترجیح کی وجوہ کو تلاش کر کے فیصلہ کریں بعض آدمی تحقیق کرتے ہیں مگر فیصلہ نہیں کرتے بعض آدمی فیصلہ کرتے ہیں مگر تحقیق نہیں کرتے ✲

(۲) کارہای بزرگ کے انصرام میں وقت مناسب کا انتخاب کرنا بھی بڑی بات ہے

نپولین کہا کرتا تھا کہ اگر تم دشمن کی حملہ آوری کے وقت کا حساب کرنے بیٹھو۔ اور جو وقت اپنے حساب سے تم مقرر کرو اُس سے دس منٹ پہلے وہ تم پر حملہ کرے تو خواہ تم اپنی حفاظت میں کیسی ہی زبردست سپاہ لاؤ۔ وہ تم کو شکست دیدیگا۔ اگر تم طغیانی آب میں گھر جاؤ اور دس منٹ تک سوچا کرو کہ کس طرف نکل کر جائیں تو تم ضرور ڈوب جاؤ گے بعض آدمی بڑے کاموں کو جلد سرانجام کرنا چاہتے ہیں اور کام کے واسطے تھوڑا وقت مقرر کرتے ہیں تاکہ اُس سے معلوم ہو کہ وہ کار ہائے بزرگ کو جلد سرانجام دینے والے ہیں مگر کسی چیز کا مختصر کرنا ایک تو اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے ہوتا ہے دوسرا قطع کرنے سے پس یہ اُن کا اختصار وقت قطع کرنا ہے + ایک دفعہ کسی دانشمند نے خوب جلسہ میں کہا تھا کہ تم تھوڑی دیر ٹھیرو تو اُس کام کا انجام نیک بہت جلد ہو جائیگا +

(۳) جیسا کہ اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپیہ سے ہوتا ہے۔ ایسی ہی کام کا اندازہ وقت سے ہوتا ہے۔ اس لئے کسی کام کا نیک انجام جلد ہو جانا بڑی دولت ہے۔ اگر کام کے انصرام میں جلدی کم ہو تو وہ زیادہ مہنگا ہو جاتا ہے کام کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کرنا۔ وقت کا بچانا ہے اور نا وقت کسی کام کا کرنا ہوا پر کوڑے مارنا ہے سب سے زیادہ کاموں کے سرانجام کرنے کی یہ خوبی ہے کہ اُس کی ترتیب تقسیم خوش اسلوبی کے ساتھ ہو کاموں کے علٰحدہ علٰحدہ حصے ہونے چاہئیں جو شخص کام کے حصے نہیں کرتا وہ کام میں دخل ٹھیک نہیں رکھتا۔ جو اُس کو بہت سے حصوں میں تقسیم کرتا ہے وہ بھی اُس کو صفائی سے نہیں انجام دے سکتا ہر کار بزرگ کے تین حصے کرنے چاہئیں۔ اول حصہ ابتدائی تیاری کا۔ دوم اُس پر مشورہ مباحثہ کا۔ سوم اُس کے انجام دینے کا۔ اول اور سوم حصہ تو چند آدمیوں کو حوالہ کرنا چاہئے اور دوسرے حصہ میں جتنے آدمی کثرت سے ہوں مناسب ہے۔ اطبا کہتے ہیں کہ انسان کے معدہ کے واسطے غذا کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اُس کو وسیع رکھے تاکہ معدہ اپنا کام بافراغت کرے۔ اسی لئے گھوڑوں کو دانہ

ساتھ کھانی چاہئے کہ جس سے معدہ میں وسعت پیدا ہو۔ ایسے ہی کاموں کرنے کے واسطے معلومات اطلاعوں کا دفتر چاہئے کہ جن میں وہ اپنا کام وسعت ساتھ کرسکے۔ جو ایک مجلد کتاب کے پڑھنے سے فیصلہ ہو سکتا ہے وہ ایک چھوٹے رسالہ کے مطالعہ سے نہیں ہو سکتا + غرض تحریری معلومات بھی انفصال خیالات میں بڑا اثر رکھتی ہے +

(۳) کارہائے بزرگ کی انصرام میں بڑے عقلمندوں کا کام یہ ہے کہ یہ معلوم ہو کہ کس کس صورت میں زیادہ تامل و غور کی ضرورت ہے اور کس میں نہیں اسی لئے بزرگ معاملات میں دو قسم کے مشورہ کار جمع کرنے چاہئیں ایک وہ جو متامل ہوں دوسرے وہ جو مستعجل ہوں پہلے قسم کے آدمیوں کے سبب سے فیصلہ میں التوا ہوگا۔ فیصلہ کا نہ ہونا یا اس میں التوا ہونا بھی ایک فیصلہ ہے اگر کسان زراعت کے وقت بیج بونے کا فیصلہ نہ کرے تو یہ بھی ایک فیصلہ ہے کہ وہ زراعت کرنی نہیں چاہتا +

بظاہر عاقل معلوم ہونا

بعض آدمی اپنے رنگ ڈھنگ دکھانے میں تدابیر ایسی کرتے ہیں کہ وہ زیادہ تر دانشمند معلوم ہوں گو وہ درحقیقت ویسے نہ ہوں بعض قوموں کے ظاہری اطوار ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عقلمند معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں نہیں ہوتیں اس کے برخلاف بعض ایسے عقلمند نہیں معلوم ہوتیں جیسی وہ ہوتی ہیں +

ایک حواری کا قول ہے کہ وہ دینداری کی صورت میں ہو کے خدا کی قدرت کا انکار کرتے ہیں ایسے ہی بعض لوگ دانشمندانہ صورت بنا کے عقل کے خلاف کام کرتے ہیں ایسے آدمی پہلے سے یہ جانتے ہیں کہ کاموں میں عاقل کبھی متامل ہوتے ہیں کبھی مستعجل کبھی کسی کام میں خرچ کرتے ہیں کبھی کسی کام میں نہیں خرچ کرتے۔ کہیں خوف کی جگہ تہور کو کام میں نہیں لاتے۔ کہیں دلیری کی جگہ نامردی نہیں دکھاتے۔ نہ بخل کرتے ہیں نہ اسراف غرض ہر کام میں ان کے اعتدال ہوتا ہے۔ بس وہ کاموں میں اس طرح ان کی نقل اتارتے ہیں

مگر غلط محل و موقع پر جہاں وہ تاخیر کرتے ہیں یہ تعجیل کرتے ہیں اور جہاں وہ خرچ کرتے
ہیں یہ بخل کرتے ہیں جہاں وہ تہور نہیں کرتے۔ یہ تہور کر کے بڑے خوفوں میں جانبازی
کرتے ہیں غرض جو کام عقل کے موافق ہوتے ہیں اُن کو مہمل کرتے ہیں وہ دانائی کا
کام نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو بہت تھوڑا۔ وہ بھی بڑی محنت و جانکاہی سے۔ وہ گھنّے
ہوتے ہیں اپنے راز کی بات کبھی نہیں بتلاتے اوروں کی حقارت کرتے ہیں گو خود چھوٹے
آدمی ہوتے ہیں مگر بڑے بڑے آدمیوں کی تحقیر کرتے ہیں اپنے اوپر اعتماد و اعتبار
بہت کرتے ہیں اپنی قابلیت اور دانائی کو کافی سمجھتے ہیں عیب میں دھنسے ہوئے ایسے
ہوتے ہیں کہ اگر اوروں کو دیکھیں تو اُس کے جسم کی پوروں و انگلیوں کو بتا دیں کہ وہاں اس
نہیں ہیں اعتراض کرتے ہیں جب اپنے نفس کی طرف کہ با ثبوت اپنے نقص کے ہو
جب وہ ایک بات کو جانتے نہیں اور اُس میں گفتگو کرتے ہیں تو ایسے اعضا کی حرکتیں
کرتے ہیں اور چہرہ کی لیتے ہیں کہ لوگ یہ جانیں کہ وہ اس بات سے خوب واقف ہیں اور بڑی
بڑی الفاظ اور محاورے بولتے ہیں غرض باتیں خوب بناتے ہیں وہ عاقلوں کے نزدیک
تو عقل سے خالی معلوم ہوتے ہیں مگر جو عقل سے خالی ہوتے ہیں وہ اُن کو دانشمند جاننے لگتے ہیں
استقلال ایسا دکھاتے ہیں کہ جس سے لوگ اُن کی عقل و دانش کو تسلیم کریں جیسا کہ دوالیہ
سوداگر اپنے ساکھ رہنے کے واسطے طرح طرح کے فریب کرتا ہے۔ ایسے ہی وہ بہت سے
فریب و مکر اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ اُن کو عقلمند جانیں وہ عقلمندوں کی تصویر ایسی
بنتی ہیں جیسی کہ آئینہ میں آدمی کی شبیہ ہوتی ہے کہ وہ بعینہ ہوتی ہے مگر داہنی طرف کی بائیں
طرف اور بائیں طرف کی داہنی طرف۔ وہ اپنے تئیں ایسا شیشہ بناتے ہیں جس میں اشیا بڑی مجسم
دکھائی دیں اپنی سطاحت کو جسامت بنا کے دکھاتے ہیں کہ جس میں عمق اور گہرائی
ہو۔ اُن کا حال اُس لڑکے کا سا ہوتا ہے جس کی نقل مشہور چلی آتی ہے کہ اپنی آستین میں
ہیں یہ سوئی رہا کرتی ہے جا تو لٹکایا۔ اور جیسے ہیں جس میں چاقو رکھا جاتا ہے بھیڑ کا بچہ

سچی عقل کا بڑا کام یہ ہی کہ وہ دنیا کے معاملات میں تمثیلات اور نظائر کا انتخاب ٹھیک ٹھیک کری۔ اگر آدمی اس میں مغالطہ کھاتا ہی تو زمانہ سابق کا علم اس کو کچھ نہیں سکھاتا بلکہ فریب دیتا ہی۔ ایسے آدمیوں کو شہرت حاصل کرنے دو۔ مگر ان کو کام نہ سپرد کرو۔ کیونکہ احمق اُنسے زیادہ اچھی طرح کام کر سکتے ہیں +

دوستی۔

ارسطاطالیس کا قول ہی کہ انسان کو اپنی خوشی کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ کسی دوسرے آدمی سے دوستی کرے۔ اگر کسی شخص کو دوستی کی ضرورت ظاہر و باطن میں نہ ہو تو وہ انسان نہیں ہی۔ کیا اس سے نہایت کمتر ہے یا نہایت اعلےٰ درجہ پر ہے اسی مضمون کو یوں بھی بیان کیا ہی۔ کہ جس شخص کو تنہائی پسند ہے وہ کیا وحشی حیوان ہی یا دیوتا ہی۔ اس مختصر بیان میں پہلی بات کو سب مانتے ہیں کہ جس شخص کو صحبت انسانی سی نفرت ہو۔ اس میں ضرور کوئی وحشی حیوان کی صفت ہوتی ہے مگر دوسری بات میں اختلاف ہی۔ بعض تو اس کو بالکل غلط جانتے ہیں کہ کہیں تنہا نشینی سے آدمی کو خدا ملتا ہی +

ارسطو اس کا قائل ہے کہ بعض آدمی سوچنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کافی ہوتے ہیں اور شہری آدمیوں سے برتر ہوتے ہیں ظاہری حالتوں کے وہ محتاج نہیں ہوتے اس لئے وہ خدا کی طرف بالکل توجہ رکھتے ہیں مگر افلاطون اس سے انکار کرتا ہی۔ اور حکیموں کو ہدایت کرتا ہی کہ وہ جمہوری سلطنت میں معاملات ملکی میں متوجہ ہوں یہی کام خدا تک پہنچائیگا محض تنہائی سے خدائی صفات نہیں آتیں رشی منی فقرا۔ راہب بھی خلوت گزین اس لئے ہوتے تھے کہ مجلس خاص میں بیٹھیں اور خدا سے باتیں کریں لوگ تنہائی کے معنے نہیں سمجھتے۔ تنہائی کے معنے یہ نہیں ہیں کہ آدمی ہمراہ نہ ہوں بلکہ اس کے معنے یہ کہ دوست پاس نہ ہوں اگر آدمی بہت سے ہوں اور ان میں محبت نہ ہو تو وہ ایک قطع تصاویر کے اور ان کا بولنا ایک باجے کی ٹن ٹن ہی۔ بڑا شہر بڑا جنگل ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں دوست دور دور رہتے ہیں

تو وہ اُس میں ملنے جلنے بہت کم ہیں۔ وہ شریک حال باہم ایسے نہیں ہو سکتے جیسے کہ
پاس پاس کے ہمسائے اس شخص کی تنہائی سب سے زیادہ مصیبت ناک ہی کہ جس کے سچے دوست
نہ ہوں سچے دوستوں بغیر دُنیا ایک ویران جنگل ہے۔ اس دُنیا کے تماشوں میں جو شخص
تنہائی کو پسند کرتا ہی۔ اُس کی طبیعت و سرشت ایسی ہی کہ وہ دوستی کے قابل نہیں
ہوتا وہ حیوان ہوتا ہے۔ انسانیت نہیں رکھتا۔ اوّل سب سے بڑا پھل دوستی کا یہ ہے
کہ اُس سے دل ہلکا ہوتا ہے جو باتیں دل میں بھری ہوتی ہیں وہ سب زبان پر آتی ہیں سب
سے زیادہ سخت تکلیف آدمی کے جسم کو گلے کے گھٹنے اور بھینچنے سے ہوتی ہی بس ایسے ہی دل کا
حال ہی کہ اگر دوست نہوں تو بڑا گھٹتا اور بھچتا ہی۔ دل جب تک کہ منبسط نہیں ہوتا۔
سچا دوست نہیں ملتا۔ آدمی اپنی ساری رنج خوشی۔ امید و بیم شک یقین صلاح و تدبیر۔
غرض جو دل میں بھرا ہوتا ہی وہ دوست کے روبرو نہایت محبت سے بیان کرتا ہی۔
بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس دوستی کو بڑے بادشاہ اور فرماں روا
اپنی جان و شان کو جوکھوں میں ڈال کر خریدتے ہیں اس لئے کہ بادشاہ اور
رعایا و ملازمین کے اقبال اور دولت میں زمین و آسمان کا بعد ہوتا ہے
دوست پیدا کرنے کے لئے ضرور ہے کہ رعایا میں سے لوگوں کو اوّل ادنے
درجہ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچائیں اور پھر اُن کو اپنا رفیق بنائیں اس کام کے کرنے میں
اُن کو بہت تکلیفیں اُٹھانی پڑتی ہیں بادشاہ۔ عاقل شجاع۔ اہل دل۔ زبردست اپنی
ذات سے بڑے محبت کرنے والے یہ سب جانتے ہیں کہ بغیر دوستوں کے دل کو چین
اور آرام نہیں ملتا۔ اگر وہ اُن کو نہ پیدا کریں تو اُن کے کام ادھورے پڑے رہیں۔
دوستوں سے دل کو تسلی و تشفی حاصل ہوتی ہے وہ بھائی بندوں سے نہیں حاصل ہوتی۔
فیثا غورث کا قول ہی کہ جو شخص ایسا دوست نہیں رکھتا کہ اُس کے آگے اپنے دل کی باتیں
کہے وہ مردم خوار ہے جو اپنے دل کو کھاتا ہی۔ جو شخص اپنے احباب کے روبرو اپنی رنج د

خوشی کو بیان کرتا ہی۔ اس سے یہ دو فائدہ مند متضاد اثر پیدا ہوتے ہیں۔ کہ
خوشی اس کی دوچند ہوتی ہی۔ اور رنج آدھا ہوتا ہی۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا
کہ وہ اپنی خوشی کو دوستوں میں بیان کرے اور اس سے اس کی خوشی نہ بڑھ جائے
اور غم کو بیان کرے وہ نہ چٹ کر گھٹ جائے۔ دوستی کا حال مقناطیس کا سا ہوتا ہی کہ
وہ جسم پر مثبت اور منفی دونوں اثر پیدا کرتا ہی اور دونوں فائدہ مند ہوتے ہیں جیسا کہ قانون قدرت
کہ اجسام کی باہمی تنادی قوت پیدا ہوتی ہی ایسا ہی دلوں کا حال ہی کہ ان کے اتحاد سے قوت پیدا ہوتی
ہی ع دو دل یک شود بشکند کوہ را۔ دوستی کا دوسرا پھل یہ ہی کہ اس سے فہم ہماری درست اور پختہ
ہوتی ہی دوستی کا پہلا پھل یہ لکھا تھا کہ اس سے ایسی محبت پیدا ہوتی ہی جس سے غم کی طغیانی کی گھناہٹ کو صاف کر
صاف کر دیتی ہے۔ اس دوسرے پھل سے انتشار خیالات اور فہم کی تاریکی دفع
روشن بن جاتی ہی۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ دوست سے صلاح و مشورہ ہی لیا جاتا ہو۔ بلکہ
اس کے سامنے فقط خیالات بیان کئے جائیں تو اس طرح سے تقریر صاف ہوتی ہی
اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ الفاظ میں آن کر خیالات کی صورت کیا ہوتی ہی۔ بیان کرنے سے
پہلے اپنے خیالات کی ترتیب درست کرنی پڑتی ہی۔ اسی سبب جو ایک گھنٹہ کی گفتگو سے
دانائی حاصل ہوتی۔ وہ ایک دن کے سوچنے سے نہیں حاصل ہوتی۔ جو خیالات کہ ایک گٹھری میں
بندھے ہوئے تھے وہ کھل جاتے ہیں ان کی صورت منتظم ہو جاتی ہی اس سے خیالات روشن ہو
کر ان کا اپنا حال کھل جاتا ہے اور ذہانت کی باتیں خود بخود پر اثر ہوتی ہیں جو ابھی بنائی ہوئی نہیں ہوتی۔ دل و
دماغ میں خیالات گھونٹ گھونٹ کر رکھنے سے تو یہ بہتر ہے کہ وہ کسی پیکر یا بت کے
سامنے بیان کئے جائیں سو دانا کے دوستوں سے صلاح و مشورہ لیا جاتا ہی جس کو
وہ ایمانداری اور وفاداری کے ساتھ دیتے ہیں صاف روشنی ہمیشہ تیز ہوتی ہی آدمی
دوست کے صلاح و مشورہ سے روشنی پاتا ہے وہ زیادہ صاف ہوتی ہی۔ اپنی فہم
کی روشنی میں اپنی محبت اور رسم و رواج کی آلائش ہوتی ہی اپنی اور دوست کے صلاح و

مشورہ میں ایسا فرق ہوتا ہی جیسے کہ دوست اور خوشامدی کے صلاح او رمشورہ میں
کیونکہ آدمی کا کوئی خوشامدی اُس کے اپنے آپے سے زیادہ نہیں ہوتا اس اپنے آپے
کی خوشامد کا علاج دوستی کی آزادی سے زیادہ کوئی اچھا نہیں ہوتا۔ اپنے دوستوں سے جو
صلاح و مشورے ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک نصائح واطوار واخلاق کے باب میں
دوسری معاملات کے باب میں۔ اوّل صورت میں دوست کی پند ونصائح سے دل کی
درستی اور اصلاح ہوتی ہی آدمی کا اپنے آپے سے محاسبہ لینا حقیقت میں بڑا علاج دل کی
اصلاح کا ہی مگر وہ بڑا جاں خراش اور دل تراش ہوتا ہی۔ اخلاق کی اچھی کتابوں کا
مطالعہ بھی بے جان ہی۔ اوروں کی خطاؤں کو دیکھ کر اپنی اصلاح کرنی بھی کچھ مناسب
حال نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم اوروں کی برائیوں کو دیکھ کر ٹھیک طور پر اُن سے فائدہ نہیں
اٹھاتے۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ وہ ایک ہی خطاؤں پر لعنت ملامت کرتا ہی۔ اور
انہیں سے بری کر دیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ کچھ خطاؤں کے دیکھنے میں اندھا ہوتا ہی
مگر اُس کے دل میں ایک اور بات ہوتی ہے کہ وہ اوروں کے انصاف کرنے میں۔
اُن کی دردناک لغزش کو دیکھتا ہی۔ مگر یہ نہیں دیکھتا کہ وہ کیونکر لغزش سے غم زدہ
ہوئے اور اپنی ذات کے لئے انصاف کرتے ہیں۔ وہ یہ دیکھتا ہی کہ میں کیسا لغزش
سے غم زدہ ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ کیوں لغزش ہوئی۔ آدمی اپنے افعال میں سخت
غلطیاں و بیہودگیاں اس سبب سے کرتا ہی کہ اُس کے دوست نہیں ہوتے جو اُس کو
اُن پر مطلع کرتے۔ اور اس سے دولت کا نقصان جدا ہوتا ہی اور شہرت و ناموری
میں جدا فرق آتا ہی۔ اُن کا حال ایسے آدمیوں کا سا ہوتا ہی کہ بعض دفعہ آئینے میں
اپنے تئیں دیکھتے ہیں اور اپنی صورت و چہرہ کو بھول جاتے ہیں اب دوسری صورت معاملات
میں صلاح و مشورہ کی یہ ہی کہ ایک آدمی اگر چاہی تو یوں خیال کرسکتا ہی کہ دو آنکھیں
ایک آنکھ سے زیادہ نہیں دیکھ سکتیں جواری ہمیشہ تماشائی سے زیادہ دیکھتا ہے

آدمی غصہ میں زیادہ دانشمند بہ نسبت اُس عاقل کے ہوتا ہے جو غصہ کے وقت چوبیس حرف الف بے تے کے پڑھا کرتا تھا۔ اور ایک تنبیہ ہاتھ سے ایسا ہی چھوٹ سکتا ہے جیسے کہ بیٹھک پر رکھنے سے اور بہت سی اسی قسم کی بیوقوفی کی باتیں خیال کرکے وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں مگر جب سب کچھ کام ہو چکتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دوست کی نیک صلاح ہی سے کام سنورتے اور درست ہوتے ہیں آدمی اگر بہت سے صلاح کاروں سے مشورہ اپنے کاموں کا ٹکڑے ٹکڑے کرکے لے گا یعنی ایک کام میں کسی سے مشورہ لیتا ہے اور دوسرے کام میں کسی دوسرے سے اور علیٰ ہذا القیاس اگرچہ اس طرح صلاح و مشورہ لینا بالکل صلاح و مشورہ نہ لینے سے اچھا ہو مگر اس صورت میں دو خطرے ہیں اول یہ کہ ایسے آدمی کو کوئی نیک صلاح جس پر بھروسہ و اعتماد ہو نہیں دیگا۔ دوم یہ کہ وہ صلاح و مشورہ ایسا ہوگا کہ اس میں کچھ برائی ہوگی کچھ بھلائی۔ اگر تم اپنے مرض کے علاج کے لئے اُس طبیب کو بلاؤ جو اس مرض کا علاج کرنا خوب جانتا ہو مگر تمہارے مزاج سے ناآشنا ہو تو وہ اس مرض کو دور کردیگا مگر آئندہ موت کو قریب کردیگا۔ یہ امر شاذ و نادر ہے کہ کوئی دوست ایسا ملے کہ جو تمہاری حالت سے خوب واقف نہ ہو اور تم کو کسی معاملہ میں ایسی صلاح و مشورہ دے جو اور معاملات میں خلل انداز نہ ہوں بہت سے آدمیوں سے صلاح و مشورہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے مرض کے علاج کے لئے بہت سے طبیبوں کا بلانا کہ وہ بجائے اچھا کرنے کے اور زیادہ مرض کو بڑھائینگے۔ علاوہ ان دو پہلوؤں کے جو اوپر بیان ہوئے کہ ایک حب سے دل کو ماموں اور دوسرا رائے کو خطا سے مصئون کرتا ہے آخر پہلو یہ ہے جو انار کی طرح بہت سے دانے رکھتا ہے یعنی دوست سارے کاموں اور موقعوں پر معین اور مددگار ہوتا ہے۔ متقدمین کا کیا عمدہ مختصر مقولہ ہے کہ دوست اپنی ذات ثانی ہوتی ہے بلکہ دوست اپنی ذات سے بھی بہتر ہوتا ہے پس انسان دوستی سے اپنی

اپنی زندگی کو اس طرح بڑھا سکتا ہی کہ اُن کی بہت سی امثال اپنی ذات کے جو مختلف
کام جانتے ہیں پیدا کرے آدمیوں کے واسطے مرنے کا ایک وقت مقرر ہی وہ بہت دفعہ
دل میں اپنے بہت سے ارمان لئے دُنیا سے سدھار جاتے ہیں جیسے بچوں کی شادی اور
بعض اور شوق کے کاموں کی تاتامی مگر ان کاموں کو ان کے بعد دوست ایسا ہی
پورا کر دیتے ہیں جیسے وہ خود کرتے - آدمی کے ایک جسم ہوتا ہی اور وہ ایک ہی
جگہ مقید ہوتا ہی جہاں وہ کام کر سکتا ہی مگر دوستوں کے ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہی
کہ وہ بہت جگہ کام کر رہا ہی - بہت سے کام آدمی خود اس خوش اسلوبی کے
ساتھ نہیں کر سکتا جو اس کے دوست کر دیتے ہیں مثلاً اپنی لیاقت کا اظہار اور اپنی
تعریف وہ خود کرنے سے شرماتا ہی مگر وہ دوستوں کی معرفت بخوبی ہو سکتی ہی -
اور اس قبیل کی بہت سی باتیں ہیں کہ جن کے کرنے سے خود آدمی کو شرم آتی ہی
مگر وہ دوستوں کی معرفت بخوبی سرانجام پاتی ہیں آدمی کے بعض رشتہ دار ایسے
ہوتے ہیں کہ جن کو وہ جدا نہیں کر سکتا مگر ان سے باتیں موافق اپنے رشتہ کے کرتا ہی
جیسے کہ بیٹے سے باپ بن کر بیوی سے میاں بن کر - دشمن سے بعض شرائط کے ساتھ
باتیں کر سکتا ہی - مگر دوست سے جیسا موقع و محل ہو ویسی باتیں کر سکتا ہی - وہ کسی
ذات خاص سے مخصوص نہیں ہو جتنے ایکٹر ہیں جو اپنے حصہ کا کام بغیر دوست کی
شرکت کے پورا نہ ہو سکے تو بہتر ہے کہ اُسے چھوڑ کر چلا جائے +

(۲) ہر نعمت میں ایک شیرینی لطافت درستی پیدا کر دیتی ہی - وہی تنہائی بڑی
ہولناک ہی جس میں دوست نہوں - بے ایمانی کی بڑی سزا یہی ہی کہ بے ایمانوں کو
دوستوں کی نعمت سے وہ محروم کر دیتی ہی - جو شخص دوستی اختیار کرتا ہی وہ نئی
ضرورتوں کی بیڑیاں پاؤں میں ڈالتا ہی -

(۳) اگر ساری دُنیا قبضہ میں ہو اور کوئی دوست نہ ہو تو وہ ہیچ ہی - اگر ساری

دُنیا کے بدلہ میں ایک دوست ہاتھ لگے تو ارزاں ہی جیسا کہ مشتبہ دوست سے خوف لگتا ہی ایسا دشمن سی نہیں ہوتا +

(۴) جو شخص اپنی ذات سی محبت رکھتا ہی اور دوستی سی بھاگتا ہے وہ سخت الزام کے قابل ہی۔ جو شخص کہ دوستی رکھتا ہی۔ مگر اُسے عام بھلائی کا خیال نہیں رکھتا وہ نکو کاری کے بڑے حصہ سے محروم رہتا ہی +

(۵) جب شکاری کے ہاتھ سے ہرن زخمی ہوکر اپنی گلہ میں جاتا ہی تو اور ہرن اُس کو اپنے سینگوں سے مار کر بھگا دیتے ہیں گویا وہ بھی اُصول حفاظت ذات پر عمل کرتے ہیں غرض خواہ حیوان ہو یا انسان دونو کو مصیبت کے وقت سچا دوست ملنا مشکل ہی +

(۶) دُنیا میں دوستی کا حال ایسا ہی جیسا کہ خزاں میں درختوں کے پتّ جھڑ کا۔ کہ جب تک درخت میں پتّوں کی پرورش کا رس بھرا ہوتا ہی وہ لگے رہتے ہیں جہاں وہ ختم ہوا اُسے چھوڑ جاتے ہیں ایسے ہی جب تک آسودہ حالی کی بہار رہتی ہی دوستوں کی بھیڑ لگی ہوئی رہتی ہی جب مفلسی محتاجگی کی آتی ہی تو سب چھوڑ کر چلے جاتے ہیں وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کو مصیبت کے وقت کوئی سچا دوست مل جائی اور اُس سی زیادہ وہ خوش نصیب ہے کہ جو دوستوں کا محتاج ہی نہ ہو +

(۷) دوستی چاند کے گرہن دیکھنے کے لئی اور دشمنی پورا چاند دیکھنے کے لئی آنکھیں بند کر لیتی ہی۔ بُرے آدمیوں کی دوستی صبح کے سایہ کی طرح گھٹتی ہے۔ بھلوں کی دوستی شام کے سایہ کی طرح بڑھتی ہی اور جب تک آفتاب حیات غروب ہوتا ہی قائم رہتی ہی۔

(۸) جو دوستی پاک اور مقدس ہوتی ہی۔ موت سے پہلے اُس میں کمی نہیں آتی۔ بلکہ مرنے کے بعد وہ آلائش سے اور پاک و صاف ہو جاتی ہی۔ دوست کے عیب نظر سے چھپ جاتے ہیں اور خوبیاں اُس کی جس کا چہرہ نظر نہیں آتا ہی قبر کی تاریکی میں روشن نظر آتے ہیں۔

(۹) دوستی دولت اور حکومت ہی۔ دوستی زندگی کا ایک عنصر ہی

آگ پانی دُنیا کو وہ آرام نہیں پہنچاتے جو دوستی پہنچاتی ہی دوست کی خدمت کے لئے سب طرح کے کام کرو جس سے تم خوش رہو +

(۱۰) دُنیا کے اندر دوستی زیادہ تر جلسۂ عیش وطرب اور بُری کاموں کے واسطے ہوتی ہے مگر جس دوستی کی نیکی پر بنا ہوتی ہی وہ مرنے پر ختم ہوتی ہے +

(۱۱) نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے ارسطو کا قول ہی دوست ایک جان دو قالب ہوتے ہیں +

(۱۲) آدمی دوست کو اُس وقت بڑا خیال کرنے لگتا ہی جب اُس کی قدر و منزلت کو اپنی توقع سے زیادہ لوگوں میں دیکھتا ہی +

(۱۳) جھوٹی دوستی کا حال اُس بیل کا سا ہوتا ہی کہ جس دیوار پر پھیلے اُسی کو کمزور کر دے یا گرا دے۔ سچی دوستی کا درخت ایسا نہیں ہے کہ وہ جلد نشو نما پائے کیونکہ قدر و منزلت کی زمین کی گہری کھدائی میں لگایا گیا ہی۔ پھر بھی وہ بہت سچ سچ محبت آمیز ملاقاتوں کی پانی دینے سے پورا ہوتا ہے +

(۱۴) نیک آدمی اچھا دوست ہوتا ہی۔ اُس کو جلد پسند کرو۔ اور دیر تک اُس کے ساتھ نباہ کرو اسوقت چھوڑو کہ اُس میں وہ نیکی جس کے سبب سے پسند کیا تھا نہ رہی +

(۱۵) ایک دوستی کی بنیاد آزادی کی محبت اور ملک کی عظمت کی دو مضبوط پہاڑوں پر رکھی جاتی ہی۔ خدا پرستی۔ بہادری۔ مربیانہ محبت کی پائے اُس پر بنائی جاتے ہیں اور نیک دلی۔ فیاضی۔ اخلاق کے اعتبار کی عمارت اُس پر چُنی جاتی ہی اور یوں یہ عالیشان مکان ختم ہوتا ہی۔ ایک دوستی کی بنیاد ریت پر ہوتی ہی جس کو بیماری اغراضی اور ہوا و نفسانی کے ہوا کے جھکڑ ایسا بدل دیتے ہیں کہ نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

(۱۶) خالی آؤ بھگت سے دوستی نہیں پیدا ہوتی۔ بلکہ وہ ایسی باتوں سے پیدا ہوتی۔ جس سے محبت ثابت ہو۔ یہ کام بڑی لیاقت کا ہی کہ ہم سچے طریقے سے کسی

دوسرے آدمی کا دل تسخیر کرلیں زور سے کوئی دوست نہ بنتا ہی نہ رہتا ہی وہ تو ایسا جانور ہی کہ سوا مہربانی اور مرضی کے کسی اور چیز سے نہ پکڑا جائے نہ ہلایا جائے ۔

(۱۷) ایسی محبت کی باتیں کرو کہ جس سے لوگوں کے دلوں میں گدگدیاں ہونے لگیں اور ثابت کرو کہ سوا اُن کی خوشی خاطر کے تم کچھ اپنی غرض نہیں رکھتے۔ دل سے اُن پر تم احسان کرو۔ اور اپنے تئیں پیش کش اُن کا بنالو +

(۱۸) جو شخص دوست کے لئے کوئی کمینہ کام کرتا ہی تو وہ اُس طلائی زنجیر کو توڑتا ہی جو اُن کے دلوں کو وابستہ رکھتی تھی +

(۱۹) جو دوست تحفہ تحائف دے کر بنتے ہیں وہ اُن کے دینے تک دوست رہتے ہیں موقوف ہونے پر اُن کی محبت نہیں رہتی +

(۲۰) سچی محبت کمیاب اور اُس سے زیادہ سچا دوست نایاب خوش اقبالی کے زمانہ میں سچے دوست بلانے سے آتے ہیں اور بد اقبالی میں بن بلائے +

(۲۱) دوستوں کے درمیان باتیں بڑے مزے کی ہوتی ہیں۔ آزادی نصیحت تعلیم یہ سب کچھ ان میں ہوتا ہی جو دل میں ہوتا ہی وہی زبان پر۔ کوئی بات پردہ کے اندر نہیں رکھی جاتی۔ جو دل میں جذبات اُٹھتے ہیں اور خیالات آتے ہیں جو کسی چیز یا شخص کی نسبت رای ہوتی ہی ۔ یہ سب باتیں ظاہر ہوتی ہیں اور ایک دوست دوسرے کے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دیتا ہی اور ایک دوسرے کا آئینہ ہوتا ہی۔ یہ خوبیاں بھلا کس مجمع میں ہوتی ہیں خواہ اُن میں کیسے ہی مختلف مضامین پر آزادی اور وسعت کے ساتھ مباحثہ ہو اور خواہ کوئی مضمون ہو موسم بہار یا خزاں یا وضع طرح تراش خراش +

(۲۲) دوستی کے باب میں یہ دانشمندانہ مقولے یاد رکھنے چاہئیں خیر خواہ بہت ہوتے ہیں مگر دوست چند ہوتے ہیں شیریں کلامی دوستوں کو بڑھاتی ہی اور خوش کلامی صاحب سلامتیوں کو زیادہ کرتی ہی صلح ہزاروں سے رکھو مگر صلاح ہزار میں ایک سے لو۔ دوستوں کے

انتخاب کرنے میں ان نصائح کو یاد رکھو۔ جب کسی شخص کو دوست بناؤ تو اُس کا اوّل
امتحان کرلو۔ جلدی سے دوست نہ بنالو۔ کیونکہ بہت سے ایسے خود غرضی کے موقع
پر غلط نما دوست بن جاتے ہیں اور رنج و تکلیف کی حالت میں دوست نہیں رہتے بعض دوست
ایسے ہوتے ہیں کہ دشمن ہو جاتے ہیں اور لڑنے لگتے ہیں اور عیبوں کو ظاہر کرتے ہیں بعض
دوست دستر خوان کے ہوتے ہیں وہ مصیبت کے دن میں پوچھتے بھی نہیں تمہاری
اقبال مندی میں وہ ایسے دوست ہوتے ہیں کہ دانت کاٹی روٹی کھاتے ہیں اور ایک
قالب و جان معلوم ہوتے ہیں اور وہ تمہارے امین مختار ایسے بن جاتے ہیں کہ تمہاری
نوکروں پر حکم چلاتے ہیں لیکن جب تمہاری بری دن آتے ہیں تو وہ علحدہ ہو جاتے
ہیں اور پھر کبھی منہ بھی نہیں دکھاتے + کیا کسی نے خوب کہا ہے کہ جیسا تم اپنے تئیں دشمنوں
سے بچاتے ہو۔ ایسے ہی اپنے دوستوں سے بھی ہوشیار رہو۔ وفادار دوست آدمی کے
لئے ایک حصن حصین ہوتا ہے۔ جس کو ایک دوست مل گیا اُس کو گویا ایک خزانہ مل گیا
سب سے اچھا مقولہ یہ ہے کہ وفادار دوست دوا ہوتا ہے۔ درد و رنج جو مرضوں کی
طرح تجھے لپٹتے ہیں اُن کو وہ اچھا کر دیتا ہے۔ نیک آدمیوں کی دوستی نیک ہی آدمیوں
سے ہوتی ہے پرانے دوست کو نہ چھوڑو۔ نیا دوست اُس کی برابر نہیں ہو سکتا
نئے دوست کا حال نئی شراب کا سا ہوتا ہے کہ جب تک وہ پرانی نہ ہو تو خوشی سے
نہیں پی جا سکتی دوستوں کی یہ خوب تمثیل ہے کہ جو شخص بیٹھے ہوئے پرندوں پر پتھر مارتا ہے
وہ اُن کو اڑاتا ہے۔ ایسے ہی جو شخص دوستوں پر تبرا کرتا ہے وہ دوستی کو توڑتا ہے
اگر دوست پر تلوار کھینچو یا اُس کو برا کہو تو ایسی مایوسی نہیں ہوتی کہ پھر منانے سے وہ
مہرباں نہ ہو لیکن اگر دولت پر لعنت بھیجو یا اُس سے غرور کرو یا اُس کا راز افشا کرو۔
یا فریب سے زخمی کرو تو ان باتوں سے رشتۂ دوستی بالکل منقطع ہو جاتا ہے۔ جو شخص دوست کا
راز افشا کرتا ہے وہ اپنا اعتبار کھوتا ہے۔ پھر کوئی اُس کا دوست نہیں ہوتا۔ تم کو چاہئے

کر دوست محبت ۔ اور وفاداری کرو اگر تم اس کا راز افشا کرتے ہو تو اس کے
پیچھے نہ چلو جیسے کوئی شخص اپنے دشمن کو غارت کرتا ہی اسی طرح تم نے اپنے دوست کی
محبت کو تباہ کیا ہی جیسے کسی آدمی کے ہاتھ سے نکل کر چڑیا اڑ جاتی ہی کہ وہ پھر ہاتھ
نہیں آتی ایسے ہی تم نے دوست کو ہاتھ سے کھویا ہی کہ وہ پھر ہاتھ نہیں آئیگا جیسے ہرن
جال سے نکل کر دور بھاگ جاتا ہے ایسے ہی دوست تم سے دور چلا گیا ہی ۔ جو دوست کے
زخم لگاتا ہی وہ اچھا ہو سکتا ہی ۔ اسی گالم گلوچ کے بعد صلح ہو سکتی ہی ۔ مگر
جب تو اس کا راز افشا کرے تو کچھ نہیں ہو سکتا ۔ آدمی اکثر ایسے آدمیوں سے رشتۂ اتحاد
جوڑ لیتے ہیں جن کا حال ان کو نہیں معلوم ہوتا ۔ خوب ایک برس تک ان میں باتیں
چھپتی ہوئی رہتی ہیں تو ان کی وہ عیب کھلتی ہیں کہ جن کا دلی دوستی کے وقت
ان کو گمان بھی نہ تھا ۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ایک خاص عمر تک ان کے خصائل نیک
وپسندیدہ ہوتی ہیں پھر وہ بگڑ کر بدخصلت ہو جاتے ہیں بس جو شخص ایسے آدمیوں کا
دوست ہوتا ہی کہ وہ کبھی فرشتہ کبھی شیطان بن جاتے ہیں تو اس کو بڑی تکلیف
اٹھانی پڑتی ہی مگر بڑی دانشمندی یہ ہے کہ اپنی خصائل کی خوبی و نیکی کو ہاتھ سے نہ جانے دے +

(۲۳۴) جب دو آدمیوں میں میلان طبع اس طرف ہوتا ہے
کہ ایک دوسرے کی خوشی اور بہبودی کو زیادہ کرے تو اسے دوستی کہتے ہیں اگرچہ
ہم ۔ نے بہت سے دانشمندوں کے قول اس باب میں نقل کئے ہیں ۔ مگر ہم دنیا میں دیکھتے
ہیں کہ ان پر عمل شاذ و نادر ہی ہوتا ہے ہر شخص ان خوبیوں اور نیک صفات کی
جو دوست میں ہونی چاہئیں ایک لمبی فہرست بنانے کو تیار ہی مگر چاہتی کہ ان میں سے
کوئی صفت اپنے میں پیدا کرے سو نہیں کرتا ۔ دوستی کے دو بڑے اصول یہ
ہیں کہ محبت و قدر و منزلت ۔ جب تک یہ دونو باتیں جمع نہ ہوں کامل دوستی
نہیں ہو سکتی ۔ جس آدمی کی ہم قدر و منزلت نہیں کر سکتے اس کی دوستی سے ہم کو

شرم آتی ہی۔ جس شخص کی قابلیت اور لیاقت سے خوب واقف ہیں اور اُس کی
قدر و منزلت کرتے ہیں لیکن ہم اُس کی دوستی کا دم نہیں بھر سکتے جب تک اُس کے ساتھ
ہم کو نیک نیتی سے محبت کا میلان نہ ہو۔ حسد خواہ کسی بھیس میں چھپی ہوئی ہو اُس کو
دوستی نکال دیتی ہی۔ جس شخص کو دوست کے زیادہ خوش ہونے سے خوشی نہ حاصل ہو
اُس کو جان لینا چاہئے کہ وہ دوستی کو جانتا ہی نہیں جو دوستی چپ چاپ ہوتی ہی وہ
زیادہ فائدہ مند ہوتی ہی اسلئے کہ دانا دوست اس دوست سے بہتر ہوتا ہی کہ اظہار
محبت میں گرم جوش و پر خروش ہو۔ دوستی کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جن میں وہ ہو
اُن کا میلان طبع ایک ہی چیزوں کی طرف ہو اور اُن میں مماثلت و مشابہت ہو۔
دو مختلف مزاج کے آدمیوں میں بھی اتحاد ہوتا ہی۔ اور اُس میں زیادہ لطف یہ ہوتا ہی
کہ آدمی دوست میں وہ خوبیاں و صفتیں دیکھتا ہی جو اپنے میں نہیں اس لئے وہ خود جن صفات سے
محروم تھا اُن پر بھی علم اُسی دوست کی بدولت حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ دوست بھی آدمی خود
دوسرا ہوتا ہی۔ سب سے زیادہ مشکل بات جو دوستی میں پیش آتی ہی وہ یہ ہے کہ دوست کے اُس
کی خطاؤں و غلطیوں پر اس خوش اسلوبی سے مطلع کرے کہ وہ یہ سمجھے کہ دوست نے جو کچھ کہا ہی
وہ میرے ہی فائدہ کے لئے کہا کوئی خود اُس کی غرض نہیں ہے۔ جب دوست کو کسی
برے کام پر لعنت ملامت کرو تو انصاف اور سچ کے ساتھ اور وہ بھی بار بار نہ ہو۔
جس دوست پر ملامت کرتے ہیں اُس کے خوش کرنے میں اس سبب سے مایوسی
ہوتی ہی کہ جس برائی کے لئے اُس پر ملامت کی جاتی ہی وہ اُس سے خود آگاہ نہیں ہوتا
جس دل میں قابلیت نہیں ہے کہ وہ دوستی کے سبب سے ترقی اور انسانیت قبول کرے
وہ زیادہ تر دوستوں کی ملامت کا تحمل نہیں ہو سکتا اُس سے کیا تو اُس کا دل
بجھ جاتا ہی یا دوست کی قدر و منزلت کم ہو جاتی ہی۔
دوستی کا بڑا کام یہ ہے کہ دوست میں ہمت و جرأت پیدا کر دی اُس کو زندہ دل

بنانے جن لوگوں کو اُس سے سہارا مل جاتے ہیں وہ زیادہ کام کرتے ہیں برخلاف اس کے جو دوستوں کے سہارے سے محروم ہو جاتے ہیں تو وہ پست اور سست ہو جاتے ہیں

(۲۴) دوستی اور رشتہ داری میں یہ فرق ہے کہ دوستی آدمی خود اپنے انتخاب اور اختیار سے پیدا کرتا ہے اور رشتہ داری قدرتی ہوتی ہے اُس میں خود اُس کو دخل نہیں ہوتا اس لئے اگر آدمی دوستی کے حق نہ ادا کرے تو وہ رشتہ داروں کے حق نہ ادا کرنے سے زیادہ الزام کے قابل ہوتا ہے۔ اگر کسی دوست کی خطا کی سبب سے کوئی شخص ترک دوستی کر دے تو اُس سے یہ معلوم ہوگا کہ دوست کے انتخاب کرنے کی قابلیت اُس میں نہیں ہے۔ دوست جو بمنزلہ خزانہ کے ہے اگر وہ جاتا رہے اور اُس کا اظہار کوئی نہ کرے تو یہ بھی بڑے استقلال اور مضبوطی کا کام ہے +

(۲۵) اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ آدمی مستقل دوستی اُن سے کرتے ہیں جو اپنے سے اعلیٰ درجہ کی لیاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنے سے کچھ کم ہوتے ہیں وہ کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں میں خوشامد کر کے دوستوں کا دل بھی خوش کر دیا کرتے ہیں اور اُن کو خود اپنے سے کم دیکھ کر اپنی بھی آپ خوشامد کر لیا کرتے ہیں +

(۲۶) جیسے زندگی میں دوستوں کی ملاقات سے مسرت ہوتی تھی ایسی ہی اُن کی یاد بعد مرگ خوشی ہوتی ہے گو آنکھوں میں آنسو ہی کیوں نہ بھری ہوئی ہوں +

(۲۷) یہ سارا عالم جو ہمکو نظر آتا ہے اُس پر غور کریں تو یہ معلوم ہوگا۔ کہ عالم جسمانی عالم روحانی عالم اخلاقی کے اجزا میں باہم مطابقت اور اعمال میں آپس میں مشابہت و مماثلت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سارے عالم کا مدبر ایک ہی ہے اور اُسی کے سارے قوانین بنائے ہوئے جاری ہیں کہ جس کے سبب سے وحدت ارادی سب جگہ ایک ہی طرح کی موجود ہے۔ اجسام کی ترکیب باہم کشش اور حرکات دیکھنے سے حکماء کو یقین ہے کہ نظام شمسی میں اجرام فلکی ہیں گو باہم بُعد عظیم ہے مگر اُس میں کشش ہے جتنے اجرام سماوی

آفتاب کے گرد پھرتے ہیں وہ ایک اصول مستمرہ و قانون دائمی کے موافق باہم اور آفتاب
کی طرف کشش کرتے ہیں یہی سبب ہے کہ زمین آفتاب کے گرد پھرتی ہی اور اپنی ہمراہیوں کو
چھوڑ کر بھاگ نہیں جاتی - اب اس عالم جسمانی سے عالم اخلاق کی طرف ذہن دوڑائی
تو یہ معلوم ہوگا کہ انسانوں کے دلوں میں بھی کشش ایک اصول مستمرہ و قانون دائمی کی
موافق عمل کرتی ہی جس سے اُن کا اجتماع ہوتا ہی اور اُسکے نام گروہ و فرقے - مجلسیں
محفلیں و بہت سی اسی طرح کے نام رکھے جاتے ہیں جیسے اجرام میں بعد کے متناسب کشش
ہوتی ہی یعنے جو قریب ہیں اُن میں زیادہ کشش ہوتی ہی اور جو بعید ہیں اُن میں کم - ایسی ہی آدمیوں کے
دلوں کا حال ہے جتنی اُن میں قربت زیادہ ہوتی ہی اُتنی ہی اُن میں کشش زیادہ ہوتی
ہی - جیسے اجرام و اجسام ہیں گو وہ کیسی ہی دُور دراز فاصلے پر ہوں اُن میں بھی ضرور
کشش ہوتی ہی - گو معلوم نہ ہو ایسے ہی انسان کے دلوں میں جو یوں بعید باہم رکھتے ہیں
کشش ہوتی ہی مگر اُن کے ساتھ کشش قریبوں کی کشش کے سبب سے نہیں معلوم ہوتی اگر
یہ قربا نہ ہوں تو وہ معلوم ہونے لگے - اگر ایک شخص کے رشتہ دار نہ ہوں تو وہ دوستوں
ہمسایوں کے ساتھ کشش کریگا - اگر یہ دوست بھی نہ ہونگے تو اپنے اہل وطن و ملک کے ساتھ
جب کسی غیر ملک میں ایک ملک کے آدمی ملتے ہیں تو بہت جلد دوست ہو جاتے ہیں *
خدا تعالی نے اجرام فلکی میں ایک دور ایسا بھی رکھا ہی جو اُن کو آپس میں ملنے نہیں دیتا -
اور ایک کو دوسرے سے دُور رکھتا ہی - پس یہی حال اجتماع انسانی میں ہے کہ نفس کی بعض
خواہشات و جذبات ایسی ہیں کہ آدمیوں کو ایک دوسرے کی ساتھ وہ فیاضی نہیں کرنے دیتے جو
انسان کی جبلت میں داخل ہی جب یہ دکھ دور ہو جاتی ہیں تو وہ فیاضیاں ہونے لگتی ہیں
جیسے کہ اجرام کے درمیان کشش ثقل کا سبب کوئی نہیں بتلا سکتا اسی طرح یہ جو انسانوں
کے دلوں میں کشش ہی اُس کا باعث کوئی نہیں بتلا سکتا - خدا نے یہ دونوں راز کسی انسان
پر کھولے نہیں * جیسی کہ یہ کشش اجسام ہزاروں مظاہر قدرت کے ظہور کا باعث

ہوتی ہیں ایسے ہی یہ انسانوں کی دلوں کی کشش ہزاروں باتیں اجتماع انسانی کی ظاہر کرتی ہیں اور وہی تمام اخلاق کا باعث ہوتی ہین اسی کے سبب سے انسانوں میں باہم محبت ہوتی ہی جس سے انتظام گیتی برقرار رہتا ہی۔ ساری دنیا کی بہبودی ان دلوں کی کشش پر موقوف ہی +

(۴۸) سچی دوستی کے لیئے کن کن باتوں کی ضرورت ہے

اے تھنز میں سقراط اپنا ایک چھوٹا سا مکان بنواتا تھا۔ ایک شخص نے اُس سے کہا کہ آپ جیسا بڑا آدمی ایسا چھوٹا مکان کیوں بنواتا ہی اپنی شان کے لائق مکان تعمیر کرنا چاہیئے۔ سقراط نے اس کا جواب یہہ دیا کہ میں اس تنگ مکان کو بڑا عالیشان اور باسامان سمجھونگا۔ اگر وہ سچے اور اصلی دوستوں سے معمور ہوگا۔ اس سے اُس عالی منش روشن ضمیر حکیم کی رای ظاہر ہوتی ہی کہ اُس کو بھی سچے اور اصلی دوستوں کے ملنے کی ایسی توقع بھی نہ تھی کہ وہ تنگ مکان اُن سے بھر جاتا اور اُن کے دل اُس سے سچی محبت استقلال کے ساتھ رکھتے۔ یوں تو اُس کے پاس ایسے آدمیوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی کہ جو اُس سے ملنے کو اپنا فخر جانتے تھے یا اُس سے کچھ سیکھنا چاہتے تھے یا اپنے اخلاق کی وجہ سے اُس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے +

سچی دوستی کے واسطے اتنی باتیں ضروری ہیں اور اتنے اتفاقات کا بہم ہونا لازم ہی کہ بڑا حصہ آدمیوں کا ایسا ہی کہ کوئی سچا دوست اُن کا نہیں ہوسکتا۔ آدمی کو چاہیئے کہ وہ ایسے ہی دوستوں پر اکتفا کرے کہ جن سے اپنا کام نکل جاوے اور ملنے سے دل خوش ہوجاوے + آدمی اپنی خودغرضی اور ہواے نفسانی میں ایسا مبتلا ہی کہ اُس کے گرد گروہ گروہ آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی ساتھ فیاضی و احسان کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ اپنے مطلب مقصد پر نگاہ رکھتے ہیں سوا اس خودغرضی کے انسانوں کی طبائع میں ایسا اختلاف ہی کہ وہ دلوں میں دوستی کو خارج کرتا رہتا ہے

بعض آدمی اپنی فیاضی اور احسان کرنے میں بڑے گرم جوش ہوتے ہیں مگر ان میں استقلال نہیں ہوتا اس لئے وہ پرانے دوستوں کو بغیر دشمن ہونے کے چھوڑ دیتے ہیں اور نئے دوستوں پر مہربانی کرنے لگتے ہیں بعض آدمی ایسے نرم دل موم کی ناک اور کانوں کے کچے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی حسد و عناد یا خوشامد کے سبب سے کسی کی طرف سے اُن کے کان بھردے تو پھر اُن کو دوست پر شبہ ہو جاتا ہے پھر اصلاح مشورہ دینے والی کی صلاح پر چلتے ہیں لیکن آخر میں جو اُن سے کہے اُس کے موافق وہ مڑ جاتے ہیں وہ شوق کی دوستی دو آدمیوں میں مستقل ہوتی ہے کہ ہر ایک میں نیکی برابر نہ ہو بلکہ ایک قسم کی ہو اور دونوں کا ایک ہی مقصد نہ ہو بلکہ اُس کے حصول کے وسائل ایک ہی ہوں بعض آدمیوں کی ہم قدر کرتے ہیں محبت نہیں کرتے بعض سے محبت کرتے ہیں مگر اُن کی قدر نہیں کرتے مگر سچی دوستی میں دونو باتیں ہوتی ہیں قدر بھی کرتے ہیں محبت بھی کرتے ہیں +

کہتے ہیں کہ رفیقوں اور حریفوں یعنی ہم پیشوں میں سچی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اُن میں رقابت کا رشک ایسا ہوتا ہے کہ وہ سچی دوستی کو نہیں قائم ہونے دیتا سچی دوستی ہمیشہ بہت کم اُن آدمیوں میں قائم رہتی ہے جو ہم حالت نہ ہوں ایک جانب اگر بزرگی ہو تو دوسری جانب میں کوئی اور صفت ہو جو اُس کو ہموزن کرے فائدے جن کا معاوضہ نہ ملے اور وہ احسانات جن کا بدلا نہ ملے وہ اکثر دوستی کو نہیں بڑھاتے وہ احسان مندی کو بڑھاتے ہیں تعظیم و عزت پیدا کرتی ہیں بلکہ اس کے سبب سے بے تکلف ملاپ جلاپ جو دوستی پیدا کرتی ہے کم ہو جاتا ہے (۱۰) تمام آدمیوں سے محبت کرنی انسان کا فرض ہے یعنی ایسی فیاضی اور مہربانی کی عادت اختیار کرے کہ اُس سے سارے آدمیوں کو فائدہ پہنچے لیکن سب آدمیوں کو برابر چاہنا نا ممکن ہے۔ یہ تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ آدمی کی تمام

خواہشہائے نفسانی مردہ ہو جائیں +

(۳۰) دوستی کا نازک ہو جانا اور اس کے شکستگی کے اسباب - انسان کے واسطے دوستی سے زیادہ کوئی خوشی عمدہ نہیں ہے - مگر نہایت افسوس ہی کہ اس عمدہ خوشی کی جاتے رہنے کے صدہا اسباب ہوتے ہیں اور وہ ایسی نازک ہی کہ ایک ذرا سی بات میں ٹوٹ جاتی ہی اور کوئی انسان کے پاس ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے جانے کا خطرا ایسا ہو جیسا کہ دوستی کا - اگرچہ اُس کی اُستواری کے باب میں بہت سے دانشمندوں نے اپنی فصاحت و بلاغت کو خرچ کیا ہی اور اُس کے استقلال اور اعتضاد و اعتبار و اعتماد کو نہایت مستقل بتلایا ہے اور اُس کی مثالیں بیان کی ہیں کہ دوستوں نے اپنی جان و مال دوستوں پر قربان کی ہیں اور دولت و افلاس میں یکساں رہتی ہیں اور ابتداء عمر سے آخر عمر تک دوستی کے حق کو ادا کیا ہی لیکن ایسی مثالیں اس سبب یاد کے قابل ہوئی ہیں کہ وہ بہت ہی شاذ و نادر دیکھنے میں آتی ہیں انسانوں میں دوستی کی بنا منفعت یا مسرت پر رکھی جاتی ہی - بس جہاں یہ باہمی مسرت اور منفعت ختم ہوئی دوستی نے بھی سلام کیا - بہت سے اتفاقات دُنیا میں ایسے واقع ہوتے ہیں کہ دو شخصوں میں دوستی نہیں رہتی - اور طرفین سے کوئی حرکت بیجا نہ اور تلون مزاجی کی بھی سرزد نہیں ہوتی کیونکہ ہماری اختیار میں کسی کا خوش کرنا ہمیشہ نہیں ہوتا اور وہ شخص اپنی حال سے بڑا ناواقف ہی جو یہ یقین کرتا ہی کہ ہمیشہ دوسرے سے خوش ہو سکتا ہوں جو دوست ابھی رات دن خوشی سے بسر کر رہی ہیں وہ مختلف پہلوں سے آپس سے جدا ہو گئے اب مفارقت تھوڑی دنوں کی ہی تو پھر ملنے سے دوستی اور بڑھ جائیگی اور اگر زیادہ دنوں کی ہی تو اُن میں جیسے کہ عشق مدت کی مہاجرت میں قائم نہیں رہتا یہ دوستی بھی قائم نہیں رہیگی جس چیز کو ہم کھو دیتے ہیں اور اُس کی ضرورت باقی رہتی ہے تو وہ چلتے دنوں کے بعد دوبارہ ملتی ہی آتنی عزیز ہوتی ہی - مگر جب جُدائی ایسی ہو

کو اسے بھول جائیں اور کچھ ضرورت نہ ہے تو اُس کے ملنے سے بہت کم خوشی ہوتی ہے
کیونکہ اُس کے قائم مقام بہت سی چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ دوست جس کے سامنے ہم
اپنے سارے دل کی باتیں کہدیتے تھے اور رات دن اُس کی ساتھ دل لگی رہتی تھی
اگر وہ جُدا ہو جاتا ہی تو اوّل اُس کی جُدائی کا ایک ایک دن کاٹنا پہاڑ معلوم
ہوتا ہی - ہر گھڑی اُس کا تصور اور خیال رہتا ہی اور اُس کی باتیں یاد آتی ہیں
مگر یہ بے قراری اور بے چینی بہت دنوں تک نہیں رہتی - کیونکہ اور دوست اُس کی
جگہ دل کے بہلانے والے مل جاتے ہیں اور جو تعلقات اُس کی ساتھ تھے وہ
اوروں کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور اور دل لگی اور ہنسی خوشی کی باتیں ہونے لگتی ہیں
جب مدت کی جُدائی کے بعد پُرانے دوست ملتے ہیں تو جو امیدیں اُن کو آپس
میں ہوتی ہیں اُن میں جو مایوسی ہوتی ہی اُس کی برابر کوئی مایوسی نہیں ہوتی وہ
چاہتے ہیں کہ پھر پُرانی دوستی از سر نو زندہ ہو جائے اور وہی باتیں جو پہلے ہوتی
تھیں اب بھی ہونے لگیں مگر وہ یہ نہیں تحقیق کرتے کہ زمانہ نے کیا انقلاب اُن میں
پیدا کر دیا ہی اور کیا دونوں کو نیا کر دیا ہے اوّل ہی ملاقات کے گھنٹے میں اُن کو یہ معلوم ہو جاتا
ہی کہ خوشی جو ہم کو پہلے ملاقات میں ہوتی تھی - اُس کا خاتمہ اب ہو گیا - اب عالم ہی کچھ
اور سے اور ہو گیا - رایوں میں فرق پڑ گیا جو وضع طرح میں مشابہت و مماثلت تھی
اس میں مخالفت ہوئی - غرض وہ سب باتیں جن کے سبب سے ایک دوسرے کو پسند
کرتا تھا جاتی رہیں + دوستی اس سبب سے بھی جاتی رہتی ہی کہ اغراض میں تضاد
واقع ہو - کچھ ضرور نہیں کہ جاہ و دولت سے یہ اغراض متعلق ہوں بلکہ بہت سی
چھوٹی چھوٹی و مخفی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن میں باہم رقابت پیدا ہوتی ہی اور
اُن کی خبر بھی اُن کو نہیں ہوتی کوئی شخص شائد ایسا ہو کہ وہ ایک اپنے بات کو
عزیز رکھتا ہو جس کو وہ مہتم بالشان و اعلے نہ جانتا ہو - مثلاً کچھ اپنی تعریف لوگوں

چاہتا۔ اگر کوئی وہ نہ کرے تو اس کا دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ اب دوست تو
یہ جانتا نہیں کہ تعریف نہ کرنا یا ادب نہ کرنا گستاخی میں داخل ہے۔ اس لئے وہ یہ تو کام
نہیں کرتا۔ اس سے گو ظاہر میں دوستی شکستہ نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ شرم مانع ہوتی ہے
کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں رنجیدگی ظاہر کی جائے مگر وہ تھوڑی تھوڑی جمع ہوتے
ہوتے بہت بڑھ جاتی ہے۔ ایک دن بھانڈا پھوٹ جاتا ہے گو نیک آدمی ایسی باتوں کو
اپنے میں پیدا ہونا نہیں چاہتے اور جہاں تک ہو سکتا ہے ان کو دباتے ہیں مگر بعض
اوقات اس طرح دبانے کے صدمہ سے بھی انسان کو رنج پہنچ جاتا ہے کبھی کبھی دوستوں
میں دوستی چہل اور ہنسی کی باتوں سے بھی جاتی رہتی ہے۔ ہنسی کی پھنسی ہو جاتی ہے
پہلے ایک بات پر باہم چھیڑ چھاڑ شروع ہوتی ہے اور ابتدا میں اس کی پروا دونوں کو
نہیں ہوتی مگر آخر کو اس کے بڑھنے سے طرفین کو غصہ آ جاتا ہے اور ایک لڑائی بندھ جاتی
ہے۔ شکر رنجی ہو جاتی ہے۔ گو تھوڑی دیر کے بعد وہ آپس میں پھر مصالحت کر کے
دوستی قائم کرتے ہیں مگر جب دوستوں میں ایک دفعہ رنجش ہو جاتی ہے تو پھر وہ صفائی
ان میں نہیں رہتی ہے جو پہلی ہوتی ہے۔ دوستی کی شیرینی کو اس لڑائی کی یاد زہر آلود
کرتی رہتی ہے۔ دوستی کے اور بھی دشمن ہیں اہل حزم کے دل میں ہمیشہ شبہ
دوستی میں خلل ڈالتا رہتا ہے نازک مزاجوں میں نفرت دوستی کو ہٹاتی رہتی ہے۔ بعض دفعہ
دیکھنے میں آتا ہے کہ اپنے وطن سے دو آدمی جب گئے دوست تھے اور جب پھر کر آئے تو
محض ناآشنا۔ سب سے زیادہ بڑی علت دوستی کے پیچھے یہ لگی ہوئی ہے کہ دوستوں
میں بتدریج ہر ساعت ناپسندی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بڑھتی جاتی ہے کہ نہ جن کی
باہم شکایت ہو سکے نہ وہ رفع ہو سکیں جن کو غصہ آئے ان سے حفاظت ہو سکتی
ہے جن کو مضرت پہنچائے منفعت سے اس کا معاوضہ ہو سکتا ہے لیکن جب دوستوں میں
ایک دوسرے کے خوش کرنے کی خواہش رفتہ رفتہ معلوم جاتی رہتی ہے تو پھر دوستی

از سر نو پیدا ہونے کی امید کچھ نہیں ہتی۔ جن قوائی میں جان ہی نہ رہے پھر اُن کا علاج طبیب کیا کرسکتا ہی +

خرچ

دولت خرچ کرنے کے واسطے ہوتی ہے۔ اور خرچ عزت اور بھلے کاموں کے واسطے ہوتا ہی۔ عزت سی مراد یہ ہے کہ جس میں اظہار دولت ہو۔ جو لوگ غریب نہیں ہوتے وہ اظہار دولت میں اپنی عزت سمجھتے ہیں اور دولت کا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں کہ بہت سی وہ اشیا خریدتے ہیں کہ جو بیش بہا ہوں اور اُن کے نہ خریدنے سے وہ کنجوس یا غریب سمجھے جائیں چاندی اور گلٹ کی گھڑی سے وہی کام نکلتا ہی جو سونے کی گھڑی سے۔ پھولوں کے گہنے سے آرائش اور زیبائش کچھ جواہر سے کم نہیں ہوتی۔ مگر اس سبب سے کہ سونا اور جواہر بیش قیمت ہوتے ہیں اِسلئے اُن کے رکھنے میں وہ اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں بھی ارزاں ہو جائیں تو انھیں بھی وہ چھوڑ دیں اور اپنی آرائش اور بیش بہا چیزوں سے شروع کریں بعض دفعہ ایسے موقع آن پڑتے ہیں کہ اُن میں اپنی دولت کو قربان کرنا پڑتا ہی جیسے کہ اپنے ملک اور قوم کی عزت بچانے میں ایسی صورتوں میں بڑے بڑے تونگر مفلس ہو جاتے ہیں مگر اس افلاس کی حالت میں اُن کی عزت پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتی ہی۔ ایسی موقعوں میں دولت کو اتنا خرچ کرنا چاہئی جتنا وہ مناسب ہے۔ مگر معمولی خرچ کا ایسا انتظام کرنا چاہئی کہ وہ مقدور سے باہر نہ ہو۔ حسب حیثیت و مقدور ہو اور نوکروں کو فریب دینے کا اور روپیہ بری طرح اُڑانے کا موقع نہ ملے اور خوش انتظامی کی یہ خوبی ہی کہ جو چیزیں دکھلانے کے واسطے رکھی جائیں وہ ایسی ہوں کہ اور لوگ اُن کی اصلی قیمت سے زیادہ اُن کی قیمت کا تخمینہ کریں یہ بڑی حماقت ہے کہ کوئی شخص نمائش کے لئے خرچ رکھ کر اپنے تئیں مفلس بنائے اظہار دولت سے عزت حاصل کرنے میں یہ بھی شرط ہے کہ اُس میں تکلیف نہ ہو

اسلئے جو لوگ اپنی مقدور سے زیادہ نمایشی خرچ رکھتے ہیں انکو دل کو چین نہیں ہوتا مثلاً وہ
ایک عمدہ جوڑہ پہنتے ہیں تو اُس کے میلے ہونے اور کھونچ لگنے یا پھٹ جانے کا خوف اُن کو
لگا رہتا ہی۔ تو چینی کے برتن بہت عمدہ خرید لیتے ہیں اُن کے ٹوٹنے کا ڈر رہتا ہی
ایسے صورت میں مقدرت سے زیادہ اظہار دولت عذاب جان ہوجاتا ہی۔ اگر ایسے تردد
پیدا ہوں تو بہتر ہے کہ وہ ان چیزوں ہی کو سرے سے نہ رکھیں اگر آدمی
اعتدال سے رہنا چاہی تو آمدنی سے آدھا خرچ رکھی اور اگر دولت مند ہونا چاہتے تو
ایک تہائی آمدنی کا خرچ رکھی۔ بڑے آدمی اگر اپنی جائداد کی خود دیکھ بھال رکھیں تو اُس
میں ان کی کسر شان نہیں ہے۔ اگر وہ یہ کام نہ کریں تو اُن کو چاہیے کہ وہ اچھے ملازم تلاش
کریں اور اُن کو بدلتے رہیں کیونکہ نئے نوکر خوف زیادہ کرتے ہیں اور مکر و فریب کم بعض
آدمی کچھ غفلت کے سبب سے اپنی جائداد کے محاسبہ سے باز نہیں رہتے بلکہ اس وجہ سے کہ اُن کو
اس سے رنج ہوتا ہی۔ مگر زخم تو بغیر داغ کے اچھا نہیں ہوتا۔ دولت مند آدمیوں کو خیالی
ضرورتیں بہ نسبت غریب آدمیوں کی زیادہ ہوتی ہیں۔ گو دولتمندوں
کی تعداد بہ نسبت غریب آدمیوں کے بہت کم ہوتی ہی۔
مگر ان کے قرض کی مقدار بہ نسبت غریب آدمیوں کے زیادہ ہوتی ہی۔ اسی لئے اُن کو
تکلیفات بہ نسبت غریب آدمیوں کے زیادہ ہوتی ہی۔ جو لوگ اپنی جائداد کی دیکھ بھال کیا کرتے
ہیں اُن کو چاہئے کہ اپنی آمدنی اور خرچ کی مقدار ایسی مقرر کریں کہ اُس میں فرق نہ آئے
اور اُن میں کوئی مشتبہ ہو جو شخص کسی ایک طرح کا خرچ زیادہ کرے تو اُس کو چاہئے
کہ وہ دوسری طرح کے خرچ میں کمی کرے مثلاً ایک شخص خوراک میں زیادہ خرچ کرتا ہے تو
اس کو پوشاک میں تخفیف خرچ کرنی چاہیے اگر نوکروں میں حویلی کے اندر زیادہ صرف
کرتا ہی تو اصطبل میں گھوڑوں کا خرچ کم کرنا چاہئے۔ جو شخص ہر طرح کے خرچ میں مسرف
ہوگا۔ اخر کو وہ تنگدست مفلس ہو جائیگا۔ مسرف آدمی ہر خرچ کو یہ جانتے ہیں کہ ہم

کرسکتے ہیں وہ ہمارے مقدور کے موافق ہی اسلئے وہ مفلس ہوجاتے ہیں قرضداروں کو چاہئے کہ وہ قرض کے ادا کرنے میں نہ جلدی کریں نہ تاخیر جلدی کرنا ایسا ہی مضر ہی جیسا کہ تاخیر کرنا۔ اسواسطے جو شخص کہ جلد قرض ادا کردیتا ہی تو وہ اپنے تئیں جانتا ہی کہ میں سبکدوش ہوگیا۔ اس لئے پھر اپنی عادت کے موافق قرض لے لیتا ہی۔ مگر جو شخص بتدریج قرض ادا کرتا ہی وہ اپنی آمدنی کی جیسی اصلاح کرتا ہی ایسی ہی اپنی عادت کی بھی اصلاح کرتا ہی جیسا جائداد سے فائدہ اٹھاتا ہی ایسا ہی اپنے دل کے اخلاق سے۔ جو شخص اپنی آمدنی کی اصلاح چاہتا ہے تو وہ چھوٹے چھوٹے خرچ جو ہمیشہ جاری رہیں اُن سے گریز کرے۔ اِن چھوٹے خرچوں کے کم کرنے سے وہ بیعزتی نہیں ہوتی جو چھوٹی آمدنیوں کی طرف میلان کرنے سے ذلت ہوتی ہے۔ غرض جو خرچ کہ ہمیشہ کے لئے ہوں اُن میں بڑی احتیاط چاہیے۔ مگر جو خرچ ایک ہی دفعہ ہو اُن میں کچھ زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں +

تدابیر صحت

آدمی کے واسطے سب سے بہتر طبابت و دوا یہ ہے کہ وہ خود مشاہدہ و تجربہ کرتا ہے کہ کونسی چیزیں میری مزاج کے موافق ہیں کہ میری صحت کے لیے مفید ہوتی ہیں مگر یہ بھی یاد رکھو کہ کچھ ضرور نہیں جو چیزیں کہ ایک عمر میں موافق و مخالف ہوں وہ دوسری عمر میں بھی ایسی ہوں آدمی کی سرشت میں داخل ہے کہ اُن کے قوا اور مزاج بلحاظ عمر کے بدلتے رہتے ہیں کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو چیزیں کہ لڑکپن میں موافق مزاج تھیں وہ جوانی میں اور جو جوانی میں موافق تھیں وہ پیری میں بھی موافق رہیں اس لئے اُن کو بمقتضاء سن تبدیل کرتا ہے جب کھانے میں دفعۃً تبدیلی ہو تو اُس کے ساتھ اور چیزوں کو بھی بدلو۔ یہ نیچر کا قاعدہ

کہ بہت چیزوں کا بدلنا بہ نسبت ایک چیز کے بدلنے کے آسان ہوتا ہی۔ جب بادشاہ
کوئی نیا ملک فتح کرتا ہی تو اُس کی ساری چیزوں کو نیا بنا دیتا ہی۔ تم کھانے۔ سونے
لباس۔ ورزش جسمانی کی عادات کا امتحان کرو اور جس چیز کو اُس میں سے اپنے لئے
مضر پاؤ اُس کو تھوڑا تھوڑا چھوڑ دو اور اگر تبدیلی میں تکلیف ہو تو پھر اپنی عادت
قدیم پر عود کرو۔ یاد رکھو کہ بعض دوائیاں گو علی العموم اچھی ہوں مگر خاص آدمیوں کے
لئے مضر ہوتی ہیں۔ اگر زندگی بڑھائی چاہتے ہو تو کھانے۔ سونے ورزش
کرنے کی وقت فارغ البال اور خوش مزاج ہو۔ دل میں حسد رکھنا۔ خوفوں سے
دہشت کرنا۔ غصہ ہونا۔ دلخراش۔ جاں گزا باتیں کرنی۔ مکاری ایک ہیچ کا
تجسس کثرت سے خوش ہونا۔ یا غمگین ہونا۔ ان سب باتوں سے دل کو بچاتے رہو۔
اچھی اچھی امیدیں رکھو۔ ایسا مطالعہ کرو جس سے دل خوش ہو جیسے تاریخ و قصص
طبیعات ہیں یہ باتیں تمھاری صحت کو مؤید ہونگی۔ اگر تم صحت میں ہمیشہ دوائیاں
کھایا کرو تو مشکل ہے کہ بیماری میں کوئی دوا تمھاری صحت کے مفید ہو۔ جہاں مزاج دوا کے
استعمال کا عادی ہوا دوا غذا بن گئی۔ پھر وہ دوا کا اثر نہیں کرتی۔ دواؤں کے
استعمال سے غذا کی اصلاح بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ جسم کے بدلنے میں جیسا کہ غذا کا اثر
ہوتا ہی دوا کا نہیں غذا جسم کو کچھ تکلیف نہیں دیتی۔ اگر جسم پر کوئی ناگہانی آفت آجائے
تو اُس کے علاج کے لئے تدبیر کرو۔ بیماری میں صحت کا بڑا خیال رکھو۔ اور صحت میں کام کا۔
جو لوگ صحت میں اپنے جسم کو برداشت کرنے کا عادی بناتے ہیں اُن کی بہت سی بیماریاں جو
سخت نہیں ہوتیں اُن کو فقط غذا اور احتیاط کے ساتھ تیمارداری سے وہ کھو سکتے ہیں ایک
حکیم نے احکام صحت میں بڑا حکم یہ دیا ہی کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ متضاد چیزوں
میں تبادلہ کرتا رہے اور جو اُن میں زیادہ ملائم ہو اُس کی طرف زیادہ میل رکھے کھائے
بھی۔ فاقے بھی کرے مگر کھانے کی طرف میلان زیادہ رکھے سوئے بھی۔ جاگے بھی

مگر سوتی کی طرف زیادہ میلان رکھی بیٹھے بھی اور ورزش بھی کریں۔ مگر زیادہ ورزش کی طرف رغبت کرے اور اسی قبیل کی اور باتیں کری اُس سی طبیعت میں ایسی قوت آئیگی کہ بیماری پر وہ غالب ہوگی۔ بعض حکیم ایسے نیک مزاج اور نرم دل ہوتے ہیں کہ وہ مریض کی خاطر اپنے قواعد طبابت کی سخت پابندی نہیں کرتے اور بعض ایسے سخت دل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے قواعد طبابت کی تعمیل میں مریض کی خاطرداری ذرا بھی نہیں کرتے۔ تم کو چاہئے کہ اپنے لئے کوئی طبیب ایسا تلاش کرو کہ وہ فن طبابت سے بھی خوب آگاہ اور تمھاری مزاج سے بھی آشنا ہو +

(۲) جو شخص ہمیشہ اپنی صحت کے تردد میں لگے رہتے ہیں اُن کا دل سست اور حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ وہ گویا اپنے جسم کے مستغیث ہو جاتے ہیں تندرست جسم روح کا میزبان ہے اور بیمار جسم روح کا جیلر ہے۔ تندرست جسم کاموں کے واسطے مستعد رہتا ہی۔ اور بیمار جسم کاموں کے لئے معطل رہتا ہی۔ بیماری کے بعد تندرست ہونا از سر نو جوان ہونا ہی۔ جو زیادہ مریض رہتے ہیں وہ کام کرنے کے لئے بیماری کا عذر پیش کرتے ہیں بیماری کی حالت میں جو عذر معقول ہوتا اُس کو صحت کی حالت میں بھی خوشی سی دکام میں لاتے ہیں صحت جسم روح کی وصل کا سبب ہوتی ہی۔ بہت سے آدمی کنج اور بستر پر پڑے بڑی سلطنتوں اور سپاہیوں پر حکومت کرتے ہیں سخت تدابیر سے صحت کو قائم رکھنا خود ایک مرض گزند رساں ہی +

(۳) ایک مثل انگریزی زبان میں چلی آتی ہی کہ جو سویرے سوتا ہے اور سویرے اُٹھتا ہی وہ تندرست اور دولت مند اور عقلمند ہوتا ہے ایک صاحب جج مقدمات میں جو بوڑھے گواہ آتے تھے اُن سی ہمیشہ اُن کی عادات پوچھا کرتے تھے۔ اُن کی سب عادتوں میں اختلاف تھا۔ مگر سویرے سوتے اور اُٹھنی کی عادت میں سب کا اتفاق تھا اُس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہی کہ جو شخص دن بھر محنت کرتا ہی وہ تھک کر

سویرے سو رہتا ہی اور سویرے سوتا ہی تو سویرے اُٹھتا ہی۔ بوڑھے آدمی کام سے سرِشام
تھک جاتے ہیں اس لیے سویرے سو رہتے ہیں اور سویرے سونے سے سویرے ہی اُن کی آنکھ
کھل جاتی ہی اور وہ اُٹھ بیٹھتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ سویرے اُٹھتے ہیں اس لیے سویرے سوتے
ہیں اور سویرے سوتے ہیں اس لیے سویرے اُٹھتے ہیں تو پھر وہی بات ہو جائے کہ زمین گائیوں
پر اور ہاتھی کچھوے پر اور کچھوا پانی پر اور پانی زمین پر۔ صحت کے لیے بعض آدمی
اپنے سونے کے لئے گھنٹے مقرر کرتے ہیں خواہ وہ کسی وقت سے کسی وقت تک ہو
مثلاً سات گھنٹے خواہ رات کے نو بجے سے ۴ بجے تک ہوں۔ یا رات کے بارہ بجے
سے دن کے سات بجے تک۔ غرض یہ سونا جاگنا تو عادت پر موقوف ہی۔ مگر
جو لوگ زیادہ زندگی چاہتے ہیں وہ ایسی مہمات عظیم سے جن میں محنت شاقہ اُٹھانی
پڑتی ہی پرہیز کرتے ہیں اور آسائش کے ساتھ عزلت اختیار کرتے ہیں +

(۴) صحت بھی ایک نور کا فرشتہ ہے ساری مخلوق اپنے جینے کی دعا مانگتی ہی اور پھر اُس
فرشتہ کی مہربانی کی اگر وہ کسی جھونپڑی میں جلوہ افروز ہوتا ہی تو اُسے محل
شاہی بنا دیتا ہی۔ اُس کی نظر التفات سے قید خانے کی زنجیریں آسائش اور
آرام کا سلسلہ بن جاتا ہی اور اُس کی نامہربانی سے افسر شاہی سے بھی سر میں درد
پیدا ہوتا ہے وہی انسان کی تمام خوشیوں کی جان ہی اس کے بدون ساری
خوشیاں بے لطف اور پژمردہ ہیں گو مُردہ نہیں دسترخوان پہ لطیف لطیف کھانے
چُنے جائیں مگر بیمار کو کیا۔ وہ بھوکا ہی رہتا ہی کیسے ہی عمدہ عمدہ شربت و شرابیں
آئیں ان سب پر وہ منہ بناتا ہی۔ دولت کے ڈھیر اور خزانے آگے لگے ہوئے
ہیں مگر وہ ان سے بدنصیب ہے۔ چھوٹی چھوٹی بیماریوں سے قوا ضعیف ہوتے ہیں
جوانی کا جوبن خاک میں ملتا ہی۔ کانوں کو خوش آوازی اور گفتگو دونوں ناگوار ہوتی
ہیں بڑے محل جیلخانے معلوم ہوتے ہیں اُن میں رہنا قید سے کم نہیں ہوتا +

دولت بیکار۔ جاہ و حشم سر پر بار۔ افسری سر کا بوجھ۔ بڑی بیماریوں میں گدا
اور بادشاہ میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ سب کی حالتیں یکساں معلوم ہوتی ہیں پتھری
کا غش اور پیٹ میں مروڑ کا درد کچھ شکنجے میں کھنچنے سے کم نہیں ہوتا۔ اگر ان دو
مرضوں میں بادشاہ مبتلا ہو تو اس کو جو درد دکھ ہوگا وہ اس نے ساری عمر
میں کسی مجرم کو اپنی رعایا میں سے نہ دیا ہوگا +

(۵) اگر دولت مند تندرست رہنا چاہیں تو ورزش اور پرہیز اختیار کریں
اور غریبوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ زندگی کے معنے جینے کے نہیں ہیں بلکہ تندرست
رہنے کے ہیں سب سے بڑی نعمت جو خدا نے انسان کو دی ہے وہ تندرستی ہے مگر انسان اس کو سمجھتا نہیں

(۶) دماغی محنت کی کثرت سے ہمارے جسم میں دماغی بیماریاں
پیدا ہوتی ہیں۔ سارے اسباب تہذیب شائستگی کے ایسے مہیا ہوتے ہیں کہ دل و
دماغ آرام نہیں لیتا سیکڑوں تردد اور تفکر میں مبتلا رہتا ہے۔ ہمارے باپ دادا کے بھیجے
ٹھکانے تھے مگر ہماری رگیں تنی ہیں اس لئے ہم ان سے زیادہ امراض میں مبتلا رہتے ہیں +

(۷) سقراط کا قول ہے کہ پیری صحت اور سچے دوست کے ساتھ نہایت نیک
ہے ایک حکیم کہتا ہے کہ وہ آدمی بڑا ہی بدنصیب ہے جو ساٹھ برس کے بعد جینا چاہتا ہے
عمر کا حال شراب پینے کا سا ہے کہ جو اچھی طرح شراب پیتا ہے وہ تلچھٹ کو چھوڑ دیتا
ہے۔ جوان آدمیوں کو جب رنج ہوتا ہے کہ کوئی خوشی کی بات ان کو نہ ہو۔
بوڑھے آدمی جب کوئی رنج کی بات نہ ہو خوش ہوتے ہیں جوان آدمی اپنے
حال کی خوشیوں کو آئندہ کی بیہودہ امیدوں اور ناحق کے خوف سے تلخ کرتے
ہیں بوڑھے اپنے زمانہ ماضی کی باتوں کو یاد کر کے مسرور ہوتے ہیں اس لئے جوانوں کو
چاہئے کہ وہ اپنی صحت اور تنومندی کے زمانہ میں ایسے نیک اور لیاقت کے کام
خواہ خاص اپنی ذات کے لئے یا عوام کے لئے کریں کہ آگے کو پیرانہ سالی میں دل کو خوش کیا کریں +

(۸) اگر صحت سونے سے خریدی جا سکتی تو کون ایسا شخص ہے کہ طامع اور کنجوس نہ ہوتا؟ اگر صحت کو زر اور حکومت مول لے سکتی تو کون ایسا ہوتا کہ عالی ہمت اور اولوالعزم نہ ہوتا؟ مگر افسوس ہے کہ گٹھیا کی بیماری میں چاندی کا عصا بانس کے ٹونٹے سے زیادہ پاؤں کی مدد نہیں کرتا۔ زخموں پر پٹی باندھنے میں ریشم کا ڈورا سوت کی ڈور سے زیادہ فائدہ نہیں دیتا۔ سونے اور ہیرے کی چمک بیمار آنکھوں کو کچھ آرام نہیں دیتی بلکہ اور زیادہ آزار پہنچاتی ہیں جس سر میں درد ہو اُس کو افسر شاہی سے زیادہ سکھ میں کمبل ٹوپی سے زیادہ حاصل نہیں ہوتا +

شبہات۔

خیالات میں شبہات کا حال ایسا ہی۔ جیسا کہ پرندوں میں چمگادڑوں کا کہ وہ جھٹ پٹے ہی کے وقت اُڑتی ہیں (یعنے جن آدمیوں کے دل میں حسن اخلاق کی اور دماغ میں عقل کی روشنی دھندلی ہوتی ہے وہ شبہات کرتے ہیں) ہم کو چاہئے کہ شبہات کو دبائیں اور ایسا قید میں رکھیں کہ وہ باہر نہ جانے پائیں اس لئے کہ وہ دل پر ایک گھٹا چھا دینگے۔ دوستوں کو کھو بیٹھینگے۔ کام میں وہ خلل ڈالینگے کہ وہ متواتر استقلال سے نہیں چل سکینگے۔ وہ بادشاہوں کو ظالم بنا دینگے۔ خاوندوں کے دلوں میں حسد وحقد پیدا کرینگے۔ عاقلوں کو متزلزل اور ناکام کر دینگے۔ شبہات دل کے قصور سے نہیں پیدا ہوتے۔ بلکہ دماغ کے فتور سے۔ اگرچہ بہادروں کے دلوں میں بھی شبہات پیدا ہوتے ہیں مگر اُن کو تکلیف کم دیتی ہیں مگر نامردوں کے دلوں میں جلد پیدا ہوتے ہیں اور اُنکو سخت تکلیف دیتی ہیں شبہات کے پیدا ہونے کا سبب کم علمی ہوتی ہے اس لئے اُن کے دور کرنے کا علاج یہ ہی کہ علم بڑھایا جاوے۔ اور شبہات گھونٹ کر نہ رکھی جائیں۔ آدمی کو یہ خوب سمجھنا چاہئے کہ جن آدمیوں کے ساتھ ہم معاملہ کرتے ہیں یا جن کو اپنے کام حوالہ کرتے ہیں وہ فرشتے تو

نہیں ہیں۔ اُن کو اپنا نفس ہم سے زیادہ عزیز ہے وہ اپنی ساتھ بہ نسبت ہمارے
زیادہ صداقت رکھتے ہیں پس اگر کوئی بات اُن پر قابل شبہ کے پیدا ہو تو اُن کی
کشیدگی نہیں جاننی چاہیے بلکہ ضعیفی۔ مگر شبہات بلا اعتدال پیدا کرنیکا طریقہ اس سے زیادہ
بہتر نہیں ہی کہ سچے شبہوں کو معذور جانے اور جھوٹے شبہوں کو روکے۔ و دانا آدمی
سچے شبہات کرے جہانتک اس کو اُن سے کچھ فائدہ حاصل ہو۔ اور جیسے شبہ بھی
کرے اُس کو تکلیف نہ پہونچاوی۔ جس آدمی یا گروہ پر شبہ تم کو ہو اُس کے روبرو
آزادانہ طور پر اُن کو بیان کردو۔ اس سے تم کو علم بھی زیادہ ہوگا اور طرف ثانی
ایسی ہوشیاری آیندہ کرینگے کہ جن سے شبہات نہ پیدا ہوں مگر یہ کام کمینوں کے
ساتھ نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ جب اُن کو تمھارے کہنے سے یقین ہوگا کہ تم اُن کو
مشتبہ جانتے ہو تو اُس کو وہ یہ جانینگے کہ تم اُن کو اجازت دیتے ہو کہ ہمیشہ خیانت
کے ساتھ کام کیا کرو + اہل اٹلی کا قول ہے کہ شبہات سے ایمان چھوٹ جاتا ہی۔ لیکن
شبہات سے ایمان کو حالات عبور دریا کا ل جاتا ہی مگر ایسی حالت میں آدمی کو چاہیے کہ
وہ ایمان کو زیادہ روشن کرے اور اُس پر سے شبہات کی تاریکی کو اٹھائے +
(۲) حزم کے پیچھے تو بے اعتباری سے مضبوط ہوتے ہیں اور اُس کے جوڑوں کی دوا
شبہات سے ہوتی ہی جس شخص کا ایمان شبہات سے ہل جائے وہ مستحق اس کا ہی کہ لوگ اُس کو
مشتبہ جانیں شبہات ضعیف ایمان کو ڈھیلا اور قوی ایمان کو مضبوط کردیتے ہیں۔
بے اعتدالی کے ساتھ شبہات کرنے ایسی دیوانگی ہی کہ دوا سے نہیں اچھی ہوتی۔

دولت و مال۔

سپاہ کے واسطے خیموں ڈیروں کا مع اپنے اسباب کے ہونا لازم ضروری ہے اور
ایسا ضروری ہی کہ نہ اُن کو چھوڑ سکتے ہیں نہ اُن میں تخفیف کرسکتے ہیں مگر وہ ہمیشہ
سفر کے ہارج اور مانع ہوتے ہیں اور بعض دفعہ اُن کی نگہداشت میں فتحمندی ہاتھ

جاتی رہتی ہی یا اُس میں خلل پڑجاتا ہی بس ایسی ہی نیکی کے واسطے دولت ہے نیکی کے
نتیجے ڈھیرے دولت ہیں زیادہ دولت و مال آدمی اپنی خاص ذات کے کام میں نہیں
لاسکتا سوا اسکے کہ اُس کو تقسیم کردے باقی صرف دولت مندی ایک خیال ہی۔
جیسا حضرت سلیمانؑ نے فرمایا ہے کہ جب مال کی فراوانی ہوتی ہی تو اُس کے کھانے
والے بھی بہت پیدا ہوجاتے ہیں اور اُسکے مالکوں کو کیا فائدہ ہی مگر یہ کہ اُس کو اپنی
آنکھوں سے دیکھیں خود مالک اپنی ذات سے دولت کثیر سے متمتع نہیں ہوسکتا وہ فقط
دولت کا رکھوالا ہی اُس سے معاملات کرنے کا مقدور رکھتا ہے بخشش کرسکتا ہے
مشہور و نامور ہوسکتا ہی۔ مگر کوئی فائدہ استوار مالک کو نہیں ملتا وہ فقط اظہار دولت کے
لئے چھوٹے چھوٹے کمیاب پتھروں کی بڑی بڑی قیمتیں لگا کر اپنی بھڑک دکھاتا ہی اور نمائش
کرتا ہی۔ گویا یہ دولت کثیر نے خرچ کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہی۔ دولت و مال کے
بڑی فائدے یہ ہیں کہ آدمی اُس کے طفیل سے اپنے تئیں تکالیف اور خوفوں سے بچاسکتا ہے
جیسا حضرت سلیمانؑ نے فرمایا ہی کہ مالدار آدمی کی دولت اُسکے خیال میں حصن حصین ہے
اس قول کی جان فقط خیال ہی۔ حقیقت میں خیال میں وہ ایسی ہوتی ہی واقعہ میں
نہیں اسواسطے کہ دولت کثیر آدمیوں کو بیچتی زیادہ ہی خریدتی کم ہی۔ کبھی دولت
ناجائز طور سے نہ حاصل کرو۔ ہمیشہ جائز اور حلال طریقوں سے پیدا کرو۔ اعتدال کے
ساتھ خرچ کرو۔ خوشی کے ساتھ اُسے تقسیم کردو۔ رضامندی سے چھوڑ دو۔ زاہد بن کر
دولت کی حقارت نہ کرو بلکہ اُس کے اندر تمیز کرو جیسا کہ سسرو نے ایک شخص کی نسبت
کہا تھا کہ اُسنے اپنی دولت مندی بڑھانے میں طمع و حرص کو راضی نہیں کیا بلکہ
اس کو فیاضی و سخاوت کا وسیلہ بنایا۔ حضرت سلیمانؑ کی بات بھی دل پر لکھ لو
کہ جلد دولت مند ہونے کی آرزو نہ کرو وہ فرماتے ہیں کہ جو دولت مند ہونے کے
لئے جلدی کرتا ہی وہ بے سزا نہیں چھوٹے گا۔ دولت جو نیک کمائی اور محنت مشقت سے

حاصل ہوتی ہے۔ وہ تو آگے بڑھنے میں لنگڑاتی ہے۔ اور بہت سہج سہج قدم اٹھاتی ہے۔ اور جو دولت مندوں کے مرنے کے سبب ورثہ ترکہ میں یا وصیت سے موافق اور ایسے ہی وسائل سے ہاتھ لگتی ہے تو وہ دفعتہً مالامال کرکے نہال کر دیتی ہیں جو دولت مکر و فریب ظلم و ستم سے ہاتھ آتی ہے وہ خوب آگے دوڑتی ہے اور جلد بڑھتی ہے دولت مند ہونے کے بہت طریقے ہیں مگر اکثر اُن میں سے بڑے ہیں کفایت شعاری اور جز رسی ایک عمدہ طریقہ دولت جوڑنے کا ہے مگر وہ بھی خالی از گناہ نہیں اس لئے کہ اُس میں فیاضی اور خیرات سے آدمی باز رہتا ہے۔ ایک باعزت سے دولت حاصل کرنے کا بہت نیک طریقہ ہے۔ زمین ہماری ماں ہے۔ اس کی ترقی میں سعی کرنا ہمارا و تری فرض ہے مگر اُس میں دولت دھیمی دھیمی کر کے چلتی ہے۔ ہاں اُس میں بہت سی دولت بھی خرچ کرو تو پھر وہ بھی بہت ہی دولت دیتی ہے۔ معمولی تجارت سے دولت جب حاصل ہوسکتی ہے کہ یہ دو باتیں ہوں اول توجہ سے محنت دوم خوش معاملگی میں شہرت۔ سودوں کے خریدنے میں اگرچہ فائدہ یقینی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اُن کا بکنا اوروں کی ضرورت پر موقوف ہوتا ہے اگر وہ سلیقہ سے خریدیں اور بیچیں تو فائدہ ہوتا ہے شرکت سے بھی دولت پیدا ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ساجھی نیک ہوں سود دینے سے بھی دولت کا بڑھنا یقینی ہے۔ مگر وہ معیوب اس سبب سے ہے کہ اُس میں دوسروں کی پیشانی کے پسینے (محنت) سے روپیہ کماتے ہیں سوا اس کے کبھی کبھی سودخوار اور بیچ کے دلال کھوٹے آدمیوں کو کھرا جان کر پھنس جاتے ہیں اشیاء کے اختراع اور ایجاد سے بھی ابتدا میں یقینی خوب دولت کمائی جاتی ہے۔ جو شخص کوئی چیز ایجاد کرتا ہے اُس کے فروخت کرنے سے وہ بہت نفع کما لیتا ہے۔ یہ بات روزمرہ ہم دیکھتے ہیں بعض آدمی معاملات ایسی کرتے ہیں کہ وہ گویا جوا کھیلتے ہیں اگر داؤں نکل آیا تو واہ واہ ہی نہیں پھر دوالا ہے ایسے آدمی اکثر تباہ اور مفلس ہی ہوا کرتے ہیں

جن کا طریقہ سلامت روی کا معاملات میں ہوتا ہے اور وہ انہیں معاملات کو کرتے ہیں کہ جن میں منفعت یقینی ہو اور اگر نقصان ہو تو قابل برداشت۔ گو وہ بہتند بڑے مشکل سے ہوتے ہیں۔ ٹھیکہ داری میں بھی فائدہ ہے۔ آڑتیہ ہونے میں بھی بڑے فائدے ہیں بشرطیکہ یہ عقل ہو کہ پہلے سے سمجھ جائیں کہ کس چیز کی مانگ ہونے والی ہے۔ اُس کو پہلے سے بہم پہنچائیں۔ ملازمت سے بھی دولت حاصل کرنی اچھی ہے بشرطیکہ نوکری میں کوئی عیب کی بات نہ ہو۔ جیسے مسخرگی۔ خوشامد۔ بھڑواپن اور ایسی ہی باتیں بعض تجربہ کاروں کا قول ہے کہ تھوڑی دولت جوڑنی بڑی مشکل ہے اور تھوڑی دولت سے بڑی دولت جمع کرنی کچھ مشکل نہیں +

(۳) دولت کے پر ہوتے ہیں کبھی وہ خود اُڑ جاتی ہے اور پھر نہیں آتی بعض دفعہ وہ اس طرح اڑتی ہے کہ اور دولت کو ساتھ لے کر پھر چلی آتی ہے +

(۴) آدمی جو مرنے کے بعد دولت چھوڑتا ہے وہ کیا اپنی اولاد کے لئے یا پبلک کے لئے یعنی جمہور کے فائدہ کے واسطے دونو کے لئے دولت کا اعتدال کے ساتھ چھوڑنا مفید ہوتا ہے۔ جب وارثوں کو بڑی جائداد ہاتھ لگتی ہے اور کم عمری کے سبب سے ناتجربہ کاری ہوتی ہے تو بہت سے آدمی شکاری جانوروں کی طرح اس کے گرد جمع ہو کر دولت کو اڑا لے جاتے ہیں اولاد اس دولت کو جب ہی بچا سکتی ہے کہ وہ عقل اور تجربہ میں پوری ہو یہ صورت اکثر کمتر ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی جب پبلک کے لئے بڑی بڑی عطیا چھوڑ جاتے ہیں تو قربانیوں کے گوشت کا سا حال ہوتا ہے جو بے نمک ہے۔ خیرات کا اندازہ اُس کی مقدار سے نہ کرو بلکہ اُس کے اندازے سے جب تک مر و نہیں خیرات نہ بند کرو۔ اگر خیرات کو ٹھیک طور سے سمجھو تو اس میں اپنی دولت نہیں بانٹی ہوتی بلکہ دوسرے کے (یعنی وارثوں کی) ہے +

(۵) دولت کی وہی حقارت کرتے ہیں جن کو اس کی تحصیل سے مایوسی ہوتی ہے

یہہ دولت ہی کی حسد کا سبب ہے کہ نیکی دیوتا بنتی ہی جب اُس میں شبہ ہوا کہ کما
کو ہو کہ انسان کی زندگی کا مقصد اصلی نیکی ہے یا عیش تو تم دولت کا خزانہ جمع کرو
یہہ دولت ہی کا طفیل ہی کہ اوروں کے ساتھ بھلائی آدمی کرسکتا ہی - دنیا کی اور
نعمتوں میں سے ہر یک کو انسان کی زندگی کے ایک جزو پر حکومت خاص ہی مگر دولت کو
کل پر بہت دولت کا جوڑنا صرف اُس کا خزانچی بننا ہے اور کوئی فائدہ نہیں
بہت سی دولت خرچ کرنی کی ترکیب انسان نے یہہ نکالی ہی کہ وہ جواہر جو چھوٹے چھوٹے
پتھر نایاب ہوتے ہیں اُن کو بڑی بڑی قیمت دیکر لیتا ہی اور اُن سے اپنی
بھڑک دکھاتا ہی - جو لوگ یہہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنی دولت سے ہر یک
چیز خرید سکتے ہیں وہ خود دولت کے ہاتھ بکتے ہیں دولت کو سوا اُس کے نہیں
کہہ سکتے کہ وہ نیکی کے لئے ضروری اسباب ہیں مگر اس کی ساتھ [illegible] بوجھ بھی ہی
(۶) دولت ایک اچھی ملازمہ ہی مگر ملایہ نہیں ہے - غریب تو بڑا دولت مند ہوتا
ہے - کچھ پاس نہ ہو اور دولت کی افراط ہی +
(۷) جلد دولت مند ہونا اندیشہ سے خالی نہیں اُس کا حال ایسا ہی کہ کوئی شخص جلد
تیراک بنا چاہی وہ تونبوں پر بھروسا کرکے جلدی جلدی تیرے اور اِن لوگوں پر
ہنسے جو اُس گھرے پانی میں جاتے ہوئے ڈرتے ہوں جس کا اُنھوں نے امتحان نہ کیا ہو
غرض وہ اپنی تونبیوں سے اپنی قوت بازو سے خوب تیرتا ہو - یہانتک کہ
بیچ دھار میں اُس کے تونبے پھٹ جائیں اور وہ ڈوب جاوے یا بچے بھی تو اُن
بزرگوں کی عنایت و مہربانی سے جن پر وہ ہنستا تھا کہ کیسے ڈرپوک ہیں +
(۸) جو دولت مندی کہ صحت کا نقصان کرے اور اخلاق کو برباد کرے وہ
دولت مندی نہیں ہے بلکہ افلاس ہے گو وہ ظاہر میں اپنی طمطراق اور دھوم دھام دکھاوی
(۹) جو شخص دولت مند آہستہ آہستہ ہونا چاہتا ہے وہ یقین ہی آخر کو دولت مند ہو جاویگا

جو شخص اپنے سرمایہ کو اپنی مٹھی میں رکھ کر کام میں لاتا ہی اُس کو اول تو نقصان نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو اتنا جس کا وہ متحمل ہو سکتا ہی جہاں بہت فائدہ ہوتا ہی وہاں نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہی۔ جس لوٹری میں بڑی بڑی پرائز ہوتے ہیں اُنھیں میں خالی چٹھیاں بھی بہت ہوتی ہیں +

(۱۰) کفایت شعاری کا یہ مقولہ ہے کہ اپنی ساتھ بھلائی کرنا اوروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہی۔ حسن خلق کا یہ مقولہ ہی کہ اوروں کے ساتھ بھلائی کرنا اپنے ساتھ بھلائی کرنا ہی +

(۱۱) بعض آدمی رات دن دولت کے بڑھانے کی اُدھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں۔ اور اُس کے لئے محنت کرتے ہیں اُن کی دولت بڑھ بھی جاتی ہی مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ دولت کے اختیار میں خوش کرنا نہیں ہی۔ ایک بڑے دانشمند کا قول ہی کہ دولت کے دونو طرف ادھر ادھر ایک ہی سے نریں ور آفتیں موجود ہیں +

(۱۲) دولت کی کوئی حد مقرر نہیں کہ جس پر پہنچ کر آدمی کہی کہ بس دولت مند ہو گیا اور افزائش کی گنجائش نہیں۔ جتنی دولت آدمی کو حاصل ہوتی جاتی ہی اتنی ہی احتیاج بڑھتی جاتی ہے۔ اس احتیاج کے بڑھنے سے وہ محتاج ہوتا جاتا ہے اسلئے وہی شخص بڑا دولتمند ہی کہ وہ کسی کا قرضدار نہو اور جو کچھ اُس پاس ہو اُس سے وہ اپنی اوقات بسر کر کے خوش رہتا ہو۔ سونے سے دانائی بہتر ہے کیونکہ وہ تھوڑی سی بھی ہماری خوشی کے لئے کافی ہی جو شخص خوش ہی وہی بڑا دولت مند ہے سونے سے نہ عقل خریدی جا سکتی ہی نہ آدمی کی خواہشہائی نفسانی فرو ہو سکتی ہیں +

(۱۳) کوڑی کوڑی جوڑنے میں عقل نہ خرچ کرو اور دولت کے واسطے ایذا و جبر جبر کرو وہ ایسی بازو رکھتی ہی کہ ہما کی طرح آسمان میں اڑ جائے گی۔ اور پھر نہیں دکھائی دیگی دولت کا حال اُن کیڑوں کا سا ہی کہ وہ چھپے ہوئے موسم کے انتظار میں پڑے رہتے ہیں جہاں موسم آیا اُن کے پر نکلے اور وہ اُڑ کے چلے گئے۔ دولت اکثر اُن کو ستاتی ہی

جن کے پاس ع تی ہے۔ آنے میں خوشی نہیں جو اُس کے بنانے میں پائی جاتی ہے۔ بغیر گناہ کے بہت سی دولت جمع ہونا محفوظ ہے۔ زیادہ دولت مند ہونا بڑی غلامی ہے۔ وہی شخص کافی دولت رکھتا ہے جو کافی خیرات کرتا ہے +

(۱۹) جب کسی پاس دولت دیکھتے ہیں تو اُس سے حسد کرتے ہیں اور جب یہ دیکھتے ہیں کہ وہ فضول کاموں میں خرچ کرتا ہے تو رحم کرتے ہیں دولتمندوں کے نیک اور خوش بنانے کے لئے جو دولت خدمت نہیں کرتی وہ اکثر آزار پہنچاتی ہیں +

(۲۰) اگر آدمی دولت مند ہو تو وہ اپنی دولت کی بڑائی یوں دکھائے کہ غریبوں کے ساتھ مسکینی سے باتیں کرے۔ چھوٹی آمدنی کے آدمیوں کے ساتھ ہمراہ ہو۔ آفت زدہ وں کو سہارا دے غفلت دوں کے ساتھ مہربانہ سلوک کرتے اپنے تئیں یہ خیال کرے کہ میں ایک ظرف ہوں جس میں روپے رکھے گئے ہیں + سقراط کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی دولت پر فخر کرے تو اُس کی تعریف نہ کرو۔ جبتک یہ نہ معلوم ہو کہ وہ دولت کو کس طرح کام میں لاتا ہے۔ بعض نوجوان جب دولت اُن کے پاس نہیں ہوتی تو دولت کے خرچ کرنے میں بڑے ارادے کرتے ہیں مگر جب بڑے ہوتے ہیں دولت پاس ہو جاتی ہے تو کچھ نہیں خرچ کرتے +

(۲۱) غریبوں کے پھٹے کپڑے ذرا ذرا سی برائیوں کو نہیں چھپنے دیتے۔ دولت مندوں کے سمور اور قاقم کے کپڑے بڑی بڑی گناہوں کو چھپا دیتے ہیں اور سونے کے ڈلے اُن کی برائیوں کو ملمع کرتے ہیں

تقریر (گفتگو)

ہم نے انگریزی لفظ ڈسکورس کا ترجمہ تقریر کیا ہے۔ اس انگریزی لفظ کے معنی۔ زبان بیان۔ گفتگو۔ بات چیت۔ مباحثہ۔ بحث و تکرار۔ وعظ و استدلال و رسالہ کے ہیں۔ ہم زیادہ تر تقریر کے معنے اُس گفتگو کے لیں گے جو با استدلال ہو +

بعض آدمی اپنی تقریر میں استدلال کی قدرت اور لیاقت و استعداد علمی کو دکھا کر فقط یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی ذہانت و ذکاوت کی تعریف سامعین کریں اور اُن کی نسبت نیک رائے

لگائیں حق کے بیان کرنے پر تو اُن کی ایسی نظر نہیں ہوتی جیسی کہ اپنی تعریف و ستائش پر
بعض آدمی اپنی تقریر میں سخنان کامل بیان کرتے ہیں اور اُن کو اپنی ذات کا کچھ خیال نہیں ہوتا
کہ سامعین اُن کی نسبت کیا رائے لگائیں گے۔ اور کیا فرمائیں گے۔ آدمی کو یہ تو خیال نہیں ہے تا کہ سامعین
اُن کی تقریر کو پسند کرکے تعریف کریں مگر اس کا بڑا خیال ہوتا ہی کہ وہ ناپسند کرکے ہجو نہ
کریں ٭ ارسطو کا قول ہی کہ ایک تقریر کرنے والے اپنی تقریر سے اپنا دل بہلانا چاہتے ہیں نہ
سامعین کا۔ بعض تقریر کرنے والے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور چہرہ پر انکے رعب و
خوف چھایا ہوا ہوتا ہی۔ یہ حالت اکثر اُن نوجوانوں پر طاری ہوتی ہی کہ جن کو تردد و
فکر ہوتا ہے کہ سامعین معلوم نہیں ہماری تقریر سنکر کیا راے لگائیں اور کیا کہیں اُن کو
اپنی ذات کا اور سامعین کی رای کا جو اُن کی نسبت ہو خیال کرنا نہیں چاہئے۔ وہ خوب
جان لیں کہ بہت سے سننے والے تو ایسے ہیں کہ وہ اپنے دل و دماغ کو تمھاری تقریر کے سوچنے
اور سمجھنے میں تکلیف بھی نہیں دینگے۔ ہاں بعض ضرور سخت عیب بینی اور نکتہ چینی کریں گے
اُس کی پروا تم کو نہیں کرنی چاہئے۔ تم کو حق بات کہنی چاہئیے۔ خواہ سامعین کچھ ہی خیال کریں
اور کہیں جو شخص اپنے بیان میں سرتاپا مستغرق ہوگا۔ اُس کو نہ اپنا نہ اپنے سامعین کا کچھ
خیال ہوگا ٭ بعض آدمی خلوت میں جب ایک دو آدمی کے سامنے کسی مضمون کو بیان کرتے ہیں تو تقریر
نہایت فصاحت اور بلاغت سے کرتے ہیں لیکن اُسی مضمون کو اُنہیں الفاظ میں وہ کسی مجمع میں بیان کرنا چاہیں تو اُن
گلے میں پھندا پڑتا ہی اور زبان لکنت کرتی ہی اسکا سبب یہ نہیں ہوتا کہ سامعین کی راے کو اعلیٰ درجہ کا اپنے سے
جانتے ہیں اس لیئے وہ اُن کے رعب میں آن کر تقریر میں لکنت کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے
ایک جانی دوست کی لیاقت اور قابلیت کو زیادہ جانتے ہیں اور اُس کی رای کی وقعت رکھتے
ہیں اور مجمع کے لائق سے لائق دو تین آدمیوں کے سامنے وہ تقریر کرنے میں پریشان نہیں ہوتے
مگر مجمع کے روبرو خوف کے مارے اُن کی زبان سے مشکل سے الفاظ نکلتے ہیں بعض اوقات
تقریر کی تاثیر جو ایک مجمع عام پر ہوتی ہے وہ دو چار آدمیوں پر نہیں ہوتی بعض

حال ہوتا ہے کہ دو چار کے چلانے سے ریوڑ کا چلانا آسان ہوتا ہے +

بعض تقریر کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ دو چار ہی مضمون اُن کو خوب بیان کرنے آتے ہیں اور انھیں کو پھیر پھیر کر بیان کیا کرتے ہیں گائے کی بچھیا اور بچھیا کی گائے بناتے ہیں۔ سوائے اُن کے کسی اور مضمون پر گفتگو نہیں کر سکتے۔ پس جب لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تو ایک ہی راگ گایا کرتے ہیں تو وہ نظر سے گر جاتے ہیں اور وہ لوگ اُن کی ہنسی اُڑانے لگتے ہیں ہنسی کا قاعدہ ہے کہ وہ تنہائی میں نہیں آتی۔ اگر آتی بھی ہے تو اُس وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ میں مجمع میں بیٹھا ہوا ہوں بس لئے مجمع میں تقریر کا کرنا اُن کا زیادہ خاکا اُڑاتا ہے +

تقریر میں یوں بڑا لطف آتا ہے کہ مناسبت مقام و موقع ایک بات شروع اور ختم ہو اور اُس پر اوروں کو اپنی اظہار رائے کے لئے وقت دیا جاوے اور بعد اُس کے کچھ اور ذکر چھیڑا جاوے جب کسی موضوع پر کہ تھوڑی دیر کے لئے ہو تقریر میں کوئی بات کہی جائے تو اُس کے دلائل اور اس کی نسبت رائے ایسی مستحکم اور چُست طور پر بیان کی جاوے کہ وہ مدتوں کے لئے ایک دلچسپ مضمون ہو جاوے۔ سوال و جواب بغیر تقریر پھیکی ہوتی ہے۔ تقریر اگر کوئی کہانی کے طور بھی سُنی سُنائی ہو تو اُس کی بھی وجوہ بیان کر دی جاوے۔ تقریر میں کچھ ظرافت بھی چاہیے۔ مگر ایسی تقریروں میں ظرافت کرنی بہتر نہیں ہے جیسے مذہب کی باب میں یا معاملات سلطنت یا بزرگان عالی منش کے ذکر میں یا واجب الرحم آدمیوں کے بیان میں یا کسی شخص کے بڑے کام میں جس میں وہ سراپا مستغرق ہو۔ مگر بعض تیز ذہن ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک وہ تقریر میں لوگوں کے دلوں میں چٹکیاں نہ لیں اور زبان سے خراش باتیں نہ کریں وہ یہ جانتے ہیں کہ ہماری ذکاوت کیا مر گئی یا سو گئی ایسے آدمیوں کو چاہئے کہ وہ اس عادت سے باز رہیں زبان کو لگام دیں اور لگام کو خوب مضبوط دونوں ہاتھوں سے پکڑیں اور مہمیز مارنے سے پرہیز کریں۔ تقریر ایسی طول طویل نہ ہو کہ سامعین کی طبیعت سنتے سنتے تھک جاوے۔ تقریر نمکین ہو مگر نہ تلخ۔ جو شخص تقریر میں لوگوں پر آوازے کستا ہے طعن و تشنیع سے باز نہیں رہتا۔ اور لوگ اپنی ذکاوت سے اوروں کو ڈراتا ہے

اُس کو خود بھی ڈرنا چاہیئے کہ اور لوگ موقع پاکر اپنا عوض اُس سے لینگے +

جو شخص اکثر سوال کرنے کی عادت رکھتا ہے اُس کا علم بہت جلد بڑھ جاتا ہے - اگر وہ اہل ہنر سے اُن کے ہنر کی نسبت سوال کرے تو وہ اُس کے جواب دینے سے خوش ہونگے - اور اُس کا علم بڑھ جائیگا - مگر سوال کرنے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رہے کہ وہ ایسے پیچیدا اور دشوار نہ ہو جائیں کہ اُن کے جواب دینے میں تکلیف او وقت ہو آدمی کو چاہیئے کہ وہ خود ایسا نہ بولے کہ دوسرے کے بولنے کی نوبت نہ آنے پائے بلکہ کوئی ایسا بکواسی اگر ہو کہ کسی دوسرے کو بولنے نہ دے تو اس کو کسی تدبیر و حکمت سے خاموش کرے تاکہ اور آدمی بھی بولیں تقریر میں آدمی نہ خود اپنی تعریف کرے اور خاص متعین شخصوں کی تعریف سے بھی حتی الامکان پرہیز کرے اگر اپنے ذکر کی کوئی سخت ضرورت آن پڑے تو اس کو ایک فصاحت اور نفاست سے ادا کرے ایک طریقہ اپنی تعریف کرنے کا یہ بھی ہے کہ آدمی اُس صفت کی دوسرے شخص میں تعریف کرے جو اپنے میں موجود ہے +

تقریر میں ایسی چھپی ہوئی باتیں نہ کہے جو کنایتاً یا صراحتاً دوسروں پر لگتی لگاتی ہوں تقریر کا تو لطف یہ ہے کہ وہ سب کو بھلی معلوم ہوتی ہو میدان کا سا حال ہو کہ وہ کسی خاص گھر کی طرف کا رستہ نہیں ہوتا بعض آدمی تقریر خوب کرتے ہیں مگر کوئی اعتراض اُن پر جڑ دے تو بغلیں جھانکتے ہیں - بعض کی تقریر تو ایسی خوب نہیں ہوتی لیکن اُن پر کوئی اعتراض کرے تو جواب خوب دیتے ہیں اُن کا حال جانوروں کا سا ہے کہ بعض خوب دوڑتے ہیں مگر مڑتے خوب نہیں بعض مڑتے خوب ہیں مگر دوڑتے خوب نہیں +

(۱) ہم کو اپنی تقریر میں کس بات کے لئے نہ تمہیدیں بہت سی کرنی چاہئیں نہ اُن کو بالکل چھوڑنا چاہیئے اول صورت میں سننے والے تھک جائینگے اور دوسری صورت میں باتیں لنڈوری معلوم ہونگیں اور ہم کند ذہن +

(۲) مقرروں کی مثال چاند سورج کی سی ہے رات کو جب چاند چمکتا ہے تو ہم چاندنی کو کہتے ہیں

کہ کیا خوب چاندنی ہے۔ دن کو یہ کہتے ہیں کہ گل وبستان پر کیا بہار ہے۔ اور چیزوں پر کیا رونق ہے آفتاب کا ذکر نہیں کرینگے۔ جس کی روشنی کے سبب یہ رونق پیدا ہوئی ہے۔ پس جو اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں اُن کا حال آفتاب کا سا ہے کہ اُن کا ذکر نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن باتوں کا لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوتا ہے جو انھوں نے بیان کیں اُنکے بعد دوسرے درجہ کے مقرروں کا حال چاند کا سا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کا اور اُنکی فصاحت کا خیال ہوتا ہے (۴) کُل تقریر میں کافی باتوں سے زیادہ باتیں بیان ہوتی ہیں اور کافی تقریر میں کل باتیں بیان ہوتی ہیں طول طویل تقریروں کا حال ایسا ہی جیسا کہ بہت سے تیروں کا جو نشانہ پر چھوڑے جائیں اور اُس پر لگیں نہیں جس کے سبب سے توجہ ایسی بٹ جائے کہ محنت اکارت جائے اور شکار ہاتھ نہ آئے +

پیشین گوئیاں

پیشین گوئیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ ہیں جن کو مورخ اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں اور وہ معاملات ملکی سے متعلق ہوتی ہیں مورخ زمانہ حال کے واقعات کو دیکھ کر پیشین گوئی کرتا ہے۔ اگر وہ پوری ہوتی ہیں تو یاد رکی جاتی ہیں اور مورخ کی ذہانت کی داد دی جاتی ہے۔ اور اگر وہ پوری نہیں ہوتیں تو فراموش کر دی جاتی ہیں۔ دوسری وہ ہیں جو یونہیں اٹکل پچو ہر کی طرح ہانک دی جاتی ہیں جیسے مجذوب بڑیں کہا کرتے ہیں سوم جعلی بنائی ہوئی۔ یہ اکثر بزرگوں کے حالات میں لکھی جاتی ہیں۔ پیران نمی پرند مریداں می پرانند۔ مرید اپنے مرشد کے پیشین گوئیوں کی بھی قائل ہوتے ہیں اس لئے بہت سی بشارتیں اُن کی گھڑ کر اُن کے حالات میں تحریر کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ اُن کو عالم غیب کی باتیں پہلے سے معلوم ہو جاتی تھیں +

جاہ جوئی ۔ (یعنے اپنی برتری کی خواہش)

جسم انسان میں خلط صفرا ہوتا ہے کہ اُس کی روانی انسان کو چست چالاک مستعد سرگرم دل چلا بنائے رکھتی ہے مگر اُس کا بند ہونا اُس کو تیز و گرم کر کے کڑوا زہر بناتا ہے اور اُسی آدمی کو پُر اضطرار اور بیقرار کرتا ہی۔ یہی حال جاہ جوئے کا ہوتا ہے۔ کہ جبتک اُس کی ترقی اور بہتری ہوتی جاتی ہے تو وہ اپنے شغل اور کام میں تندہی کرتے رہتے ہیں اور کسی کو ایذا نہیں دیتے لیکن جہاں ان کی کام روائی کا رستہ بند ہوا اور ان کی آرزوئیں پوری نہ ہوئیں تو پھر ان کے دل میں کدورت کا انبار لگ جاتا ہی۔ آدمیوں کو کاٹنے کو دوڑتے ہیں کاموں کے بگڑنے سے خوش ہوتے ہیں +

(۲) بعض سلطنت کی ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن میں بغیر ایسے اولوالعزم جاہ طلبوں کے کام اچھی طرح نہیں چل سکتا۔ اوّل میدان کارزار کے لئے عمدہ افسر ایسے انتخاب کرنے ضرور ہیں جو بڑی عالی حوصلہ اور اولوالعزم اور عالی ہمت ہوں۔ ضرور ایسے کام وہ کرینگے جو ان کی جاہ جوئی کے عیب پر پردہ ڈال دینگے ایسا سپاہی لڑائی میں بھیجنا جو عالی حوصلہ نہ ہو۔ ایسا ہے کہ اُس کو بدون ہتھیاروں کے بھیجیں دوم ایسے خطرناک خدمات کے لئے جن میں کینہ و پیکار کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ایسے کاموں میں جاہ طلبوں کی آنکھوں پر جاہ طلبی کا پردہ ایسا پڑا ہوتا ہے کہ کوئی خوف و خطر ان کو نظر نہیں آتا۔ وہ اُس کبوتر کی طرح آسمان پر اُڑ جاتے ہیں جس کی آنکھوں پر ٹوپی ہو کہ اُسے گرد خوف کو نہ دیکھے +

سوم رعایا میں سے جو لوگ علیٰ درجہ پر پہنچ گئے ہوں اُن کے غرور ڈھانے اور نیچا دکھانے کے واسطے ان عالی ہمتوں سے خدمت لینی مناسب ہوتی ہی +

(۳) جو جاہ طلب یہ چاہتا ہے کہ مجھے لائق اور بزرگ لوگ بڑا مانیں وہ ایک مہم عظیم اپنے آگے رکھتا ہی اور اُس سے عام لوگوں کو سوا فائدہ کے نقصان کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن جو جاہ طلب یہ آرزو رکھتا ہی کہ ادنے آدمیوں میں میں ہی بڑا سمجھا جاؤں وہ اُس کے لئے

سا نہیں کرتا ہو تو ہے سے لوگوں کو آزار پہنچتا ہے +

(۴) جاہ حاصل کرنے کے واسطے ان تین باتوں میں کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اول بھلائی کرنیکے موقع کی جستجو۔ دوم سلاطین وارکین سلطنت تک رسائی۔ سوم اپنی لیئے دولت پیدا کرنی۔ ان تینوں کے حاصل کرنے میں جس کی نیت بخیر ہے وہ نیک ایماندار آدمی ہے۔ جو جاہ طلبی انصاف و دانائی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس میں ظاہر و باطن میں منفعت ہوتی ہے وہ ایک عزت کی آرزو مردانہ ہوتی ہے۔ بادشاہوں رئیسوں کو یہ چاہیئے کہ وہ وزیر اور اپنے اہلکار ایسے انتخاب کریں کہ جن کو اپنے کام کا بہ نسبت اپنی ترقی اور منفعت جاہ کے زیادہ خیال ہو اور اپنے کام کو ایمان سے کرتے ہوں۔ نہ نمائش و فخر سے +

(۵) جاہ طلبی دل کی بے حیائی کا نام ہے۔ یہ جاہ و حرص دو دیو ہیں جو آدمی کی بھلائی کو اپنی آروں سے گودتے رہتے ہیں جاہ طلبی مہد سے لحد تک سفر کو نہایت کڑا کر دیتی ہے اور جا بجا وہ سر کو جھکواتی ہے +

(۶) جو لوگ جاہ طلب ہیں وہ سلطنت کرنی چاہتے ہیں خواہ وہ دوزخ ہی کی کیوں نہ ہو وہ بہشت کی خدمتگاری سے دوزخ کی فرمانروائی کو اچھا جانتے ہیں +

(۷) جاہ طلب جس کام کو چاہتے ہیں کہ اس طرح وہ اچھا ہو۔ اگر وہ حسب لخواہ نہ ہو تو پھر اس کو وہ ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ کیا تو کام بالکل نہ کریں اور اگر کریں تو سب سے اچھا و بہتر۔ مگر آدمی کو چاہیئے کہ جتنا وہ کام اچھا کر سکے اس کے کرنے میں اپنی ہمت صرف کرے۔ کل قرض کا بار سر سے نہ اتار سکے تو اس کا کوئی حصہ ہی اتار دے جس سے کچھ بوجھ تو ہلکا ہو + آدمی کو چاہیئے کہ وہ اونچا نہ بیٹھے کہ بے عزتی سے نیچے اتارا جائے۔ بلکہ نیچے بیٹھے کہ عزت کی ساتھ اوپر بلند کیا جائے۔ وہاں چڑھو جہاں گرنے کا ڈر ہو عجز و انکسار سے اپنی دولت و عزت بڑھاؤ۔ غرور و نخوت سے بلندی پہ چڑھ کر اپنے تئیں نیچے نہ گراؤ +

(۹) ایک فقیر جو جاڑے میں اکڑ رہا ہو۔ پہاڑ کے اندر مینہ کی بوچھاڑ سے تر بتر ہو۔ کہیں اُس کو سایہ بیٹھنے کو نہ ملتا ہو وہ کہیں پیٹ کے بل زمین سے لگا ہوا پڑا ہوا اور اُسی کو اپنا گھر سمجھتا ہو اُس سے کوئی جاہ طلب کے سینہ کو دکھا کر کہے کہ تو اپنی حالت کو اُس سے بدل لے تو وہ ہرگز نہیں لے گا کہے گا کہ اُس کے سینہ میں تو بڑی خوف ناک آفات بھری ہوئی ہیں کہیں اُس میں انتقام نے زخم لگا رکھے ہیں کہیں کینہ و حسد نے چھریاں مار رکھی ہیں کہیں غصہ و غضب نے پاؤں پھیلا رکھے ہیں غرض جو مصیبتیں اُس کو حال میں ہیں وہ میرے حال میں نہیں اس لیے میں اپنی حالت کو اُس سے نہیں بدلتا ہوں

(۱۰) جیسے کہ مرض استسقا میں جتنا پانی پیو اُتنی ہی زیادہ پیاس لگتی ہے اُس میں بڑا پرہیز یہی ہے کہ پیاس کے موافق پانی نہ پیا جاوے۔ ایسے ہی روح کے واسطے بھی جاہ طلبی ہے کہ جتنی عزت بڑھتی جاتی ہے اُتنی اُس کی طلب زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ بس اس کا علاج یہی ہے کہ زیادہ طلبی سے پرہیز کیا جاوے +

(۱۱) جس جاہ طلبی میں آرام نہ ہو اور ساری برائیاں ہوں وہ ملعون ہے۔ اور جس میں اوپر اُڑنے کا ہمیشہ خیال رہے وہ پادر ہوا ہے۔ جس میں عوام کی بھلائی کا نقصان ہو وہ سیاہ دلی ہے۔ جس میں شہرت ناموری کا خیال ہو وہ سینہ سوزی ہے۔ جس میں کمینوں کے احسان اُٹھانے پڑیں وہ رذالت ہے۔ جس میں شرارت و فساد و عناد ہوں وہ شیطنت ہے۔ جس میں سلطنت دولت شہرت کی تشنگی نہ بجھے وہ مرض استسقا ہے۔ جس میں آسمان پر بلند پروازی کا قصد ہو وہ ہما بنا ہے۔ جس میں نیکی کا گلا گھٹے وہ گندگی ہے۔ جس میں شہوت پرستی و کینہ توزی و غرور ہو وہ فرعونی ہے۔ جس میں عشق کی سی بیصبری ہو وہ مجنونی ہے۔ جس میں شیخ چلی کے سے خیالات ہوں اور پھکنوں کے پھونکنے سے دریا میں تلاطم پیدا کرنے کا ارادہ ہو وہ دیوانگی ہے۔ جس میں ناہموار راہوں پر چل کر نیچے زمین پر پہنچتا ہو وہ سینہ زوری ہے۔ جس میں ایسی آتش و حرارت روحانی پیدا ہو کہ جو ایک دفعہ بھڑکے پھر وہ بجھے نہیں وہ آتش کدہ ہے۔ جس میں خالی نمائش اور بے معنی آوازیں ہوں وہ اُس کی عزت ہے۔ جس میں قید خانے اور تخت ایک ہی گھنٹے میں معمور ہوں

وہ خود مختاری جس میں فراموشی اور نابینائی ہوں وہ بدحواسی ہے جس میں آدمی کی اوقات گزاری کا سارا سرمایہ برباد ہو جائے وہ اسراف ہے جس میں انتقام اور کینہ ہو وہ بیہودگی ہے جس میں فریب ہو وہ پاجی پن ہے +

(۱۱) جو بڑے درخت ہوتے ہیں وہی ہوا کے بس میں ہوتے ہیں ایسے ہی جاہ طلب دولت کے قابو میں ہوتے ہیں +

(۱۲) جاہ طلبی کو اگر دور سے دیکھو تو وہ ایسی خوشنما معلوم ہوتی ہے جیسے کہ پہاڑ اور اس کی چوٹیاں جنکے منظر اور فضا روح افزا معلوم ہوتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ ان کی بنیاد ریت پر رکھی گئی ہے جس کو پانی کی طغیانی ہلادیگی اور ہوا کے طوفان ڈھا دینگے +

(۱۳) دنیا میں بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوتے ہونگے کہ جن کی طبیعتیں جاہ طلب ہوتی ہوں اور وہ ملک یا قوم میں اپنا معزز ہونا نہ چاہتی ہوں ہر شخص چاہتا ہے کہ میں جن لوگوں میں رہتا ہوں وہ میرا لحاظ و پاس کریں۔ برتری اور ادب جس کو ارزل سے ارذل اور کمینہ سے کمینہ آدمی بھی چاہتا ہے کہ وہ مجھے اپنے دوستوں اور آشناؤں کے چھوٹے حلقہ میں حاصل ہو نہایت عزیب کیا بلکہ ایک ٹکر گدا کی بھی تعریف کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ اپنی برتری سے کمتروں میں خوش ہوتا ہے یہ جو انسان کے دل میں قدرتی آرزو اپنی برتری کی ہے اگر وہ نیک طور سے کام میں آتی ہے تو آدمی کو فائدہ پہنچاتی ہے ایسا ہی کام بھی ہے جیسے اس کے بے صبری آرام کرنے میں آدمی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ جانوروں کی سی قناعت اختیار کرے اس کو عزت کی آرزو میں صرف ہمت چاہئے مگر یہ اسکی نوبت یہاں تک پہنچنے دے کہ وہ صفات بہیمی کو پیدا کریں اور فانی ہونے کے خیال کو دل سے اڑا دیں +

(۱۴) آفتاب سارے عالم کو روشن کرتا ہے اور کل مخلوق کو شاد و خرم مگر وہ اس جاہ طلب کو نہیں چمکتا جو مایوس ہوا ہے۔ اس کے گرد تاریکی چھائی ہوئی ہے جس میں شعاعیں جو چمکتی ہیں وہ

اس کی سوداز دگی اور افسردگی کو دکھاتی ہیں اس افسوسناک حالت میں صرف اسی کو یہ تسلی ہے
کہ اس کا یہ مرض متعدی دوروں میں بھی پھیلا ہوا ہے۔ جاہ طلبوں کو غلطی سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ
بہبودگی خلائق میں نہایت جوش سے محنت کرتا ہے لیکن اس کو اپنی مقاصد حاصل ہوجائیں اور آرام
مل جاے تو پھر وہ وسائل اور نتائج سے کچھ غرض نہیں رکھتا اپنی محسنوں کا احسان نہیں مانتا۔ یہاں تک
کہ جن سے اُن کا خون ملا ہوتا ہے اُن کو بھی چھوڑ دیتا ہے +

(۵) جاہ طلبی ایک اثرہ پانی پر ہوتا ہے وہ جبتک بڑھتا رہتا ہے کہ وسعت پا کر بالکل
نیست و نابود نہیں ہوجاتا +

(۶) جاہ طلبی کو ان تشبیہات میں مختلف مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ وہ مردار خوار گدھ
ہے جس کو غرور کی غذا دل سے ملتی ہے + وہ ایک دیوانگی بھا ورانہ ہے۔ وہ زہر ہے جس کا
ذائقہ زبان کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ایک وبا ہے جو نظر نہیں آتی۔ وہ زہر ہے جو کسی کو
دکھائی نہیں دیتا۔ وہ سوہان روح ہے۔ مقدس چیزوں کے لئے گھن ہے۔ فریب مکر کی مادر ہے
جو اس کو اختیار کرتا ہے اُس کو بے چین و بے آرام کرکے دیوانہ سوداز دہ بناتی ہے +

(۷) غلام کا ایک آقا ہوتا ہے مگر جاہ طلب کے وہ سب آقا ہوتے ہیں جن کی امداد سے وہ
اپنی ترقی آیندہ چاہتا ہے +

(۸) جاہ طلبی کا ٹھیرنا ایسا ہوتا ہے جیسے کہ آندھی کا کہ اگر وہ ایک منٹ بھر ٹھیر جاتی ہے تو
پھر وہ بڑی زور سے آتی ہے وہ ایک بے انتہا محنت اپنی تئیں کم بخت بنانے کے واسطے ہے۔
اُس میں ابتدا کے اندر تکالیف و مصائب کا اٹھانا یقینی اور اسکے عزت کا حاصل ہونا موہومی۔

طبیعت انسانی

طبیعت انسانی سے مراد ہماری اُن خصائل سے ہے جو انسان کی فطرتاً و جبلتاً میں
داخل ہیں انسان کی طبیعت کو سوا عادت کے کوئی چیز مغلوب یا بدل نہیں سکتی۔
طبیعت کے مغلوب کرنے کو آدمی بڑا کام جانے نہ چھوٹا۔ اس لئے کہ اُسکے مغلوب کرنیکا ارادہ

جب پہلی دفعہ ہوتا ہی تو ناکامی ہوتی ہے جتنے رنجیدگی ہوتی ہے - دوبارہ ارادہ
میں کچھ کام چلتا ہے پھر بار بار ارادہ کرنے سے کامیابی ہوتی ہی۔ مرتبہ اول میں آسانی
کے لیئے کسی چیز کو اپنے ارادہ کا معین بناؤ جیسے کہ ابتدا میں تیرنے کے لئے تیراک تونبوں کو
بناتے ہیں پھر تکلیف کی کچھ برداشت چاہئے جیسے کہ ناچنے والے بھاری جوتے پہن کر
ناچتے ہیں جس سے ناچنے میں کمال حاصل ہو - ان کو جیسی اس مشق میں تکلیف اٹھانی
پڑتی ہی ویسی بعد اس کے ناچنے میں نہیں ہوتی طبیعت جیسی زیادہ قوی ہوگی ایسی ہی
اس کے مغلوب کرنے میں مشکل پیش آئیگی - اول طبیعت کو قید کرنا اور روکنا چاہئے جیسا اس
شخص نے کیا تھا جس کو غصہ بہت آتا تھا وہ غصہ کی حالت میں پہلے چوبیس[۲۴] حرف الف
بے تے کے پڑھ لیتا - پھر اس کو کم زور کرنا چاہیئے اور بعد ازاں بالکل مغلوب لیکن اگر
آدمی مضبوط اور مستقل ہو تو دفعۃً طبیعت کو مغلوب کرسکتا ہے وہ شخص اپنے دل کا بڑا
استقلال دکھاتا ہے جو ایک ہی دفعہ میں تمام سینہ فگار قیود کو توڑ ڈالے ان کی آوارگی
تکالیف کی برداشت کرے + یہ پرانا قاعدہ غلط نہیں ہی کہ جس چھڑی کو سیدھا کرنا
چاہیں تو اس کو مخالف جانب میں بالکل موڑ دیں جس سے وہ سیدھی ہو جاے - مگر یہ سمجھ لینا
چاہئے کہ وہ مخالف جانب غلط نہ ہو پس اسی طرح طبیعت کے کجی کو سیدھا اس طرح کرو کہ اسکو
بالکل جانب مخالف میں موڑو جسے وہ سیدھی ہو جائے

(۲) آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی عادات کو بالجبر متواتر جاری نہ رکھے بلکہ بیچ بیچ میں وقفہ دی جب لوٹ آئی
بیماری رام لینے کی مہلت مل جاتی ہی تو حملہ سخت ہوتا ہی پس اسیطرح جب عادات کو وقفہ دوگے تو اچھی عادتیں زیادہ
مضبوط ہوجائینگی اور بری عادتیں ضعیف وقفہ دینے سے پرانی ترغیبوں کو بالکل دور کرو یا ان سے ایسی کثرت سے وقعت
پیدا کرو کہ وہ ذرا دل پر اثر نہ کریں انسان کی اصل طبیعت کا حال امور خانگی سے یا
غصہ سے یا کسی نئے تجربہ سے معلوم ہوتا ہی - تم یہ نہ سمجھو کہ میں طبیعت کو بالکل مغلوب کرلونگا
کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی کسی موقعہ یا ترغیب پر اپنی حالت پر عود کریگی - جیسا کہ لقمان کی حکایت

میں لکھا ہے کہ جب ایک عورت کو بلّی بنا دیا تو وہ چپکی بڑی متانت سے بیٹھی رہی
مگر جب چوہیا اُس کے روبرو آئی تو اُس پر لپک گئی وہ آدمی بڑے خوش نصیب ہیں جن کو
زندگی میں وہ کام کرنے پڑے جو اُن کی طبیعت کے موافق تھے۔ جن میں طبیعت پر زور ڈالنے کی
ضرورت کچھ نہیں پڑتی۔ جب کام طبیعت کے مخالف کرنے پڑتے ہیں تو بڑے زور سے طبیعت کو اُس
طرف لے جانا پڑتا ہے۔ آدمی کی طبیعت کا حال کھیت کا سا ہے کہ اُس میں اناج اور
گھاس پھوس دونوں اُگتی ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ موسم میں ایک میں آب پاشی کرے اور دوسرے
کو اُکھیڑ کر پھینکے +

(۳) طبیعت کے موافق سلسلہ ضرب میں اور عادت کے موافق سلسلہ جمع میں ترقی ہوتی
ہے۔ جو سلطنت میں قوانین عامہ کو رسم و رواج سے نسبت ہوتی ہے وہی نسبت آدمی میں
طبیعت کو عادت سے ہوتی ہے۔ جب طبیعت کے مخالف عادت ہوگی تو وہ سلطنت شخصی
ہے جو جلد غارت ہو جائیگی۔ قاعدہ ہے کہ ہم اپنی طبیعت کے موافق خیال کرتے ہیں۔ تعلیم کے
موافق بیان کرتے ہیں عادت کے موافق کام کرتے ہیں۔ طبیعت تو ایک معلم کتاب آموز
ہے اور عادت مجسٹریٹ (حاکم فوجداری) ہے +

(۴) جیسے کہ ہوا کا رُخ صرف ایک چھوٹے تنکے کے اڑنے سے معلوم ہوتا ہے لوہے
کی سلاخ سے نہیں معلوم ہوتا جس پر ہوا کا اثر کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی آدمی کی طبیعت
کا حال اُس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے معلوم ہوتا ہے بڑے کاموں سے نہیں۔
کیونکہ ان کو وہ بہت سوچ بچار کر کرتا ہے اور وہ بعض اوقات اُس طبیعت کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں
(۵) مختلف زمانوں اور ملکوں میں انسان کے وضع و اطوار اور چال چلن بے انتہا مختلف
صورتوں میں نمودار ہوتے ہیں مگر طبیعت بشری ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے وہ نہیں بدلتی
وہ ایک ہی درخت ہے جس کے حالات میں موسم۔ آب و ہوا۔ زمین۔ طریقہ زراعت
کے سبب اختلافات نمایاں ہوتے ہیں پس اگر کوئی حماقت اور خطا مخصوص کسی ملک

اور زمانہ کے ساتھ ہوتی ہیں تو وہ زیادہ پھیلتی نہیں باقی رہتا باقی ہی مگر جو طبیعت
بشری کے ساتھ باتیں متعلق ہوتی ہیں اُن کا اثر بار بار ہر زمانہ میں ہر ملک میں ظاہر ہوتا رہیگا
جو درخت کسی غیر ملک کا لا کر بوؤ تو جہاں اُس کی احتیاط میں بیخبری ہوئی وہ برباد ہوا
مگر جو زمین کی طبیعت کے موافق درخت اُگتا ہے اُس کو جتنی دفعہ چاہو اُکھیڑو پھر وہی
پیدا ہوگا - زمانہ میں جو کام طبیعت بشری کے موافق ہوئے ہیں وہ تاریخ سے ثابت
ہوتا ہے کہ مشابہ اور یکساں ہیں گو اُن کی صورت بظاہر ایسی مختلف معلوم ہوتی
ہی کہ اُن میں مماثلت دیکھنا بڑی ذہانت اور ذکاوت کا کام ہی اگر یہ ایسا نہ ہوتا
تو انسان زمانہ گزشتہ کے تجربوں کے دفتر سے فائدہ کیسے اُٹھا سکتا تھا +

عادت اور تعلیم

انسانوں کی طبیعتوں کے جو میلان ہوتے ہیں اُنھیں کے موافق خیالات
ہوتے ہیں جیسی اُن کی تعلیم اور ذہن میں باتیں جمی ہوئی ہوتی ہیں ویسی ہی اُن کی
گفتگو اور تقریر ہوتی ہے مگر اُن کے کام عادت کے موافق ہوتے ہیں اِس واسطے ایک شخص نے
یہ خوب کہا ہے کہ نہ طبیعت کے اقتضا پر نہ زبانی بہادری پر بھروسہ ہو سکتا ہے جب تک اُن
کی تائید عادات نہ کرے - وہ کہتا ہے کہ بڑی بڑی سازشوں کے کرنے میں ایسے آدمیوں
سے کام نہیں چلتا کہ جو بڑی سفاک قوی زبردست مستقل ہوں جو اُن کے کرنے میں حیران
پریشان ہونگے - بلکہ ایسے آدمیوں سے کام نکلے گا کہ جن کو سازشوں کے کرنے کی عادت
اور تجربہ ہو - گو اُس کے برخلاف مثالیں موجود ہوں مگر سچ یہ ہی کہ نہ طبیعت کے نہ الفاظ کے
عہد و پیمان میں وہ زور ہے جو عادت میں ہے باطل پرستی کے اوہام باطلہ بھی ایسی بڑھی ہوئے
ہیں کہ اُن میں بھی قدرت عادت سے کم نہیں ہے - وہ اُن کو بھی جو پہلی دفعہ خون کرتے میں
قسائی بنا دیتی ہیں عادت کو جو انسان کے معاملات میں غلبہ ہی وہ بھی بڑا عجب خیز
اور حیرت انگیز ہے کہ اقرار ہوتے ہیں عہد و پیمان کئے جاتے ہیں قسمیں کھائی جاتی ہیں

غرض سب کچھ ہوتا ہی مگر کام وہی کیا جاتا ہی جو پہلے سے عادت نے سکھا رکھا ہے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان ایک کٹ پتلی مردہ یا کل ہی کہ جس کو عادت کے تاگے چلا رہی ہیں
عادت کی اس فرمانروائی کو دیکھو کہ کس ظلم کے ساتھ ہی کہ ہندوؤں کے ہاں ایک فرقہ عقلاء
تھا جو چتا میں زندہ بیٹھ کر جل جاتا تھا۔ عورتیں اپنی خاوندوں کے ساتھ ستی ہوجاتی
تھیں سپارٹا کے لڑکے دنیا کے معبد میں کوڑے کہاتے تھے اور اُن کے سارے بدن سے
خون ٹپکتا تھا مگر رونا چلانا تو کیا ایک آہ بھی منھ سے نہیں نکلتی تھی روس میں ابتدا
کے لئے پانی کے برتن میں رات کو بیٹھے رہتے تھے یہانتک پانی جم کر برف ہوجاتا تھا
غرض بہت سی مثالیں جسمانی اور روحانی عادت کی ایسی موجود ہیں کہ جن سے ثابت
ہوتا ہی کہ عادت کی برابر کوئی انسان پر فرمانروا نہیں ہی۔ پس جب عادت ایسی چیز
ہو تو آدمی پر فرض ہے کہ وہ نیک عادتوں کے پیدا کرنے میں ہمہ تن ساعی ہو۔ وہ
عادتیں مستقل اور پایدار ہوتی ہیں جو آدمی میں بچپنے سے پڑتی ہیں۔ بچپنے میں تعلیم سے
عادتیں پڑتی ہیں کیونکہ تعلیم کے معنے ابتدائی عادت کے ہیں یہ چھوٹی عمر ایسی ہوتی
ہی کہ اُس میں زبان ایسی ملائم ہوتی ہے کہ جن الفاظ کو چاہو اُسی تلفظ کرالو۔ تمام اعضا
میں ایسی قابلیت ہوتی ہی کہ جن حرکات کو چاہو اُن میں پیدا کرلو۔ بعد بچپنے کے یہ
قابلیتیں کم ہو جاتی ہیں۔ شاذ و نادر ہی بڑی عمر کے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ
اپنے دل کو کسی چیز پر زیادہ نہیں لگاتے اور ایسا کھلا رکھتے ہیں کہ اُس میں ترمیم و اصلاح
برابر داخل ہوتی رہتی ہیں۔ تعلیم کا حال بعینہٖ ایسا ہی جیسا کہ درختوں میں پیوند لگانے
کا کہ جب درخت پودا ہو تو اُس میں پیوند آسانی سے لگ سکتا ہی کہ ایک قلم اُس کی
جڑ پر لگا دی جس سے تمام شاخیں پھیل گئیں بڑے درخت میں جو پیوند لگاتے ہیں
تو اُس کی تمام شاخوں میں قلمیں لگانی پڑتی ہیں ہر شاخ کی نہایت خبرداری و غور
اسکو کرنی پڑتی ہی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بچپنے میں تعلیم نہ پائے اور بڑے ہونے پر

اپنی اصلاح کے درپے ہو تو اُس کو بہت سی باتوں میں اپنے تئیں روکنا پڑتا ہے
ارسطو کا قول ہے نیک عادتیں بچپنے ہی سے ڈالنی چاہئیں جب اکیلے آدمی کی عادت ایسی
زورآور ہوتی ہے تو ایک مجمع کثیر کی عادات جو ایک سی ہوں تو وہ کیسا زور
رکھینگی اور وہ آپس میں ایک دوسرے کی کیسی تائید کر کے تقویت دینگے اور اس گروہ
کی شان وشکوہ بڑھائینگی۔ سچ ہے کہ انسان کی طبیعت میں نیک عادتوں کا پیدا ہونا
اُن مجالس کی صحبت پر موقوف ہے جو منتظم اور تربیت یافتہ ہوں +

(۲) گو آدمی کے کاموں میں عادت غالب ہوتی ہے۔ مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آدمی کے
سارے کام عادت پر موقوف ہیں اس لیے کہ عادت خود کاموں کے چلنے ہی سے پیدا ہوتی ہے
جب ایک کام کو آدمی بار بار کرتا ہے تو عادت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کہ پانی کی رو
جہاز کو بھنور میں بتدریج اس طرح لے جاتی ہے کہ جہاز راں کو مطلق خبر نہیں ہوتی
کہ جہاز کہاں جاتا ہے۔ اس طرح آدمی کو یہ پہلے نہیں معلوم ہوتا کہ عادات کس طرف
بتدریج اُس کو لے جاتی ہیں اور کہاں پہنچاتی ہیں جیسے دریا کا پانی اپنی لئے خود
جگہ کھود لیتا ہے اور پھر اُسی میں مقید ہو کر رہتا ہے۔ اسی طرح عادت خود اپنے لئے
دل میں جگہ کر لیتی ہے اور اُس میں رہتی سہتی ہے +

(۳) تعلیم کو ہم نے بیان کیا ہے کہ اُس کا حال درختوں میں پیوند لگانے کا سا ہے
انہیں دو درختوں میں پیوند لگتا ہے کہ جن کی طبیعتوں میں مشارکت مناسبت ہوتی ہے۔
ببیل میں خربوزہ کا پیوند نہیں لگ سکتا ایسے ہی آدمی کی طبیعت اور تعلیم میں مناسبت ضرور ہے
اگر آدمی کی طبیعت کو شاعری سے مناسبت ہو اُس کو ریاضی سکھائی جائے اور جس کی
طبیعت کو ریاضی سے مناسبت ہو اُس کو شاعری سکھائی جائے تو کوئی نیک نتیجہ نہیں پیدا
ہوگا۔ نہ پہلا مہندس ہوگا نہ دوسرا شاعر +

(۴) ارسطو نے لکھا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی چیزوں سے آدمیوں میں مختلف عادتیں

پیدا ہوتی ہیں مثلاً انسانوں کی مصائب اور تکلیف کو دو آدمی دیکھا کریں ایک ان میں سے ان مصیبتوں کے رفع کرنے میں کوشش کیا کرے اور دوسرا بے پروائی تو ایک کی عادت یہ ہو جائیگی کہ جہاں اُس کو کوئی مصیبت کا مارا نظر پڑا وہ اُس کی مصیبت کے رفع کرنے کے علاج میں ہمہ تن مصروف ہوا اور دوسرا ایسا کہ دل جلیگا کہ ہزاروں مصیبت زدوں کو بھی دیکھیگا تو اُس کو خبر نہ ہوگی +

قسمت و نصیب

جس انگریزی لفظ کا ترجمہ نصیب یا قسمت میں کیا ہی اُس کے اصلی معنی ان چیزوں کے ہیں جو زندگی میں اتفاقیہ پیش آئیں زبان کے محاورہ کے موافق کہیں اُس کا ترجمہ بھاگ ۔بخت تقدیر ۔ دولت و اقبال بھی کیا ہی ۔ ہم ظاہر دیکھتے ہیں کہ بعض کو اوروں کی یاری و مددگاری سے ۔ بعض کو نوازش و سفارش سے ۔ بعض کو دوسروں کی موت سی بعض کو موقعوں کے ہاتھ لگنے سے ایسے اتفاقات پیش آتے ہیں کہ اُن میں مناسب حال خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس سے ہم کو قسمت کا قائل ہونا پڑتا ہی ۔ مگر ہر شخص اپنی قسمت کے قالب کو آپ ڈھالتا ہی ۔ کسی شاعر کا قول ہی کہ ہر شخص اپنی قسمت کا آپ کاریگر ہی ۔ ظاہر میں جو اسباب خارجی قسمت کے دیکھنے میں آتے ہیں ۔ اُن میں اکثر یہ ہیں کہ ایک آدمی کی حماقت دوسرے کی خوش نصیبی کا سبب ہوتی ہی (چو احمق در جہاں باقی است کس مفلس نمے ماند) جب کوئی آدمی دفعتہً آسودہ حال ہو جاتا ہی تو وہ اوروں کی غلطیوں و حماقتوں سی ہوتا ہی ۔ جیسا سانپ اور سانپوں کے کھانے سے اژدہا بنتا ہی ۔ آدمی میں جو اوصاف ظاہر معلوم ہوتے ہیں ان کے اعتبار سے تو اُس کی تعریف کی جاتی ہی ۔ مگر اُس کے اندر ایسے چھوٹے چھوٹے اوصاف مخفی ہوتے ہیں کہ جن کے نام بھی کچھ نہیں ہوتے ۔ وہی آدمی کی قسمت ڈھالنے کے سانچے ہوتے ہیں ۔ اچھی کاموں میں جو نیک صفات ظاہر ہوتی ہیں وہ ستائش آفرین ہوتی ہیں مگر جن اوصاف میں مخفی قابلیتیں ہوتی ہیں وہ قسمت آفرین ہوتی ہیں

یہ اوصاف ایسی قابلیتیں اور عادتیں ہوتی ہیں کہ جن میں تھوڑی حماقت ہوتی ہے اور دیانت
بہت نہیں ہوتی۔ آدمی کی طبیعت میں وہ رکاوٹیں نہیں ہوتیں جس کے سبب سے اس کے دل کا
پتہ قسمت کے پتہ کی برابر رستہ چلتا ہے۔ آدمی غور سے دیکھے تو قسمت کو دیکھ سکتا ہے کہ گو وہ
خود اندھی ہے مگر وہ اوروں کو دکھائی دیتی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہے کہ آدمی میں ایسی
جسمانی طاقت اور روحانی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ وہ جہاں چاہے اپنی قسمت آپ
آپ بنا سکتا ہے۔ وہ ہر فن مولی ہے۔ قسمت کا حال کہکشاں کا سا ہے کہ ایک بے شمار
ستاروں کا مجموعہ ہے جو چمکتا ہے مگر کوئی ستارہ ان میں سے جدا چمکتا نظر نہیں آتا۔ بس ایسے ہی
آدمی بے نام اور مخفی وصفوں کا مجموعہ ہے یعنے اس میں قابلیتیں و رعادتیں ایسی ہوتی ہیں وہ
نظر نہیں آتیں مگر وہ سب مل کر نصیبے کو چمکاتی ہیں۔ جب آدمی ایسے کام کرتا ہے کہ اس
میں کوئی نشانہ خالی نہیں جاتا تو اس کو یوں کہتے ہیں کہ وہ تھوڑا سا احمق ہے اور بہت سا
دیانت مند نہیں ہے۔ اسی واسطے جو لوگ اپنے ملک یا اپنے آقا کے سچے خیر خواہ ہوتے ہیں وہ خوش
نصیب نہیں ہوتے۔ وہ اپنے خیالات جو ظاہر کرتے ہیں وہ اوروں کی بھلائی کے لئے ہوتے
ہیں اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتے۔ جب ایک شخص کا اقبال دفعۃً چمک جاتا ہے تو وہ
دلیرانہ منصوبے کرنے لگتا ہے مگر قابل نہیں ہوتا۔ قابل جب ہی ہوتا ہے کہ اس کی خوش
اقبالی کا امتحان اور عمل بردباری اور تحمل کے ساتھ ہوتا ہے۔ قسمت کی دو بیٹیاں ہوتی
ہیں۔ ایک حکومت دوسری ناموری۔ اس سبب سے اس کی بڑی عزت اور آؤ بھگت
ہوتی ہے۔ ورنہ وہ خود قابل عزت نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے عالی منش اور بزرگ دانش
تقدیر کی ایسی خاطر داری کرتے ہیں کہ وہ اپنی تمام خوبیوں اور اوصاف کو مشیت ایزدی
اور قسمت کے حوالے کرتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کی حسد سے بچیں وہ یہ کیوں کریں؟ یہ کیا
آدمی کی تھوڑی بزرگی ہے کہ وہ اس کا قائل ہو کہ وہ قدرت اعظم اس کی خبرگیر اور دستگیر
ہے جو دانشمند اس کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ دنیا میں کامیاب نہیں ہوتے۔ قیصر روم جہاز میں

بیٹھا تھا۔ جب وہ طوفان میں آیا تو اُس نے ناخدا سے کہا کہ تیرے جہاز میں قیصر اور قیصر کی قسمت دونو سوار ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہی کہ جن بڑے فرماں رواؤں نے اپنے کارہائے بزرگ کو اپنی قابلیت اور لیاقت سے منسوب کیا وہ بدنصیب ہے۔ یونانیوں کا ایک فرماں روا تھا جب اُس نے اپنے گورنمنٹ کے حسن انتظام کا بیان کیا تو اُس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اس میں کچھ قسمت کو دخل نہ تھا۔ اس پر اہل ملک اُس سے خفا ہوئے کہ اُس کو جلاوطنی نصیب ہوئی +

(۲) سارے کاموں میں قسمت پر بھروسا احمق کیا کرتے ہیں اس لئے قسمت کی بھی مہربانی ہمیشہ احمقوں پر ہوتی ہی۔ جب کوئی احمق کسی آفت سے بچ جاتا ہے یا کسی کام میں کامیاب ہوتا ہے تو لوگ بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنے قسمت سے بچ گیا یا کامیاب ہوا۔ اور اگر کوئی عاقل بیدار مغز اپنے کام میں کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ اپنی ہوشیاری اور دانائی سے کامیاب ہوا۔ عاقل آدمی زیادہ تر تقدیر کے رستے پر چلتے ہیں اسلئے وہ زیادہ تر خوش نصیب ہوتے ہیں مثلاً ایک عاقل جہاز کو وہاں روانہ کریگا جہاں ہوا اور موسم کو موافق دیکھے گا۔ احمق جہاز کو آنکھ بچو یونہیں روانہ کر دیگا۔ اگر وہ سلامت پہنچ جائیگا تو کہیں گے کہ اُس کی قسمت سے پہنچا۔ اگر عاقل کا جہاز سلامت پہنچی تو کہیں گے کہ اُس نے تقدیر کے موافق تدبیر کی تھی۔ اس لئے پہنچا۔ غرض دونو کو کچھ نہ کچھ قسمت کا ممنون ہونا پڑتا ہی بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں عاقلوں کو خوف معلوم ہوتا ہی اس لئے اُن کے کرنے میں سوچ و پیش کرتے ہیں احمق جاہل کو ان میں کچھ خوف نہیں معلوم ہوتا اس لئے ان کو بیدھڑک کر بیٹھتے ہیں اور اُن میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور عاقل ناکام رہتے ہیں اس لئے یہ ضرب المثل ہی کہ بچوں کی مستوں کی دونوں کی خبرگیری پر بان کیا کرتی ہیں (بھولے بھالے کا خدا مالک ہی) +

(۳) بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی قسمت کو جھینکا کرتے ہیں کسی

حال میں خوش نہیں ہوتے ہیں وہ گزشتہ حالت اور آیندہ حالت کو اچھا جانتے ہیں اور بالفعل کی حالت کو برا سمجھتے ہیں ایک دفعہ مسافر صحرا میں جاتا تھا کہ اُس کو اپنے پیچھے اور آگے ایک تالاب پانی سے بھرا ہوا نظر پڑا۔ جب وہ وہاں کوشش کرکے پہنچا تو وہی تپتا ریگستان یعنے سراب تھا اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس آدمی کی خوشی بیش مانہ حال نہیں ہے ایسے لوگوں کو آگے اور پیچھے زمانہ ماضی اور استقبال سراب دکھاتا ہے اور حال اُن کو خوش حال نہیں رکھتا +

سود و بیاج

سود مراد اس روپیہ سے ہے جو ایک شخص دوسرے آدمی کے روپیہ کے استعمال کی عوض میں دیتا ہے) سود کے مذمت کرنے میں اور اُس پر لعنت ملامت بھیجنے میں بہت سے آدمیوں نے اپنی ذہانت و فصاحت خرچ کی ہے۔ اور بہت ایسا ایسات سے اُس کے روکنے کی تدابیر کی ہیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ کسی نے افسوس سے کہا کہ انسان سود کیا لیتا ہے خدا کا حصہ دہ یکی کا شیطان لیتا ہے۔ کسی نے کہا کہ سود خوار ایسا ہوتا ہے جیسا کہ شہد کی مکھیوں کے چھتے میں نروں کا جھتا۔ جو بیکار رہتا ہے اس لئے اُس کا نکالنا ہی بہتر ہوتا ہے کسی نے کہا کہ سود خوار خدا کا پہلا ہی یہ حکم توڑتا ہے کہ تو اپنی پیشانی کے پسینے سے روٹی کھائیگا۔ وہ دوسرے کی پیشانی کے پسینے سے روٹی کھاتا ہے + بعض نے کہا کہ سود کی اجازت جو ہے اُس کا ایسا حال ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ نے یہودیوں سے فرمایا تھا کہ تم بڑے سنگدل ہو۔ اس لئے جورو کے چھوڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ایسے ہی آدمی ایسا سخت دل ہے کہ وہ اپنا روپیہ بے سود کسی کو نہیں دیگا۔ اس لئے اُس کو سود کی اجازت دی گئی جب کسی طرح قرض کا لینا دینا بند نہیں ہوسکتا تو سود کا لین دین کیسے بند ہوسکتا ہے۔ اس کے فائدے اور نقصان ہم بیان کئے دیتے ہیں ان کو پڑھ کر چاہے لوگ سود لیں یا نہ لیں +

سود کے نقصان ۔ اوّل وہ سوداگروں کی تعداد کو کم کرتا ہے۔ اس لئے کہ اگر بہت کا ہی کا پیشہ سودخواری کا نہ ہوتا تو جس روپیہ پر سود لیا جاتا ہے وہ تجارت میں لگتا اور اس سے بڑی رونق تجارت کو ہوتی جو ملک کی ترقی کی جان ہے +

دوم۔ تاجروں کو سود مفلس بناتا ہے جیسے کہ کسان کو زمین زیادہ لگان پر ہاتھ لگے تو وہ کھیتی سے فائدہ زیادہ نہیں اٹھا سکتا۔ ایسے ہی تاجر کو روپیہ اگر سودی ہاتھ لگے تو وہ تجارت سے فائدہ کم اٹھا سکتا ہے اس لئے مفلس رہتا ہے +

سوم۔ بادشاہوں کے خراج کی آمدنی میں نقصان ہوتا ہے اس لئے ان کی آمدنی کی کمی بیشی تجارت کی کمی بیشی پر موقوف ہے۔ جب اوّل وجہوں سے تجارت کی کساد بازاری ہوئی تو اُن کی آمدنی کا کیسا بازار گرم ہو سکتا ہے +

چہارم۔ سلطنت کی دولت چند آدمیوں کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ سودخوار ونکو تو اپنے سود کا یقین ہوتا ہے اور اوروں کو اپنے کاموں میں تذبذب ہوتا ہے۔ اس لئے بہت سا روپیہ سودخواروں ہی کے صندوقوں میں بند رہتا ہے اور سلطنت کے خزانہ کی ترقی کا مدار اس پر ہے کہ لوگوں کا روپیہ باہر برابر پھیلا ہو +

پنجم۔ زمین کی قدر گھٹ جاتی ہے اس لئے کہ روپیہ کیا تجارت کے کام میں آتا ہے یا زراعت کے کام میں سودخوار دونوں سے روپیہ کو روک لیتا ہے۔ جب زراعت میں نقصان آیا تو زمین کی قدر خود کم ہو جائیگی +

ششم۔ صنعتوں اور ترقیوں اور ایجادوں کو سست و مردہ وہ کر دیتا ہے اس لئے کہ ان میں روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ ملتا نہیں +

ہفتم۔ بہت سے آدمیوں کی جائداد کو وہ برباد کر دیتا ہے جس سے ایک خاص مدت میں عام افلاس پھیل جاتا ہے +

اب سود کے فائدے یہ ہیں کہ اگرچہ سود تجارت کا سدِ راہ ہوتا ہے

مگر نوجوان تاجروں کا وہ مددگار ہوتا ہے۔ کیونکہ ان نوجوانوں کی سوداگری کا زیادہ مدار سودی روپئے پر ہوتا ہے۔ اگر یہ بیاج کے کھانے والے اپنے روپئے کو تجارت سے نکال لیں تو پھر تجارت ٹھہر جاوے +

دوم۔ اگر روپیہ سودی آسانی سے نہ ملا کرے تو آدمیوں کو ایسی شدید ضرورتیں پیش آتی ہیں کہ وہ اپنی جائداد کو خواہ زرعی ہو یا اور اسباب ہو اوزار بیچ ڈالتے ہیں۔ اس سبب سے برباد ہو جاتے ہیں۔ سود تو ان کو کترتا ہے۔ مگر یہ بازار ان کو نگل جائیگا +

سوم۔ سودی روپئے سے صدہا طرح کی تکلیفیں رفع ہو جاتی ہیں مگر گورنمنٹ کی طرف سے اس کا انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ سود کے دانت ایسے تیز نہ رہیں کہ وہ آدمیوں کو بھنبھوڑ کر کھا ہی جائیں سود کی دو شرحیں ہونی چاہئے ایک کم ہو جس سے قرض لینے والوں کو آسانی ہو اور اس سے زمین کی قدر بڑھے صنعت و محنت کو ترقی ہو دوم زیادہ ہو جو خاص شخصوں اور خاص تجارتوں کی صورت میں ہو +

جوانی اور پیری

برسوں میں آدمی جوان ہوتا ہے لیکن اگر وہ وقت اپنا ضائع نہ کرے تو گھنٹوں میں بوڑھا ہو جاتا ہے (یعنی بوڑھوں کا سا تجربہ کار) مگر ایسا شاذ ہوتا ہے۔ گو نوجوانی میں پیری کی بہ نسبت دانائی کم ہوتی ہے۔ مگر قوت متخیلہ اور قدرت ایجاد بڑی زبردست ہوتی ہیں۔ جن جوان طبیعتوں میں حرارت زیادہ اور بڑی سخت آرزوئیں اور تشویشیں ہوتی ہیں وہ کار کنی کے واسطے جب تک پختہ نہیں ہوتیں کہ ان کی عمر اپنے نصف النہار سے ڈھل نہیں جاتی وہ بوڑھی طبیعتیں بھی خام کار ہوتی ہیں جن میں تندی ہوتی ہے۔ دنیا میں نوجوانوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے ہیں اگر تاریخ میں سے واقعات عظیم خواہ جنگ و پیکار میں یا ملکی معاملات اور علمی اختراعات ایجادیں

انتخاب کئے جائیں تو اُن کے کرنے والے اکثر نوجوان ہی نکلینگے جن کاموں کی
صورتیں نئی ہوتی ہیں اُن کو نوجوان ہی خوب سرانجام دیتے ہیں مگر وہ غلطیاں
بھی ایسی سخت نابکار کرتے ہیں کہ جیسے سارا کام تباہ ہو جاتا ہی۔ بوڑھوں کی
فقط اتنی غلطی ہوتی ہی کہ وہ کام کو دیر میں کرتے ہیں اور ناتمام رکھتے ہیں نوجوان
کی بڑی غلطیوں کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت سا کام جلدی کرنا چاہتے ہیں اس لئے
مناسب ہے کہ کاموں کی تکمیل کے لئے کہ جن سے اُن کے ثمرے حاصل ہوں دونوں نوجوان
اور بوڑھوں کو کام میں لگائیں تاکہ دونوں کے نقصوں اور عیبوں کی اصلاح ہو جائے
نوجوان کام سیکھ لیں اور بوڑھے کر دیں۔ دیرینہ سال معاملات ملکی میں زیادہ
ماہر ہوتے ہیں مگر اخلاق اُن کے نوجوانوں سے اچھے نہیں ہوتے۔ یہ ایک آیت ہے کہ
تمھارے نوجوان رویاء صادق دیکھینگے اور تمھارے بوڑھے سونے میں سپنے۔
اس کی تفسیر میں ایک یہودی عالم نے یہ لکھا ہے کہ نوجوان بہ نسبت بوڑھوں کے
خدا کے نزدیک زیادہ جائینگے۔ اس لئے کہ رویاء صادق میں الہام کا زیادہ تر
حصہ بہ نسبت خواب کے ہوتا ہے۔ جو شخص دُنیا کی شراب زیادہ پیتا ہے وہ
زیادہ بدمست ہوتا ہے۔ آدمی کی عمر اس کی فہم و فراست میں پختگی کرتی ہی
مگر اس کی محبت و نیت میں خامی لاتی ہی۔ بعض دفعہ نوجوان سے بڑی بڑی کاموں
کی توقعیں و امیدیں ہوتی ہیں۔ مگر انہیں مایوسی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بعض
آدمیوں کی سمجھ جیسی قبل از وقت جلد پختہ ہو جاتی ہے۔ ایسی وقت سے پہلے پژمردہ
ہو جاتی ہے۔ ان کی ذکاوت کی دھار تیز ہوتی ہے مگر جلد کر جاتی ہی۔ ان کی طبیعتیں
نازک ہوتی ہیں دیرپا نہیں ہوتیں جیسے تم بعض مصنفوں کی ابتدا کی تصنیفات کو
دیکھتے ہو کہ اُن میں بلا کی فصاحت و بلاغت ہوتی ہی مگر انتہا کی تصنیفات ان کی
بے لطف اور پھیکی + بعض آدمیوں کی طبیعتیں فطرتی ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بچپن میں ہی

ذہانت دکھاتی ہیں اور پھر ٹھہر جاتی ہیں ایسے لوگ بڑھاپے تک گو یا لڑکے ہی معلوم ہوتے ہیں جن کاموں کی اُن سے توقع کی جاتی ہے وہ اُن کی نوجوانی کے مناسب ہوتی ہے مگر بڑی عمر کے نہیں + سوم بعض آدمیوں کو نوجوانی میں کام ایسے پیش آتے ہیں جن کے سرانجام دینے سے اُن کی بڑی شہرت اور ناموری ہوتی ہے مگر بڑھاپے میں اُن کے سامنے کام ہی ایسے نہیں آتے کہ اُن کی طبیعت کے جوہر کھلیں +

(۲) ارسطو نے جوانی اور پیری کے باب میں جو مضمون لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھا پھر بالک ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی ضرب المثل مشہور ہے کہ بوڑھا بالک برابر ہے۔ کوئی شخص اپنی فطرتی حالت میں رہے اور کوئی اصول مقدس پاک کرنے والا اُس کے دل میں نہ بٹھایا جائے تو وہ روز بروز بدتر ہوتا جائیگا بعض حکیم اس کے برخلاف لکھتے ہیں کہ آدمی کی جتنی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اُس کی اصلاح خود بخود بغیر کسی کوشش کے ہوتی جاتی ہے جیسے جنگلی سیب کا درخت جتنا پرانا ہوتا جاتا ہے اُتنے ہی اُس میں پھل زیادہ آتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ جبتک آدمی کے دل میں کوئی اصول اصلاح کرنے والا نہیں قائم ہوگا۔ اُس کی نوعمری کی بیوقوفیاں اور بُرائیاں اُترتی جائیں گی اور اُن کی جگہ زیادہ بدتر بُرائیاں اور بیوقوفیاں جڑ پکڑتی جائینگی۔ ایک جنگلی پودے میں اگر کسی اچھے پھلدار درخت کا پیوند لگا دو تو وہ جتنا عمر میں بڑھتا جائیگا اُتنے اچھے پھل لاتا جائیگا۔ اسی طرح دل میں کوئی اصول اصلاح کرنے والا جما دو تو جتنی عمر بڑھتی جائیگی اُس کے پھل اچھے آتے جائینگے +

(۳) جوانی کی تدابیر میں اور ابتدائی خیالات میں زیادہ تر حصہ الہامی ہوتا ہے۔ کہن سال اپنی تئی عقلمند ہوتے ہیں وہ اپنے ملک اور ہمسایہ کے واسطے کافی دانشمند نہیں ہوتے۔ عمر جیسی آدمی کی صورت بگاڑتی ہے اُس سے زیادہ آدمی کے دل کو بگاڑتی ہے (اگر آدمی دل کو دیکھ سکتا تو اُس کا مشاہدہ ہو جاتا)۔ بوڑھے آدمی سوا، خدا کے سب سے

دیتے ہیں - نوجوانی توبہ کے بیج بونے کے واسطے اچھی کھیتی ہے نوجوانی کی جبلت میں بوڑھوں کی حکومت و استناد کی حقارت داخل ہے - وہ چاہتے ہیں کہ خود تکلیف و محنت کر کے دانائی حاصل کریں - جیسے کہ نوجوانی پیرانہ سالی سے بدل جاتی ہے - ایسے ہی محبت صرف خالی عنایت سے بدل جاتی ہی +

(۴) نوجوان میں حیا و شرم و نرمی ہوتی ہے کہن سال میں سختی - سنگدلی نوجوان میں رحم و شفقت - بوڑھے میں بے رحمی اور کٹھور پن - نوجوان میں ستایش کے قابل رشک ہوتا ہے - بوڑھے میں بدبختی سے حسد - نوجوان مذہب کی طرف تھوڑا راغب اور اپنی عبادت میں کم شاغل ہوتا ہی اس لئے کہ اُس کو بُرائی کی ہوا ابتک نہیں لگی ہوتی اور کوئی تجربہ اُس کا نہیں ہوتا - بڑھاپے میں فیاضی میں اُن کے کسر و مہر آجاتی ہی اور بُرائی کے ساتھ مدت تک تعلق رکھنے سے اور یقین کرنے کی قابلیت جاتی رہتی ہی خداپرستی کی گرمجوشی سرد ہوجاتی ہی - نوجوان کی آرزوئیں پُرجوش پُرشوق ہوتی ہیں بوڑھے کی آرزوئیں اعتدال کے ساتھ - نوجوان غیر مستقل اور متلون ہوتا ہے - بوڑھا بہت سنجیدہ متین و مستقل - نوجوان فیاض سخی خیرخواہ خلائق ہوتا ہے - بوڑھا طامع - دانائی واسطے جویا ہوتا ہے - نوجوان اپنے اوپر اعتبار کرنے والا اور ہوشیار ہوتا ہے بوڑھا بے اعتبار اور وسواسی نوجوان آرام دینے والا اور بے ریا ہوتا ہے - بوڑھا خرانٹ گھنا بدظن - نوجوان بڑی بڑی آرزوئیں کرتا ہے - بوڑھا حسب ضرورت - نوجوان حال کے زمانہ کو خوب غور سے دیکھتا بھالتا ہے - بوڑھا ماضی کے زمانہ کو - نوجوان اپنے بزرگوں کا ادب کرتا ہی - بزرگ اس کی خطائیں پکڑتے ہیں

(۵) تو اپنی نوعمری کو اس طرح نہ گنوا کہ وہ جب تجھ کو یاد آئے تو دل سے سرد آہیں نکلیں اور تجھی غمزدہ اور افسردہ کریں کیا تم اپنے بچپنے میں یہ خیال کرتے ہو کہ ہمارا بچپن ختم نہ ہوگا ؟ ضرور ختم ہوگا - دن خواہ کتنا ہی بڑا ہو کیا اُس کی شام نہ آئیگی ؟

ضرور آئیگی۔ یہ نوعمری تمھاری کھیتی کا وقت ہے جو بوؤگے وہ کاٹوگے۔ ابھی سے ذرا اعتنا
کرو کہ جس سے اتنا ذخیرہ جمع ہو جائے کہ آخر عمر تک زندگی بخوشی بسر ہو۔ اگر تم بڑا انعام
حاصل کرنا چاہتے ہو تو تم کو محنت و مشقت کی برداشت اور سب طرح کی تدابیر کرنی چاہئیں
ہر عمر کا ایک موسم ہوتا ہے اُسکے موافق بیج بوؤگے تو پھل پاؤگے بڑھاپے کے
خوشیاں یہ ہیں کہ پہلی عمر میں پاپ کئے ہوں جن کی یاد افسوس دلائے۔ اور بال بچے نیک گرد
ہوں بڑھاپے میں جلسوں اور صحبتوں میں آدمی نہیں جا سکتا تو گھر میں اپنے بال بچوں کے پاس بیٹھنے سے اُس کا دل خوش ہوتا ہے
(۶) تم اپنی نوجوانی کو اپنے عیش و طرب کا زمانہ نہ جانو۔ اس میں تم بڑی بڑی آرزوئیں
کرتے ہو اور ان میں مایوس ہو کر روز رنج و غم اُٹھاتے ہو۔ مگر جب تمھاری عمر بڑھی
ہوتی ہے تو تم کو اپنی امیدوں کا پورا تجربہ حاصل ہوتا ہے اُن کے لئے اضطراب و اضطرار
نہیں ہوتا اور اپنی حالت میں خوش رہتے ہو ٭
(۷) نوجوانی بڑے بڑے دلیرانہ منصوبوں اور امیدوں کا وقت ہوتا ہے تم کو
ابھی ایسا موقع پیش نہیں آیا کہ تمھاری طاقت کا مقابلہ کسی مخالف سے ہوتا جس سے اُس
کی کیفیت معلوم ہوتی۔ تم اپنے اسی گھمنڈ میں بیٹھے ہو کہ کیسا ہی پہاڑ ہمارے آگے روکنے
کے واسطے آئے تو ہم اپنی کوشش سے اُسے ہٹا دینگے لیکن جب پہلی دفعہ اپنی جگہ سے
سرکائے جاتے ہو تو اُس سے کچھ ہوشیاری نہیں سیکھتے بلکہ اور زیادہ طیش کی آتش
تمھاری بھڑکتی ہے۔ جس کا دل فیاض اور جری ہوتا ہے اُس کو مدتوں کے بعد اپنے ضعف کا
شبہ ہوتا ہے۔ جن مشکلات کو وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے حملہ سے ہٹا دونگا اُن کو صبر کے
ساتھ اُٹھاتا ہے پہلے اس سے کہ احکام فلسفہ کا زور تم کو مایوس کرے تم یہ سمجھتے ہو کہ
اول سبب اور آخر مسبب کا روک دینا ہمارے اختیار میں ہے۔ تم اس بزدلانہ تاخیر سے
جو اندیشے سینے والی محنت میں ہوتی ہے ہنستے ہو اور سمجھتے ہو کہ زیادہ آگے کوشش
کرکے ہم اپنے منصوبوں کو سریع بنا لینگے۔ تم اعتبار اوروں پہ بہت کرتے ہو۔

بوڑھوں کی صلاح مشورہ نہ ماننے کا میلان جو تم میں ہے وہ معقول ہی اس لئے کہ تم
فیاضی سے حقارت کے ساتھ شبہات کو رد کرتے ہو +

(۸) سچ پوچھو تو دنیا کے باغ میں کوئی گل رعنا اُس نوجوان کی برابر نہیں ہے جو اپنی
شگفتگی سے خدا کی قدرت کاملہ دکھاتا ہی اور اپنا رُخ خدا ہی کی طرف اسی طرح رکھتا
ہے جیسے سورج مکھی کی کلیاں آفتاب کی طرف +

(۹) جوانی کی مستی پر شراب کی مستی جان کے لئے آتش پہ آتش ہے۔ جو نوجوان شراب
سے پرہیز نہیں کرتا نہ وہ اپنی عمر طبعی پہ پہنچتا ہے نہ تندرست رہتا ہی۔ نوجوانی
کے خیالات رنگین کو قوت متخیلہ ان چیزوں پر کہ معلوم نہیں ہوتیں یا نئی ہوتی ہیں
بہت شوخ چمکتے ہوئے رنگوں میں چمکاتی ہے +

(۱۰) وہ موسم نوجوانی بڑا خوش و خرم ہے کہ جس میں حیا اور شرم ایستادہ رہ ہوں کہ کوئی
بے حیائی اسکے اندر نہ جا سکے اور امید کے مقدس ہوائی شہر برباد ہو کر اصل
حقیقت کے مٹی کے جھوپڑے نہ بن گئے ہوں اپنی فطرت کے موافق آزادی ہو اور بے اعتنائی

(۱۱) جو نوجوان ورزش جسمانی نہیں کرتا اور دل کو خوش نہیں رکھتا وہ دراز عمر نہیں ہوتا
بہت سوچ بچار کرنا روح کو تحلیل کرتا ہے۔ اکثر کام سوچ بچار ہی میں رہ جاتا ہے

(۱۲) وہ نوجوان پسند کے قابل ہی کہ جسمیں بوڑھوں کی بعض باتیں ہوں اور
وہ بوڑھا نفرت کے قابل ہی جس میں بچوں کی باتیں ہوں۔

(۱۳) شباب و جوانی کو خدمات ملکی کی نذر کرو۔ اور بڑھاپے کو اپنی خدمت میں بسر کرو

(۱۴) اگر دنیا میں بوڑھے نہ ہوں تو وہ انسانیت سے خارج معلوم ہو اور اگر بچے نہ
ہوں تو وہ دیوانی باولی معلوم ہو۔ +

(۱۵) نوجوانی میں جبتک اُسپر چڑھتے چلے جاؤ کہ شان و شکوہ کے کوہ کی چوٹی پر پہنچو
جس کے سبب سے تمہارا نام ملک کے افسانوں میں مدت تک یادگار رہے۔

محنت کر کے علم کی کانیں گہری کھودتے چلے جاؤ۔ اور پھاوڑے مار مار کر وہ جواہر نکالو جو تاجوں کے ستاروں سے بھی زیادہ چمکدار ہوں مکتبوں اور مدرسوں سے نیچر (فطرت) کی دولتیں ور علموں کی نعمتیں لوٹو۔ اپنے ادای فرائض کی راہ میں قدم بڑھاتے چلے جاؤ۔ نیکی ہی اصل خوشی ہے۔ خوبی ہی سچی خوبصورتی ہے۔ دل آسمانی پیدائش ہی زمین کو اس سے آسمان بنا دو۔ نوجوانی صبح زندگانی ہی اگر آفتاب صداقت نے اخلاق کے کہر کو دوپہر سے پہلے نہ ہٹادیا تو سارا دن تنگ تاریک ہی گا۔ مذہب کی بزرگی کے بیج جمانے کا وقت یہی وقت ہوتا ہے +

(۱۶) بوڑھے آدمی ایسے مرتے ہیں جیسے کہ آگ خوب جل کر خود بجھ جاتی ہے۔ اور جوان آدمی ایسے مرتے ہیں جیسی کہ آگ پانی سی بجھائی جاتی ہے کہ دیر تک اس میں دھواں اٹھتا رہتا ہے اور مشکل سے دیر میں بجھتی ہے +

(۱۷) عمر کا حال شراب کا سا ہی کہ جو اس کو صاف پینا چاہے وہ تلچھٹ چھوڑ دے مگر بڑی عمر دنیا کی نعمت عظمی سمجھی جاتی ہے۔ بڑی عمر میں گو ہوش حواس اعضا قائم رہیں لیکن عزیز اقربا دوستوں کا مرنا اس کو ایسا بنا دیتا ہے جیسے کوئی درخت کہ جس کے سب پتے جھڑ جائیں اور شاخیں گر جائیں اور ٹھنڈ رہ جائے جو ہوا کے جھونکوں سے ہلا کری

خوبصورتی و بدصورتی

اگر حسن صورت کے خانہ میں حسن سیرت کا نگینہ جڑا جای تو وہ بہت ہی بیش بہا ہو جاے۔ اس نگینہ کے واسطے کوئی بہتر خانہ اس سے زیادہ نہیں ہی۔ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کا کمال کمتر دیکھنے میں آتا ہی۔ حسن صورت میں جو کامل ہوتے ہیں وہ اکثر بڑے اولوالعزم نہیں ہوتے (گو بعض اس کی مستثنی صورتیں ہیں) اور وہ اپنی خوش وضعی کی بہ نسبت نیک کرداری کے زیادہ نظر رکھتی ہیں ادا و انداز۔ آن تان میں جو حسن ہوتا ہی وہ چہرے کے رنگ میں نہیں گو وہ گل و لالہ کا سا ہی کیوں نہ ہو۔ حسانت وہی ہی نہ جسکی

نہ تصویر بن سکے۔ نہ اُس کا بیان الفاظ میں ہو سکے۔ نہ اُس کے لئے قواعد مقرر ہو سکیں
ہر خوبصورتی میں ایک عجیب تناسب ہوتا ہے۔ بہت سے چہرے ایسے ہوتے ہیں
کہ اگر الگ الگ اُن کی ایک ایک چیز کو دیکھو تو وہ خوبصورت نہیں نظر آتے مگر
بحیثیت مجموعی وہ سب مل کر مناسبت کے سبب سے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں مخلوقات
میں ہر چیز بحیثیت مجموعی ہمارے دل پر اثر کرتی ہے۔ اگر ایک عالیشان برج کو دیکھیں تو
اُس کا طول عرض ارتفاع الگ الگ دل پر کچھ اثر نہیں کریگا۔ بلکہ اُس کی کل صورت
آنکھوں میں سماکر دل پر اثر کریگی۔ کوئی چیز دُنیا میں بے عیب نہیں ہوتی ضرور اُس کے
اجزا میں عیب ہونگے۔ اگر یہ سچ ہو کہ خوبصورتی کا بڑا حصّہ ادا و انداز و حرکات
و سکنات کے ہاتھ میں ہی تو بڑی عمر کے آدمی بھی حسین ہو سکتے ہیں مشہور ہے کہ خوبصورتی
کی خزاں بھی خوبصورت ہوتی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ سال کی تمام اچھی فصلوں
میں خزاں کی فصل جو سب سے آخر ہوتی ہے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ بچہ حقیقت میں
خوبصورت نہیں ہوتا۔ مگر پیار کے سبب سے وہ خوبصورت معلوم ہوتا ہی۔ خوبصورتی
کا حال بہار کے پھولوں و بیلوں کا سا ہوتا ہی کہ وہ جلدی سے سڑ مُرجھا جاتے ہیں۔ خوبصورتی زیادہ تر تو نوجوانوں کو آوارہ کرتی ہی۔ مگر کبھی وہ لائق آدمیوں میں
ہوتی ہی تو اُس سے ان کی نیکی بڑی چمک جاتی ہی اور وہ اپنی بُرائیوں سے ایسے
شرمندہ ہوتے ہیں کہ اُن کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یا ان کی خوبصورتی نیکی کے ساتھ ہاتھ
میں ہاتھ دئے چلتی ہی۔ جس سے بُرائی نہایت بدشکل معلوم ہوتی ہی اور اوروں کے آگے شرمندہ ہوجاتی
(۲) بدصورت آدمی اکثر نیچر کے مقابلہ میں برابری کرتے ہیں۔ جیسا کہ نیچر نے ان کے ساتھ
بُرائی کی ہے ایسی ہی وہ نیچر کے ساتھ بُرائی کرتے ہیں اور اُس سے اپنا انتقام لیتی ہیں
یعنی جیسے نیچر نے اُن میں بدصورتی کا عیب بنایا ہے وہ اس کے مقابل میں ایسی خوبی
پیدا کرلیتے ہیں کہ اُس کو ہرا دیتے ہیں جسم اور روح میں موافقت و مطابقت ہوتی ہی

یہ پھر جیسا ایک کو بُرا بناتا ہے ویسا دوسرے کو اس لئے بدصورتی کے ساتھ بدسیرتی ہوتی ہی۔ مگر انسان میں ایک انتخاب کی قوت ہے جس سے وہ اپنے قلب کے قالب کو ڈھال سکتا ہی۔ اور تربیت و تعلیم و نیکی کے آفتاب سے اپنی تمام میلان طبعی کے اختروں کو تاریک کر سکتا ہی۔ جس شخص کے جسم میں کوئی بدصورتی کا ایسا عیب ہوتا ہی جس کے سبب سے لوگ اُس سے متنفر ہوتے ہیں اور اُس کو حقیر جانتے ہیں تو یہ نفرت اُس کے دل کو ہمیشہ آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے تئیں کسی نہ کسی طرح اس حقارت سے نجات دے اس لئے وہ اپنے میں ایک ایسی خوبی پیدا کرتا ہے جو اُس عیب کو چھپا دیتی ہے۔ اسی لئے بعض بدصورت بڑے بہادر ہوتے ہیں اوّل اُن کو اپنی حفاظت میں بہادری کرنی پڑتی ہی جس سے کوئی اُن کی حقارت نہ کرے اور پھر ایک مدت میں اُن کی عادت میں وہ داخل ہو جاتی ہے۔ وہ اوروں کے ضعف اور عیوب کے دیکھنے میں بھی کوشش کرتے ہیں جس سے اُن کے عیب کا معاوضہ ہو۔ اس لئے بعض اوقات بدصورت آدمیوں کا نہایت قابل و لائق ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں +

(۳) نیکی حُسن باطنی ہی کا نام ہی اور حسن ظاہری اظہار نیکی کا۔ کمینہ آدمی کا خوش رو ہوتا ایسا ہی ہے جیسے کوڑھی کا پاکیزہ لباس پہننا۔ خوبصورتی نیکی کو روشن کرتی ہے اور بُرائی کو تاریک۔ حُسن وَ نور رکھنے والے اور دیکھنے والے کو مست کرتا ہے۔ اس لئے اُس کی مستی شراب کی مستی سے زیادہ ہے۔ یہ ایک قانون دائمی ہے کہ جو حُسن میں اوّل ہے وہ طاقت میں اوّل ہے۔ جہاں حُسن وکالت کر رہا ہو۔ وہاں اُس کے سامنے بڑے بڑے مقرر گونگے ہیں حُسن جس کو سیر کرتا ہے اُس کو زیادہ بھوکا کرتا ہی +

(۴) حُسن کی برابر کوئی چیز دُنیا میں نہیں ہی جو انسان کے دل و جان کو اپنے اوپر فریفتہ کرتا ہے۔ بڑے بڑے زبردست اُس کے دل چرانے والے آنکھوں کے سامنے اپنی قوت کو بھول جاتے ہیں اور سر جھکا دیتے ہیں سنگدل اور آہنی تن اُس کی زلف کی زنجیر دیتے ہیں

پہنتے ہیں اور اپنی تاب و تواں کھوتے ہیں خدا تعالی نے خوبصورت چیزیں انسانوں کے واسطے کیاں بنائی ہیں اس لیئے اونکے اعلے سب حسن کے شائق ہیں؛

(۵) دور کی چیزیں زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہیں بادلوں کو دور سے دیکھو تو وہ اپنے رنگ و روپ کیسے خوشنما دکھاتے ہیں۔ پاس جاکر دیکھو تو ایک بدمنظر کہر نظر آئیگی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں بڑی پُربہار معلوم ہوتی ہیں مگر اُن پر چڑھ کر دیکھیں تو کچھ نہیں؛

(۶) حسن کی سب جگہ فرمانروائی ہی موسم بہار کے بیشمار درختوں میں وہ جلوہ گر ہے۔ سبزہ کی پتیوں میں وہ لہریں مارتا ہے درختوں کے پتوں میں وہ شوخیاں کرتا ہی اور سمندر زمین کی تہوں کے اندر آمد و رفت رکھتا ہے گھونگلوں اور جواہر میں اپنی چمک دکھاتا ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں کیا بلکہ بڑی بڑی چیزوں میں جیسے سمندر۔ پہاڑ۔ آسمان۔ ستارے۔ آفتاب کے طلوع و غروب میں جلوہ افروز ہوتا ہے سارا عالم حسن کی عبادت گاہ ہی ستارے۔ پھول۔ پہاڑ۔ درختوں کے جنگل۔ دریا یہ سب حروف۔ الفاظ۔ آوازیں۔ رسل و رسائل۔ وعظ حسن ہیں جن کے لکھے سننے پڑھنے سمجھنے سے خدا تعالی نظر آتا ہے حسن خداداد کا دیکھنا ہی عبادت الہی ہے وہی گناہ کے غم کے اندھے کرنے والے اور باطنی خیالات کے دھندلا کرنے والے آنسوؤں کو پوچھتا ہے۔ مردان خدا ان تمام خارجی حسین چیزوں کو ایک سنہری گلاس میں رکھکر شان کبریائی دیکھتے ہیں جو اُس حسن کو نہیں دیکھتا وہ اندھا ہے اور زمین آسمان اس کے واسطے بندی خانہ ہے۔ اس کے دیکھنے سے انسان کی بے انتہا خوشی کا حصہ دنیا میں سے جاتا رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ انسان اسی روحانی خوشی کو چھوڑ دے۔ حسن سب جگہ موجود ہی مگر وہ ڈھونڈنے سے ملتا ہی۔ جوئندہ یابندہ۔ بعض جگہ حسن ایسا کونے میں جا پڑتا ہی جہاں کسی کو اس کی توقع نہیں ہوتی۔ حسن کا حال پری کا سا ہی کبھی بھٹوں اور پتوں میں چھپ بیٹھی۔ کبھی پُرانے عشق پیچاں کے بیچوں میں چلی گئی۔ کہیں

آفتاب کی شعاعوں میں آنکھ مچولی کھیلنے لگی کہیں عمارات شکستہ میں بسیرا لینے لگی۔ کہیں جوان چہروں میں بس گئی۔ کہیں سفید بادلوں کا روپ بھر کے ناچتی ہوئی سبز کھیتوں میں گشتیں بھرنے لگی۔ کہیں نیلے سمندر پر لہروں کے اندر تاریک صورت بنا کے فرشتوں کے پروں کے سایہ کی طرح گذر گئی۔ غرض یہ ناز پرواز و کرشمہ ساز ہر موسم و فصل میں نگار رنگ لباس پہنتی ہی۔ اب یہ بتلانا تو بہت مشکل ہے کہ اس کے کون سے ادا و انداز سب سے بہتر ہیں جن پر انسان کو فریفتہ ہونا چاہئیے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ حسن دراپرچا ہوا کی مرو لیکن اس میں شان جمال آلہی دیکھو جس سے تم کو روحانی مسرت حاصل ہو +

(۷) سقراط نے فرمایا کہ حسن ایک کم عمر عطیۂ آلہی ہے۔ افلاطون نے کہا کہ حسن ایک قدرتی قانون مخصوص انسان کے فائدہ کے لئے ہے۔ ارسطو نے کہا کہ کوئی سفارش نامہ حسن سے زیادہ انسان کے واسطے نہیں ہو سکتا (الصورت لضف الرزق) ہومر نے لکھا ہی کہ دیوتاؤں کا عطیہ کوئی حسن سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور حکیموں کے مقولے یہ ہیں کہ حسن ایک خاموش عیار ہے۔ حسن ایک تنہائی کی سلطنت ہی یعنی ایسی سلطنت جس میں خدم و حشم کی ضرورت نہیں۔ حسن سے زیادہ کوئی محسن نہیں۔ حسن ایک نقصان خوش کرنے والا ہی +

(۸) اگر تو کسی عورت کو فقط حسین دیکھ کر نکاح کر کے عمر بھر اپنے تئیں وابستہ کریگا تو شائد ایک سال بھی خوش نہیں رہیگا۔ جب وہ تیرے پاس آ جائیگی تو کوڑی کی برابر بھی نہیں معلوم ہوگی۔ حسن قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ اُس کا رنگ چمکتا ہوا دفعتہً اُتر جاتا ہی کلی کی طرح کھل کر پژمردہ ہو جاتا ہی۔ نازک شیشہ کی طرح ٹوٹ جاتا ہے +

(۹) جو شخص اپنے خدا داد حسن صورت کو حسن سیرت سے رونق نہیں دیتا تو وہ تصویر اور رنگین کپڑوں کی طرح آنکھوں کی تفریح کا سبب ہوتا ہے مگر دل کی مسرت و انبساط کا سبب نہیں۔

(۱۰) حسن میں یہ جادو ہی کہ سنگدل سی سنگدل بھی اُس کے ساتھ نرم دلی برتتے ہیں یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ خوبصورت کا یہ حق ہے کہ سب سے پہلے اسکی بات سُنی جاوے اور اُسپر خیال کیا جاوے

(۱۱) حسن بھی کیا عجب چیز ہے۔ اُس کو نزلہ ہوتا ہی۔ بخار چڑھتا ہی۔ اُس کے دانت سردی سے کڑکڑاتے ہیں۔ رُخساروں کے پھول گرمی سے کُملاتے ہیں۔ اُس کی قیمت جلدی سے چڑھاؤ سے گھٹاؤ پر آتی ہی۔ آج ہزار روپیوں کو وہ بکتا تھا۔ کل کوڑیوں کے مول بکنے لگا۔ اُس کے خریدنے کا چاؤ بہت ہوتا ہے قیمت اس کی بے اندازہ دی جاتی ہی مگر جب خرید لیں تو کچھ نہیں نہ قیمت رہتی ہے نہ قدر +

(۱۲) حسن کا مدار شکل و بناوٹ پر موقوف ہی کسی خاصیت پر نہیں دائرہ کا حسن اُسکی اِس خاصیت پر موقوف نہیں ہی کہ اُس کے محیط کے ہر ایک حصہ کا فاصلہ خاص نقطۂ مرکز سی برابر فاصلہ پر ہے یا کسی اور خاصیت پر جو علم ہندسہ میں ثابت ہو۔ بلکہ اُس کا حسن اُس کی شکل کی بناوٹ میں ہی +

(۱۳) خوبصورتی کے مختلف خیال دُنیا میں خوبصورتی کا خیال ہر قوم جدا جدا رکھتی ہے جس چیز کو ایک قوم نہایت بدصورتی سمجھتی ہے اُس کو دوسری قوم نہایت خوبصورتی گنی کے ساحل کے رہنے والے سفید چہرہ کو حد سے زیادہ بدشکل جانتے ہیں موٹے موٹے ہونٹوں اور چپٹی ناک کو بڑی حسانت سمجھتے ہیں۔ بعض قوموں میں لمبے کان جو کندھے تک لٹکتے ہوں اُن کی نزدیک تحسین کے قابل ہوتے ہیں چین میں اگر عورت کے پاؤں ایسے ہوں کہ جن سے وہ چل سکے تو اُسے چڑیل سمجھتے ہیں۔ شمال امریکہ میں بعض وحشی قومیں اپنے بچوں کے نرم سروں کو تختوں میں چاروں طرف سے اس طرح کس دیتے ہیں کہ وہ مربعی بن جاتے ہیں اہل یورپ اُن کی اس حماقت پر ہنستے ہیں اور مشنری ان وحشیوں کی عقل کی بڑی خاک اُڑاتے ہیں مگر اپنی خبر نہیں رکھتی کہ ایسے کام اپنے بناؤ سنگار کے لئے کتنے کرتے ہیں +

(۱۴) ارسطو کا قول ہی کہ چھوٹے قد کے آدمی خوبصورت نہیں ہوتے۔ گو وجیہ و فہیم ہوں مگر جو آدمی بھاری بھرکم جسم کے ہوتے ہیں اُن کے دماغ میں ایک حسن ہوتا ہی جو اُن کی روح کو بزرگ اور مقدس بناتا ہے +

(۱۵) جو لوگ صورت و سیرت کو جدا کرتے ہیں وہ الزام کے قابل ہیں ان کو چاہئے کہ وہ ان میں ہمیشہ وصل و پیوند رکھیں عقل کی طرح میں ایسے محو نہ ہو جائیں کہ جسم کی خوبصورتی کو بھول جائیں +

(۱۶) بعض ملکوں میں حسن صورت اور قوت کے اعتبار سے زمین کی تقسیم کرتے ہیں کیونکہ خوبصورتی اور قوت انسان کے دل پر اوّل اثر کرتی ہے۔ بادشاہ اسی کو بناتے تھے جو حسین اور قوی ہوتا تھا۔ حسن انسان کی ایسی صفت ہے کہ وہ سب سے اوّل اوروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ یہاں تک وحشی جنگلی آدمیوں کو بھی اُس کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ جسم کو انسان کے قدر و منزلت کرانے میں بڑا دخل ہے حسن صورت کی ایک سفارش ہزار سفارشوں کی برابر ہے +

(۱۷) جب سے حُسن پیدا ہوا ہے وہ دُنیا کو راحت اور رنج دیتا آتا ہے۔ حکماء میں سے ہر ایک نے ایک نہ ایک مقولہ اس کے باب میں کہا ہے بعض ہم نے پہلے نقل کئے ہیں کچھ اور نیچے لکھتے ہیں۔ ایک حکیم نے کہا کہ حُسن ایک خداداد چیز ہے اُس میں خود آدمی کی کوئی خوبی نہیں دوسرے نے کہا کہ وہ ایک تھوڑی دیر کا جور و ظلم ہے۔ تیسرے نے کہا کہ وہ ایک خاموش دغا ہے کیونکہ وہ کچھ زبان سے نہیں بولتا مگر سب کچھ کرتا ہے کسی نے یہ اچھا کہا ہے کہ وہ بادشاہ بغیر سپاہ کے ہے +

(۱۸) جن چیزوں کو ہم خوبصورت یا جمیل کہتے ہیں اُن کے جمال کے مفہوم میں دو باتیں ضرور ہوتی ہیں اوّل یہ کہ جب ہم ان کا ادراک حواس سے کریں یا اُن کا خیال کریں تو وہ ہمارے دل میں پسندیدہ اثر اور تحریک پیدا کریں دوم اس اثر یا تحریک کے ساتھ ہم کو یہ تصور ہو کہ اُن میں کوئی کمال یا خوبی ہے جو اُن کی ذات سے متعلق ہو ایک جمال مطلق ہے وہ مخصوص خدا ہی کے ساتھ ہے نہ جس کی تصویر بن سکتی ہے نہ نقل اتر سکتی ہے۔ دوسرا جمال ہے جو مظاہر قدرت و مناظر فطرت و افعال بشر میں دکھائی دیتا ہے +

معاملہ ومعاہدہ کرنا۔

اکثر معاملہ ومعاہدہ کرنا زبانی بہ نسبت تحریری کے اور تیسرے شخص کی معرفت کرنا بہ نسبت خود کرنے کے بہتر ہوتا ہے مگر اس کی یہ مستثنیٰ صورتیں ہیں۔ تحریری معاملہ کرنا وہاں اچھا ہوتا ہے کہ جہاں ہم اپنی تحریر کا جواب اہل معاملہ سے تحریری پائیں یا معاملہ کی صورت ایسی ہو کہ ہم کو اپنے اثبات دعوی کے لئے اس تحریر کا دکھانا پڑے۔ یا یہ خوف ہو کہ کوئی خرابی اس میں خلل انداز ہو گی۔ خود معاملہ کرنا وہاں اچھا ہوتا ہے جہاں اپنی وجاہت کچھ کام آئے جیسا کہ اکثر اپنے سے چھوٹے آدمیوں کے ساتھ معاملہ کے اندر واقع ہوتا ہے۔ یا ایسے معاملات میں جن میں ضرور ہو کہ انگلیوں سے کوئی شخص ان کو بتلائے اور اس کی آنکھ طرف ثانی کے چہرہ پر اس طرح پڑیں کہ اس کو ہدایت کریں یہانتک تئے چل یا ایسے معاملات میں کہ جن میں آدمی کو جو الفاظ غلط اس کی ذات کی نسبت لگائی جائیں ان کو قبول نہ کرنا پڑے یا اس کے الفاظ کے معنے غلط سمجھے جائیں تو صحیح معنے سمجھانے پڑیں۔ جب کوئی شخص اپنے معاملات میں تیسرے شخص کو مقرر کرے تو وہ صاف دل ہو۔ اور جو کام اس کو کرنے کو کہا جائے وہ اسے پسند کرے اور معاملہ میں جو گفتگو ہو اس کی اطلاع سچی وصحیح دے۔ یہ نہیں کہ وہ ایسا مکار ہو کہ اطمینان کی باتیں ایسی بنا دے کہ جس سے اس کی حسن کارگزاری کا اعتبار ہو اور صرف دھوکا ہی دھوکا ہو یا ایسا آدمی انتخاب کرے کہ وہ اس معاملہ کے لئے لائق اور مناسب ہو اور وہ اس کو دل لگاکے کرے۔ معاملات میں جہاں کہیں ترغیب دینے کا موقع ہو وہاں خوش تقریر آدمی مقرر کرے جہاں کسی امر کی تحقیق منظور ہو وہاں چالباز چالاک آدمی جہاں رد وکد و فساد کا احتمال ہو وہاں لیر جری۔ ایسے آدمیوں کو بھی انتخاب کرو جو خوش نصیب مشہور ہوں وہ تمہارے معاملات میں پہلے بھی فتح یاب ہو چکے ہوں اُن پر پورا بھروسا ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی کوشش وسعی

کرینگے جس کی اُن سے توقع ہی تاکہ ان کے پہلے عزت قائم رہتے معاملات کرنے میں اس کی احتیاط چاہئیے کہ ابتدا میں وفعتہً بشرطیکہ اس کی سخت ضرورت نہ ہو وہ بات نہ کہو جس کا تحصیل کرنا منظور ہے۔ چھوٹے چھوٹے سوالات معاملات کی نسبت ابتدا میں کرو۔ ضرورت مندوں سے معاملہ کرو پیٹ بھروں سے نہیں معاملات کی شرائط کا ٹھیرانا مشکل کام ہی۔ ان کی ابتدا کا درست رکھنا بڑی بات ہی۔ اپنے دل کی باتیں جبتک اُن کا وقت نہ آئے ہرگز مُنہ سے نہ نکالو۔ اُن وسائل کو دیکھتے رہو جو تمہیں اثر کریں اگر معاملہ سیانے اور مکار آدمیوں سے آن پڑے تو اُن کی باتوں پر خوب غور کرتے رہو۔ اپنی امیدوں کے برآنے کے لئے صبر کرتے رہو +

ملازم و دوست

اتنی قسم کے ملازموں کا رکھنا نہ پسند کرو۔ اوّل جن کے رکھنے سے خرچ زیادہ ہو اور ہتھیلیاں خالی کرنی پڑیں۔ اُن کے رکھنے سے آدمی طاؤس بنتا ہی کہ دم بڑھتا ہے اور بازو گھٹتا ہے۔ دوم ایسے ملازم کہ مفسد و بکھیڑیے ہوں وہ اپنے ہم پیشوں کے ساتھ سلوک کے ساتھ نہیں رہینگے۔ سوا اس کے اور طرح طرح کے جھگڑے بکھیڑے کرینگے جس سے عافیت تنگ ہوگی۔ سوم ایسے ملازم کہ نمودی اور ڈینگیے ہوں وہ اپنی نمائش کے لئے تمھاری تعریف کی نفیری بجائیں گے۔ کہ جس سے تمھاری بہت سی باتیں راز نہ رہیں گے۔ اور ناحق تم سے لوگوں کو حسد پیدا ہوگا۔ چہارم ایسے ملازم کہ جاسوس ہوں کہ تمھارے گھر کے رازوں کو دریافت کرکے افشا کریں اور اوروں کے سامنے تمھاری کہانیاں بنا بنا کے کہیں اکثر ایسے نوکر کارگزار بہت ہوتے ہیں اور اوروں کی کہانیاں وہ تم کو ایسی سناتے ہیں کہ ان سبھوں سے تم زیادہ تر اُن پر مہربان ہوتے ہو۔ ملازموں کی عزت ملازمت کی مشابہت کے اعتبار سے نہیں کرنی چاہئیے بلکہ اُن کی لیاقت کے اعتبار سے۔ جب کوئی کڑا وقت آئے تو اس وقت ایسے ملازم اُس میں

کام پر لگاؤ جو مناسب ہوں۔ لائق ہونے کے خیال کو چھوڑ دو۔ جو ملازم یکساں
درجہ رکھتے ہیں اُن سب کی خاطر یکساں کرو۔ اگر ایک کی اُن میں سے خاطر زیادہ کروگے تو
وہ گستاخ اور بے ادب ہو جائیگا اور باقی ناراض ہو جائیں گے کیونکہ اس میں وہ
اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں پس کسی ایک ملازم کو ایسا سر پر نہ چڑھاؤ کہ وہ تمھارا حاکم معلوم
ہو نہ بہت سے ملازموں کو ناراض رکھو۔

اب دوستوں کا حال سنو کہ چند سچے دوستوں کی صلاح لینی فائدہ مند ہوتی ہے اسواسطے
کہ بہت دفعہ دیکھنے والے کو کھیلنے والے سے زیادہ بات سوجھ جاتی ہے۔ گھاٹی سے
پہاڑ اچھی طرح نمایاں ہوتا ہے۔ مگر دُنیا میں دوستی بہت کم ہوتی ہے۔ خصوصاً ہمسروں
اور برابر والوں میں تو بہت ہی کم ہوتی ہے مگر عادت یُوں پڑ گئی ہے کہ ہم دوستی
کو بڑھا کر دیکھتے ہیں دوستی ان اعلےٰ اور ادنےٰ آدمیوں میں ہوتی ہے جب اُن کے
اندر دولت و اقبال میں شارکت ہو۔ دوستی کے مضمون کو پڑھو۔

کتب کا مطالعہ۔

مطالعہ تنہائی و عزلت میں خوش کرتا ہے۔ گفتگو و تقریر میں حسن بیان پیدا
کرتا ہے۔ معاملات کے فیصلہ کرنے اور مقدمات کے اندر رای دینے میں قابلیت کو ظاہر
کرتا ہے۔ پس مطالعہ سے خوشی و حسن بیان و قابلیت ہوتی ہے گو معاملات اور مقدمات کو
تیز و چالاک آدمی بھی فیصلہ کر دیتے ہیں مگر مقدمات و منصوبوں کی ترتیب اور عام صلاح کی
تدابیر اچھے عالم فاضل ہی کرتے ہیں۔ مطالعہ میں بہت سا وقت صرف کرنا کاہلی ہے اپنے
ہی مطالعوں کو بہت سا حسن بیان میں کام میں لانا نمائش و دکھاوے کیلئے ہے اُن کے قواعد کے
موافق رای دینا عالم کے مزاج کا ایک خلط ہے وہ طبیعت کو کامل بناتے ہیں خود
تجربے سے کامل ہوتے ہیں فطرتی قابلیتیں مثل قدرتی جنگلی درختوں کی ہوتی ہیں جنکی
چھانٹ اور تراش کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود مطالعے بہت سی وسیع ہدایتیں کرتے ہیں

بشرطیکہ تجربے سے اُن کو محدود نہ کیا ہو۔ متفنی آدمی مطالعہ کی حقارت کرتے ہیں سیدھے سادے آدمی اُن کی ستائش کرتے ہیں دانشمندان کو کام میں لاتے ہیں مطالعہ اپنے استعمال کو سکھاتا نہیں بلکہ مشاہدہ ان کا استعمال بتاتا ہی جیسے ایک دانائی جو اُن سے باہر اور اوپر حاصل ہوتی ہے۔ تم اسواسطے نہ پڑھو کہ لوگوں کے خلاف باتیں کہیں۔ اور اُن کی باتوں کو یاد کرینگے۔ یا سب باتوں کو یقین و تسلیم کرینگے یا ہم خود بہت سی باتیں بنائینگے۔ بلکہ مقصد اعظم پڑھنے سے یہ ہو کہ ہم باتوں کو تولیں گے اور سوچیں گے۔ بعض کتابوں کا مزہ چکھا جاتا ہے۔ یعنی کچھ اُنکا حصہ پڑھا جاتا ہے۔ بعض بالکل نگلی جاتی ہیں یعنی کل پڑھی جاتی ہیں مگر توجہ و غور سے نہیں بہت تھوڑی کتابیں چبایا جاکے ہضم کی جاتی ہی یعنے یہ کتابیں کل بہت توجہ اور غور و خوض سے پڑھی جاتی ہیں کتابوں کے انتخابات سے جو کتابیں بنتی ہیں اُن کا حال آب مقطر کا سا ہوتا ہی جو بے مزہ ہوتا ہی وہ ارزل شمار ہوتی ہیں آدمی پڑھنے سے کامل ہوتا ہی۔ مجالس میں بیٹھنے سے حاضر جوابی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ تحریر سے درست ہوتا ہے۔ اسیواسطے اگر آدمی کم لکھتا ہی تو اُس کا حافظہ زبردست ہونا چاہیئے اور اگر مجالس میں کم بیٹھتا ہے تو بڑی ذہانت چاہیئے اگر کم پڑھتا ہے تو ریاکاری بڑی آنی چاہیئے کہ جو آدمی نجانتا ہو اُس کو بھی ظاہر کردے کہ میں جانتا ہوں تاریخ کا مطالعہ آدمی کو دانشمند بناتا ہی۔ نظم کا طبیعت میں جودت پیدا کرتا ہے۔ علوم ریاضیہ کا طبیعت کو ذکی بناتا ہی اور علوم طبیعہ کا ذہانت کو عمیق۔ علم اخلاق کا سنجیدہ و متین منطق علم بلاغت فصاحت کا مباحثہ و مناظرہ کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ مطالعہ کا اثر ضرور انسان کے اوضاع و اطوار و کردار پر ہوتا ہے۔ انسان کی ذہانت کے لئے کوئی روک ٹوک ہی تو مطالعہ ہی ہی۔ انسان کے امراض کے جیسے خاص علاج ہیں ایسے امراض ذہنی کے مخصوص علاج ہیں پتھری اور گردوں کے خلل کا علاج مشت بازی سینہ و شش کا علاج شکار۔

معدہ کا علاج صحیح قدم چلنا۔ دماغ کا علاج گھوڑے پر سوار ہونا اور اسی طرح کے
اور علاج ہیں اسی طرح ذہن میں اگر آوارگی و پریشانی ہو تو علوم ریاضیہ کا مطالعہ
اسکا علاج ہے اس کے اثبات ذہانت میں جمعیت پیدا کر دینگے اور پریشانی کھو دینگے
اگر ذہن بے تمیز ہے کہ وہ دو چیزوں میں تمیز اور فرق نہیں کر سکتا تو حکمت و فلسفہ
اسکا علاج ہے۔ اگر ذہن ایسا ہے کہ وہ ایک بات کے ثبوت سے دوسری بات کی
توضیح نہیں کر سکتا تو قانون دانوں کے فیصلہ جات کا پڑھنا اس کی دوا ہے۔
غرض امراض ذہنی کے ایسے ہی علاج ہوتے ہیں +

(۲) مطالعہ کتب میں تو عاقلوں سے باتیں ہوتی ہیں اور کاروبار زندگی کے معاملات
میں بیوقوفوں سے جو مطالعہ کتب ہمارے کاروبار زندگی میں کام نہیں آتا اسکو
بیکار نہ جانو اگر وہ ہمارے عقل و فہم کو درست کرتا ہو مطالعہ ہی ایک ایسا فن ہے
جو اور فنوں کے استعمال کو سکھاتا ہے + حضرت سلیمانؑ کا قول ہے کہ بہت مطالعہ
کرنا جسم کا تھکانا ہے +

(۳) دانشمندوں کے کلام کے مطالعہ پر جو نوجوان اپنے دماغ کو متوجہ کریگا تو ابتدا
میں مسرت حاصل ہوگی پھر دانائی کے ساتھ مواصلت ہوگی +

(۴) کسی مطالعہ سے مضرت نہیں ہوتی۔ ہر مطالعہ کے ساتھ مسرت ہے جو لوگ
یہ خیال کرتے ہیں کہ علم کے پیچھے پڑنے سے صحت کو مضرت پہنچتی ہے وہ بڑی غلطی
کرتے ہیں مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ کرنے والوں کی عمریں ایسی ہوتی
ہیں جیسی کہ اور پیشہ والوں کی اس مشاہدہ کی صداقت کی شہادت تاریخ بھی دیتی ہے ۔
طالب علموں کی باقاعدہ اور آرام کی زیست صحت و تندرستی کو زیادہ کرتی ہے
اور بہت سے تکالیف اور امراض سے بچاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ شرط ضروری
کہ وہ اپنی فضول حرارت جسمانی کو معتدل ورزش جسمانی سے کم کرتا ہے اور جسم کو

کاہلی کا عادی نہ بنائے +

(۵) آدمی اپنے وقت کاٹنے کے لئے حقہ پیتے اپنی بلاس سونگھتے ہیں شراب اڑاتے ہیں اور ان سے مسرور ہوتے ہیں اب اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ جو لوگ کسی فن یا علم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں ان کا وقت کیسا خوشی سے کٹتا ہوگا۔ ابتدا میں جو اس کے اندر کچھ محنت معلوم ہوتی تھی وہ تفریح طبیعت ہو جاتی ہے +

(۶) جب آسمان پر چاندی کا لمپ چاند کا روشن ہو تو یہ وقت تیرے مطالعہ کے لئے اچھا ہے کہ تیری کتاب کے صفحوں پر چاندنی پڑے اور تو اس میں باریک اور تاریک معانی کو دیکھے اور چاند اور ستاروں کی سحر کاری کو سمجھے +

(۷) نفس کے واسطے مطالعہ ایسا ہی جیسے جسم کے واسطے ورزش۔ ورزش جسمانی سے تنومندی اور تندرستی حاصل ہوتی ہے۔ مطالعہ سے نیکی جو روحانی صحت ہے ہاتھ آتی ہے ورزش سے جو خاص جسم کی تناوری کے لئے کی جائے کچھ تکان ہوتا ہے ایسا ہی مطالعہ ہے جو فقط نکوکاری کے واسطے کیا جائے۔ مگر جب کسی پسندیدہ کام سے مسرت پیدا ہوتی ہے تو اس کی تکان کی پروا نہیں ہوتی۔ شکار کھیلنے سے مسرت و صحت ایسی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی محنت راحت معلوم ہوتی ہے ایسے ہی تمثیلات و نقل و حکایات کے نصائح کے مطالعہ سے انبساط و صحت روحانی حاصل ہوتی ہے اور اس کی محنت کچھ نہیں معلوم ہوتی

(۸) بعض مطالعہ کرنے والے ایسے ابتر ہوتے ہیں کہ متقدمین کی کتابوں کو مطالعہ کرتے ہیں جن کا بہت سا حصہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا لیکن جہاں کہیں کوئی مضمون ان کی سمجھ میں آگیا تو خوشی کے مارے اچھل پڑتے ہیں اور کپڑوں میں پھولے نہیں سماتے۔ ان کی شرح توضیح میں پھر صفحے کے صفحے سیاہ کرتے ہیں اور متاخرین پر منہ آن کے اپنا منہ کالا کرتے ہیں ان کا دماغ خالی ہوتا ہے اس میں وہ اور مصنفوں کے ہزاروں منصوبے پر کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بغیر ارسطو کے استناد کی دلیل ندمی ہے اور عقلمندی حماقت ہے +

مراسم تعظیم و ادب کے قاعدے۔

انسان کی خوش اخلاقی کا جزو عظیم یہ ہے کہ وہ ظاہری مراسم تعظیم و ادب و قاعدوں کا پابند ہو۔ جب وہ ان کے برتاؤں میں قصور کریگا تو اُس کے حسن اخلاق میں نقصان آجائیگا بنی آدم اسی لئے بنائے گئے ہیں کہ وہ بغیر ان ظاہری مراسم ادب قاعدے کے رہ نہیں سکتی اُس کی باطنی خوبیاں بغیر ان ظاہری رسوم کے خود بخود زائل ہونے کو تیار ہو جاتی ہیں جب رسوم کثرت سے ہو جاتی ہیں اور ان میں تکلفات بڑھ جاتے ہیں تو وہ بار خاطر ہوتی ہیں تو بعض آدمی اُن کے گھٹانے سے اور اُن کے کم ہونے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر پھر اور رسوم اُن کی جگہ قائم ہو جاتی ہیں جو لوگ ان رسوم کو جلد زائل کرنا چاہتے ہیں وہ گٹھیا کا علاج کس طرح سے کرنا چاہتے ہیں ان مراسم کا برتنا حسن اخلاق کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جو روزمرہ پیش آتی ہیں انہیں سے انسان کی نیکی کا بڑا حصہ ظاہر ہوتا ہے اُن کا حال فائدوں کا سا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے فائدے ہی ہمیشہ سو کھاری کرتے ہیں بڑے بڑے فائدے گاہے ماہے ہوتے ہیں۔ ایسی ہی آدمیوں کے ایسے حسن اخلاق کی اعلیٰ نیکیوں کے اظہار کا موقع شاذ و نادر ملتا ہے مگر ان رسموں کا برتاؤ روزمرہ و ہمیشہ رہتا ہے وہی انسان کی نیک چلنی کے سفارشی خطوط ہیں جو اوروں سے اچھی طرح ملاتے ہیں۔ ان رسوم کے پابند نہ ہونے سے تکلیف پہنچتی ہے اور ان میں بہت تکلفات کرنے سے تصنع کا شبہ ہوتا ہے اصلی باطنی اخلاق کے اظہار کی علامات یہ رسوم ظاہری ہوتی ہیں دونوں میں سے ہر ایک کا ترک کرنا یکساں اندیشہ ناک ہے۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ جس شخص کی سلامتی ہم دل سے چاہتے ہیں اس سے سلام علیک کرنا ضرور نہیں جس شخص سے دل میں محبت ہو۔ اُس کے پاس محبت نامہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ فقط ایک خیالی ڈھکوسلا ہے جس پر عمل نہیں ہوسکتا دوستی خواہ کیسی ہی صدق دل سے ہو مگر اس میں رسوم ظاہری کا برتاؤ لازمی ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے

دوستوں میں رسوم کے تکلفات نہ ہوں۔ ہم سروں اور برابر والوں سے رسوم ظاہری برتنی چاہئیں ادنی آدمیوں سے بے تکلف ملنا چاہئے۔ مگر یہہ خیال رہے کہ ان رسوم کے برتاؤ میں اپنے تئیں آدمی ارزل نہ بنائے اور کوئی بات ایسی نہ ہو کہ جس سے لوگ اس کی خوشامدی ہونے کا شک کریں دانشمند یہ نہیں چاہتا ہی کہ اس کی یہ شہرت ہو کہ وہ بڑا خلق ظاہری رکھتا ہی۔ اور اس کے خلق کا حال کپڑوں کا سا ہے کہ جیسا موسم ہوتا ہے ویسی ہی پہنتا ہے یعنی جیسا موقع ملتا ہے ویسا خلق بنا لیتا ہے اس امر میں کوشش کرنی کہ لوگ مراسم آداب و تعظیم کے پابند نہ رہیں یہ چاہتا ہے کہ لوگ ہمارا ادب نہ کریں ✤

(۲) صورت کا خندہ پیشانی ہونا نیک دلی کے لطف کو بڑھا دیتا ہے جب ہم عوام کی تقلید بول چال میں کرتے ہیں تو وضع و انداز میں کیوں نہ کریں۔ جو شخص روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں رسوم کے موافق شائستگی نہیں برتتا وہ بڑا آدمی تو ہو سکتا ہے مگر تم یقین کر لو کہ وہ دانشمند نہیں ہو سکتا مگر کبھی کبھی۔ نیکی اور دانائی بغیر مراسم کے برتاؤ کے ایک اجنبی زبان ہی جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ مراسم کا برتنا اپنی نیکی کا اپنی زبان میں ترجمہ کرتا ہے جس کو سب سمجھتے ہیں انسان میں جو باتیں بالطبع بے تکلف ہوتی ہیں وہ پسندیدہ ہوتی ہیں جو تکلف و تصنع کے ساتھ ہوتی ہیں وہ مکروہ ہوتی ہیں آدمی خیال رکھے کہ رنگ نہ لے۔ زلفوں کو بل دے۔ مگر اپنے اوضاع و اطوار کو نہ رنگے نہ بل دے۔ جو شخص ذرا ذرا سے مراسم پر گردن جھکاتا ہے وہ عالی خیال نہیں ہوتا۔ جو تصنع و بناوٹ کرتا ہے آزادی کو ستاتا ہے ✤

(۳) دنیا کے مراسم ادب قاعدے بے فائدہ نہیں ہوتے۔ وہ اگرچہ دوستی کی گرم جوشی کا ایک حصہ لے لیتے ہیں مگر سرد مہری کو بالکل چھپا دیتے ہیں ✤

(۴) بہت سے آدمی خدا پرستی میں مراسم ظاہری عبادت کو منظور نظر رکھتے ہیں وہ کپڑوں کو بجائے جسم کے اور الفاظ کو بجائے معانی کے اور میان کو بجائے تلوار کے

اور پوست کو بجای مغز کے دیکھتے ہیں وہ کسی کام کے بندگان خدا نہیں ہیں +

(۵) یہ مراسم آداب بھی بہت سے آدمیوں کو بیوقوف بناتی ہیں امیر آدمیوں کی ملاقات کو سخت تکلیف بناتی ہیں چہروں کو زرد کرتی ہیں ہاتھ پاؤں میں رعشہ ڈالتی ہیں اور ایسے ہی ناحق خوف اور دلاتی ہیں +

(۶) ان رسوم کا حال کھوٹے سکہ کا سا ہے کہ وہ جس حاکم کے حکم سے بنتا ہے اسکے ملک میں چلتا ہے اور کھرے سکوں کا کام ہر کام میں دیتا ہے لیکن اگر اس کو کہیں باہر لیجاؤ تو وہ بالکل نکما ہی۔ جو اس کو غیر ملک میں چلانا چاہتا ہے اس پر لوگ ہنستے ہیں یا اس کو مجرم بناتے ہیں۔ وہ شخص بڑا بھلا مانس شریف ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ کن خصوصیات قومی کی جو اس میں بڑے ادب قاعدی کے ساتھ برتی جاتی ہیں عزت کرنی چاہئے اور کن کی ذلت جن شاعروں کا مذاق صحیح ہوتا ہی وہ یہ جانتے ہیں کہ عقلمند سب جگہ خوش اخلاق ہوتے ہیں مگر احمق صرف اپنے گھر میں +

(۷) رسوم چیزوں کے برقرار رکھنے میں وہی کام کرتی ہیں جو ظرف شراب اور پانی کے رکھنے میں اگر ظرف نہ ہوں تو پانی اور شراب دونو کھنڈ جائیں +

(۸) مراسم ادب عقلمندوں کا ایجاد اس لئی ہی کہ احمق فاصلہ پر دور رہیں مگر عالی نسبی احمقوں اور عاقلوں کو برابر کر دیتی ہے +

تعریف۔

نیک آدمیوں کی تعریف ایسی عوام الناس نہیں کرتے جیسی کہ نمودی اور ڈینگی آدمیوں کی اور یہ تعریف ان کی جھوٹی اور ارزل ہوتی ہی۔ عمدہ نیکیوں کا سمجھنا ان کے فہم سے پرے ہوتا ہے وہ ادنے درجہ کی نیکیوں کی تعریف کیا کرتے ہیں جیسے کہ مہمان نوازی۔ فیاضی۔ احسان کرنا۔ خوش مزاجی۔ لوگوں کے ساتھ

اچھی طرح پیش آتا۔ اور اسی طرح کی باتیں متوسط درجہ کی نیکیوں کی تعریف وہ متحیر ہوکے کرتے ہیں جیسے کہ شجاعت۔ استقلال دوستوں کے ساتھ وفاداری میں ثابت قدمی۔ اپنے گروہ وجتھے کی پچ۔ اعلیٰ درجہ کی نیکیوں کو وہ سمجھتے ہی نہیں کہ کیا ہوتی ہیں جیسے خود غرض نہ ہونا۔ عام بھلائی کے لئے کمر باندھنا اور عوام کی برائی کا دور کرنا۔ عدالت میں کسی کی رو رعایت نہ کرنا۔ ایسا راستی دوست ہونا کہ دوستوں کے ساتھ جھوٹی باتوں میں نہ شریک ہونا۔ عوام کی ناپسندی کا خیال نہ کرنا۔ ایسی نیکیوں کو عوام الناس نہیں سمجھتے ہیں ان کے نزدیک جو شخص یاروں کے ساتھ جھوٹی باتوں میں نہیں شریک ہوتا وہ بے وفا بے مروت ہوتا ہے۔ اگر کوئی عدالت کے موافق کسی اپنے دوست کو سزا دلانے میں رو رعایت اس کی ساتھ نہیں کرتا ہی تو اس کو پاجی جانتے ہیں غرض وہ ایسے نکوکاروں کو صدہا گالیاں بے نقط سناتے ہیں اور دل ہی اس کو بے ایمان سنگدل مکار جھوٹا جانتے ہیں۔ کاموں کا اچھا برا ہونا آدمی کی نیت پر موقوف ہے نیک نیتی اور بدنیتی دونو سے ایسے کام ہوتے ہیں جن کی صورت ایک ہی ہوتی ہے مثلاً ایک ظلم کے کام میں جس کے اندر جرأت وہمت کی ضرورت ہو اور تکلیف بھی اٹھانی پڑے کوئی شخص نہ شریک ہو تو اس کے نہ شریک ہونے کے دو سبب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ وہ نامرد ہو۔ دوم یہ کہ اس کو عدالت کا ایسا پاس ہو کہ وہ ظلم کے پاس نہ جاتا ہو۔ تو جو لوگ اعلیٰ درجہ کی نیکی نہیں سمجھتے وہ اس کا سبب برا ٹھیرا کے اس آدمی کی مذمت کرنے لگینگے۔ ایسے تھوڑے ہی آدمی ہونگے کہ وہ یہ جانینگے کہ صرف عدالت کی نیت سے وہ اس میں نہیں شریک ہوا۔ یا ایک شخص مذہب میں متعصب نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ایک شخص مذہب سے بے پروا ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص یہ جانتا ہو کہ سچے مذہب میں تعصب نہیں ہوتا بس ایسے آدمی پر عوام لامذہبی یا بدمذہبی کا الزام لگائینگے۔ کیونکہ وہ مذہب میں خیالات بلند نہیں رکھتے۔ جیساشیشہ

یا جسم ہوتا ہے ویسا ہی اُسے انعکاس شعاع ہوتا ہی اسی طرح جیسے آدمیوں کی
نیکی ہوتی ہے ویسے ہی اُن سی تعریف کا انعکاس ہوتا ہے۔ ناموری ایک دریا
ہے کہ جس کے سطح کے اوپر ہلکی چیزیں نمایاں ہوکر تیرتی پھرتی ہیں اور بھاری چیزیں
تہ پر بیٹھ جاتی ہیں اگر صاحب لیاقت اور اہل الرائے کسی شخص کی تعریف کرنے
میں متفق ہوں تو اُس پر یہ آیت صادق آئیگی کہ نیک نامی مہنگ مولی عطر سے
اچھی ہوتی ہے عطر کی خوشبو چاروں طرف پھیلتی ہے اور پھولوں کی خوشبو سے
زیادہ دیرپا ہوتی ہے جھوٹی تعریفیں خواہ کسی طرح ہوں اُن میں آدمی کو شبہ ہی
رہتا ہے۔ بعض دفعہ تعریف صرف خوشامد کے سبب سے ہوتی ہے اور پھر خوشامد
کرنے والے بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں کوئی معمولی ہوا تو ہر ایک شخص کی خوشامد کریگا
اور اپنی صفات رذیل کو دکھائیگا اور اگر کوئی متفنی مکار ہوگا تو وہ جانچ کر ایسی
تعریف کریگا جیسی کہ آدمی خود اپنی تعریف کرتا ہے۔ سب سے بڑا خوشامدی آدمی کا اپنا
آپا ہے پس جن خوبیوں کو آدمی اپنے آپ میں اچھی سمجھے ہوی بیٹھا ہی۔ وہ انھیں کی
ستائش و تحسین کریگا اور اگر کوئی اناڑی خوشامدی ہوا تو وہ تعریف بھی ایسی انگھڑ
کریگا کہ آدمی کے دل کو وہ گوارا نہ ہوگی وہ خود جان جائیگا کہ ان عیبوں کی
وہ تعریف کرتا ہے جو مجھ میں بھرے ہوئے ہیں بعض تعریفیں نہایت قابلیت اور لیاقت
اور ادب و تعظیم کے ساتھ امرا اور سلاطین کی کی جاتی ہیں جب اُسے کہا جاتا ہے
تم ایسے اور ایسے ہو تو اُس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ تم کو ایسا ہونا چاہئے اس لئے یہ
تعریف تعلیم ہوتی ہے بعض دفعہ تعریف دشمنی کے سبب سے ہوتی ہی اس کا سبب یہ ہوتا
ہے کہ دشمنوں کو منظور ہوتا ہے کہ اپنی دشمنوں کی تعریف کرکے لوگوں کے دلوں
میں حسد اور دشمنی ان کی طرف پیدا کریں یہ تعریف سب سے بدتر ہے جو دشمن
کرتے ہیں اہل یونان کے ہاں ایک ضرب المثل ہی کہ جس شخص کی تعریف اس کی ضرر رسانی کے

واسطے کی جائے۔ اسے یہ بہتر ہی کہ اس کی ناک کٹ اور یہ پھوڑا نکل آئے جیسے انگریزی ضرب المثل
ہی کہ جو شخص جھوٹ بولے اسے یہ بہتر ہے کہ اُس کی زبان پر پھنسی نکل آئے۔ جو تعریف جا بلا
نہ ہو اور اعتدال کی ساتھ موقع پر کی جاوے۔ تو اُس سے فائدہ پہنچتا ہی۔ حضرت سلیمانؑ نے
فرمایا ہی کہ وہ جو صبح سویرے اٹھ کے اپنے دوست کے حق میں بلند آواز سے دعاء
خیر کرتا ہی اُس کے لئے یہ ایک لعنت محسوب ہوگی۔ جب کسی آدمی کی ستائش بڑی
دُھوم دھام سے کی جاتی ہی تو اُس کی ایک نقیض و ضد پیدا ہوتی ہی یعنی نفرین و حسد
خودستائی شائستگی کے خلاف ہے (گو اس کی خاص صورتیں مستثنیٰ ہیں) مگر اپنے عہدہ اور
پیشہ کی ستائش نہایت خوبی اور عمدگی سے آدمی کر سکتا ہی۔ زاہد صوفی طبع تمام دُنیا کی
کاموں پر خواہ کسی شان و شکوہ کے ہوں تبرّا بھیجتے ہیں اور اپنے پیشے کو سب سے اعلیٰ
درجہ کا بتلاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک دُنیا کی سلطنت۔ حکومت۔ سفارت۔ سطوت
امارت۔ سب خاک ہیں باوجودیکہ جیسے اچھے کام ان عہدہ داروں سے ہوتے ہیں ایسے
اُنسے نہیں ہوتے۔ پولوس مقدس نے اپنا ذکر کیا تو کہا میں حماقت سے بولتا ہوں جہاں پہ
خدمت رسالت کا بیان کیا تو کہا کہ میں اپنی خدمت کی بڑائی کرتا ہوں +

(۲) لوگوں کی رضامندی تعریف پیدا کرتی ہے۔ سلطنت جاہ و منصب عطا کرتی ہے
اور آزادی تعریفیں آواز خلق میں کوئی چیز خدائی ہوتی ہی (آوازۂ خلق نقارۂ خدا)
کیونکہ بغیر اس کے ایک مطلب پر اتنے آدمیوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ بڑی
آدمیوں کی نسبت اگر عوام سچ زیادہ بولیں تو کچھ تعجب نہ کرو کیونکہ وہ زیادہ سلامتی
کے ساتھ بولا کرتے ہیں + شہرت بڑا قاصد اور بد ترجمہ ہوتا ہے تعریف کچھ استحقاق
پر موقوف نہیں ہوتی۔ بلکہ سچے آدمیوں کی نسبت نمائش مکاروں کی زیادہ تعریف
ہوتی ہی کیونکہ وہ بڑی نمائش سے اپنے تئیں دکھاتے ہیں +

(۳) وہ تحسین شیریں ہے کہ ان لوگوں کے منہ سے نکلے جو خود قابل تعریف ہیں اور بڑی قابلیت

اور لیاقت رکھتے ہیں ایک شخص نے ایک آدمی سے کہا تھا کہ آپ کی تعریف سے اس لئے خوش ہوتا ہوں کہ ساری دُنیا آپ کی تعریف کرتی ہے لپنے مُنہ سے اپنی تعریف نہیں کرنی چاہئے بیگانے آدمیوں کے لب و دہن سے وہ نکلنی چاہئے۔ جس سے آدمی کو خوشی ہو آدمی جتنا ذکر اپنا کرتا ہی اُتنا ہی جھوٹ بولتا ہے +

(۴) مرنے سے ایک مدت کے بعد آدمی کو اپنی تعریف کا وہ حصہ مل جاتا ہی جس کا استحقاق اُس کو ہوتا ہی ورنہ زندگی میں تعریف میں دوست مسرف اور دشمن بخیل ہوتے ہیں

(۵) کسی شخص کو اتنا مُنہ نہ لگاؤ کہ وہ تمہارے مُنہ پر تمہاری تعریف کرے اس لئے کہ اُس سے قدر و منزلت کی آرزو دلی تو سیر ہو جائیگی مگر شیخی و نمود کجھو کی رہ جائیگی +

(۶) تعریف کا اثر دلوں پر مختلف ہوتا ہے دانشمند کے مزاج میں وہ اعتدال پیدا کرتی ہی۔ احمق کو وہ زیادہ متکبر و مدمغ بنا دیتی ہے آفرین و تحسین میں بڑی قوت ہوتی ہی وہ تعریف کے قابل کاموں کی طرف تحریک کرتی ہی اور مہمات عظیم کے انصرام میں تازہ دم بنا دیتی ہے +

(۷) جو تمہارے افعال و اقوال کی تعریف کریں اُن کو اپنے ساتھ وفادار نہ جانو۔ بلکہ جو تم کو تنبیہ کریں اُن کو وفادار سمجھو۔ جب کوئی شخص تمہاری تعریف کیا کرے تو اُس کی رائے پر شبہ کیا کرو اور جب کوئی تم پر لعنت ملامت کیا کرے تو اپنی رای پر شبہ کیا کرو۔

(۸) تعریف ابتدا میں مثل ایک عزیز کے معلوم ہوتی ہی مگر جب اُس کی بوچھاڑ چاروں طرف سے ہوتی ہی تو وہ ایک قرض ہو جاتا ہے جس کو لیاقت ہی ادا کر سکتی ہے

(۹) اصلی تعریف مثل اور سچی باتوں کے ہوتی ہے کہ وہ تحقیقات کامل سے ثابت ہوتی ہی مگر جھوٹی تعریف تحقیقات سے گھبراتی ہے سچی تعریف کرنے والا اور قبول کرنیوالا دونو خوش ہوتے ہیں جھوٹی تعریف کرنے والا اور قبول کرنیوالا دونو شرمندہ ہوتے ہیں +

(۱۰) جس شخص کو یہ شوق ہوتا ہے کہ عوام میری تعریف کریں وہ بہت ناخوش رہتا ہے

جاہل آدمی کسی لائق آدمی کی لیاقت کے اچھے جج نہیں ہو سکتے وہ تو یہ اپنی مہربانی جانتے ہیں کہ تعریف کرتے ہیں یہ مہربانی اُن کی اُلٹی ان کو دیدینی چاہئے۔ ان کی تعریف سے خوش ہونا کم ظرفوں اور نالائقوں کا کام ہے۔ وہ اکثر حکومت اور دولت کی تعریف کیا کرتے ہیں۔ جو ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں جاتی رہتی ہیں جو انسان کے اصلی جوہر اور ذاتی ہنر ہیں اُن کو وہ جانتے ہی نہیں نیکی کی تعریف عاقل اور دولت کی ستائش جاہل کیا کرتے ہیں کسی نیک اور لائق آدمی کو اپنی نیکی اور لیاقت کا کسی اپنے آدمی کی تعریف سے بڑھانا جو اُس جیسا نہ ہو ایسا ہے جیسے کسی دولتمند آدمی کا کسی مفلس سے قرض مانگنا۔ لائق آدمی عوام کی تعریف کی وقعت ذرا نہیں کرتے ہاں کوئی لائق آدمی تعریف کرے تو اُسی اپنی تعریف سمجھتے ہیں خداپرست اسی تعریف کو تعریف جانتے ہیں جو ان کی کوشش کرے +

(۱۱) عوام الناس اسی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ انسان کامل ہوتا ہی بس جن کو وہ اپنے عقیدہ کے موافق کامل سمجھتے ہیں جب اُنکا کوئی سچا عیب بتایا جاتا ہے تو بتانے والے کو بُرا کہتے ہیں + خداتعالیٰ نے انتظام گیتی میں یہ نہایت عمدہ انتظام رکھا ہی کہ ایک شخص کو تمام کمالات میں کامل نہیں کرتا۔ جب کوئی شخص ایک کام میں کامل ہوتا ہے تو دوسرے کام میں ناقص ہوتا ہے اور اُس دوسرے کام میں کوئی دوسرا شخص کامل ہوتا ہے اسی سے دُنیا کا کام چلتا ہے اور ایک انسان دوسرے انسان کے کام آتا ہے بالکل اسکا حال تجارت اشیا کا سا ہے کہ ایک چیز ایک ملک میں نہایت عمدہ ہوتی ہے اور دوسرے ملک میں خراب۔ یا بالکل نہیں پیدا ہوتی۔ تجارت سے دونو ملکوں کو فائدہ ہوتا ہے ایک ملک کا پیداوار دوسرے مُلک میں جاتا ہے۔ اسی طرح جب ایک آدمی کا ذہن ایک ورقسم کا ہوتا ہے۔ دوسرے آدمی کا دوسری قسم کا تو اُن کے درمیان باہم خیالات کا مبادلہ ہوتا ہے کسی کا ذہن تیز ہے کسی کی رای سلیم ہے۔ ان دونوں کے

ملنے سے صحیح نتائج پیدا ہوتے ہیں بت پرستوں کے یہاں قاعدہ تھا کہ جب وہ انسان میں کسی ایک بات کا کمال دیکھتے تھے تو اُس کو کامل سمجھ کر دیوتا اور بزرگ کامل جانتے تھے اور اُس کی کسی برائی کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ مگر اب اس کے برخلاف زمانہ ہے کہ اگر ایک انسان میں سو ہنر ہوں اور ایک عیب ہو تو اُس عیب سے لوگ چشم پوشی نہیں کرینگے ہزار نیکیوں پر خاک ڈال کر اُس کی ایک بدی کو گاتے پھرینگے بت پرستوں کی یہ دانشمندی تھی کہ وہ صرف ایک کمال کے سبب سے صاحب کمال کے نام کو بقاء دوام دیتے تھے مگر اب بہت سے نیک کام کرنے والوں کو صرف ایک برائی کے سبب بدنام کرتے ہیں۔ ہجو کرنے والے تو کسی شخص کی برائی کو مبالغہ سے بیان کرتے ہیں مگر بدنام کرنے والے نیک ناموں کے نیکیوں کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں اور لوگ اُن کی معاونت ایسی کرتے ہیں کہ جس سے اُن کو اس کام کرنے کی جرأت ہوتی ہے جو نیک ناموں کو بدنام کرتے ہیں وہ بڑے فرومایہ و سفلے و کمینہ و پاجی ہیں۔ وہ نیک لیاقتوں سے کوسوں دور رہتے ہیں قاتل اور مجسٹریٹ میں جو فرق ہوتا ہے وہی نیک نام اور بدنام کرنے والے میں ہوتا ہے۔ ہجو میں جو حروف لام کاف بولتے ہیں اور حرفوں کو ملا کر الفاظ و فقرے بناتے ہیں اُن میں نہ کوئی سچی بات ہوتی ہے نہ کچھ اُن میں معانی ہوتے ہیں نہ کوئی ظرافت ہوتی ہے جو ہجو میں ہنر کو خاکروب بنا کے اُس کے سر پر غلاظت کا ٹوکرا رکھتی ہیں وہ اہل ہنر کے نزدیک کوچۂ ہنر میں گدا سے زیادہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں بدشعار جو نیک ناموں کی بدنامی کرتے ہیں وہ تھوڑے دنوں میں کسی کو یاد نہیں رہتی لیکن ان کی بدذاتی ہمیشہ یاد رہتی ہے جن لوگوں کی ہجو ہوتی ہے ان کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ اُس کا کتنا حصہ سچ ہے۔ تعریف جس کا استحقاق نہ ہو اُس سے نالائق ریاکار اور بدکار خوش ہوتے ہیں اور صاحب لیاقت اس مذمت سے جس کے وہ مستحق نہیں ہوتے کچھ خوف نہیں کرتے جو در حقیقت سچے اور نیک ہیں اُن کو اپنی نیکی پر توجہ چاہئے بدنام کرنے والوں کی

مذمت اور ہجو پر کچھ خیال نہیں چاہیئے اور نہ اُن سے رنجیدہ ہونا چاہیئے۔ اگر ہم اس بات کو نہ قبول کرینگے تو سوا اس کے کوئی اور چارہ نہیں کہ ایک کونہ میں ہو بیٹھیں جس کو ایک بیوقوف کر سکتا ہے اُس کا کوئی علاج ہی نہیں کہ ہم لوگوں کے طعن و اعتراض سے بچ سکیں سکندر کا ذکر ہے کہ وہ ایک وحشتناک جنگل میں بڑی کٹھن منزلیں کاٹتا ہوا ایک چشمہ پر پہنچا اور وہاں بیٹھ کر کہنے لگا کہ میں کیسی تکلیفیں اپنے اوپر گوارا کرتا ہوں اس لئے کہ ای تھینز والے مجھے اچھا کہیں اہل ای تھنز سکندر کے دشمن تھے۔ علما اُن کا مشہور تھا وہ سکندر کی ہجو کیا کرتے تھے اور صاف کہا کرتے تھے کہ وہ ہمارے جان و مال عزت و آبرو کا دشمن ہے۔ طبیعت بشری کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنی شہرت اور نیک نامی کو دل سے چاہتا ہے۔ بس ہر معزز اور اشراف کا کام ہے کہ شرفا کا پاس عزت اور ناموس کریں جیسے مکان جلتا ہے تو اُس کی آگ بجھانے کے واسطے سارے ہی آدمی دوڑتے ہیں اس طرح جب کسی نیک نام کی بدنامی ہو تو اُس کی حمایت کے لئے سب کو سعی اور کوشش کرنی چاہیئے جس نیک نامی کا وہ مستحق ہے اُس کو برباد نہ ہونے دینا چاہیئے +

(۱۲) سچی تعریف ۔ بعض دانشمندوں کی رای یہ ہے کہ کسی کی سچی تعریف کی جاے تو رمز و کنایہ کے ساتھ ہو صراحت کے ساتھ نہ ہو۔ روم کے جلسہ سینیٹ میں امورات ملکی میں مباحثہ ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر نہایت سنجیدگی سے بیان کیا کہ سلطنت جمہوری کے اعزاز و اکرام کے واسطے ٹائی بیریس خدا سمجھا جاے اور اُس کی پرستش خدا کی سی کی جائے سنیٹ یہ سُن کر نہایت متحیر ہوا۔ اور اسی مضمون کو اُس نے یوں ادا کیا کہ سلطنت جمہوری کے معاملہ میں وہ کسی انسان کا محکوم نہیں۔ ڈیوک بکنگھم نے لارڈ لاری سے کہا کہ تم پر یقینی لعنت ملامت ہوگی۔ لارڈ نے کہا کہ میں کیا برا کام کرتا ہوں کہ مجھ پر تبرا ہو۔ اُس پر ڈیوک نے یہ انجیل کی آیت پڑھی کہ جس کو سب اچھا جانتے ہیں اُس پر لعنت ہوگی۔ ایک امیر نے کسی شخص کو ایک اعلیٰ درجہ کا عہدہ عطا کیا جب وہ اُس اپنے محسن کا

شاکر گزار ہوکے کہنے لگا کہ آپ کا احسان میرے اوپر پرلے درجہ کا ہے جس کی کوئی حد و غایت نہیں اس پر اس فیاض محسن نے کہا کہ میرا احسان تم پر ذرا بھی نہیں اگر تم سے کوئی اور آدمی زیادہ لائق ملتا تو تم کو اس عہدہ پر میں ممتاز نہ کرتا۔ اس رمز وکنایہ کی تعریفوں میں دیکھو کہ کیا لطف آتا ہے +

نمائش عظمت و شان

حکایات لقمان میں لکھا ہے کہ گاڑی کے پہیہ کی دُھری پر ایک مکھی بیٹھی اور کہنے لگی کہ دیکھو میں کتنی خاک اُڑاتی ہوں۔ بعینہ یہ حال اُن لوگوں کا ہے جو اپنی یہ تعلی و شیخی کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی جوتیوں کے صدقے سے فلاں فلاں ادنے ادنے آدمیوں کو عالیجاہ بنا دیا ہے باوجودیکہ اُن کے عزو جاہ کے بڑھانے میں ذرا بھی اُن کو دخل نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اور وسائل سے بڑھتے ہیں۔ جن شخصوں کی عادت میں تعلی ہو جاتی ہے۔ وہ جھگڑالو ضرور ہو جاتے ہیں کیونکہ تعلی میں ضرور ہے کہ اپنی برتری کو اوروں کو دکھانے کے لئے اس اپنے ہمسایہ کا فروتر ہونا دکھاتے ہیں تو اُن سے جھگڑا اکثر ہوتا ہے اور وہ اپنی بے اصل شان کے دکھانے میں بڑا تشدد کرتے ہیں کوئی خوبی اُن میں مخفی نہیں ہوتی اس لئے ان کے کام بے اثر بہت ہوتے ہیں فرانسیسی ضرب المثل ہے کہ جہاں غل بہت ہے وہاں پھل تھوڑا ہے پس جو اپنی خوبیوں کی ڈینگیں بہت مارتے ہیں وہ کچھ مال نہیں ہوتے۔ مگر معاملات ملکی میں جو لوگ اپنی اوصاف کی نفیری بجاتے ہیں اُس سے بڑی دھوم دھام ان کی ہو جاتی ہے ایسے موقعوں پر تعلی اور ہیر پھیر کے جھوٹی باتوں سے بڑے کام نکل آتے ہیں جیسے کوئی شخص دو بادشاہوں کے درمیان معاہدہ کراتا ہو تو دونو بادشاہوں کی فوجوں کی ایک دوسرے کے سامنے بڑے مبالغہ سے تعریف کرتا ہے یا دو آدمیوں میں باہم معاملہ کراتا ہے تو ہر ایک کے سامنے ایسی باتیں بناتا ہے کہ جس سے اُس کا اعتبار بڑھے اور ہر ایک یہ جانے کہ وہ میرا ہی بڑا خیر خواہ ہے ایسی جھوٹی باتوں سے کوئی نہ کوئی بات معدوم سے

موجود ہو جاتی ہے اُن پر لوگ رائے لگا کے ایک اصل بات ٹھہرا دی کر دیتے ہیں +
سپہ سالاروں اور سپاہیوں کے لئے تو نمائش شان اور تعلّی ایک ضروری بات ہے۔ جیسا
لوہا لوہے کو کاٹ دیتا ہے ایسے ہی ایک بہادری کی نمائش دوسرے پر اثر کرتی ہے
ایسے آدمیوں کا اجتماع کہ جن کی طبیعتیں تعلّی کی خوگر ہوتی ہیں مہمات عظیم میں جان ڈال
دیتا ہے شہرت علمی کی بھی جاتبک نمائش و نمود کے سر پہ لگائی جائیں وہ پرواز نہیں
کرتی۔ وہ مصنف جو کتابیں ایسی تصنیف کرتے ہیں جس میں نمائش شان کی ذلیل
جاننے کو فرض بتلاتے ہیں مگر کتابوں کے اول صفحہ پر اپنا نام اور دیباچہ میں ایک دو
باتیں تعلّی کی ضرور لکھتے ہیں۔ غرض مصنف تو اگر اپنی عظمت و شان کی نمائش نہ کریں تو
کوئی اُن کو پوچھے بھی نہیں۔ یہ نمائش شان اُن پر ورزش کر کے خوب چمکا بھی دیتی ہے
اور مضبوط بھی کر دیتی ہے علو شان کی نمائش کی خواہش کچھ خودستائی اور خود فروشی
ہی کے سبب سے نہیں پیدا ہوا کرتی بلکہ وہ بلند حوصلگی اور عالی دماغی سے بھی پیدا ہوتی ہے
عذر کرتے ہیں۔ قبول کرتے ہیں۔ حیا کہتے ہیں نمائشیں اچھی معلوم ہوتی ہیں خصوصاً
وہاں زیادہ تر خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ جہاں آدمی اپنے رقیبوں کی اس وصف میں تعریف
کرتا ہے جس میں اس کو خود کمال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جن رقیبوں کی تعریف کریگا
وہ حال سے خالی نہ ہونگے کہ یا اس سے کمتر ہونگے یا برتر۔ اگر کمتر ہیں تو اُن کی تعریف سے
اُس کی زیادہ تر تعریف ہو جائیگی اور برتر ہیں تو اُن کی تعریف نہ ہونے سے اُسکی
تعریف اور کمتر ہو جائیگی۔ جو لوگ اپنی تعلّی کرتے ہیں وہ عاقلوں کے نزدیک قابل نفریں اور
احمقوں کے نزدیک نہایت قابل تحسین و آفریں ہوتے ہیں گو وہ اپنی نمود کے غلام ہوتے ہیں مگر بیوقوفوں کے آقا

(۲) غیروں کے لحاظ سے اپنی عظمت دکھانے کے طریقے

رومی اپنی فتوحات کی شان و شکوہ دکھانے کے واسطے دربار عام کرتے اور اس امر
کے دکھلانے کے واسطے کہ جس جوان مرد سپہ سالار نے فتح پائی ہے آج اس سے زیادہ

کوئی بڑا نہیں ہے۔ اُس کے ہاں سب امرا اور کونسل جا کر مہمان بنتے۔ اس زمانہ میں دشمن جو میدان جنگ میں قید ہوتے اُن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر دکھاتے یہ حرکت ناشائستہ جب زیبا تھی کہ وحشیوں پر وحشی فتح پاتے۔ سپہ سالار کی شان اس میں نہیں ہے کہ وہ یہ دکھائے کہ آج کوئی میرا ثانی عظمت و بزرگی میں نہیں ہے بلکہ بڑی شان اُس کی یہ ہے کہ وہ یہ دکھائے کہ آج خوشی کا دن ایسا ہے کہ کوئی ناخوش نہیں۔ قیدی جو کل میدان جنگ میں اُس کی برابر درجہ رکھتے تھے اور میدان جنگ میں کاٹہ بکلہ لڑتے تھے اور اتفاقات جنگ سے وہ اسیر ہو گئے ان کو اس حقارت کے ساتھ دکھانا اور اُن کی زنجیروں کی چھن چھن کی آواز کو اپنی مجلس کا باجہ بنانا نہایت سبک حرکتی ہے +

(۳۰) انسان کی سچی عزت اوروں پر احسان کرنے میں ہے۔ ظاہری تزک اور تجمل اور احتشام میں نہیں ہے۔ دوستوں کے دلوں میں اُس کی عزت جب ہی پیدا ہوگی کہ وہ اُس کی آمدنی سے متمتع ہوں۔ پہلے زمانہ میں اعزاز فقط مہمان نوازی اور فیاضی اور خوش خلاقی کے لحاظ سے کیا جاتا تھا نوکروں چاکروں کی کثرت اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور نمائشی اسباب سے نہیں۔ بہت سے آدمی قرض لے کر اپنے گھر کو اسباب سے سجاتے ہیں کہ اُن کی عزت کی نمود ہو۔ مگر ان کا دوالہ اس میں نکلجاتا ہے اور لوگ اُن کو تماشاگر سمجھتے ہیں کہ تماشاگاہ کی آرائش مستعار اسباب سے کرتے ہیں۔

عزت و ناموری۔

بعض آدمی اپنی لیاقت کا نقش بڑھا کر اور بعض اُس کو توڑ مروڑ کر لوگوں کے دلوں پر مرتسم کرتے ہیں۔ مگر حقیقی و تحقیقی عزت میں وہی لوگ بازی لے جاتے ہیں جو اپنی قابلیت کا نقش جوں کا توں نہ بڑھا کر نہ توڑ مروڑ کر اوروں کے دلوں پر مرتسم کرتے ہیں اُن کو کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا بعض آدمی اپنے کاموں کی عزت

و شہرت بہت چاہتے ہیں۔ بے شک اس سے ان کا چرچا جا بجا زبانوں پر بہت ہوتا ہے۔ مگر دلوں میں اُن کے تحسین کم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس بعض آدمی اپنی خوبی کو اس طرح دکھاتے ہیں کہ وہ بہت تاریک ہو جاتی ہے اور کسی کو نظر نہیں آتی اُس کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ جو کام تقلیداً کئے جاتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی مشکل و دشوار ہوں۔ مگر اس سے وہ ناموری اور عزت نہیں حاصل ہوتی جو اُن کاموں کے کرنے سے حاصل ہوتی ہے جو پہلے کسی نے نہ کئے ہوں یا کئے ہوں مگر ناتمام چھوڑ دیے ہوں یا کچھ اضافہ کیا ہو۔ اگر آدمی اپنے کاموں کو ایسا معتدل بناتا ہے کہ جس سے لوگ راضی ہو جائیں اور اُس کی ساتھ سب متفق ہو جائیں تو اُس کی عزت کا راگ بلو را گایا جاتا ہے۔ جو اہل ہمت ایسے کام کرتے ہیں کہ جن کے اندر ناکامی کی صورت میں جیسی ذلت ہوتی ہے ایسی کامیابی کی حالت میں عزت نہیں ہوتی۔ تو وہ اپنی عزت و آبرو کے حق میں اچھی منتظم نہیں ہوتے۔ ساری عزت کا مدار اس پر ہے کہ اپنے ہم سر رقیبوں پر آدمی سبقت لے جائے اور سب سے اچھا کام کر کے دکھاوے اور اپنے کمال ہی اُن کو ماہر کر دے۔ اسی سے عزت کی جوت چمک دمک الماس تراشیدہ کی طرح عکس فگن ہوتی ہے۔ آدمی کے نامور ہونے میں اس کے ہوشیار عاقل نوکر چاکر بڑے مددگار ہوتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ آدمی کی شہرت کا آغاز گھر ہی سے شروع ہوتا ہے۔ معزز حاسدوں کی حسد سے اپنے تئیں یوں بچا سکتے ہیں کہ وہ اپنی شہرت سے قطع نظر کریں اور اصل مقاصد کے حاصل کرنے میں پیروی کریں اور اپنے کاموں کی کامیابی کو مشیت ایزدی سے منسوب کریں اور کہیں کہ اس میں ہماری خوبی و حسن لیاقت کو دخل نہیں فقط تقدیر کی بات ہے۔ بعض حکمائے اعزاز اور ناموری کی ترتیب اس طرح مقرر کی ہے کہ اول وہ شخص معزز و نامور ہے جس نے مذہب یا خدا کی عبادت کو قائم کیا ہو۔ دوم وہ جنھوں نے کسی سلطنت شخصی یا جمہوری کی بنا قائم کی ہو۔ سوم وہ بہادر سپاہی ہوں کے سپہ سالار

جنھوں نے اپنے ملک کو فتوحات سے بڑھایا ہو۔ چہارم عالم خواہ وہ کسی علم و فن کے ہوں باعتبار تعداد علوم کے جتنے وہ ماہر ہوں۔ اُن کی عزت کی جائیگی۔ پنجم سب سے آخر صناع و کاریگر جن کی شہرت و عزت موافق اُن کے ہنر اور صنعت و ذہانت کے ہوتی ہے بعض عزت و ناموری کی دو قسمیں کرتے ہیں ایک سلطنت سے متعلق۔ دوم رعیت سے متعلق۔ شاہانہ عزت کی ترتیب یہ ہے۔ اول وہ بادشاہ جو بانی مبانی سلطنت اور بہبودی رعایا کے قائم کرنے والے ہوں۔ دوم سلطنت کے بانی ثانی یعنے جنھوں نے قوانین سلطنت ایسے بنائے اور بتلائے ہوں کہ اُن کے مرجانے کے بعد بھی وہ سلطنت حکومت کرتے ہوں۔ سوم وہ بادشاہ جو ملک کو لڑائی اور جھگڑوں سے بچائیں اور ظالموں کے پنجوں سے چھڑائیں۔ اور غیر ملکوں کی غلامی سے نکالیں چہارم جو لڑائیوں میں عزت کے ساتھ فتح یاب ہو کر اپنے ملک کو بڑھائیں اور دشمنوں کے حملوں سے ملک کو بچائیں پنجم وہ بادشاہ جو عدالت سے سلطنت کریں اپنے عہد کو اچھا رعایا کے لئے بنائیں اب رعیت کے اعتبار سے عزت اور ناموری کی یہ ترتیب ہے کہ اول ارکین سلطنت جن کو بادشاہ اپنا دایاں ہاتھ بنا کے اپنے کار ہای بزرگ حوالہ کرے۔ دوم اہل کار اور کارکن جو بادشاہ کے نائب ہوں اور لڑائیوں میں بڑے کار ہای نمایاں دکھائیں سوم جو بادشاہ کے مُنہ بہت چڑھے ہوں اور ناک کا بال بنے ہوئے ہوں۔ اور وہ دل سے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں اور رعایا کے آزار کا خیال اُن کے دل میں نہ آتا ہو چہارم بادشاہی عُہدہ دار جو اپنے کاموں کے لائق ہوں۔ اصل عزت جو سب پر فوقیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ملک کی بھلائی اور خیر خواہی میں اپنی جان وقف کردے۔ مگر یہ امر شاذ و نادر کسی میں ہوتا ہے +

(۲) بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک کام میں جو اصل بانی مبانی اس کا ہوتا ہے وہ عزت سے محروم رہ جاتا ہے اور دوسرا آدمی جو ممد و معاون ہوتا ہے وہ اس کی عزت

غصب کرلیتا ہے۔مثل ہے کہ چھوٹے کتے خرگوش کو دریافت کرتے ہیں اور بڑے
کتے پکڑ لیتے ہیں بعض وقت یہ ہوتا ہی کہ جو چیز بڑی مشکل اور ضروری ہوتی ہے
اُس پر لوگوں کی نظر نہیں جاتی بلکہ اُس سے جو کمتر آسانی اور قدرتی ہوتی ہے اُس کی
بڑی تعریف ہوتی ہے اُس کی مثال چھاپہ اور سستا کاغذ ہے۔ اکثر لوگ چھاپہ کی بہت
تعریف کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ ہزاروں برسوں پہلے سے آدمی اس سے واقف تھے
پومپی کے اور ہرکیولم کے شہروں کے کھنڈروں میں جو روٹیاں نکلیں تو اُن پر اِن کے
پکانے والوں کے نام منقش تھے۔مگر چھاپہ کی اشاعت جبتک نہیں ہوئی کہ کاغذ ارزاں نہیں ہوا
اگر کاغذ ارزاں نہ ہوتا تو چھاپہ کا رواج نہ ہوتا +

(۳) آدمی ایسے مختلف الطبائع ہوتے ہیں کہ اُن پر ایک اصول برابر اثر نہیں رکھتی۔
مثلاً ایک وہ لوگ ہیں کہ مذہب کے سبب سے دوسرے وہ جو عزت کے سبب سے
نیک کام کرتے ہیں عزت کے معنے ایسے نازک ہیں کہ جب سمجھ میں آتے ہیں کہ کسی آدمی نے
اچھی طرح عمدہ تعلیم پائی ہو اور بڑے بڑے معزز آدمی دیکھے ہوں اور بالطبع شریف ہو۔
اوّل ہم کو اُن لوگوں پر خیال کرنا چاہئے جو عزت کے صحیح معنے سمجھتے ہیں دوم جو غلط
معنے سمجھتے ہیں سوم جو سرے سے عزت ہی پر ہنستے ہیں۔ اوّل سچی عزت خواہ اُس کا
اصول مذہب سے مختلف ہو۔مگر نتیجہ واثر وہی پیدا کرتی ہی جو مذہب پیدا کرتا ہے
کاموں کے کرنے کے خطوط خواہ جدا جدا ہوں مگر آن کر سب ایک نقطہ پر ملتے ہیں
مذہب کے سبب سے جو آدمی نیکی اختیار کرتا ہے وہ خدا کے قوانین و احکام کے موافق
اور عزت کی وجہ سے جو نیکی اختیار کرتا ہے تو وہ انسانیت کی زیب و زینت کے سبب سے
برائی سے پابند مذہب خوف کرتا ہی۔ پابند عزت نفرت رکھتا ہی اور بدی کرنے کو
معزز اپنی شان میں بٹا لگانا سمجھتا ہے اور صاحب مذہب خدا کا ناراض کرنا جانتا
ہے۔پہلا بدی کو اپنی شان کے شایاں نہیں جانتا دوسرا نواہی الٰہی میں سمجھتا ہے سنیکا نے

کہا ہی کہ اگر خدا برائی کا دیکھنے والا اور اُس کی سزا دینے والا نہ ہوتا تو بھی معزز برائی
اس سبب سے نہ کرتا کہ اُس کے کرنے کو پاجی پن و کمینہ پن و رزالت جانتا ہے۔ عزت معدل
بندش ہی۔ بادشاہوں کا آئین ہی۔ اشرافوں کا ممتاز کرنے والا کمال ہے وہ نیکی کو جہاں
دیکھتی ہی اُس کی تقویت کرتی ہی جہاں نہیں دیکھتی وہاں اُس کی تقلید کرتی ہی عزت
کو چاہئے کہ آدمی لہو ولعب سمجھے جو اصول نیکی کو پیدا کریں اُن کو سہارا دینا چاہئے۔
دُوم جو عزت کے معنے غلط سمجھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن باتوں کو عزت ٹھیرالتے ہیں کیا
تو وہ خدا کے احکام کے برخلاف ہوتے ہیں یا ملک کے برخلاف وہ جرم کے انتقام لینے کو
عفو کرنے کی نسبت زیادہ معزز کام جانتے ہیں وہ جھوٹ بولنے کو بُرا نہیں سمجھتے لیکن اگر
کوئی اُن کو جھوٹ کا الزام دے تو اُس کے مار ڈالنے کو عزت جانتے ہیں اپنی عزت اور
جرأت کے کاموں کو نیکی کے کاموں پر ترجیح دیتے ہیں استقلال اور ثبات و تحمل انسان کی
ایسی نیکیاں ہیں کہ بغیر اُن کے آدمی کو انسان نہیں کہنا چاہئے مگر وہ اُن کو ذلیل سمجھتے
ہیں اور فقط اپنی درندوں کی سی دلیری کو بڑی عزت سمجھتے ہیں ایسی بہت سے آدمی ہم میں ہیں
جو فقط اس صفت سبعی کے سبب سے اپنے تئیں معزز جانتے ہیں غرض جو آدمی مروج فرائض
انسانی کا خون کرکے ان کاموں کو معزز جانتا ہے جن سے کہ خدا تعالیٰ ناراض ہو
یا اُن سے اجتماع انسانی غارت و تباہ ہو تو ایسا آدمی معزز شمار نہیں ہو سکتا وہ تو
ایسا ذلیل ہے کہ اگر پھانسی پر چڑھاؤ تو اُس کے تختہ کو بھی ذلت ہو۔ بعض آدمی ایسے
ہوتے ہیں کہ اگر اُن کے سامنے خدا تعالیٰ کو بُرا کہو تو ہنس کر چپکے رہیں گر اُن کے کسی دوست
کو بُرا کہو تو بُرا کہنے والے کی جان مارنے کے لئے تیار ہو جائیں اگر جوئے میں قرض روپیہ
لیکر ہار دیں تو خیانت کرکے اُس کے ادا کرنے کو عزت جانیں۔ غرض ایک اصول کے
معنے غلط سمجھنے سے ستم برپا ہوتا ہی بیشتر وہ جو عزت ہی کو مسخراپن سمجھتے ہیں۔ کوئی مذہب کا
پابند ہوتا ہے کوئی بدعتی کوئی لامذہب وہ مذہب کو ایک ڈھکوسلا جانتے ہیں اُن کے نزدیک سب

سب برابر ہیں۔ اکثر آدمی جو رند مشرب اوباش ہوتے ہیں وہ عزت کو کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس سبب سے وہ بہت شرارت وشیطنت کے کام کرتے ہیں وہ ہر چیز پر ہنستے ہیں وہ عزت کے انعام کو خیالی چیز جانتے ہیں اگرچہ ایسے شخص بعض وقت اچھی حکومت اور خوب دولت پیدا کر لیتے ہیں لیکن جو شخص عزت کے دربار میں نیک کاموں کے دروازہ سے داخل ہوتا ہے صرف وہی ملک کی تاریخ کی خطوط میں اپنا نام نیکنامی کے ساتھ ثبت کرتا ہے +

غصہ

اس تمام مضمون میں غصہ سے مراد اس جذبۂ قلبی سے ہے جو دوسرے کی تکلیف پہنچانے سے جوش میں آئے وہ ایک تھوڑی دیر کا جنون ہوتا ہے)

بعض فرقۂ حکماء کی یہ شیخی ہی شیخی ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم غصہ کو بالکل دور کر سکتے ہیں۔ غصہ کے باب میں انجیل کا یہ ارشاد ہی کہ غصے تو ہو مگر گناہ نہ کر ایسا نہ ہو کہ سورج ڈوب جائے اور تو خفا کا خفا رہے غصے کے اثروں پر یہ غور کر کے کہ وہ کتنا انسان کی زندگی کو تلخ اور بیمزہ کرتا ہے۔ یہ سوچنا چاہئے کہ اس کو ہم کتنا کم کر سکتے ہیں سنیکا کا کیا خوب قول ہے کہ غصہ کا حال مینہ کا سا ہے کہ جس پر پڑتا ہے اسی کو شکستہ کرتا ہے کتب مقدسہ یہ تعلیم کرتی ہیں کہ تم صبر سے اپنی جان بچائے رکھو۔ جو آدمی صبر نہیں کرتا وہ اپنی دل پر قابو نہیں رکھتا۔ تم کبھی نہ ہو کہ زخموں میں پھنس کر اپنی جان کھوؤ۔ غصہ انسان کی ضعف کی نشانی ہے۔ وہ اکثر بچوں۔ عورتوں۔ بڈھوں بیماروں کو زیادہ تر آتا ہے۔ آدمیوں کو تین سببوں سے غصہ آتا ہے۔ اول ضرر پہنچنے پر۔ دوم اپنی حقارت کے شبہ پر۔ سوم اپنی نیک نامی کے جاتے رہنے پر آدمی کو جبتک اپنی ضرر کا ادراک نہیں ہوتا اس کو غصہ نہیں آتا۔ اسی واسطے نازک مزاجوں اور ضعیفوں کو جن باتوں پر زیادہ غصہ آتا ہے قوی مزاج ان سے خبر بھی نہیں ہوتے

کیونکہ وہ چیزیں اُن کو ضرر رساں معلوم نہیں ہوتیں یہ ضعف ہی کا سبب ہے
کہ بہت سی چیزیں مضرت پہنچانے والی معلوم ہوتی ہیں۔ تحقیر ایسی چیز ہے کہ وہ
غصہ کی دھار کو تیز کر دیتی ہے اور تحقیر سے وہ تکلیف نہیں ہوتی جو اُس پر غصہ آنے
سے نیک نامی کے فرق آنے پر جو آدمی کو غصہ آتا ہے اُس کے لئے ایک دانشمند کا قول یاد
رکھنا چاہئے کہ اشراف اپنی عزت کا جال ایسا مضبوط و کشادہ بنائیں کہ اُن میں چھوٹی
چھوٹی چیزیں نہ پھنسا کریں اور ایسی نیک نامی کی بنا استوار وہ ڈالیں کہ اُس پر چھوٹے
چھوٹے حملوں سے کچھ اثر نہ ہو۔ انسان کو چاہئے کہ جس وقت غصہ آئے نہ کچھ کہے نہ کچھ
کام کرے۔ یہ سمجھے کہ ابھی انتقام کا وقت نہیں آیا اُس کے آنے کا منتظر ہے اور یہ جانے کہ
کہ توقف کر کے میں بدلہ اچھی طرح لے سکوں گا غصے کے وقت میں بولنا یا کام کرنا ایسا نہ ہو
کار برآری کے حق میں ہوتا ہے کہ پھر اُس کا کچھ علاج ہی نہیں ہو سکتا ÷

زمانہ کا دور اور انقلاب۔

اجرام فلکی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اُن میں ایک دور رہتا ہے جب وہ اپنا ایک دورہ
خواہ کیسا ہی طول طویل ہو پورا کر چکتے ہیں تو اُن کا پھر دوسرا دورہ اس طرح شروع
ہوتا ہے جیسا کہ پہلا اور وہی باتیں وقوع میں آتی ہیں جو پہلے آ چکی ہیں ثوابت میں جو باہم
فاصلے ہیں اُن میں کچھ انقلاب نہیں ہوتا اور وہ متغیر نہیں ہوتے۔ آفتاب کی گردش
کا جو دور ہے اُس میں سر مو فرق نہیں آتا۔ موسموں کے تغیر و تبدل کا ایک دور ہے
کہ وہ مسلسل چلا جاتا ہے غرض جیسے یہ متسلسل دورہ اجرام فلکی میں ہے۔ ایسا ہی بعض عقلاء کے
نزدیک اور واقعات دُنیا میں بھی ہے۔ اسی لئے بعض اولالاخرد یہ فرماتے ہیں حضرت سلیمانؑ
سورج کے نیچے کوئی نئی چیز نہیں کل نئی ایجاد ایک فراموشی ہے افلاطون کل
علم صرف یاد ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مادہ کو ایک حال پر قرار نہیں ہمیشہ اُس میں انقلاب
ہوتا رہتا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ان انقلابوں کا ایک دور ہو کہ ایک مدت کے بعد

پھر اسی طرح انقلاب ہونے لگیں جیسے کہ اجرام فلکی میں طوفانوں اور زلزلوں سے وہ انقلابات ہوتے ہوں کہ اُن کے آگے آتش زدگی اور قحط سالی کے انقلابات کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتے وہ تو انسانوں کو ایسا برباد کرتے ہیں کہ اُن کے واقعات بیان کرنے کے لئے بھی کوئی زندہ آدمی نہیں ملتا۔ ان کے ہاتھ سے فقط پہاڑوں پر جاہل کندہ ناتراش جن کو کسی بات کے بیان کرنے کی لیاقت نہیں ہوتی زندہ رہتے ہیں آپس کی حسد اور دشمنی سے جو ہنگامہ کارزار گرم ہوتے ہیں۔ ان کے انقلابات بالکل فراموش نہیں ہوتے۔ سب سے بڑا انقلاب جو انسان کی حالت میں واقع ہوتا ہے وہ اُس کے مذہب اور فرقوں میں تفریق کے سبب سے واقع ہوتا ہے۔ ان چیزوں کا مدار انسان کے دل میں رہتا ہی سچے مذہب کی بنا پہاڑ پر ہوتی ہی۔ اور باقی اور مذہب یوں نہیں ڈانواڈول اور متزلزل زمانہ کے اندر رہا کرتے ہیں۔ جب کوئی قدیمی مذہب آپس کی نااتفاقی سے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ٹکراتا ہی اور علماء مذہبی کی تقدیس میں تنزل ہوتا ہے۔ اور جہالت۔ حماقت۔ وحشت کا زمانہ آتا ہی تو اُس وقت نئے نئے فرقوں کے پیدا ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ اگر کوئی عالی ہمت عاقل انکا سردھرا بن گیا تو اور زیادہ خوف کا محل ہوتا ہی اگر اس نئے فریق میں دو باتیں ہوں تو اُس سے سلطنت کو کچھ خوف نہیں ہوتا۔ اوّل جو سلطنت قائم ہو اُس کا قائم مقام بنانا وہ اپنے تئیں نہ چاہتا ہو اور نہ سلطنت کا مقابلہ کرتا ہو۔ دوم وہ اوباشی اور عیاشی کی اجازت نہ دیتا ہو۔ غرض اُس میں فقط فکر خیالی ایسے ہوں کہ جو دل پر اثر کریں مگر فکر عملی نہ ہوں نئے فرقے تین طرح سے پیدا ہوتے ہیں اوّل معجزات کرامات خرق عادات سے دوم بلاغت فصاحت کی تقریر اور حکمت اور دانائی سے سوم بزور شمشیر۔ ان فرقوں کے لئے سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ وہ نرمی اور ملائمت سے منالئے جائیں اور ان کی عیبوں کی اصلاح کی جائے۔ اور اُن کی چھوٹی چھوٹی باتیں مان لی جائیں اور اُن پر لعنت ملامت نہ کی جائے اور کوئی سختی اُن کی ساتھ نہ ہونی چاہئے ایسے ہی لڑائیوں کے اندر تین طرح کے

انقلابات واقع ہوتے ہیں اوّل جب بڑی سلطنتوں میں جنگ و پیکار کے طوفان
اُٹھتے ہیں تو وہ برباد ہو جاتی ہیں جب کوئی سلطنت قائم ہوتی ہے وہ جن ملکوں کو فتح
کرتی ہے اُن کی سپاہیوں کا زور گھٹا دیتی ہے اور اپنی سپاہ سے ملک کی حفاظت
کرتی ہے۔ مگر جب اُس سپاہ میں خلل آجاتا ہے تو وہ سلطنت بالکل برباد اور تباہ
ہو جاتی ہے اور خود اوروں کا شکار بن جاتی ہے جب بہت چھوٹی چھوٹی ریاستیں متحد
ہو جاتی ہیں تو بھی ہنگامۂ جنگ وہ برپا کرتی ہیں اس لئے کہ جب پانی کی طغیانی ہوگی تو
وہ اُبلے گا۔ جب اس اتحاد سے قوت پیدا ہوگی وہ اپنا اثر ضرور دکھائیگی اور جب وحشی
قوموں کے جتھے اکٹھے ہو جاتے ہیں اور سلطنتوں کے جنگ کی قوتیں کم ہو جاتی ہیں تو بڑے
انقلاب پیدا ہوتے ہیں دوم جنگ میں انقلاب بڑا ہتھیاروں سے ہوتا ہے۔ گو اُس کے
لئے کوئی قاعدہ مشاہدہ سے نہیں مقرر ہو سکتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اسلحۂ
آتشی نے جنگ میں بڑا انقلاب پیدا کیا ہے وہ اوّل ہندوستان میں ایجاد ہوئے جن کو
اہل مقدونیہ نے بجلی و کڑک و رجادو لکھا ہے اور ان اسلحۂ آتشی کے استعمال کو چینی دو ہزار
برس سے جانتے تھے ہتھیاروں کی ترقی اُن پر موقوف ہے۔ اوّل دُور سے مارنے پر
کیونکہ اُس سے دشمن کو دُور سے ہی ہلاک کے بیخوف ہو جاتے ہیں جیسا کہ توپ بندوق میں دیکھتے
ہیں دوم صدمہ پہنچانے پر اسلحۂ آتشی سے صدمے پہنچتے ہیں وہ پرانے اسلحہ مثل منجنیق و سنگ
انداز و تیر سے کب پہنچتے تھے سوم ان کی آسانی استعمال پر یہ اسلحہ سب موسموں میں کام
آسکتے ہیں اُن کی باربرداری آسان ہے سب جگہ اُن کو لے جا سکتے ہیں تیسرا انقلاب
طریقۂ جنگ میں واقع ہوا ہے کہ پہلے زمانہ میں زیادہ تر اعتماد سپاہ کی تعداد پر ہوتا تھا
اب سپاہ کے علم و ہنر پر اعتبار ہوتا ہے علم کے انقلابات کا حال بھی سلطنت کا سا ہوتا ہے
جیسے سلطنت کے عہد طفلی۔ جوانی۔ پیری ہوتے ہیں ایسی ہی علم کی عمر میں انقلابات ہوتے
ہیں غرض مذہب۔ حرب۔ علم میں انقلابات ہوتے رہتے ہیں اُن سے انسان کے حالات میں

انقلابات واقع ہوتے ہیں اگر ہم دنیا کے کل انقلابوں اور گردشوں کا حال لکھیں تو ہمارا سر چکرا جائے اس لئے اُسے ختم کرتے ہیں +

زبان۔

اکثر آدمی زبان کا یہ فائدہ جانتے ہیں کہ جن چیزوں کو ہمارا دل چاہتا ہے انھیں الفاظ کا لباس پہنا کے ظاہر کریں جن سے وہ حاصل ہو جائیں آدمی کی احتیاجوں اور خواہشوں کو ایسی خوبی سے زبان ظاہر کرتی ہے کہ اور لوگ اُن کو رفع کر دیتے ہیں لیکن عاقلوں کی رائے اس کے برخلاف ہے کہ خواہشوں اور احتیاجوں کے ظاہر کرنے میں زبان اتنی کام نہیں آتی جتنی وہ اُن کے چھپانے کے کام میں آتی ہے دنیا کا تجربہ شہادت دیتا ہے کہ جو شخص اپنی احتیاجوں کا چھپانا جانتا ہے غالباً زیادہ تر کامیاب ہوتا ہے جو لوگ عاقل اور ہوشیار ہوتے ہیں وہ دوستوں سے ضرورت سے زیادہ قرض لینے کی ایسی تمہیدیں بناتے ہیں جس سے کسی کو یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ اُن کو تھوڑی روپے کی ضرورت ہے اس حکمت سے حسب ضرورت قرض ملجاتا ہے مثلاً ایک شخص اپنے دوست سے ہزار روپے قرض مانگتا ہے تو وہ دو سو روپیہ دیدیتا ہے اگر وہی آدمی نہایت عجز و انکسار کے ساتھ تھوڑا سا قرض مانگتا تو غالباً اُس کا اعتبار پیسے کا بھی نکیا جاتا اور کچھ بھی نہ ملتا جب کبھی درزی سے قرض سلوانا منظور ہوتا ہے تو وہ بڑی بھڑک کی پوشاک پہن کر اُس کی دکان پر جاتے ہیں اور ایسی باتیں بناتے ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہو کہ یہ کوئی بڑے آدمی ہیں اس طرح درزی اُدھار کی سلوائی پر راضی ہو جاتا ہے احتیاج کے ظاہر کرنے میں ضرورت یہ آن کر پڑتی ہے کہ دوسرے آدمی کے دل میں اپنے حال پر رحم پیدا کریں جس سے اپنا مطلب نکلے۔ اب مفلس آدمی کو پہلے اس سے کہ وہ اپنا افلاس کسی دوست پر ظاہر کرے یہ سوچنا چاہئے کہ سوال کر کے اپنی قدر و منزلت کا کھونا اور دوستی کو رحم سے بدلنا مناسب ہے کہ نہیں؟ خصائل انسانی میں دو بڑے جوہر رحم اور دوستی کے

ہیں۔ دوستی تعظیم اور خوشی سے پیدا ہوتی ہے رحم افسوس اور حقارت سے اس لئے
یہ دونو باتیں ایک وقت میں دیر تک مل کر دل میں نہیں رہ سکتیں۔ دل ان دونو کے
درمیان معلق رہتا ہی مگر ان کو جمع نہیں کر سکتا وہ ایک دوسری کو زائل کرتے ہیں
کوئی دل رحم سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر رحم کا قاعدہ ہے کہ وہ تھوڑی دیر رہتا ہی۔ اس لئے
غریبوں کو اس سے کم مدد ملتی ہی۔ بعض آدمیوں کے دلوں میں رحم کی زود زوالی کا حال
یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کو کسی مفلس محتاج کے حال پر رحم آئے اور جی کچھ دینے کو بھی چاہے
مگر اتنی دیر میں وہ بدل جاتا ہی کہ جیب میں ہاتھ جاے۔ یا رو مال کھولا جاے۔ بعض آدمیوں
میں وہ کچھ دیر تک قائم رہتا ہے اور جو نہایت نرم طبیعت کے رحم دل ہوتے ہیں۔
ان کے اندر آدھ گھنٹے سے زیادہ وہ نہیں ٹھیرتا۔ بس اس لئے رحم سے غریب آدمیوں کو
کم امداد ملتی ہے۔ دوستی کے کاموں میں آدمی بہت روپئے صرف کر دیتا ہے مگر رحم کے
کاموں میں صرف پیسی ہی خرچ کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بلا میں مبتلا ہوتا ہے
اور اس کے حال زار کو دیکھ کر دل میں رحم آتا ہی تو رحم کی جو کیفیت اول دفعہ میں ہوگی
وہ دوسری دفعہ میں نہیں۔ اگر اس کو پہلی دفعہ میں ایک روپیہ دیدیں تو دوسری
دفعہ شائد آٹھ آنے دیں اور تیسری دفعہ وہ ہاتھ پھیلائے تو معلوم بھی نہ ہو۔ اس کی
صدا کا حال گنبد کی صدا کا سا ہے کہ ہر دفعہ میں زور اس کا کم ہوتا جاتا ہے ـــــ
یہانتک کہ آخر کو ہمارے دل میں افسوس اور ترس کا نشان باقی نہیں رہتا ہے ہم
دیکھتے ہیں کہ ایک شخص آسودہ حال مالدار ہے بھلے مانس اس کو اپنی بیٹیاں دینے اور
روپیہ قرض دینے کے لئے منتیں کرتے تھے اور تحفہ تحائف دیتے تھے اور وہ انکار کرتا تھا
جب مفلس وہ ہو گیا تو وہ نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ مفلسی میں آدمی کی میٹھی باتیں بھی
کڑوی معلوم ہوتی ہیں۔ اس کی خوشامد کی باتیں بھی کانوں کو زہر لگتی ہیں۔ اے
محتاجو تم رحم کے سوا کسی اور جذبہ انسانی سے اپنا کام نکالو۔ انسان کی خود فروشی

خود مطلبی۔ حریص ہونے سے تم اپنا مطلب یا وہ رحم سے نکال سکتے ہو۔ غرض انسان
افلاس اور اپنی احتیاجوں کے چھپانے میں بان کو طرح طرح سے کام میں لائے۔ اگر سو روپیہ
کے قرض لینے کی ضرورت ہو تو فقیر بن کر بھیک نہ مانگے بلکہ دوستوں کی دعوت کرے
اور اُن سے باتوں باتوں میں سو روپیہ کی ضرورت اپنی بیان کرے اگر کوئی دوست
پچاس روپئے دے تو کہے کہ بیس روپیہ میرے پاس ہیں تیس روپیہ میں کسی اور دوست سے قرض
لے لونگا اگر کوئی شخص تم کو دیکھے کہ روٹی ساگ پات سے کھا رہے ہو تو کسی نامی طبیب کا
نام لے کر کہو کہ اُسنے ہم کو یہ پرہیزی کھانا بتایا ہے۔ سوا اس کے میں شکم پرست بھی
نہیں ہوں اکثر پر تکلف کے کھانے سے میں بیمار ہو جاتا ہوں اگر کپڑے جاڑے
میں گرم نہ پہنے ہوئی ہو تو کہو کہ معلوم نہیں مزاج میں حرارت کہاں سے آگئی ہے
کہ اس جاڑے میں بھی سردی نہیں لگتی۔ اگر کپڑے میلے ہوں تو کہو کہ کم بخت
دھوبی ایسا قسمت سے ملا ہی کہ چار چار جوڑے اکھٹے ہو جاتے ہیں مگر وہ دھو کر نہیں لاتا
اگر کپڑوں میں پیوند لگے ہوں یا وہ کہیں سے پھٹے ہوئے ہوں اور ان کو کسی طرح کی
نشست سے نہ چھپا سکو تو کہو کہ درزی پر خدا کی مار ہے کہ جلدی نئے کپڑے سی کر نہیں لاتا
یا یہ کہ مجھے خوش پوشی پسند نہیں میرے درزی تو افلاطون اور سنیکا ہیں کہ جن کا
قول ہی کہ صرف اتنے لباس کی ضرورت ہے۔ کہ جس سے بدن ڈھک جائے۔ امیر جو
اپنی خوش لباسی دکھاتے ہیں وہ ہنسی کے قابل ہیں مجھے وہ لباس پسند ہی جس کی
ہدایت انبیا اور حکمائنے کی ہی۔ غرض اور جو افلاس کی برائیاں ظاہر ہوں اُنکو
اسی طرح چھپاؤ اور بجائے افلاس کی اپنی کفایت شعاری کا اظہار کرو۔ کنجوس پن اپنا
بتلاؤ۔ مگر نہ افلاس بتاؤ آدمی مفلس ہونے سے یا مفلس معلوم ہونے سے کبھی قدر و
منزلت نہیں پا سکتا۔ جب اُمرا ڈینگ مارتے ہیں تو اُن سے نفرت ہوتی ہی اور جب
عقلمند شیخی کرتے ہیں تو ہنسی آتی ہی مگر مفلسی جو خود کری تو وہ معذور و مجبور ہے

اور قابل معافی ہی اب تم نے دیکھ لیا کہ زبان جتنی احتیاجوں کے چھپانے میں کام آتی ہی اتنی ظاہر کرنے میں نہیں +

(۲) زبانوں کی صفات - عبرانی زبان رمز و کنایہ کا لباس پہنی ہوی ہی۔ حکماء یونان کی زبان میں پاکیزہ الفاظ میں خوب رواج ہے رومیوں کی زبان فصیح اہل انگلستان کی زبان سنجیدہ متین - اہل ہسپانیہ کی زبان بہادرانہ فرانس کی زبان ملائم اور شیریں ہے

(۳) زبان سے ہمیشہ کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے - یہ مت خیال کرو کہ زبان ایسا مولود ہے کہ ایک ہی دفعہ پیدا ہوتی ہے اور مرجاتی ہے بلکہ وہ ایسی جاندار ہے جس سے ہمیشہ کچھ نکچھ پیدا ہوتا رہتا ہے انسان کے خیالات عقل و دانش کی ترقی کے ساتھ مکمل اور دقیق ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان خیالات کا اظہار زبان ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہی اسواسطے کوئی محاورہ اپنی ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ آگے چلتا ہے منکشف ہوتا ہے۔ بڑھتا ہے - اپنے تئیں محصور کرکے محفوظ بناتا ہے۔ پرانا ہوتا ہی آخر کو پیر فرتوت ہو جاتا ہے +

(۴) زبان کا متغیر ہونا - زبانوں میں جو تغیر و تبدیل ہوتے رہتے ہیں وہ خدا کے انتظام میں داخل ہیں جس سے علے العموم ساری دنیا کو علی الخصوص مصنفوں کو فائدہ پہنچتا ہی - زبانوں کا حال اقسام نباتات کا سا ہی کہ وہ طرح طرح کے خوبصورت ہوتے ہیں اول وہ زمین سے پھوٹتے ہیں۔ پھر نمو پاتے ہیں تھوڑی مدت کے بعد وہ کھیتوں اور باغوں کو رونق دیتے ہیں پھر مرجھا کر خاک ہو جاتے ہیں تاکہ اُن کی جگہ اور اُن کے قائم مقام آئیں اگر اُن کی یہ صورت نہ ہوتی تو بجز کی کچھ بارآوری بجای نعمت کے مصیبت ہو جاتی زمین پر وہ نباتات کا انبار ہوتا کہ اُس کا بار زمین سے اٹھایا نہ جاتا کہ اُس سے سب جگہ اُس کے سطح پر وہ گلجھٹیاں پڑی ہوتیں جو سلجھائی نہ جاتیں بس یہی حال نباتات کا سا تصنیفات کا ہی کہ انکا

تنزل ہوتا رہتا ہے اور وہ شئ رہتی ہے کہ ان کی جگہ اور قائم مقام ان کے آباد کریں +
زبان بتدریج بدلتی جاتی ہے اور اُس کی ساتھ اُس کے مصنفوں کی تصنیفات بھی ایک خاص
مدت تک شگفتہ رہتی ہے۔ اگر یہ حالت نہ ہوتی تو ذہن کے قوائے مولدہ دُنیا کو کتابوں سے
اتنا بھر دیتیں کہ اُس میں سمائی نہ ہوتی۔ اور انسان کا دل علم ادب کی بے انتہا بھول بھلیوں
میں بھٹکتا رہتا۔ اور سرگرداں و پریشان ہوتا۔ زمانہ سابق میں تو ان کی افراط کے واسطے
یہ روکیں تھیں کہ کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں جو ایک بڑی محنت کا کام تھا کہ تدریج تدریج ہوتا تھا
سوا اس کے وہ ایسی چیزوں پر لکھی جاتی تھیں جو نہایت گران قیمت ہوتی تھیں جہاں
کہ اُن کی اوپر سے ایک کتاب کو حک کر کے دوسری کتاب لکھتے تھے۔ پھر ایسی نازک چیزوں
پر لکھنا شروع ہوا جو جلد خراب ہو جاتی تھیں مصنفوں کی تعداد بھی محدود تھی۔ قلمی کتابیں
بہت روپیہ خرچ کرنے سے ایک مدت دراز میں جمع ہوتی تھیں بس یہ حالتیں ایسی تھیں کہ
نتائج عقلیہ کی طغیانی ایسی نہیں ہوئی کہ وہ ہمارے خیالات کے چشموں کو بند کرتیں اور اُس کا
طوفان زمانہ حال کی ذہانت کو ڈبو دیتا۔ اب زمانہ حال میں چھاپہ اور کاغذ کی ایجاد و نے
پہلے روکوں کو دُور کر دیا۔ ان کے سبب سے ہر شخص اپنی تئیں مصنف بنا سکتا ہے اور اپنے
خیالات کو پریس کے اندر رکھ سکتا ہے اور کل عقلی دُنیا میں پھیلا سکتا ہے۔ چھاپے اور
کاغذ کے نتیجوں کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے اور خوف لگتا ہے کہ علم ادب کی
دہار بڑھی اور رو ہو گئی اور دریا بن کے وہ پھیلی کہ سمندر معلوم ہونے لگی چند
صدی پہلے اگر کسی کتب خانہ میں پانچ چھ سو کتابیں ہوتیں تو وہ بڑا کتب خانہ سمجھا جاتا تھا
اب بعض کتب خانوں میں تین تین چار چار لاکھ کتابیں ہیں مصنفوں کا ایک لشکر موجود
ہے جو اپنے کام میں مستعدی اور چالاکی سے مصروف ہے اور پریس و سحر کا کام
کر رہا ہے اور ہتھیلی پر سرسوں جما رہا ہے کہ خیال ہی کہ اوپر کے کتب خانوں میں
کتابوں کو دو چند سہ چند کر دیگا۔ ظاہر میں اس علم ادب کی موت کا کوئی وہم بھی

نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اُس کو موت نہ آئی اور یہی حال رہا جواب ہے تو علم ایسا کثیر الاولاد ہو جائیگا کہ آیندہ کو لوگ اُس سے خوف کھایا کرینگے۔ اب اندیشہ ہے کہ زبانوں کا بدلنا بھی اُس کے انسداد کے واسطے کافی نہ ہوگا۔ نکتہ چینی اور عیب بینی خواہ وہ اچھی ہو یا بُری اس کی طغیانی کو نہیں روک سکتی۔ نکتہ چین اپنی نکتہ چینی اور عیب بین اپنی عیب گوئی کیا کریں۔ مصنف اپنی تصنیفات کئے جائینگے اور چھاپنے والے چھاپے جائینگے۔ دُنیا عمدہ کتابوں سے معمور ہو جائیگی فقط ان کے ناموں کے یاد کرنے کے لئے ایک عمر درکار ہوگی ابھی سے لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر اخبار اور رسالے ریویو وغیرہ پڑھتے ہیں تو کسی کتاب کے پڑھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ کچھ مدت نہیں گذریگی کہ فاضل عالم فقط ایک فہرست رواں کتابوں کے ناموں کی ہوگی +

(۵) زبان کا نشو و نما درخت کا سا ہوتا ہے کہ پہلے جڑ ہوتی ہے پھر شاخیں اُس میں پھوٹتی ہیں پھر پتے نکلتے ہیں پھر کلیاں۔ زبان خیالات کے ساتھ ایسی حرکتیں کرتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی ستاروں کی تاثیر سے جیسے علم کیمیا کی ترقی سے دُنیا کی ظاہری زیبائش ہوتی جاتی ہے ایسے ہی زبان کی ترقی سے خیالات کی آراستگی ہوتی جاتی ہے جب پُرانی زبان مردہ اور مقطوع للاستعمال ہوتی ہے تو نئی زبان اُس پر حملہ آور ہو کے اُس کی جگہ چھین لیتی اور خود بڑی زور سے دبا کے ہو بیٹھتی ہے۔ زبان امور حق کا ایک چشمہ ہوتا ہے کچھ گنواروں ہی سے زبان زیادہ دانا نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے بولنے والوں دانشمندوں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے اُس کا حال کہربا کا سا ہوتا ہے کہ اِدھر الکٹرسٹی کے تاروں پر رہتی کو دُنیا میں رواں کرتی ہے اُدھر قدیمی مردوں کی ہڈیوں کو اپنا روغن چڑھا کے سلامت اور قائم رکھتی ہے۔ پہلے زمانہ کے تمام امور حقہ قفل میں بند رکھتی ہے عقل کے افق کے نیچے بہت سی حق کی شعاعیں ہوتی ہیں جنکو وہ اُبھار کے چمکا دیتی ہے۔ استعارات اور تشبیہات کو دیکھو کہ وہ کیا کیا نورانی جلوے

دکھاتے ہیں اور کلام کو الہام بنا دیتے ہیں۔ جو اُن میں زیادہ کاوش کرتے ہیں وہ روحانی غلطی پاتے ہیں ❊

نصیحت کرنا۔

ہم کسی بات کے سننے سے ایسے کشیدہ و رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے جیسے کہ نصیحت کے سننے سے ناصح کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم کو نادان بچہ احمق سمجھ کے ہمارے فہم و عقل کی ہتک کو نصیحت کے ضمن میں ہماری فضیحت کرتا ہے جتنی وہ ہماری بھلائی کے لئے گرمجوشی کرتا ہے اتنا ہی ہم اُس کو مغرور اور بیہودہ جانتے ہیں حقیقت میں ناصح جس کام میں نصیحت کرتا ہے اُس میں وہ اپنی برتری دکھاتا ہے سوا اس کے کوئی اور وجہ نصیحت کرنے کی نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے تئیں بمقابل ہمارے بڑا جانتا ہے اور ہمارے طور طریقہ فہم و فراست کو ناقص سمجھتا ہے۔ ایسا ناصح بننا کہ پند و اندرز اس طرح کرے کہ وہ لوگوں کو خوشگوار ہوں اور تلخ نہ معلوم ہوں نہایت دشوار ہے ناصح ہونے کا فن نہایت مشکل ہے۔ جس کو جتنا وہ آتا ہے اُتنا وہ مشہور ہوتا ہے۔ ناصحوں نے اپنے اپنے وہ طور اور طریقے جداگانہ مقرر کئے کہ جن سے پند و نصیحت کی تلخی میٹھی معلوم ہو کسی نے نصائح کو فصاحت و بلاغت کا لباس پہنایا۔ کسی نے نظم میں اپنی لے کے ساتھ گایا کسی نے اُنہیں ظرافت کا لباس پہنایا۔ کسی نے مختصر ضرب المثل میں اُن کو بٹھایا۔ مگر ان سب سے بہتر طریقہ نصیحت کرنے کا یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ بے زبان حیوانوں کی حکایات نقلیات قصص میں خواہ کسی رنگ ڈھنگ کی ہوں وہ بیان کی جائیں اس طریقہ سے کوئی صدمہ ہم کو نہیں پہنچتا اور نہ اُن پر وہ اعتراض ہوتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں اُن کے پڑھنے میں فسانہ کی تفریح کے سوا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے تئیں آپ نصیحت کرتے ہیں مصنف نے تو کتاب کو فقط دل خوش کرنے کے لئے بنایا ہے اور ہم اُس سے نصائح اخذ کرتے ہیں یہ ہماری ذکاوت اور طبیعت کی جودت ہے۔ بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ ہم کو ذرا

نہیں معلوم ہوتا کہ ہم کسی دوسرے شخص کی پیروی کر رہے ہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں
کہ ہم اپنے آپ ہدایت کر رہے ہیں غرض یوں ان قصوں کے دموں میں آن کر ہم زیادہ
ہوشمند و خرد مند ہوتے جاتے ہیں کوئی نصیحت تلخ اور ناگوار نہیں گزرتی انسان
کی خلقت میں یہ امر داخل ہی کہ وہ ان باتوں سے خوش ہوتا ہی کہ جن سے اپنی قابلیت اور لیاقت
کے کمال کا خیال پیدا ہو یہ بات ان قصص و حکایات کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے کہ
جس سے وہ یہ فخر کرتا ہے کہ میں آدھا مصنف ہوں الفاظ مصنف کے ہیں اور معانی
میری ہیں اور جو کچھ نتائج اُس سے پیدا ہوتے ہیں وہ میری طبیعت اور فکر رسا کے
پیدا کئے ہوئی ہیں۔ اُس سے دل راضی ہوتا ہے اور اپنی خوش فہمی پر ایک ناز ہوتا ہے
اور وہ دل سے ایسی کتابوں کو جن سے یہ کیفیت حاصل ہوں عزیز رکھتا ہی۔ گو یہ طریقہ
نصیحت و پند کرنے کا ذرا پھیر پھار کا ہے اور ناک کو پھیر کر بتلانا پڑتا ہی مگر وہ ایسا
مرغ و مرغجاں ہی کہ پہلے زمانہ نے بادشاہوں اور بادشاہزادوں کی تعلیم و نصیحت کے لئے
اس طریقہ کو زیادہ پسند کیا تھا۔ ان کے پڑھنے کے واسطے بہت سی کتابیں ایسے
حکایات کی تصنیف ہوئیں جو اب تک موجود ہیں۔ ہم یہاں صرف سلطان محمود غزنوی
کی ایک نقل لکھتے ہیں اُس سلطان کا دستور تھا کہ جن ملکوں کو فتح کرتا اُن کو برباد زیادہ
کیا کرتا تھا چنانچہ آدھا ایران اُس کے ہاتھ سے تباہ ہو کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اُس کا
ایک وزیر تھا جو سب جانوروں کی بولیاں سمجھتا تھا منطق الطیر سے خوب واقف تھا
اتفاق سے وہ اور سلطان دونو شکار کو گئے شام کو خیمہ گاہ پر واپس آتے تھے راہ میں ایک
کھنڈر کی پرانی دیوار کے پاس ایک درخت پر دو اُلو بیٹھے ہوئے بول رہے تھے سلطان نے
وزیر سے پوچھا کہ تم ذرا جا کر سنو تو سہی کہ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں تم تو ان کی بولی
خوب سمجھتے ہو۔ وزیر یہ حکم سن کر درخت کے پاس گیا۔ اور وہاں کان لگا کر انکی
باتیں سننے لگا اور پھر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ وہ ایسی باتیں

کرتے ہیں کہ میں حضور سے ان کو گزارش نہیں کرسکتا۔ سلطان کو وزیر کے اس کہنے سے اور زیادہ شوق ہوا اور اس نے تاکید کی کہ تم ضرور ذرا ذرا ان باتوں کو سنا دو۔ ایک بول بھی ان کا نہ چھوڑو۔ تو وزیر نے مجبور ہو کر عرض کی کہ جہاں پناہ سلامت یہ دو الو آپس میں اپنے بیٹا بیٹی کی بیاہ کی باتیں کرتے تھے بیٹے والے نے بیٹی والے سے کہا کہ میں اپنے بیٹے کا بیاہ تمھاری بیٹی کے ساتھ اس شرط سے کرونگا کہ تم جہیز میں پچاس ویران گانوں دو۔ بیٹی والے نے کہا کہ تم پچاس گانوں کیا کہتے ہو میں پانسو اجڑے ہوئے گانوں دیدونگا۔ خدا سلطان محمود کو زندہ سلامت رکھے۔ ویران دیہات کی پھر کیا کمی ہے۔ اس کی بدولت ملک کے ملک ویران پڑے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وزیر کے اس کہنے سے سلطان محمود کے دل پر وہ اثر ہوا کہ اس نے تمام شہر اور قصبے اور دیہات جو ویران پڑے تھے پھر از سر نو آباد کردیئے۔ اور جب تک زندہ رہا کسی بستی کو ویران نہیں کیا۔ تم یہ سنکر بڑے ہنسو گے کہ حکیم دیموقراطیس نے لکھا ہے کہ چند پرندے ہیں کہ اگر ان کے لہو کو ملاؤ تو اس سے ایک سانپ پیدا ہوگا۔ اگر کوئی اس سانپ کو کھا جاوے تو وہ تمام پرندوں کی زبان سمجھنے لگے گا۔ اگر حکیم صاحب نے یہ نسخہ نہ ایجاد کیا ہوتا تو اوپر کی حکایت میں کچھ لطف نہ ہوتا اور سلطان محمود وزیر کی نہ سنتا

سودمند نصائح اور نیک صلاح اکثر کیوں نہیں مانی جاتیں

دنیا میں بہت تھوڑی چیزیں ایسی مفت ملتی ہیں جیسے کہ سودمند نصائح اور نیک صلاح۔ وہ بڑی دریا دلی۔ اور فیاضی سے تقسیم ہوتی ہیں مگر لوگ ان کو ایسا نہیں قبول کرتے کہ جس سے انکی اصلاح ہو جاوے۔ بلکہ متمردانہ انکا مقابلہ کرتے ہیں اب کوئی اس کا سبب نصیحت پانے والوں کا قصور بتلاتا ہی کہ لوگوں کا دل ایسا سخت ہو گیا ہی کہ اب امید باقی نہیں ہی کہ نصیحت ان پر اثر کرکے اُن کی اصلاح کرے لیکن بعض ارباب دانش حقیقت آگاہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ مصلحین و ناصحین کی خطا ہی کہ وہ اُن قوانین و

قواعد سے باہر نہیں ہوتے کہ جن سے اس نیک ساعت کی علامات معلوم ہوتی ہیں جس میں
آدمی کا دل عقل و راستی کی طرف ایسا راغب ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک صلاح اور سود مند نصیحت
کو قبول کرلیتا ہے۔ غرض ان کے وقت شناس ہونے سے نصائح اپنی تاثیر نہیں
کرتیں ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات ہو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ دنیا کی حالت
یہ ایک ہی سی چلی جاتی ہے کہ نصیحت و پند بڑی کراہیت کے ساتھ قبول کی جاتی ہے
اب تک کوئی ترکیب ایسی ایجاد نہ ہوئی کہ اس سے دوا کی تلخی کم ہوتی اور اس کے اثر کی
قوت زیادہ گو ناصحین اور مصلحین بڑی گرم جوشی و مستعدی اور محنت و مشقت سے اپنا
کام کرتے ہیں مگر ان کے اوضاع و اطوار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے قول کا اثر کچھ بھی
نہیں ہوتا + نصائح چند مسائل اور احکام شرعی ہوتے ہیں کہ جن کی تعمیل کی تاکید
و تنبیہ ہوتی ہے مگر ان کی تعمیل کا محل و موقع نہیں دیکھا جاتا۔ اگلی پچھلی وہ گائی جاتی ہیں
اکثر یہ ہوتا ہے کہ ناصح کو دوسرے آدمی کا علم ایسا نہیں ہوتا۔ جو ہدایت اور نصیحت کے
اثر قبول کرنے کے لئے ضرور ہونا چاہیئے۔ بس جو شخص دوروں کے امراض روحانی
کا علاج کرتا ہے وہ اسباب امراض سے لاعلم ہوتا ہے اس کے نسخے کیا کارگر اور پر اثر
ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات ان کو اپنا ہی علم ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے افعال کے اسباب کو
صحیح جانیں جب یہ اسباب ان کو معلوم ہو جاتے ہیں تو ان کو وہ عموماً لوگوں سے چھپاتے
ہیں خصوصاً ان بزرگوں سے جو حکومت کے سبب سے یا عقل و فراست کی وجہ سے ان کے
نگراں حال ہو سکتے ہیں ناصح بننے میں ایک طرح کی بزرگی کا اظہار دوسرے پر ہوتا ہے
اسی لئے ہر شخص دوسرے کو نصیحت کرتا ہے اور اسی سبب سے دوسرا شخص اسے قبول
نہیں کرتا۔ نیک اور عقلمند ہونے میں بزرگی اور علو جاہ بڑی قیمت سے کر ہاتھ آتی
ہیں مگر جہاں سرفرازی اور عالی مرتبگی فضلا اور ان کی خطائیں اور حماقتیں بتلانے اور
دکھلانے سے حاصل کی جاتی ہیں وہاں لوگ ایسے غافل نہیں ہوتے کہ اس بلندی کو سستے ہی

نصیحت وصلاح کے طریقے لوگ کوشش کر کے اس لئے اختراع کرتے ہیں کہ جن سے ان کی شہرت پر پر لگ جائیں اور وہ آسمان پر اڑ جائیں اور سب ان سے نیچے نظر آئیں +

اکثر لوگ جو نصیحت کرتے ہیں اور صلاح کی صلاح بتاتے ہیں وہ اوروں پر بغیر انکی اجازت کے حکومت جمانی چاہتے ہیں اور اپنی نیک چلنی اپنی آنکھوں کے سامنے بڑی بنانا چاہتے ہیں اور اس سے اکثر اپنا تفاخر و تکبر و تشخص مقصود ہوتا ہے اسی لئے لوگ ان کی بات کو نہیں سنتے اور تمام قوت کو ان کے مقابلہ میں لاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ یہ دریافت کریں کہ نصیحت وصلاح نیک اور سود مند ہے۔ ہر شخص کو دوسرے کی نگرانی اپنی حال کی اصلاح کے لئے ایسی بری معلوم ہوتی ہے کہ اصلاح و نصیحت میں خواہ کیسی ہی نرمی اور ملائمت کوئی برتے وہ اس سے انتقام کے درپے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ احسان بھی مانتا ہے تو انتقام کے طور پر کہ فوراً احسان کا معاوضہ کر کے اس کا بوجھ اپنے سر سے اتارتا ہے۔ جب تک وہ نہیں اترتا ہے اس کا دل دکھتا ہے۔ اپنی فروتری کا خیال ایسا دل دکھاتا ہے کہ وہ ناصح مصلح کی برتری کو نہیں دیکھ سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی بھلائی کے متحقق ہونے کا زور ایسا ہے کہ وہ نصیحت وصلاح میں یقین نہیں ہونے دیتا +

جو مصلح و ناصح سخت زبان و متکبر و ضدی ہوتے ہیں وہ یہ دیکھ کر کہ ملائم و نرم ناصح سے بھی لوگ انتقام کے درپے ہوتے ہیں اس شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ان کی سخت بانی اور تکبر نے لوگوں کے دلوں میں انتقام کا جوش نہیں پیدا کیا +

گو بد افعال ناصحین کی تعداد زیادہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ان ناصحین و مصلحین کی تعداد بہت ہی کم ہے کہ جن کی غرض نصیحت و اصلاح سے اپنا تشخص و تفاخر مقصود نہ ہوا اور وہ موعظت حسنہ کرتے ہوں یعنی وہ پند و نصیحت محض دوسری کی بھلائی کے لئے کرتے ہوں اور اس میں کوئی غرض اپنی مقصود نہ ہو +

ایک حکیم کا قول ہے کہ مردہ مصلح و مشیر بے خوف ہوتے ہیں قبر میں انکی ریاکاری اور خوشامدگری دفن ہو جاتی ہیں جو کتابوں سے ہم کو آگاہی ہوتی ہے وہ خودغرضی اور خوف اور جاہ جوئی سے پاک صاف ہوتی ہے بس اس لیے ناصحین زیادہ پند و اندرز حاصل کر سکتے ہیں ان کو لوگ زیادہ ادب و تعظیم سے سنتے اور مانتے ہیں جن آدمیوں سے رقابت اور مقابلہ کا خوف نہیں ہوتا۔ اگر ان کی لیاقت سے ہم کو فائدہ پہنچتا ہے تو ہم ان کو اپنے سے زیادہ عاقل تسلیم کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ ان کے تجربہ کی روشنی سے ہم فائدہ بغیر اس کے اُٹھاتے ہیں کہ ان کی گستاخی کے شعلے ہماری آنکھوں کو جلائیں کتابوں سے صلاح و مشورہ لیتے ہیں خواہ وہ مردہ مصنفوں کی تصنیف سے ہوں یا زندہ مصنفوں کی وہ جھگڑے ٹنٹے اور مقابلے و مجادلے نہیں پیش آتے جو زبانی نصائح سُننے میں +

مصنف سے جو صلاح و نصیحت پوچھی نہیں جاتی وہ اُسکے سنانے کے لئے جبر نہیں کرتا کوئی اس پر خیانت حقد و کینہ کا شبہ نہیں ہو سکتا کہ جس کے سبب سے وہ پڑھنے والوں اپنی ذہانت و علمیت سے طعن و طنز کرتا ہو۔ مگر انسان میں دوسروں سے اپنی تئیں مقابلہ کرنے کی وہ غضب کی عادت پڑی ہوئی ہے کہ کتابیں بھی بالکل بے تعصب نہیں جانی جاتی۔ سوا ان مصنفوں کی کتابوں کے وہ بہت کم پڑھتا ہے جو اُس سے ایسے دُور رہتی ہیں کہ جن کے جینے مرنے کی پروا اس کو نہیں ہوتی +

ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی جلدیں کی جلدیں پڑھتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں سوچ سمجھ کر مگر اُس کا اثر بہت تھوڑا ہوتا ہے بہت سے مسائل عقل اور نیکی کے حافظہ میں ذخیرہ ہو جاتے ہیں مگر چال چلن پر وہ کچھ موثر نہیں ہوتے ہزاروں آدمی ایسے ہیں کہ ساری زندگی کتابوں میں صرف کرتے ہیں مگر ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے یہ غرض ہو کہ ہم اپنے تئیں عقل اور نیکی میں روز بروز برتر بناتے چلے جائیں اور

اور اپنی برائیوں پر تبرا کریں اور عدالت اور راستی کے موافق اپنے چلن کو درست کریں ✤ اکثر پڑھنے والوں کا پڑھنے سے اس وقت کا کاٹنا مقصود ہوتا ہے جس میں کوئی اور کام دل بہلانے کے لئے نہیں ملتا۔ اور یہ بھی کچھ مطلب ہوتا ہے کہ علم کے سبب سے کچھ فائدہ کچھ عزت بھی حاصل ہوتی ہے اور معلومات بھی نئی نئی ہوتی ہیں غرض علم کو وہ ایسا خزانہ بناتے ہیں جو زمین میں دفن کیا ہو یا فراموش ہو کہ جس سے نہ خود کچھ فائدہ حاصل ہو اور نہ اوروں کو نفع پہونچے۔

ایک عالم کہتا ہے کہ واعظ ممبر پر بیٹھ کر گھنٹہ بھر تک ایک آیت کی تفسیر یا ایک مسئلہ کی مفصل تقریر کرتا ہے مگر اس کا اثر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا مقصود سوا اس کے نہیں ہوتا کہ میرا گھنٹہ کام سے خالی نہ رہے۔ ایک طالب العلم اپنی ساری عمر مذہبی و اخلاق کے مسائل کی تحقیقات میں عالموں کا مقابلہ کرتا ہے مگر کچھ اس کو اپنے اخلاق اور مذہب کی درستی کا خیال نہیں ہوتا۔ وہ علم اس لئے نہیں سیکھتا کہ کیونکر زندگی نیک طور پر بسر کرے۔ بلکہ اس لئے کہ کیونکر بحث اچھی طرح کرے وہ تمام استدلال کی استواری اور عبارت کی فصاحت و بلاغت کو اور ان کی ترکیب کی صحت کو اس لئے دیکھتا ہے کہ اوروں کی نکتہ چینی اچھی طرح کر سکے اور مخالفین سے مباحثہ و مناظرہ خاطر خواہ کرے کتابوں کا جو اصل نفع ہے اس پر وہ خیال نہیں کرتا۔ ان کا اثر اس کے دل پر ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی اصلاح کرے۔

گو راستی کو اکثر شکستیں غرور۔ اور حماقت۔ ضد و ہٹ سے ہوتی رہتی ہیں مگر ہم کو راستی سے بھاگنا نہیں چاہئے۔ جو ذہین آدمی خاص اپنے واسطے کوئی طریقہ ذہانت کا مقرر کرتا ہے وہ اور آدمیوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے ✤

تزکیۂ نفس کے دلائل کی ناکامی کا سبب ان کا رد ہونا نہیں ہوتا بلکہ ان کی طرف بے توجہ ہونا ہوتا ہے۔ تم کو چاہئے کہ جہاں نیکی دیکھو اس کو پیار کرو اور جہاں جو شخص

اُس کی اطاعت کرو +

سخاوت و رحم۔

سخی خاں ایک بڑے نامور دوسرے حاتم طائی دنیا میں مشہور تھے ان کی دریا دلی ایک عالم میں مشہور تھی۔ سائل کے مُنہ سے سوال نکلنے نہ پاتا تھا کہ وہ اُس کو پورا کر دیتے تھے۔ ان کی فیاضی کا فیض عام تھا۔ ان کا ابر کرم سب پر برستا تھا۔ یگانہ بیگانہ دوست و دشمن سب پر یکساں تھا کسی کے ساتھ اس کی خصوصیت نتھی۔ اس داد و دہش کی دُھوم تھی مگر چند آدمی ان میں یہ عیب بتاتے تھے کہ وہ اپنا قرض نہیں چکاتے۔ اگرچہ یہ عیب سخاوت کی نقیض معلوم ہوتا ہے مگر اس کا سبب بتانا چنداں مشکل نہیں ہے۔ قرضخواہوں کا قرض ادا کرنا انصاف ہی سخاوت کا کرنا عظمت و شان کا دروازہ اپنے اوپر کھولنا ہے سخاوت اُن عالی منشوں کا کام ہی کہ جن کی طبیعت عوام کی طرح دوں ہمت نہیں ہوتی۔ جیسے شجاعوں کی شجاعت کی تعریف ہوتی ہے۔ ایسی سخیوں کی سخاوت کی۔ سخاوت میں کچھ باتیں شجاعت کی پائی جاتی ہیں سخاوت کو دل وجان سے لوگ اچھا جانتے ہیں برخلاف اس کے انصاف ایک غریب نیکی ہے۔ جس کا برتاؤ روزمرہ کے کاموں میں سوداگر دلال غیرہ کیا کرتے قرض چکاتا اپنا فرض ادا کرتا ہی۔ کوئی ناموری اور نیک نامی کی بات نہیں۔ اگر خاں صاحب اپنا قرض چکا دیتے تو کس کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ اُن کی عطا و سخا کی حکایتیں یک کو سُناتا پھرتا۔ مگر سخاوت ایسی نیکی ہے کہ منظر بلند پر بیٹھ کر اپنے وہ ادا و انداز دکھاتی ہے کہ لوگ اُس پر فریفتہ ہوکر اُس کی طرف خود بہ خود کھیچے چلے جاتے ہیں +

انسان کی عادت ہی کہ وہ انصاف کو نظر حقارت سی دیکھتا ہی اور سخاوت کو ادب کی نگاہ سے دیکھتا ہی۔ مگر عدالت ایسی نیکی ہے کہ اجتماع انسانی کے واسطے ضروری اور لازمی ہی۔ سخاوت کا ظہور فقط آدمی کی تیز مزاجی سے ہوتا ہے کچھ اس کو عقل سی علاقہ

نہیں ہے۔ اگر سخی خاں صاحب کا نوکر جا کر عرض کرتا کہ مہاجن کھڑا ہے اپنے قرض کے چار سو مانگتا ہے اور ایک آپ کا مفلس آشنا بھی کھڑا ہے۔ وہ بھی اتنے ہی روپیہ مانگتا ہے تو خاں صاحب بے تامل آشنا کو روپئے دیدیتے اور مہاجن کو کچھ سمجھا کر ٹالدیتے کہ ایک احسان کا مستوجب اور دوسرا قرض کا۔ احسان کرنا قرض ادا کرنے سے اچھا ہے۔ اصل حال یہ ہے کہ آدمی انصاف کی عظمت معنی سے خوب آگاہ نہیں۔ وہ انصاف کے فقط یہ معنی سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کا قانون جن فرائض کا پابند کرے ان کا کاربند ہے۔ ہاں انصاف کے مروج معنی یہی ہیں لیکن جب انصاف کے معنے اصلی عدل کے ہیں تو وہ تمام نیکیوں کی اصل ٹھیر جاتی ہے عدل وہ نیکی ہے جو اس امر کی تاکید کرتی ہے کہ جس کا جو حق ہو وہ ادا کیا جاوے اس معنے میں وہ کل نیکیاں داخل ہیں جن کا حکم عقل اور اجماع بنی آدم دونو کرتے ہیں۔ ہم پر حقوق تین طرح کے ہیں حقوق الٰہی۔ حقوق عباد (یعنی دوسروں کے) حقوق نفس (اپنی ذات کے) پس جب یہ سارے حقوق عدل کے سبب سے ادا ہوں تو سب نیکیوں کی اصل عدل میں شامل ہوگی عظمت سخاوت۔ شجاعت۔ جب ہی نیکیاں کہلا سکتی ہیں کہ ان میں اعتدال یعنے عدالت ہو۔ ان کا نیکیوں میں جب ہی شمار ہو سکتا ہے کہ وہ بمقتضاء عدالت ہوں۔ اگر ان میں عدل نہ ہوگا تو ان کا نام نیکیوں سے خارج ہو جائیگا۔ عفت بے عدالت شرارت ہے۔ شجاعت بے عدالت کے جبن یا تہور ہی۔ سخاوت بے عدالت کے بخل یا اسراف ہے۔ اگر کسی بغرض کام میں عدل ہادی نہ ہو۔ وہ ایک بے اعتنائی کا کام سمجھا جائیگا اور اکثر اس کا نتیجہ برا ہی ہوگا۔ اگر دوستوں کے جلسوں کے تحفہ تحائف دینے کے۔ ضیافتوں کے کرنے کے اور خوشی کے سامانوں کے خرچ فاضل آمدنی کو کسے بہتر کام میں لگانے سے باز نہ رکھیں تو نہ کوئی ان کو اچھا کہیگا نہ برا۔ مگر یہ خرچ اس وقت برے کہلاتے ہیں کہ وہ ایسے بڑھ جائیں کہ آدمی کو اور کسی اچھی کام میں اعانت کرنے کے قابل نہ رکھیں +

عقل نے جو فرائض انسان پر واجب کئے ہیں اُن میں سے ایک سخاوت بھی ہے اس لئے عاقل کو اُس کی پابندی واجب ہے۔ مگر سخاوت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ ہم اپنی جذبات دلی میں ایسی دیوانے ہو جائیں کہ جس کام پر مروت تحریک کرے تو ایسی فیاضی بڑھ کر کریں کہ پھر کسی سخاوت کے کام ہی کے نہ رہیں +

بخیل کنجوس منحوس مکھی چوس مشہور ہوتے ہیں۔ لوگ ان کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کو انسانیت سے اس لئے خارج سمجھتے ہیں کہ وہ صرف دولت کے جوڑنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور ان کو پاگل جانتے ہیں کہ صرف خیالی ضرورتوں کو اصلی ضروریں جان کر تمام عیش چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر دنیا میں ایسے کنجوس تھوڑی ہونگے کہ اُن میں وہ سارے عیب پائے جائیں جو اُن کی نسبت بیان ہوتے ہیں ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ لال ڈینگ مارنے والے شیخی باز بخل کی تہمت اُن لوگوں پر رکھتے ہیں جو بڑے +

جفاکش محنتی کفایت شعار ہوتے ہیں اور اپنی نیک خوئی اور خوش وضعی سے اپنی برابر والوں سے برتر ہو جاتے ہیں یہ لوگ خواہ ان کی نسبت کچھ ہی کہیں مگر اُن کی افراط سے سوسائٹی کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ لالچی آدمیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں شاید اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا کہ فضول اور مسرف آدمیوں کے ساتھ۔ ایک پادری صاحب ایک شہر میں رہتے تھے سارے شہر نے اُن کا نام کنجوس مکھی چوس رکھ چھوڑا تھا اُن کے پاس خواہ کوئی محتاج آفت زدہ مصیبت کا مارا اپاہج آتا۔ مگر وہ کبھی کسی کو پھوٹی کوڑی بھی نہ دیتے۔ ان کے پاس انگوری باغ تھے۔ اُن کے عمدہ انتظام سے بہت روپیہ جمع کر لیا تھا۔ سارا شہر اُن سے نفرت رکھتا تھا ذلیل و خوار اُن کو سمجھ کر اُن کی عزت کوئی نہ کرتا تھا۔ مگر پادری صاحب کو اُس کی کچھ پروا نہ تھی ان کی جو اپنی سیدھی چال تھی اُس پر چلتے تھے۔ کفایت شعاری کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے وہ یہ جانتے تھے کہ اس شہر میں غربا کو پانی بڑی مشکل سے بہم پہنچتا ہے اور بہت کچھ روپیہ اُن کو اُس کی قیمت میں دینا پڑتا ہے۔ اِس لئے اُنہوں نے اپنی ساری جمع

کی ہوئی کمائی ایک نہر کے بنانے میں خرچ کردی کہ جس سے شہر والوں کو چین آرام ملا
اب اگر وہ اپنے دروازہ پر فقیروں کی بھیڑ لگا کے پیسے بانٹا کرتے تو کیا ایسا فائدہ
غریبوں کو پہنچا سکتے تھے۔ نہر کے جاری کرنے سے خیر جاری ہمیشہ کے لئے کر سکتے تھے۔ خیر جاری
ان کی اور خیراتوں سے ہزار درجہ بہتر تھی۔ اکثر طلبہ میں جو کتابوں کو زیر مطالعہ بہت رکھا
کرتے ہیں وہ بیجا نیکیاں زیادہ تر ہوتی ہیں جن کی شکایت اوپر لکھی ہے۔ اہل علم کے دل میں
ان نیکیوں سے بڑی خوشی پیدا ہوتی ہے اور وہ ان کے بڑے بڑے نام رکھ لیا کرتے
ہیں فلسفی اپنے رنگین خیالات کو فضول فرائض کے بیان میں بہ نسبت ضروری فرائض کے
کام میں لاتا ہے۔ اس لئے جو صرف کتابوں کے ذریعہ سے انسانیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ
آدمیوں کی جھوٹی بناوٹ کی تکالیف کو جب دیکھتے ہیں تو ان کا دل موم کی طرح پگھلتا ہے۔
اور وہ بیجا فیاضیاں ایسے موقعوں پر اتنی کرتے ہیں کہ خود مثل محتاجوں کے ہو جاتے ہیں
اب ہم اس مضمون کو ایک پرانے عالم کی نصیحت پر ختم کرتے ہیں جو اس نے ایک نوجوان کو
کی تھی۔ اس عالم نے دیکھا کہ ایک نوجوان نے اپنا کل سرمایہ ایک مکار فقیر کو دیدیا۔ تو اس نے
نوجوان کو یہ نصیحت کی کہ تمہارے ایمان دار ہونے کا مجھے یقین ہے مگر جس کو تم نے سرمایہ دیا ہے
وہ بھی ممکن ہے کہ شائد ایماندار ہو لیکن یہ تمہاری فیاضی اس شخص کا مال چرانا ہے جو
اس مال کا مستحق ہے اور اس شخص کا دینا ہے جو ممکن ہے کہ بدمعاش ہو۔ پس جب تم ایسی نصائح
سے ایک ایسے آدمی کو صلہ عطا کرتے ہو جس کا استحقاق نا تحقیق ہے تو تم اپنے تئیں محتاج
بنا کے دوہرا گناہ کرتے ہو یعنے مستحق سے لیتے ہو غیر مستحق کو دیتے ہو ٭
(۲) سخاوت کو بھی عبادت الہٰی کا ایک جزو اکثر آدمی سمجھتے ہیں غریبوں مسکینوں کی
اعانت کو فرض مذہبی جانتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں سخاوت کی بہت سی مثالیں بے نظیر موجود
ہیں مگر اب جو زمانہ حال میں خیرات کے طریقے ایجاد ہوئے ہیں وہ پہلے متقدمین کو معلوم
نہ تھے۔ ان کی سخاوت خود غرضی پر مبنی ہوتی تھی ایک آدمی کو انھوں نے مصیبت زدہ دیکھا

جس کا روبرو ہونا اُن کو بُرا معلوم ہوا اُس کو کچھ دیدیا وہ چلا گیا۔ دینے والے کے دل کو چین آگیا۔ یا کوئی مذہبی خیال کا آدمی ہوا تو وہ یہ سمجھا کہ یہ خدا کے نام پر رشوت دینے سے جنت مجھے مل جائیگی۔ گو یہ تحقیق نہیں معلوم ہوتا کہ پُرانے طریقوں سے جو خیرات میں روپیہ دیا جاتا تھا اُس سے اب کچھ زیادہ دیا جاتا ہی جس سے معلوم ہو کہ اب زیادہ فیاضی کرتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ اب جن طریقوں سے روپیہ دیا جاتا ہی وہ ایسے ہیں کہ پہلے طریقوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ لیڈی ڈفرن فنڈ کے واسطے جو چندہ جمع ہوتا ہے اس قسم کا چندہ پہلے کبھی نہیں جمع ہوا۔ تعلیم کے لئے جن طوروں اور طریقوں سے روپئے لئے جاتے ہیں وہ پہلے کبھی سُننے میں بھی نہیں آئی۔ آنریبل سر ڈاکٹر سید احمد خان نے جن طریقوں سے مسلمانوں کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے واسطے روپیہ کو جمع کیا ہی اس کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں ہی۔ گو اس سی کہیں زیادہ مسلمانوں کے ہاں روپئے کی سخاوت کی مثالیں موجود ہیں

کامل و کمال

کمال کے معنے یہ ہیں کہ آدمی کے تمام جسمانی روحانی عقلی اخلاقی قابلیتوں اور استعدادوں کا ظہور ایک معتدل سنت ومشقت کے ساتھ ہو۔ مسرت سے مراد ہماری اُس خوشی سے ہی جو اور تمام خوشیوں کی متمم اور نہایت ہو۔ کمال انسانی کمال دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اضافی دوسرا مطلق۔ کمال اضافی یہ کہ کسی فرد میں اپنی نوع کی کل صفات اعلیٰ درجہ کی ہوں کمال مطلق وہ ہی جو خدا کے ساتھ مخصوص ہی وہ کسی دوسرے میں نہیں ہو سکتا۔ خدا کے کمال میں وہ اوصاف داخل ہیں جو اُس نے حیوان ناطق کو عطا کئے ہیں۔ مگر یہ اوصاف اس کی ذات میں بے انتہا اعلیٰ درجہ کے ہیں جیسی بڑے اور بہتر عقل کے تصور میں بھی نہیں آسکتی +

(۲) کمال کے معنے جو اوپر بیان کئے ہیں وہ انسان کو خواہ افراد کے اعتبار سے خواہ اجتماع کے لحاظ سے اپنی عمر میں حاصل ہو سکتا ہی تاریخ اور تجربہ سے یہ امر یقینی ثابت ہوتا ہے کہ انسان ہمیشہ ترقی کرتا اور بہتر ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر یہ ترقی اور

بہتر ہی اس کمال کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتی کہ کل جسمانی اور روحانی برائیاں اس میں اثر نہ کریں جیسا کہ حال ایک فرد انسانی کا ہے کہ وہ روز بروز علم میں بڑھتا جاتا ہے۔ ایسا ہی کل نوع انسانی کا حال ہے کہ جتنی دنیا عمر میں بڑھتی جاتی ہے اتنی وہ علم میں ترقی کرتی جاتی ہے۔ گویا نوع انسانی کو ایک فرد انسانی ایسی سمجھو کہ وہ متواتر زمانوں میں علم سیکھتی چلی آئی ہے اور سیکھتی چلی جائیگی فرد انسانی کو ترقی اور بہتری کے لئے جو معاملات پیش آتے ہیں وہی نوع انسانی کو۔ ہم جو پہلے لوگوں کی دانائی کی بزرگی کی تعریف کرتے ہیں اور ان کی بزرگی پیری کے سبب مانتے ہیں اس میں غلطی کرتے ہیں پیری وہ ہے جو طفلی سے بعید ہو۔ دنیا کا زمانہ جتنا پہلا لیتے جاؤ وہ اس کے عہد طفلی کے قریب ہوتا جائیگا۔ اور عمر میں کم ہوتا جائیگا اور آگے جتنا زمانہ لیتے جاؤ وہ عہد پیری کے قریب ہوتا جائیگا بس جو زمانہ حال ہے وہی بزرگ ہے اس میں دنیا کی عمر بڑی بہ نسبت پہلے زمانہ کے ہے اس لئے ہم زیادہ پرانے بہ نسبت پہلے لوگوں کے ہیں پس جب پرانے آدمیوں کا ذکر ہو تو اس سے مراد ہم سے ہونی چاہئے نہ وہ جو پہلے زمانہ میں گذرے ہیں ہمارے زمانہ کی عمر ان کے زمانہ کی عمر سے بڑی ہے۔ ہم بڑے ہیں وہ چھوٹے ہیں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ زمانہ کی عمر جتنی بڑھتی گئی۔ انسان کی حالت طفلی سے نکلتی گئی اور اسکی عمر بڑھتی گئی اس نے تمام علوم و فنون میں معاشرت کے اسباب آسائش میں۔ عدالت میں۔ غلاموں کے آزاد کرنے میں۔ آزادی میں اور اس طرح کی سب باتوں میں ترقی کی اور آیندہ وہ ترقی کرتا چلا جائیگا۔ مگر یہ ترقی ایک حد سے آگے نہیں چلیگی اور اس کو کبھی وہ کمال نہیں حاصل ہوگا کہ اس کو مسرت کے اسباب ایسے بہم پہنچ جائیں کہ رنج نہ ہو اس کی عقل ایسی صائب اور باصواب ہو جاوے کہ خطا نہ کرے اور اپنی تدابیر میں غلطی نہ کرے غرض اس میں کمال اضافی حاصل کرنے کی قابلیت ہے اور وہ حاصل کرتا ہے مگر کمال مطلق حاصل کرنے کی قابلیت ہی نہیں ہے وہ حاصل کیسے ہو سکتا ہے

(۴۷) اگر ہم کو کسی علم و ہنر و فن میں یا کسی اور کام میں کمال کے درجہ پر پہنچنا منظور ہو تو ایک ایسا بلند نشانہ اپنے لئے تجویز کریں کہ جس تک رسائی ہماری قابلیت اور استعداد سے باہر ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری تحقیقات کا میدان وسیع ہوگا جس میں ہماری طبیعت خوب جولانیاں کرتی پھرے گی + جب کوئی شخص اپنے ہمراہیوں کو چھوڑ کر ایسے رستے میں چلے گا جو پہلے سے جانا بوجھا نہ ہو تو احتمال قوی ہے کہ وہ اپنی منزل مقصود پر نہ پہنچیگا۔ مگر یہ ممکن ہے کہ راہ میں بہت سی نئی چیزیں دیکھے جو پہلے کبھی دیکھی ہونگی اگر آدمی اُن راہوں پر چلے جن میں کچھ خوف و خطر نہ ہو اور اُن پر تھوڑے فائدہ کا ملنا بھی یقینی ہو تو بھی اُس سے عالی ہمتوں کو خوشی حاصل نہیں ہوتی فقط پہلی طرح راہ چلنے میں بڑے صلوں کے ملنے کی امیدیں اُن کو ہوتی تھیں۔ اب تو زمانہ ایسا ہے کہ بزرگ منش عالی ہمت ہمارے ملک میں نہیں پیدا ہوتے جو کوئی نئی بات ایجاد کریں۔ بلکہ جو شخص زمانہ کی مسلمہ رایوں کے خلاف کام کرتا ہے اور پہلے زمانہ کی تقلید نہیں کرتا۔ اور مسائل قدیمہ کی تفسیر میں فہانت نہیں صرف کرتا۔ پُرانی لکیر نہیں پیٹتا وہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیخ چلی کے سے خیالات بے اصل لکھتا ہے سیکڑوں آدمی اُس کی غلطیاں بتلانے ہی کے لئے نہیں کھڑے ہو جاتے۔ بلکہ ہزاروں بے نقط سُناتے ہیں جو پہلے لوگوں کی برائیں ظنی تھیں وہ اب یقینی سمجھی جاتی ہیں۔ جو مشکلات پہلے حل ہونے سے باقی رہ گئی تھیں اب اُن کا حل ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ کے مصنف ایسے یکتا اور بے نظیر سمجھے جاتے ہیں کہ اب ثانی اُنکا محالات سے سمجھا جاتا ہے مگر قدیم فلسفہ کا حال قابل افسوس ہے کہ وہ ذہن ضمیر اتنا نہیں بناتا جتنا فہم و ذہانت کو تاریک کرتا ہے اور اُن کی ترقی کو روکتا ہے اور اُن کی جرأت و ہمت کو مٹاتا ہے اس لئے ہم ایجاد اور اختراع کی راہ مستقیم کو چھوڑے بیٹھے ہیں اُس پر چلنے کا ارادہ نہیں کرتے اسی کو غنیمت گنتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس آئی اسی کو حفاظت سے رکھیں یہ امر تحقیق ہے کہ جو مصنف پہلی راہ کو چھوڑتا نہیں اور خیالات جدید کی

تکلیف گوارا نہیں کرتا - اور کوئی نیا جملہ زبان سے نکالتا نہیں اُس کے دوست بہت تعریف کرتے ہیں اور نکتہ چین بھی ہی ہوئی آواز سے اُس کی مدح کر دیتے ہیں۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کمال کے درجہ پر پہنچے مصنف کو قدر و منزلت فقط اسی سے نہیں حاصل ہوتی کہ اُسکے کلام میں غلطیاں بہت کم ہوں بلکہ اُس میں حسن و خوبی و لطافت بھی ہو - جو عمدہ کتابیں ہیں اُن میں بافراط یہ دو نو باتیں موجود ہیں عمدہ مصنفوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے خیالات کو زیادہ تر ضیافت طبائع کے لئے نقلوں میں نقل کرتے ہیں اگر وہ اُس میں ایک دفعہ غلطی کرتے ہیں اور ایک دفعہ صحیح لکھتے ہیں تو بھی لوگ اُن کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں +

کوئی علم ایسا نہیں کہ اُس میں اسرار ایسے نہ ہوں جو ابتک کسی پر نہ کھلے ہوں بس آدمی کو چاہیے کہ ان اسرار میں کسی ایک کو لیکر اُس کی تحقیقات کے پیچھے پڑ جائے اور اُس سے شکستہ خاطر نہ ہو کہ پہلے محقق اس تحقیقات میں ناکام رہے ہیں ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر تفحص جدید کا نتیجہ عمدہ یہ ہوا کیا ہے کہ آیندہ تحقیقات کی راہ آسان گذار ہو جاتی ہے ہم نے مانا کہ سنگ پارس و اکسیر ہاتھ نہ آئے - مگر اسکی جستجو میں بہت سی نئی چیزیں ملجاتی ہیں جو دانا غیروں کے مشکل عقدوں کے حل کرنے پر قناعت کئے بیٹھے ہیں وہ اگر ان مصنفوں کی شان شکوہ نیک نامی کو دیکھ کر متحیر نہ ہوں اور خود اپنے لئے ایک راہ نیک نامی کی نکالیں اور جو تجربے کہ پہلے کسی نے نہیں کئے ہیں اُن کو آزمائیں تو وہ فقط دانشمند ہی نہیں ہونگے بلکہ اعلے درجہ پر منصوبے باندھنے والے۔ اور موجاتی چیزوں کے نکالنے والے +

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض قومیں ایسی ہیں کہ جنھوں نے علوم کے سمندر میں اپنا جہاز ڈال دیا ہے اس کی سلامتی کے اسباب کو جمع نہیں کیا - اور بعض قومیں ایسی ہیں کہ وہ ساحل پر بیٹھی ایسی ڈرتی ہیں کہ گویا اُن کا جہاز تباہی میں آگیا ہے اور ایسے نادان ہیں کہ باد نرم کو بھی وہ اپنے لئے طوفان سمجھتے ہیں +

کوئی کمال بغیر اس کے نہیں حاصل ہوتا کہ اول ہم اپنی شہرت اور اپنے دوستوں سے مذمت دلانے

ہوں اور بہت سی اچھی چیزوں کو جو کموں میں ڈالیں یہ خرابیاں متوسط درجہ کے حاصل کرنے میں نہیں ہیں مگر ان سے عوام الناس کی خدمت گزاری بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ایک عاقبت اندیشی ہے دوسرا کمال حاصل کرنا۔ یہ دونو ہم کو متضاد جانبوں میں لیجاتے ہیں ایک کہتی ہے کہ تم اپنی حالت میں خوش حال رہو اور اپنی حاجتوں کو حد سے باہر قدم نہ رکھنے دو۔ دوسری یہ کہتی ہے کہ سب سے برتر ہو اور کسی ایسی خوشی سے خوش نہ ہو جو تم کو اپنے آپے سے باہر نہ کردے۔ ایک کہتی ہے کہ اور آدمی جن طریقوں پر چل رہے ہیں اُن پر چلو۔ اور جو اور کرتے ہیں وہی تم سوچو اور کرو۔ دوسری کہتی ہے کہ ان آدمیوں کی بھیڑ کو چھوڑو اور جہالت اور حسد کے تیروں کے نشانہ بنو۔ متوسط درجے کے اوصاف پیدا کرنے میں صلہ جلد ملجاتا ہے۔ کمال پیدا کرنے کا صلہ مدتوں کے بعد حاصل ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ادنے طبیعت کے آدمی اپنے نفس سے بہت محبت رکھتے ہیں وہ عوام الناس کے خیالات کے پابند ہوتے ہیں عالی طبع بزرگ منش اُن راہوں میں چلنے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں جن پر پہلے لوگ چل چکے ہیں وہ عوام کی فیض رسانی کے خیالات میں بہادر اور سودائی ہوتے ہیں +

(۴) کمال حاصل کرنے کا طریقہ۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ جو تم نہیں ہیں وہ ہوں تو جو ہو اُسے ناخوش ہو۔ اس لئے کہ جو ہو اُس سے اگر خوش ہو گئے تو وہیں ٹھیر کر بس جاؤ گے۔ جب تم یہ جانو گے کہ ہم کمال کو پہنچ گئے تو زوال شروع ہو جائیگا ہر کمالے را زوالے کا مطلب بھی ہے۔ اگر کمال چاہتے ہو تو ہمیشہ کچھ قدم بڑھاؤ۔ سدا آگے بڑھے چلو۔ نہ کبھی ٹھیرو نہ اُلٹے جاؤ نہ گمراہ ہو۔ ہر چیز میں کمال کی آرزو کرو۔ اگرچہ بہت سی باتوں میں وہ تم کو حاصل نہیں ہوگا مگر جب تم اُس کو حاصل کرنا چاہو گے اور استقلال کے ساتھ اُس کے لئے آگے بڑھو گے تو اُن لوگوں سے زیادہ تر کمال کے قریب پہنچ جاؤ گے جو سست کاہل پڑے رہتے ہیں اور اُس تک پہنچنے کا قصد نہیں کرتے ہیں اور بغیر کوشش اور ارادہ کے

کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس تک نہیں پہنچینگے +

(۵) اخلاق میں کمال پہنچنے کے لئے ضرور ہے کہ آدمی کے دوست بے ریا اور دشمن قیدی ہوں کیونکہ وہ ایک کی نصیحت سے اور دوسرے کی فضیحت سے اپنے اخلاق کی برائی بھلائی سے واقف ہوگا اور اس سے اخلاق میں کمال حاصل ہوگا +

(۶) جو درخت سایہ میں خشک ہوتے ہیں اُن کی رنگت اور سبزی زیادہ تر دیرپا بہ نسبت اُن درختوں کے ہوتی ہیں جو دفعتہً دھوپ میں یا آگ میں جھلسائی جائیں ایسے ہی وہ ذکاوت زیادہ مستقل و کامل ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ فرصت میں تعلیم پانے سے پختہ ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ دفعتہً زبردستی پیدا کی جائے۔ ایسے ہی وہی خلق کامل ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ عادت سے پیدا کیا جائے نہ یہ کہ اتفاقیہ کوئی کام اخلاق کا کیا جائے۔ کمال کے حاصل کرنے میں سستی سے وہ نقصان نہیں ہوتے جو جلدی کرنے سے ہوتے ہیں۔ غرض کمال حاصل کرنے میں وقت کی دستگیری سہج سہج چلانے میں ضرور ہے +

رات کے دیکھنے سے دُنیا کی بے ثباتی کا خیال پیدا ہونا۔

ابھی دو بجے ہیں میری شمع جل جل کر گھل رہی ہے۔ چوکیدار بے خبر پڑے سوتے ہیں اُن کو کچھ خبر نہیں کہ کیا بجا ہے۔ غریب جفاکش بھی اور امیر بے فکر بھی آرام کرتے ہیں کوئی چیز نہیں جاگتی ہے۔ مگر فکر۔ عصیاں۔ عیش۔ مایوسی۔ بدمست شرابی اپنی پیالہ کو پُر کر رہا ہے جو اُسے اور زیادہ خراب خستہ کریگا۔ چور بھی اِدھر اُدھر داؤ گھات لگاتا پڑا پھرتا ہے۔ جو شخص خودکشی کا ارادہ رکھتا ہے وہ اپنے گناہ بھرے ہاتھوں سے گلا کاٹ رہا ہے میں نے بھی نئی پُرانی کتابوں کو جنکا مطالعہ کر رہا تھا اُٹھا کر طاق پر رکھ دیا اور اس سنسان شب کی سیر کرنے لگا۔ اور سوچنے لگا کہ تھوڑی دیر ہوئی کہ یہاں خودنمائی کیا کیا اپنے جلوے دکھا رہی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر میں اپنی سواری کا ٹھاٹھ

دکھاتی تھی یا ایک شوخ لڑکے کی طرح ہٹ کرتے کرتے چپ چاپ ہو بیٹھی۔ سارے شہر پر
کیا اُداسی چھا رہی ہے۔ چراغ ٹمٹما جاتے ہیں سوا گھنٹے کی کھٹ کھٹ کے اور
چوکیدار اور کتوں کی آواز کے کوئی اور آواز نہیں آتی۔ انسان کی نخوت کا جو غل شور
تھا وہ چپ چاپ پڑا سوتا تھا۔ یہی ساعت ایسی ہے کہ جس میں معلوم ہوتا ہے کہ انسان
کی خود نمائی ایک خواب ہے اور کچھ ہستی اس کی نہیں ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ
یہی سنسان پن جو تھوڑی دیر کا ہے ہمیشہ متواتر رہنے لگے گا۔ اور شہر مثل اہل شہر کی مُردہ
ہو کر ایک جنگل بن جائے گا۔ دنیا میں بہت سے بڑے بڑے شہر ایسے تھے کہ جن میں ایک
زمانہ میں بڑی دھوم دھام رہتی تھی۔ فتحوں کے شادیانے اور نقارے بجتے تھے عیش و
نشاط بے انتہا ہوتے تھے۔ کوتاہ اندیش نخوت تھوڑی دیر کے لئے یہ گھمنڈ پیدا کرتی
تھی کہ یہ حالت ہمیشہ دوام کے لئے ہے۔ اب ان شہروں کا پتا مشکل سے ملتا ہے۔ سیاح غمزدہ ہو کر
ان شہروں کے کھنڈروں میں پھرتا ہے اور عبرت پکڑتا ہے اور اس سے دنیا کی بے ثباتی
پر دانا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ وہاں قلعہ تھا جہاں گھاس اُگی ہوئی ہے یہاں دربار اور
کچہریاں ہوا کرتی تھیں جہاں اب سانپ بچھو اور سب طرح کے حشرات الارض آباد ہیں
جہاں معبد اور تماشا گاہ تھے۔ وہاں پھر مٹی پتھر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اول اُن کو
عیش و نشاط اور نفس پرستی و بدمستی نے ضعیف کیا۔ جن کو دل بہلانا اور مسخرا پن آتا تھا
وہ اہل سلطنت سے خلعت و انعام و اکرام پاتے تھے اور بیچارے کارکن ارکان سلطنت بے کار
بیٹھے رہتے تھے۔ کوئی صلہ خدمات کا اُن کو نہیں ملتا تھا۔ یہاں کی دولت و مال نے حملہ آور
کو لالچ دلایا۔ وہ حملہ کرتے رہے۔ گو پہلی دفعہ میں شکست پا کر چلے گئے۔ مگر استقلال کے ساتھ پھر
حملہ آور ہوئے اور فتحیاب ہوئے۔ اور حفاظت کرنے والوں کو وہ تہ و بالا کیا کہ پہچانے نہیں
جاتے۔ وہ جھگھٹے جو بازاروں میں ایلے گیلے پڑے پھرتے تھے۔ اُن میں سے دو چار ہی
نظر آتے تھے۔ وہ پری رو جو روز اپنا رخ نقاب چھپائے رکھتے تھے۔ وہ اپنی مصیبت کو

نہیں چھپا سکتے۔ ایک وہ لوگ ہیں جنھوں اپنی گلی ہی کو اپنی گھاٹ بنا رکھا ہو کچھ دولتمندا
کے دروازوں پر بصد تکلف آرام پاتے ہیں بہت آدمی آوارہ گرد مسافرانہ یتیم بچے اپنے جالت
میں پھرتے ہیں کہ جن کے افلاس و مصیبت کو کسی کی مرحمت او شفقت دور نہیں کر سکتی۔
اُن کے حال دیکھنے سے دل میں خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ بعضوں کو چیتھڑے تک پہننے کے لئے نہیں
میسر ہوتے۔ فاقے اور بیماریوں کے مارے دُبلے ہوئے ہیں بھوکے ننگے پھرتے ہیں
اُن کی طرف کوئی دیکھتا نہیں۔ کوئی اُن کو پوچھتا نہیں۔ سب نے چھوڑ دیا۔ وہ لوگوں کے آگے
گریہ و زاری کرتے ہیں۔ مگر کسی کا دل نہیں پسیجتا۔ بہت سی غریب عورتیں جنھوں نے کسی زمانہ میں بڑی
عیش کئے تھے۔ اور جن کے حسن کی ایک دُھوم تھی۔ اب وہ اپنے یاروں کے پاس جاتی
ہیں کہ جن کی بغلیں گرم کی تھیں تو وہ اُن کو جاڑے میں اکڑا ہوا دیکھتے ہیں مگر رحم کر کے
گرم کپڑے نہیں دیتے۔ وہ بھی ان شیطانوں کی ڈیوڑھیوں پر دھنی دئے پڑی ہیں
غریب مفلسوں کے پاس گھر ہے نہ در ہے۔ اُن کو لوگ گالیاں دیتے ہیں مگر رحم کھا کر ایک
پیسا نہیں دیتے۔ اگر امیر آدمیوں کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بیان کرنے
میں مبالغہ اور فصاحت کا کوئی دقیقہ چھوڑا نہیں جاتا۔ سب آدمیوں کی توجہ اُس کے
سینے پر ہوتی ہے اور بڑی دل سوزی اور ہمدردی کے ساتھ اُس پر افسوس کرتے
ہیں۔ مگر کوئی غریبوں مفلسوں کے حال پر رحم نہیں کرتا۔ ظالم تو اُن پر اور ظلم کرتے
ہیں سے پر سو درسے جن سے وہ اپنی حفاظت کی توقع کرتے ہیں وہ اُن کے دشمن
ہو جاتے ہیں مجھے اپنے انسان ہونے پر افسوس تھا اور اُس کی حسرت تھی کہ ہائے
میرے پاس اتنی دولت کیوں نہ ہوئی۔ جو اپنی مرضی کے موافق ان مصیبت زدوں کی
تکلیف گھٹانے میں مدد کرتا۔ ہائے میں کیوں ایسا سنگدل ہوا کہ یہ آفتیں دیکھوں اور
جیتا رہوں قاعدہ ہے کہ رحم دل آدمی جب مصیبت زدوں کی مصیبت کو دور نہیں
کر سکتا تو اُس کا حال خود مصیبت زدوں سے بدتر ہو جاتا ہے یہ مفلسوں کا حال

دیکھ رہا تھا کہ میری توجہ ان مقدس ریاکاروں کی طرف ہوئی کہ جو سونے کے وقت تک نیکی کی تعلیم کرتے ہیں مگر پھر چھپ کر آدھی رات کے پردہ میں کھلے گناہ کرتے ہیں وہ گناہ گاری نہایت سخت ہوتی ہے جس کے چھپانے میں کوشش کی جاتی ہے۔ اگر رات کو اُن کی بدکاری پکڑی جائے تو وہ صبح کو شرمندہ نہیں ہوتے۔ بدکاری کے کھل جانے سے بدکار اس کو چھوڑتا نہیں بلکہ اور ہوشیاری کا حاشیہ مکاری پر چڑھاتا ہے۔ دن بھر وہ ایسے آدمیوں کی صحبت میں رہتا ہے کہ جن سے وہ نفرت رکھتا ہے۔ اور رات کو ان کی صحبت میں رہتا ہے جو اس سے دلی نفرت رکھتے ہیں +

خاندان کی تعلیم

تم پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کو علم سکھاؤ اور اطاعت کی عادت ڈلواؤ مگر ان دونو باتوں میں نہ کوئی سختی ہو نہ گھُرکی جھڑکی۔ تم اپنے بچوں کی تعریف تو لوگوں کے سامنے کرو مگر اُن کو تنبیہ تاکید پوشیدہ کرو کہ کسی کو معلوم نہ ہو ہمیشہ اُن سے بخندہ پیشانی پیش آؤ اُن کی آسائش و پرورش میں کبھی کنجوسی نہ کرو۔ اگر کنجوسی کروگے تو انکو تمہارا جینا دوبھر معلوم ہوگا۔ جب مروگے تو وہ تمھارے شکرگزار نہیں ہونگے بلکہ تمھاری موت کا شکر یہ ادا کرینگے جیسے اُن کو قید سے چھٹایا بہت سے آدمی اپنی میلان طبع سے بدکردار نہیں ہوتے بلکہ اس سبب سے کہ ماباپوں نے کیا تو اُن کو احمقانہ لاڈ پیار بہت کیا ہے یا ہمیشہ تنبیہ تاکید سختی و شیتی کی ہے۔ لڑکیوں کی شادی مناسب وقت میں کردو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خود شادی کرلیں +

ضمانت و قرض۔

خواہ کوئی شخص تمھارا کیسا ہی دوست ہو مگر تم اُس کی ضمانت سے جہانتک ممکن ہے پرہیز کرو۔ جو شخص اوروں کا قرض ادا کرتا ہے وہ اپنی دولت گھٹاتا ہے اگر کوئی دوست تم کو بہت ہی ضمانت کے لئے تنگ کرے تو خود روپیہ قرض لے کر اُس کو

قرض دیدو۔ اور دستاویز بہت محکم لکھالو۔ اس سے تمہارا دوست بھی خوش ہوجائیگا اور تم بھی نقصان سے بچوگے۔ کبھی بھول کر بھی دوست اور ہمسایہ سے روپیہ قرض نہ لو بلکہ اجنبی آدمیوں سے اُدھار لو کہ جب قرض ادا ہو جائے تو پھر اُس کا تذکرہ نہ ہو۔ دینا دونو کو برا بر ہی پڑتا ہی۔ اگر ایسا نہ کروگے تو اپنی ساکھ میں بٹا لگاؤگے آزادی کھوؤگے۔ قرض لینے میں کبھی ایسا نہ کرو کہ وعدہ وفا نہ ہو جو شخص وعدے کے دن پر قرض ادا کرتا ہے وہ دوسروں کی تھیلی کا مالک ہوتا ہے۔

علم۔

انگلستان میں ہر ایک آدمی تھوڑے مقدور کا اپنے چاروں طرف دیکھ بھال کر یہ فخر کرسکتا ہی کہ جیسے میری حالت خوش ہی۔ چند صدیوں پیشتر بادشاہوں کی بھی حالت ایسی نہ تھی۔ جو سامان آسائش و آرام میرے گھر میں موجود ہے وہ پہلے امیروں و سلاطین کو بھی میسر نہ تھا۔ سب طرف جہاز سمندروں میں رواں ہیں تاکہ میرے کام کے اسباب وہ فراہم کریں۔ ملک چین میں چینی میرے لئے چاء کے پتے اکٹھے کررہے ہیں امریکہ میں میرے لئے کسان روئی بو رہے ہیں۔ جزائر ایسٹ انڈیا میں شکر اور قہوہ میرے لئے تیار ہو رہا ہی اٹلی میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش میرے ریشمی کپڑوں کے واسطے ہو رہی ہے۔ سکسنی میں بھیڑوں پر سے اون میری پوشاک کے لئے کتری جا رہی ہے۔ یہاں اپنے وطن میں بڑی زبردست کارخانی کلیں چل رہی ہیں۔ سوت کاتتی اور کپڑے بن رہی ہیں اور چاقو چھری قینچی اور کاٹنے کی آلات بنارہی ہیں کانوں میں پمپ لگے ہوئے پانی نکال رہے ہیں کہ میرے کام کی دھات نکالیں مجھ ورثہ میں تھوڑی سی دولت ملی ہی مگر میرے گرد چاروں طرف سواریاں کھڑی ہیں۔ ڈاک گاڑیاں میرے لئے رات دن رواں ہیں۔ میرے خطوں کو بہت جلد چاروں طرف پہنچا دیتی ہیں نہریں سڑکیں پل کوئلہ سب میرے لئے کام کر رہے ہیں۔ میری جان و مال عزت کی حفاظت کے واسطے

سپاہیں موجود ہیں جو میری چین اور آرام میں کسی طرح کا خلل اور خوف نہیں آنے دیتیں اندیشہ۔ پیرنشر میری یہ خدمت کر رہے ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہی اسکے سارے سماچار سنا دیتے ہیں ۔ میری مکان کے ایک گوشہ میں کتابیں رکھی ہیں جو میری ملکیت کی چیزوں میں سب سے زیادہ بیش بہا ہیں وہ یہ معجزے مجھے دکھاتی ہیں کہ خط استواء سے قطبوں تک اور ابتداء زمانہ سے اب تک جس ملک اور جس زمانہ میں کہتا ہوں کہ تم مجھکو وہاں پہنچا دو وہ پہنچا دیتی ہیں۔ ان کے طفیل سے میں یہ سحر کا کام کرتا ہوں کہ جو بڑے بڑے نامور نیک مقدس آدمی گزرے ہیں اُن کو زندہ اپنے سامنے کھڑا کرتا ہی اور ان سے کہتا ہوں کہ جو کسی زمانہ میں تم نے کارہای نمایاں کئے ہوں وہ مجھے کر کے دکھا دو۔ وہ مجھے دکھا دیتے ہیں میری سامنے بڑے بڑے اور یٹر (مقرر) کھڑے تقریر کر رہے ہیں مورخ رہی تاریخیں اور شاعر خوش الحانی سے اپنے شعر سنا رہے ہیں یہ ساری سامان کس نے مہیا کیے ہیں ؟ علم نے ۔

(۳۲) علم کے فائدے اور استعمال ۔ آدمی کے قوا طبعی اور ذہنی کو علم ضعیف کر دیتا ہے اگرچہ تھوڑے علم کا اثر اچھا نہیں ہوتا مگر زیادہ علم آدمی میں سے سفلہ پن ۔ او چھا پن دور کر دیتا ہے گستاخی اور بیباکی و بیہودگی کو کم کر دیتا ہے مشکلوں کو آسان اور شبہوں کو دور کرتا ہے دل کو یہ عادت دلوا دیتا ہے کہ وہ معاملات کے سب پہلو دیکھتا ہی اور اُن کی دلیلوں کو ذہن میں تولتا ہی جس طرف پلڑا بھاری دیکھتا ہی اُس طرف جھکتا ہے وہ سریع الاعتقادی کو دور کرتا ہی۔ یہ نہیں کرتا کہ جو چیز نئی یا بڑی دکھائی دے اس کی تعریف میں ایسا دیوانہ ہو جائے جس سے ضعف عقل معلوم ہو وہ تمام امراض روحانی کا علاج کرتا ہی دل کی اصلاح اسی پر موقوف ہی۔ جاہل آدمی اپنے اندر یہ نہیں جانتا کہ بُرا کی باتیں کون سی ہیں اور میں کیونکر ان سے بچ سکتا ہوں اور نہ وہ اس خوشی اور لطف زندگی کو جانتا ہی کہ ہر روز بہتر حالت ہونے سے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں اس میں جو اچھی باتیں

ہوتی ہیں اُن کو وہ بخوبی دکھاتا ہے اور اُن کو اپنے کام میں وہ بخوبی لاتا ہے مگر
وہ اُن کو بڑھانا نہیں جانتا اور جو خطائیں اور بُرائیاں اُس میں ہوتی ہیں اُن کا زنگ
بڑانا اور چھپانا جانتا ہے مگر ان کی اصلاح کرنی نہیں آتی - اُس کا حال گھسیارے کی
کہ گھاس کاٹے چلا جاتا ہے مگر کھرپے کا تیز کرنا نہیں جانتا برخلاف اس کے عالم
اپنے علم کو کام میں لا کر اپنے دل کی بُرائیوں کی ہمیشہ اصلاح اور خطاؤں کی تصحیح کرتا ہے
جیسے تمام پھولوں میں جن میں کڑوے پھول بھی داخل ہیں شہد موجود ہے مگر اُس کو فقط
مکھی ہی چوس کر نکالنا جانتی ہے - بس اسی طرح ہر علم میں خواہ کسی قسم کا ہو اُس میں عالم
غور و فکر کر کے استدلال اور استنباط کر سکتے ہیں +

(۳) علم کی کشش اس سبب سے ہے کہ علموں میں عمدہ لیاقتوں کے حاصل کرنے سے عزت حاصل ہوتی
ہے ہم اُس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں برخلاف اس کے جہالت سے ذلت ہوتی ہے
اس لئے اُس سے دُور بھاگتے ہیں - مطالعہ کرنا گویا ایک جماعت کا جمع کرنا ہے جس میں
خوبی یہ ہے کہ اگر اُن میں سے ایک سے زیادہ باتیں کیجئے تو دوسرا رنجیدہ نہیں ہوتا نہ کوئی
آپس میں رشک و حسد پیدا ہوتا ہے جس سے ہمارا دل چاہتا ہے اُس سے باتیں کرتے ہیں
اور پھر دفعتہً اس سے ہی قطع سخن کر دیتے ہیں مگر وہ ہماری اس حرکت سے رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے
اُس میں آپس میں بحثیں اور تکراریں ہوتی ہیں جن کا فیصلہ ہم اپنی فرصت میں سوچ سمجھ کے کرتے ہیں
وہ اختلاف آرا سے غصے آپس میں نہیں ہوتے - نہ جھگڑے فساد کھڑے کرتے ہیں +

(۴) علم کا ذلیل ہونا - چار جگہ علم کی مٹی خراب ہوتی ہے - اول جہالت میں اُس کی
حقارت سے - دوم تحقیق میں عیش و عشرت شوخی و ریا کے داخل ہونے سے سوم راستے
میں نقص و شبہات کے ہونے سے - چہارم غلطی میں ضد اور مقابلہ کرنے سے +

(۵) اوپری علم - اگر علم خانہ دل کا فقط اسباب ہے اور اس کی غذا نہیں وہ سطاحت ہے
اُس کی کچھ اصل نہیں فقط دکھاوے کا دھوکا ہے جیسے کہ خون میں غذا تحلیل ہوتی ہے اور ہے

دل کے اندر علم تحلیل ہونا چاہئے جس سے دانائی اور قوت بڑھے۔ علم سپہ گری میں بہت سے جنرل نپولین اعظم کی برابر تھے مگر وہ ان پر ہمیشہ اس سبب سے فتحیاب ہوتا تھا کہ فتح فقط ایک لحظہ کی دانشمندانہ حرکت پر موقوف ہوتی ہے۔ سو نپولین کے دل میں علم نفوذ کئے ہوئے تھا۔ اور اوروں کے دل پر چسپاں تھا۔ اس لئے اس کو وہ لحظہ فتح فوراً معلوم ہوجاتا تھا۔ اوپری علم کا حال ایسا ہی جیسے کہ ایک حکیم کا جو دولت کی تعریف کرے اور اس کے اوصاف پر بحث کرے مگر ٹکا پاس نہ ہو۔ یا ایک مہندس کا کہ کُل زمین کے امتداد کو صحت سے دریافت کرے مگر بالشت بھر زمین پاس نہ ہو۔

(۶) ابتدائے علم - ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک صندوق میں ہمیشہ ایک چوہیا رہتی تھی۔ ایک دن اُس نے صندوق کے کنارہ پر سے جھانک کر جو دیکھا تو وہ متحیر ہوکے کہنے لگی کہ میں نہیں جانتی تھی کہ دُنیا اتنی بڑی ہے اُس کو اوّل اپنی جہالت پہ حیرت ہوئی۔ پس علم کے میدان میں اوّل قدم یہی ہے کہ ہم اپنے تئیں جانیں کہ جاہل ہیں اور سمجھیں کہ کس محل پر کھڑے ہیں جب اپنے ہی معاملات خانگی کے صندوق سے نکل کر باہر جھانکینگے تو حکیم بنینگے ہر چیز سے واقف ہونگے جو خدا کی عمیق مصلحتوں میں جھانکیگا وہ یہ نہیں خیال کریگا کہ آدمی ایسا محدود ہے کہ اُس میں کوئی استعداد ایسی نہیں کہ جسمانی اشیا کی بڑی تدابیر اور منصوبوں کو نہ سمجھ سکے اور ان کا فیصلہ نہ کرسکے مگر انسان روحانی اشیاء کا علم اتنا ہی حاصل کرسکتا ہے جتنا خدا نے خود اُس کو اپنے کلام میں بتلایا ہے جہاں اُس نے ہم کو روکا ہے وہاں رکنا چاہئے۔

(۷) علم کی بلندی - ہم جتنے بلند ہوتے ہیں اُتنا ہی ہمارے آگے فضائے منظر بڑھتا جاتا ہے اور اُس میں دُور دُور کی چیزیں دُھندلی نظر آتی جاتی ہیں عالم کا فضاءِ علم فراخ ہوتا ہے اس لئے اُس کو بہت سی چیزیں دُھندلی نظر آتی ہیں مگر جاہل کے پیشِ نظر چھوٹا فضا ہوتا ہے اس کو خوب نظر آتا ہے اور اس سے وہ بڑا لطف اٹھاتا ہے

دل بھر کے اُس کی بہار لوٹتا ہی۔ برخلاف حکیم کے کہ وہ اسی فکر میں رہتا ہی کہ میں تمام عالم کے فضا پر فائز ہوں +

(۸) ضرورت علم۔ جبتک کسی مضمون کو ہم اچھی طرح نہ سمجھتے ہوں اُس میں بولنا یا کہنا اپنے فرض کا توڑنا اور ایک جرم کرنا ہی گو اُس کی قانوناً سزا نہ ہو۔ جہاں آزادی کا بازار گرم ہوتا ہی وہاں ہمیشہ بکواس کا ہونا اور اُس کا چھپ کر شائع ہونا ایک لازمی امر ہے اس کے جانچنے اور پرکھنے اور خبر رکھنے کے لیے علم کی ضرورت ہی +

(۹) تحصیل علم۔ علم کا حال ایسا ہی جیسے کہ زمین کہ اوّل بڑی کاوش کیجاتی ہی تو اُس کے اندر سے صاف پانی نکلتا ہی مگر جب سوت نکل آتی ہی تو اُس سے پانی نکل کر اوپر اُٹھتا ہی اور ہم کو بے تکلف ملتا ہی بس علم کے تحصیل کرنے میں اوّل بہت تکلیف اُٹھانی اور دل سے توجہ کرنی پڑتی ہی مگر جب علم حاصل ہو جاتا ہی تو یہ حال نہیں رہتا۔ علم کا حال آگ کا سا ہی کہ اوّل اُس کے سُلگانے میں دوسری کی مدد درکار ہے پھر وہ اپنے آپ بڑھتی ہی ایسی تحصیل علم میں ابتدا میں استاد کی ضرورت ہوتی ہی پھر اُس کی خود افزائش ہوتی ہی +

(۱۰) علم قدیم سے استفادہ۔ متقدمین ایک بڑی تھیلی علم کی اپنی اولاد کو ورثہ میں دے گئے ہیں جس سے کہ ہر نسل مستفید ہوتی ہی بس ہم کو بھی چاہیے کہ ان بزرگوں کی تھیلی میں کچھ نقدی بڑھا کر اپنی آیندہ نسلوں کے واسطے چھوڑ جائیں جس سے وہ فائدہ اٹھائیں +

(۱۱) علم کی تمنا۔ جب ہماری نگاہ عالم پر پڑتی ہی تو ہم اس کا حال دریافت کرنا چاہتے ہیں ستاروں و برجوں کے نقشے بناتے ہیں زمین کے گولے کو کھود کھود کر کانیں نکالتے ہیں سمندر کے مد و جزر کا اندازہ کرتے ہیں سمندر کے ریت کے ذروں کو گنتے ہیں زمانہ گزشتہ میں جو واقعات گزرے ہیں ان کی چھان بین کرتے ہیں مُردہ بادشاہوں کی عمریں دریافت کرتے ہیں جن سلطنتوں کا

نام نشان مٹ گیا ہے ان کا سراغ لگاتے ہیں مردوں کے منہ کے کلام کی اور ہاتھ کے کام کی جستجو کرتے ہیں جیسے دولت جتنی بڑھتی ہے اس کے ساتھ اس کی طمع بھی بڑھتی ہے ایسے علم کی خواہش اتنی ہی بڑھتی ہے جتنی اس کی افزائش ہوتی ہے +

(۱۲۰) علم کی تعلیم میں اپنے سر کو قبر بنانا نہیں چاہتا - بلکہ خزانہ علم کا بنانا چاہتا ہوں میں علم کا ٹھیکہ لیکے خود ہی فائدہ حاصل کرنا نہیں چاہتا ہوں بلکہ اوروں کو اس سے فائدہ پہنچاتا میں اپنے لئے مطالعہ نہیں کرتا بلکہ اُن کے لئے جو مطالعہ نہیں کرتے - میں اُن لوگوں سے حسد نہیں کرتا جو مجھ سے علم زیادہ جانتے ہیں بلکہ اُن پر رحم کرتا ہوں جو مجھ سے علم کم رکھتے ہیں میں علم اس لئے نہیں سیکھتا تاکہ میری مشق اس میں بڑھے اور علم سے میرا دل و دماغ زندہ ہوتا رہے - بلکہ اس لئے کہ اوروں کے دماغوں میں وہ بسے اور پھیلے میں یہی کوشش کیا کرتا ہوں اور آزردہ دل ہوتا ہوں کہ میرا علم میرے ساتھ دفن ہو جائیگا - میری معزز عزیزوں کو اس میں سے کچھ ورثہ نہیں ملے گا +

(۱۲۱) علم کا مآل - ظاہر ہے کہ جو علم اس دنیا میں کوئی حاصل کرتا ہے وہ اس کی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے عقبیٰ کے خیالات کو جانے دو - اب دیکھنا چاہئے کہ دنیا میں اس کا مآل کیا ہے سو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے تئیں اور اوروں کے تئیں نفع پہنچائیں لیکن اگر اس علم کی تحصیل میں ہی صحت کو کھو بیٹھیں تو جو علم ایسی محنت سے حاصل ہوا ہے بے فائدہ ہو جائیگا - اگر ہم اپنے جسم کو مشقت شاقہ اس لئے دیں کہ ہزاروں کے لئے زیادہ کام ہو جائیں تو حقیقت میں ان قابلیتوں اور استعدادوں سے اپنے تئیں محروم کرتے ہیں جو خدا نے ہم کو اوروں کے فائدہ پہنچانے کو دی تھیں ذہانت خداداد کو زیادہ علم کی تحصیل کرنے کی محنت سے ضعیف کرتے ہیں اور طاقت ور نہیں کرتے جس کے سبب سے ہم خدا کی خدمات میں بھی قاصر رہتے ہیں اگر متوسط علم حاصل کرتے تو زیادہ فائدہ پہنچاتے - جو شخص اپنے آقا کے جہاز کو سونا چاندی اور بیش قیمت جواہر بھر کر ایسا وزنی کرتا ہے جس سے وہ ڈوب جائے تو

تو وہ شخص اپنے آقا کا قصور کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم دماغ پر علم کا بوجھ ڈال کر
خراب خستہ کرتے ہیں تو خطا کرتے ہیں +

(۱۴) علم کا سرور ـــ عیش و طرب سایہ ہی۔ دولت خود نمائی ہی۔ حکومت تھوڑی
دیر کی۔ دھوم دھام کی سواری برات کی دولہا کی سی ہے۔ مگر علم کی مسرت جاودانی
ہے۔ وہ بے انتہا خوش کرنے والا ہے۔ وسعت میں بے پایاں۔ قیام میں جاودان
وہ اپنے مقدس کاموں میں کسی سے خائف نہیں۔ خرچ کرنے میں کفایت نہیں کرتا ـ
آتش فشاں پہاڑوں کے اندر گھستا ہے۔ سمندروں میں غواصی کرتا ہی۔ زمین میں سوراخ
کرتا ہے۔ پر لگا کے آسمان پر اڑتا ہی۔ زمین کے گولے کو زرخیز بناتا ہے۔ بحر و بر میں
تفحص و تحقیق کرتا ہی۔ فاصلوں پر غور کرتا ہی۔ چھوٹی سی چھوٹی چیزوں کا امتحان کرتا ہی
بڑی بڑی چیزوں کا حساب کرتا ہے بلندیوں پر پرواز کرتا ہی اس کی گرفت سے
کوئی چیز دور نہیں علم وہ قوت بازو انسان کا ہے کہ اس کو آسمان پر چڑھا کے
لے جاتا ہے انسانوں کی مصیبتوں کا آپس میں ہی مقابلہ کرتا ہے وہ ایسا سرور
کرتا ہی کہ انقباض خاطر دور کرتا ہے۔ جہالت تو محرومی کا نام ہی جس سے کوئی چیز
نہیں پیدا ہوتی وہ ایک خلا ہے جس میں روح بت بنی بیٹھی رہتی ہی۔ جہالت روح
پر ورم چڑھا کے موٹا کرتی ہی علم اس کی توانائی بڑھا کے فربہ کرتا ہی +

(۱۵) جب علم کی ترقی ہوتی ہے تو آنکھ کی خوشی کان میں چلی جاتی ہی اور جب
تنزل ہوتا ہی تو کان کی خوشی پھر آنکھ میں آجاتی ہی۔ دماغ میں جو علم ہوتا ہی وہ
ہماری ظاہر حالت کو زیب و زینت دیتا ہے جو دل میں علم ہوتا ہی وہ روحانی کام
کر کے باطن کو مہذب کرتا ہی کوئی علم انسان کو اس لئے نہیں دیا جاتا کہ اس کو چھپا کر
رکھے بلکہ اس لئے کہ وہ اوروں کو دے۔ یہ جوہر بے بہا ایسا ہی کہ چھپانے سے
خاک میں ملجاتا ہے۔ علم وہ ارتفاع ہی جس کی انتہا نہیں وہ عمق ہی جس کی تہ نہیں

وہ راہ ہی جس کا انجام نہیں وہ دائرہ ہی جو سب پر محیط ہی مگر اُس کا خود احاطہ محدود نہیں وہ خود بے انتہا ہے جب اُس میں خدای بے انتہا آتا ہے تو دل اُس سے راضی ہوتا ہے
(۲۶) علم کے واسطے آدمی بنایا گیا ہے — آدمی کو خدا نے فہم عطا کی ہی جس سے وہ علم حاصل کرے۔ وہ شخص بڑا اسعادتمند ہے کہ اُس کی تحصیل میں اپنی ساری عمر خاص کرابتدائے عمر کو اُس میں صرف کرتا ہی۔ اور محنت کرتا ہی۔ اُس کو نئی نئی چیزیں معلوم ہوتی ہیں جہالت کی تو خلقت میں ناسودمند ہونا داخل ہے۔ مگر علم خواہ کسی قسم کا ہو فائدہ مند ہوتا ہے۔ جو شخص تحقیقات علم کے درپے ہوتا ہی وہ اپنی تحقیقات سے بعض دفعہ بڑی بیش بہا چیزیں دریافت کرلیتا ہی۔ اگر خدا کا فضل شامل حال ہو تو علم خدا کی حکمت سکھاتا ہی وہ مصحف فطرت کی سیر کراکے دل کو خدا تعالیٰ دکھاتا ہے۔ آسمان کوئی اپنا معجزہ نہ دکھائی تو بھی وہ اُس خدا کی شان اور اُس کے ہاتھ کے بنائے ہوئے کاموں کو دیکھ لیتا ہے +
(۲۷) افلاطون کی بڑی نصیحت آدمی کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنا کام کرے اور اپنے تئیں پہچانے اس نصیحت کے دو حصے ہیں اُن میں ایسا اتحاد ہی کہ وہ ایک ہی ہیں اور اُس ایک میں تمام فرائض انسانی آجاتے ہیں اس لئے کہ جو شخص اپنا کام اول کریگا وہ وہ اپنے تئیں جانیگا اور جو شخص اپنے تئیں جانے گا وہ دوسری کا کام غلطی سی کیوں کریگا۔ اپنا ہی کام کریگا۔ جو شخص اپنے تئیں جاننے میں ہمت صرف کرتا ہے وہ روز بروز دانا زیادہ ہوتا جاتا ہی۔ ساری دانائیاں اُس کی ذات میں جمع ہوجاتی ہیں تعصب و طرفداری سے پاک ہوجاتا ہی عقلی اساس پر اپنی امیدوں کو مستحکم کرتا ہی۔ وہ دوڑ سے پہلے اپنے زور کو آزماتا ہی وہ اپنے تئیں کبھی بعزت نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ جہاز بغیر کمپاس اور چپو کے نہیں چلتا۔ اس لئے جہاز کو بغیر ان کے وہ کنارہ سے نہیں ہٹاتا۔ عمارت بنانے سے پہلے وہ اس کی لاگت کا تخمینہ

کرتا ہی۔ کسی کام میں مغرورانہ پیروی نہیں کرتا۔ وہ عقل انسانی کی حدود کو پہچانتا ہی وہ وہیں قدم رکھتا ہی جہاں کچھ خطر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے عیبوں اور نقصوں سے ایسا واقف ہوتا ہی۔ کہ اپنے غرور اور عجب کو روکتا ہی۔ مگر سچ یہ ہے کہ کوئی کام دنیا میں اپنے جاننے سے زیادہ مشکل نہیں جس نے اپنے تئیں جان لیا ساری دانائیوں کا مرکز اس نے اپنے تئیں بنا لیا +

(۱۸) علم اور سوچنا — علم کے ساتھ جب تک سوچنے کی عادت نہو وہ بہت کام نہیں آتا۔ جو علم فقط دل میں گزر کر چلا جاتا ہے۔ اُس کا حال اُس مسافر کا سا ہے جو کسی ملک میں ڈاک گاڑی میں بیٹھا ہوا گزر گیا۔ یا اُس پرند کا جو کسی ملک میں جانے کے لئے کسی دوسرے ملک کے اوپر سے اُڑ کر چلا گیا۔ اس سے کیا حاصل ہوتا ہی +

(۱۹) علم وعقل — علم وعقل دونو ہرگز ایک نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات ان میں کچھ تعلق ہی نہیں ہوتا ہی۔ علم دماغ میں رہتا ہے اور غیروں کے خیالات سے معمور رہتا ہے۔ عقل دل میں رہتی ہے اور اپنے کاموں پر متوجہ ہوتی ہے۔ علم ایک انگھڑ ڈھیما ہے عقل اُس کی معمار ہی جو اُس کو ہموار اور چوکور بنا کے اپنی جگہ میں عمارت میں چسپاں ہونے کے قابل بناتی ہی۔ علم کو غرور اُس پر ہوتا ہی کہ میں نے اس قدر سیکھا ہے۔ عقل کو اپنی لاعلمی پر عجز و انکسار ہوتا ہے علم صرف خواہشیں کرتا ہی عقل اُس کو کام میں لاتی ہی۔ علم بعض آدمیوں کو احمق بناتا ہی۔ مگر عقل کسی کو احمق نہیں بناتی سب کو عقلمند بناتی ہی۔ اگر علم کی رہنما عقل نہ بنے تو اُس کا حال منہ زور سرکش گھوڑے کا سا ہی جو اپنے سوار کو گراتا ہی +

(۲۰) یہ امر ہماری طبیعت میں داخل ہی کہ جب تک ہم کسی امر کی علت ولم پر علم نہ ہو ہم خوش نہیں ہوتے اور جب سیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بھولتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں

(۲۱) محبت علم — اشراف زادوں اور امیر زادوں کی آوارگی بڑے افسوس کے قابل ہی

وہ سارا دن اپنا لہو ولعب وعیش وعشرت میں ضائع کرتے ہیں۔ بناؤ سنگار سیر و شکار میں اکثر اوقات مصروف رہتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہی کہ طبیعت لہو ولعب سے سیر ہوتی ہی تو بڑی عمر میں علم سی بھی شغل کی سوجھتی ہی لیکن جب ایام شباب کی بہار گزر جای تو خزاں میں کب بوستان زندگی علم کی بہار سے شگفتہ ہو سکتا ہی۔ اُن امیرزادوں کو قیصرو سکندر کے حالات پڑھنے چاہئیں کہ اُنھوں نے تحصیل علم کے بعد وہ کام کئے کہ دُنیا میں اُن کی برابر شاذ و نادر ہی کسی نے کئے ہوں۔ سکندر کہا کرتا تھا کہ میں باپ سی زیادہ اپنے اُستاد ارسطو کا ممنون ہوں۔ جب ارسطو نے لکچر جو سکندر کے لئے تیار کئے تھے شائع کردیئے تو سکندر نے یہ خط استاد کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے آپ سی بڑی شکایت یہ ہے کہ جناب نے ان علمی مضامین کو شائع کردیا جو میری تعلیم کے لئے خاص تیار کئے تھے جب اور شخصوں کو بھی ان مضامین پر علم ہو جائیگا تو میری لئے کونسا فخر باقی رہیگا کہ جس میں اوروں پر سبقت لے جاؤنگا میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں علم میں سربلندی بہ نسبت فتح کے زیادہ چاہتا ہوں +

بس اس خط سے معلوم ہوتا ہی کہ سکندر کو علم کا شوق ایسا تھا کہ ملک گیری کا نہ تھا علم کا درجہ نیکی کے بعد ہے وہ بھی انسان کو بلند پایہ بناتا ہی +

(۲۲) اظہار علمیت - یہ ایک خود نمائی ہے کہ کوئی شخص بڑا کتب خانہ اس لئے رکھی کہ وہ بڑا عالم معلوم ہو۔ کیا کوئی شخص ہتھیار بہت سے لگائی تو وہ بڑا بہادر ہو جائیگا کیا کوئی شخص گھر میں خالی چولھی بہت سے بنالے اور اُس میں کبھی آگ نہ جلائی تو کیا اُسے وہ بڑا مہمان نواز معلوم ہوگا۔ لوگ تو راکھ دیکھ کر جانیں گے کہ کیا پکتا ہی۔ بس ایسی کتابوں کے بڑا کتب خانہ بنانے سے کوئی عالم نہ معلوم ہوگا +

(۲۳) جتنا علم بڑھتا ہی اُتنا لاعلمی کا دائرہ فراخ ہوتا ہی۔ جب آدمی علم شروع کرتا ہی اور تھوڑا سا علم حاصل ہوتا ہی اور نئی نئی باتوں کے معلوم ہونے سے وہ ایسا خوش ہوتا ہی

جیسے کوئی آدمی نئی ملک میں جاکر نئی چیزوں کے دیکھنے سے محظوظ و مسرور ہوتا ہی وہ یہ جانتا ہے کہ روز بروز مجھ پر روشنی چمکتی ہے وہ عالموں فاضلوں کو جانتا ہی کہ یہ سب کچھ جانتے ہیں جن کتابوں کو وہ خود نہیں سمجھتا اور لوگ سمجھتے ہیں تو اُن کی تعریف بہت کرتا ہی اور سمجھنے والوں کو جانتا ہی کہ یہ کوئی بڑی فاضل عالم ہیں غرض اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ انسان کو علم جن چیزوں کا ہی وہ بہت تھوڑی بہ نسبت اُن چیزوں کے ہیں جن کا علم نہیں ہی۔ جب آدمی کے علم کا دائرہ فراخ ہوتا ہی تو یہ سمجھتا ہی کہ سب چیزوں پر تاریکی چھائی ہوئی ہے میرا علم بہ نسبت بے علمی کے بہت ہی کم ہی۔ جتنے یہ فاضل عالم ہیں سب ناکامل ہیں جن لوگوں کو دانائی اور علم کا دعویٰ ہی وہ سب جہالت کی تاریکی میں پڑے ہوئی ہیں غرض انسان کو جتنا علم زیادہ ہوتا ہی اُتنا وہ جانتا ہی کہ میں ناقص ہوں دُنیا میں زیادہ تر چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کا علم ایک عالم اور بچے کو برابر ہوتا ہی زیادہ علم کا نتیجہ یہی ہی کہ آدمی اپنی لاعلمی سے ماہر ہوتا ہی +

مال کے باب میں مآل اندیشی

دُنیا کی ساری چیزوں میں تم اپنی جائداد کی بڑی خبرداری رکھو۔ اگر ان تین باتوں کو تم ملحوظ خاطر رکھو گے تو جائداد تلف نہ ہوگی۔ اوّل یہ جانو کہ جائداد میں کیا کیا چیزیں ہیں اور ہر ایک چیز کی قیمت کیا ہی۔ کوئی نوکر یا افسر تو ایسا نہیں کہ اُس کو ضائع کر رہا ہی دوم نہ کبھی قرض لے کر خرچ کرو۔ اس لئی کہ قرض جائداد کے لئے اوّل تپ دق اور آخر کو موت ہی۔ سوم غیروں کی خطاؤں کی لئی زخمی نہ ہوا اور اوروں کے جرموں کی سزا میں کوڑے نہ کھاؤ یعنے کسی دوسری شخص کے ضامن نہ ہو۔ اس طرح سے ضامن ہوکر لاکھوں آدمی برباد ہوکر فقیر ہوگئے ہیں اور دوں کی خرمستی کی سزا خود انھوں نے اُٹھائی ہے۔ اور وںکی نادانی کا جرمانہ بھگتا ہے۔ اگر سزا بھگتو تو اپنی گناہوں کے لئی نہ یہ کہ غیروں کے لئے۔ غرض اوروں کے بوجھ اُٹھانے کے واسطے گدھے نہ بنو۔ اگر کوئی دوست تم سے فرمائش کرے

کہ تم میری ضامن ہو جاؤ تو اُس کو کچھ اپنے پاس سے دیدو۔ اگر وہ اس پر راضی نہ
ہو تو اُس کو اپنا دوست بالکل نہ جانو کیونکہ دوستوں کا کام یہ نہیں ہی کہ دوستوں کو
تکلیف دیں بلکہ خود تکلیف اُٹھائیں اگر تمھارے پاس دولت ہوگی تو وہ تندرستی میں خوش رکھیگی
بیماری کی حالت میں تسکین و تشفی کریگی جسم و جان کو وہ فارغ رکھیگی بہت سی مضرتوں سے
بچائیگی۔ بڑھاپے میں بڑے کام آئیگی دیانت دار دوستوں اور مفلسوں کی حاجت روا
ہوگی۔ تمھاری اولاد کی پرورش کریگی۔ اُن کی حمایت کریگی۔ تم کو نامور بنائیگی +
امثال سلیمان میں لکھا ہی کہ جو بیگانہ آدمی کی ضمانت دیتا ہی وہ اپنے بدن میں ناسور ڈالتا ہی
جو ہمیشہ تکلیف دے اور جو ضمانت سے نفرت کرتاہے وہ سلامت رہتا ہی مفلس سے تو اسکے
ہمسایہ بھی بیزار رہتے ہیں دولتمند کے بہت سے دوست ہوتے ہیں جو شخص تم سے زیادہ بردست
ہو اُس کو کبھی قرض نہ دو۔ اُس کو قرض دینا روپیہ کا ڈبونا ہی۔ جب ضامن ہو تو یہ سمجھ لو کہ
ضمانت کا روپیہ ہم کو دینا پڑیگا۔ اس لئے اپنے مقدور سے باہر ضامن نہ بنو +

عقلی قوت۔

آدمی کی قوت عقل میں کمال نہیں حاصل ہوتا جب تک یہ تین باتیں نہ ہوں اول
طبیعت دوم تعلیم و تربیت۔ سوم محنت۔ یہی شجر کمال کی تین شاخیں ہیں اگر اُن میں سے ایک
بھی نہ ہوگی تو وہ مُرجھا جائیگا۔ طبیعت بغیر تعلیم و تربیت کے بہت کمزور ہوتی ہی اور تعلیم و تربیت
بغیر طبیعت کے بہت ہی ضعیف۔ محنت ان دونوں سے بغیر ایک کے کچھ بھی نہیں۔ زراعت
زمین میں تین چیزیں ہوتی ہیں اول زمین شاداب دوم کاشتکار ہوشیار۔ سوم عمدہ
تخم۔ طبیعت تو زمین شاداب ہے معلم دانا کاشتکار ہوشیار اور تربیت و علوم تخم خالص۔
جو پہلے صاحب کمال گزری ہیں اُن میں بھی تین باتیں ہوا کرتی تھیں۔ انھیں تین باتوں نے
فیثاغورث۔ سقراط۔ افلاطون کو فخر یونان علوم حکمیہ کا پیغمبر حکماء کی فہرست میں اول بنایا
خدا کا خاص عطیہ عظمیٰ یہ ہی کہ کسی شخص کو یہ تینوں صفات عطا کرے۔ بغیر ان کے آدمی

بیکس و ناتواں ہی۔ مذہب حکمار میں وہ شخص بڑا بدعتی کافر ہی جو یہ کہے کہ جس آدمی کو نیکی کی راہ پر چلنا آتا ہو اور نیکی کرنی کی عادت رکھتا ہو اُس کو علوم حکمیہ کے حاصل کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ جب طبیعت آدمی کے حصہ میں نہیں آئے تو محنت اکارت ہی۔ اور ایسی ہی اگر مطالعہ اور مشق ہی میں محنت نہ کی جای تو طبیعت بے فائدہ ہے کاہلی ذہانت کو کند کرتی ہی۔ محنت ذہانت کو تیز بناتی ہی۔ ایک شی خواہ کیسی ہی آسان ہو ایک کاہل کو دشوار معلوم ہوگی اور ایک بات خواہ کیسی ہی مشکل ہو وہ محنت سے مطالعہ کرنے والے کو آسان معلوم ہوگی۔ دنیا میں بہت چیزوں میں عادت یعنے بار بار ایک کام کرنے کا اثر نمایاں دیکھتے ہیں کیسی مینہ کی چھوٹی چھوٹی بوندیں سنگ مرمر میں سوراخ کر دیتی ہیں لوہا بار بار ہاتھوں کے استعمال سی گھس گھساکے فنا ہو جاتا ہے محنت کا اثر دیکھو کہ زمین خواہ کیسی ہی شاداب ہو وہ جوتی نجای تو بنجر ہو جائیگی ایسے ہی طبیعت خواہ کیسی ہی عمدہ ہو وہ کاہلی و غفلت کی عادت سے کمینہ ہو جائیگی۔ درخت قلم نہ کئے جائیں تو اُن میں پھل نہ آئیگا۔ انگور کے درخت چھانٹے نہ جائیں تو انگور زیادہ نہ لگیں گے۔ نزاکت اختیار کرنے سے جسم کی بہت سی قوت زائل ہو جاتی ہی۔ محنت وہ چیز ہے کہ زبردست گینڈی کو مطیع اور وحشی باز کو اہلی بناتی ہی۔ جو شخص آرام طلب ہوتا ہی وہ دین دنیا دونو کے کام کا نہیں ہوتا۔ نوجوان صاحب کمال بغیر محنت کے نہیں ہو سکتا +

کوئی شخص نہ ایسا بُرا نہ ایسا بھلا ہوتا ہی جیسا ظاہر میں معلوم ہوتا ہی

آدمی کو جبتک دُنیا کا تجربہ نہیں ہوتا وہ آدمیوں کی بُرائی بھلائی ٹھیک ٹھیک پرکھ نہیں سکتا بعض آدمیوں کو بُرا بعض کو بھلا جتنا وہ جانتا ہی وہ ویسے نہیں ہوتے۔ جو شخص دور سے بہت نیک نظر آرہا ہے اگر اُس کے قریب تم آؤ اور اُس کا خوب امتحان کرو تو معلوم ہوگا کہ اُس میں بہت سے نقص و عیب ہیں اکثر یہ بات ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہی جو مذہب کا پیشہ کرتے ہیں اور اوروں کو نیکی کی تعلیم کرتے ہیں وعظ و پند بڑی

فصاحت سے کرتے ہیں مگر گھر میں جاکر وہ خیانت کے کام اور گناہ کبیرہ کرتے ہیں
کہ خدا کی پناہ ؎ واعظاں کیں جلوہ در محراب و ممبر میکنند + چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند
بعض آدمی بے شک ایسے بد ہوتے ہیں کہ انسانیت کے خلاف ایسے کام کرتے ہیں کہ
شیطان سے زیادہ تر مشابہت پیدا کرتے ہیں اور اُن کے دشمن کینہ توز اور مذہب کے عالم
ان کی برائی از حد کرتے ہیں مگر تم ان کو ٹٹولو تو بعض خوبیاں اُن میں دیکھوگے کہ جن سے
اوروں کو فائدہ ہوتا ہے اور وہ خدا کو دل سے مانتے ہیں اور اُس کی تقدیس کے قائل ہیں -
جب کوئی وعظ میں اپنا حسن بیان ظاہر کرتا ہے نماز کا پابند ہوتا ہے اور ظاہری مراسم
مذہبی ادا کرتا ہے تو لوگ اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں مگر حقیقت میں بہت سے وہ لوگ قابل
تعریف ہیں جو گوشہ گمنامی میں پڑے ہیں نہ اُن کی عبادت کوئی دیکھتا ہے نہ ریاضت -
وہ بھی عبادت کرتے ہیں اپنے تئیں زمانہ کو دکھانے کی قابلیت نہیں رکھتے - نہ وہ مذہبی فرائض
کے ادا کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں - مگر ان کی زندگی گناہوں کے لوث سے پاک صاف ہوتی
ہے - خداپرستی ان کی بھی ہوتی ہے مگر جو لوگ خداپرستی کے لباس میں ناخداپرستی کرتے ہیں وہ
جہنم و جنت کو ساتھ ملاتے ہیں +

اچھے معلم اور متعلم کی صفات

جمہور انام کے واسطے جیسے کہ پیشہ معلمی کی ضرورت ہے شاید ہی کسی اور پیشہ کی ہو
مگر اس میں بڑے درجہ کی سہل انگاری ہوتی ہے اور کچھ احتیاط نہیں کیجاتی - اکثر معلم ان چار
قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہوتے ہیں - اول نوجوان طالب علم جن کی ابھی تحصیل بھی پوری
نہیں ہوئی اور یونیورسٹی کی ڈگری بھی کوئی نہیں ملی - کہ وہ دیہات اور قصبات میں
بیٹھ رکھول بیٹھے ہیں کہ جس سے ان کی بسر اوقات ہو اور جانتے ہیں کہ میاں جی گری کے واسطے
کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے سوا اس کے ایک قمچی ہاتھ میں ہو - دوم نالائق آدمی بھی
معلمی اختیار کرتے ہیں وہ اس کو کسی اچھی ملازمت پانے کے اول سیڑھی جانتے ہیں وہ بھی

کہ ہماری دولتمندی میں جو بالفعل کساد بازاری ہو رہی ہے اُس کی درستی اس پیشہ سے ہو جائیگی۔ اس ذریعہ سے آیندہ کوئی اچھی نوکری ملجائیگی سوم وہ بدنصیب معلم ہیں باوجودیکہ اُنھوں نے لڑکوں کی تعلیم میں اور اُن کے ماں باپوں کی غلامی میں بہت سر رگڑی مگر اُس کا صلہ اُن کو ایسا تھوڑا ملا کہ جس سے شکستہ دل ہو کر اُس پیشہ کو بیدلی سے کرنے لگے۔ چہارم وہ معلم کہ اس پیشہ کی بدولت ایسے دولتمند ہو گئے کہ پھر اس پیشہ سے مستغنی ہو گئے اور اُن کو خود مدرسہ کے کام کرنے سے ننگ آنے لگا اور اپنے کام کو اپنے نائبوں اور خلیفاؤں کے ذریعہ سے کرنے لگے +

اب سنو کہ معلم میں ان باتوں کا ہونا ضرور ہے کہ اُس کا میلان طبیعت اس پیشہ کی طرف ایسا ہو کہ اُس کے کرنے سے دلی خوشی ہو اور اُس میں یہ قابلیت ہو کہ وہ اپنے طلبہ کی طبیعتوں سے بہت احتیاط کے ساتھ واقف ہو۔ متعلم جیسے کتابوں سے واقف ہوتے چاہئیں معلم ایسے طلبہ کی طبیعتوں سے۔ اگرچہ بڑے مکتبوں میں کل طلبہ کی طبائع سے ماہر ہونا دشوار ہے۔ مگر تجربہ کار معلم ان کی طبائع کی تنویع و تقسیم کر کے اُن کی قواعد کلیہ کی کتاب ایسی بناتے ہیں جیسی کہ قواعد صرف و نحو کی ہوتی ہیں جن میں چند صورتیں مستثنیٰ قواعد کلیہ کی ہوتی ہیں اب طلبہ کی تقسیم اس طرح پر ہے +

اوّل طلبہ جو ذہین محنتی ہوں یہ دو نو باتیں بچپنے میں جمع ہونی قران السعدین کی طرح مسعود ہے۔ ایسے لڑکوں کے واسطے اُستاد کا تیوری چڑھانا تسمہ مارنے کی برابر ہے اور تسمہ مارنا موت کی برابر۔ اگر ایک تسمہ اُستاد لگائے تو اُس کی شرم اُن پر ہفتوں تسمہ لگاتی ہے ایسی طبائع کے ساتھ اُستاد ہمیشہ نرمی اور ملائمت برتتے ہیں +

دوم ذہین مگر کاہل — ان کا حال ایسا ہوتا ہے جیسا کہ خرگوش اور کچھوے کی کہانی میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ سب اپنے ہم سبقوں کو کچھوا ہی جانتے ہیں ایسے طلبہ کبھی اپنی درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ ہوشیار ہونے سے پہلے وہ بہت خواب خرگوش میں

رہتے ہیں مگر اُستاد کے کوڑوں کی پھٹکار اُن کی نیند کو بھگاتی رہتی ہی +
سوم کند ذہن مگر محنتی و جفاکش۔ ان کا حال انگوری شراب کا سا ہوتا ہے کہ ابتدا میں نئی ایسی تیز نہیں ہوتی جیسی کہ پُرانی ہونے پر۔ ایسی ان کی ابتدا اچھی نہیں ہوتی مگر انتہا خوب ہوتی ہی۔ وہ ابتدا میں کوڑ مغز ہوتے ہیں مگر محنت ان کے دماغ سے اس کوڑے کرکٹ کو نکال کے خوب صاف کر دیتی ہی۔ برسٹول کے ہیرے گو خوب چکیلے ہوئے چوکور ہوتے ہیں اور قدرتی ان کی نوکیں نکلی ہوئی ہوتی ہیں مگر نرم ہونے کے سبب سے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے مشرقی ہیرے انڈیا میں سخت اور کھردرے ہوتے ہیں بس ایسے لڑکوں کی طبائع کا سخت اور کند ہونا کام کا ہوتا ہی وہ آخر کو اپنے ملک کے جواہر بن جاتے ہیں محنتی ہونا ان کی کند ذہنی کا معاوضہ کر دیتا ہی۔ ایسے طلبہ کی گوشمالی معلم نہیں کرتے وہ جانتے ہیں کہ جبلت و طبیعت کو مار سے بدلنے کا قصد کرنا اپنے اوپر تازیانہ لگانا ہی۔ دنیا میں نیچر کی کوئی چیز کوڑوں کے مارنے سے بدل نہیں سکتی جو وقت نیچر نے مقرر کیا ہے کیا اس کو کوئی ایک منٹ ساری دنیا پر کوڑے مارنے سے بڑھا سکتا ہے +
چہارم جو طلبہ کودن کند ذہن کاہل ہوں کاہلی کی اصلاح تو ممکن ہے، مگر کند ذہنی کی اصلاح نہیں ہو سکتی جس قینچی کی دھار میں لوہا نہ ہو اُس کو دنیا کی تمام سان تیز نہیں کر سکتے ایسے طلبہ کو اور پیشوں کی طرف رغبت دلانی چاہئے۔ ان کو طالب علمی کے پیشہ کو چھوڑنا چاہئے اور کوئی پیشہ تجارت۔ صنعت کا اختیار کرنا چاہئے +
اُستادوں کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ شاگردوں کی خوش لیاقتی سے ان کا نام بھی روشن ہوتا ہے اور اُن کی ناموری سے وہ بھی نامور ہوتے ہیں بہت سے ایسے معلم ہوتے ہیں کہ کوئی اُن کا نام نہ لیتا اگر اُن کے شاگرد نامور نہ ہوتے +

مرنے پر افسوس کرنا حماقت ہی۔

جب آدمی مرتا ہے تو فقط یہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی لذائذ جسمانی سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی ساری خوشیوں سے۔ نہ وہ علم اور مطالعہ سے محظوظ ہو سکتا ہی نہ دانشمند انسان اور خدا پرستوں سے باتیں کر سکتا ہی۔ نہ پڑھنے سے نہ سیکھنے سے لطف اٹھا سکتا ہی۔ گھر میں کسی عبادت خانہ میں عبادت کر سکتا ہی۔ اپنا کتب خانہ چھوڑ جاتا ہی جس کی کتاب کا ایک ورق الٹنا اس کو نصیب نہیں ہوتا۔ نہ وہ زندوں میں واپس آتا ہی نہ وہ کسی عزیز کا چہرہ دیکھتا ہی۔ نہ کوئی آدمی اسے دیکھتا ہی نہ کوئی شہر۔ نہ کوئی کوچہ بازار نہ کوئی کھیت دیکھنے میں آتا ہی۔ نہ دنیا کی خبر معلوم ہوتی کہ کیا اس میں ہو رہا ہی۔ کہاں لڑائیاں در فساد ہو رہی ہیں کہاں خدا پرستی اور دانائی کی ترقی ہو رہی ہی۔ بس اگر مرنے کے وقت ان خیالات سے افسوس حسرت ہو تو سوچنا چاہیے کہ دنیا ایک تماشا گاہ ہی کہ جس میں بیشمار آدمی مرنے کے لئے بیٹھے ہیں اگر مرنا کچھ میری ذات سے مخصوص ہوتا تو البتہ افسوس کرنا چاہیے تھا کہ ایک خاص قانون ایسا سخت جو قابل برداشت نہیں ہے میرے لئے بنایا گیا لیکن نہ پہلے زمانہ میں نہ آئندہ زمانہ میں جب کوئی اس قانون سے نہ بچا ہو تو کیوں ایسی بدی اور ضروری چیز کا مقابلہ کر کے بیفائدہ اپنے تئیں زحمت پہنچائی۔ یہ شاہراہ فنا وہ ہے کہ جس میں سب کو چلنا پڑا ہی اور چلنا پڑیگا۔ وہی ہم سب کا گھر ہے بے شمار آدمی اس میں چل چکے ہیں اور ان گنت چلنے کو بیٹھے ہیں یہ وہ بلاء عالمگیر ہے کہ جس کی فریاد کوئی نہیں سنتا۔ جب بڑے بڑے محل شاہی جل رہے ہوں تو تیرے جھونپڑے کا جلنا کیا نقصان ہی؟ کیا تیری فریاد اور آہ و واویلا سے آسمان اپنے چرخ کی حرکت دوامی کو ٹھیر کے تیرا مجری بنے گا؟ اس کی یہ سریع دوامی حرکت کیا ہی؟ ہماری عمروں کا لپیٹنا او کھولنا ہی۔ موت پر انتظام گیتی موقوف ہے دنیا کی زندگی موت پر موقوف ہی۔ دنیا جبھی تک دنیا ہی کہ ایک مخلوق مرتی ہی

دوسری اُس کی جگہ پیدا ہوتی ہی۔ برابر یہ کون و فساد چلا جاتا ہی اس میں مقام دوام نہیں ہی دُنیا میں مادہ کا حال وہی ہی جو سمندر کا کہ اس میں متواتر تلاطم ہوتے ہیں جوار بھاٹے آتے ہیں۔ لہروں پر لہریں چڑھتی ہیں موجیں اُٹھتی ہیں اور بیٹھتی ہیں مگر اُس کا پانی ایک ہی رہتا ہی بس اسی طرح دنیا میں آدمی موجوں کی طرح پیدا اور فنا ہوتے ہیں دُنیا وہ کی وہی رہتی ہی۔ زمین ایک تختہ ہے آدمی اشتہار ہیں جو اُسپر لگتے اور اُترتے ہیں خدا تعالیٰ نے دنیا میں موت سے عجیب و غریب تماشے دکھا رکھے ہیں موت کا حکم اُس نے وہ لگایا ہی کہ کسی کے ٹالے سے نہیں ٹلتا۔ جو حیات و موت کا قانون اُس نے مقرر کیا ہی وہ ہمیشہ سے چلا آتا ہی اور ہمیشہ چلا جائیگا کسی کا مقدور نہیں کہ اُس میں کوئی ترمیم یا تغیر کر سکے۔ اُس میں تغیر چاہنا ایک ناممکن بات کا چاہنا ہی اس سے زیادہ کوئی حماقت نہیں کہ خدا کے اس حکم پر انسان افسوس کرے۔

مصائب کے رنجوں کا علاج

انسان کے مصائب کیا عام ہوتے ہیں یا خاص۔ عام یہ ہیں لڑائی۔ وبا گرانی اجناس قحط سالی۔ آتش زدگی۔ طغیانی آب۔ موسموں کا غیر موسم ہونا۔ وبائی امراض یہ سب وہ سخت بلائیں ہیں کہ جن میں شہر کے شہر۔ ملک کے ملک مبتلا ہوتے ہیں خاص آفات یہ ہیں افلاس۔ احتیاج۔ تردد و تفکر۔ عزیزوں کی موت۔ بیماری۔ نقصان۔ بے عزتی وغیرہ۔ انسان کی کوئی حالت ایسی نہیں کہ جس میں شادی و غم توام نہ ہوں ہماری کل زندگی تلخ و شیریں جذبات قلبی سے بھری ہوئی اور اُس کے شہد میں زہر ملا ہوا ہی اس سے کون انکار کر سکتا ہی کہ ہم سب ناخوش و دکھی ہیں؟ بس جب رنج و غم کا ہونا انسان کیلئے لازمی اور ضروری ہوا تو کوئی ایسا آدمی نہ ہوگا کہ رنج سے آزاد ہوگا۔ فانی نہ ہوگا جب رنج و الم سب کے واسطے عام ہو کوئی اُس سے خالی نہ ہو تو پھر کس لئے آدمی رنج میں بے صبر و بے قرار دوسرے آدمی سے

زیادہ ہو اگر رنج کا ہونا مخصوص کسی شخص کی ذات کے ساتھ ہوتا تو البتہ اُس کو حسرت ہوتی کہ میرے لئے یہ مصیبت بنی ہی جو مجھ سے اٹھائی نہیں جاتی ہی۔ مگر جب سب اس میں شریک ہیں تو ع مرگ انبوہ جشنے دارد + غرض کوئی میری خاص صورت نہیں ہی کہ جس کے سبب سے حسرت وافسوس میں اپنے تئیں گھلاؤں علاوہ ان خاص رنجوں کے دشمنوں کا خوف بھی ہمارے پیچھے لگا ہوا ہوتا ہی۔ لڑائی ہم کو خوشی کے باجوں کی آوازیں توپوں کی دھوا دھوں اور اپنے نقاروں کی دوں دوں کے بدلے سناتی ہی۔ اپنی نفیریوں کی آوازیں کانوں میں بھرتی ہی شادیوں کے مشعلوں کی جگہ شہروں اور قصبوں کو جلا کر شعلوں کو دکھاتی ہی۔ شادیوں کی دھوم دھام کی جگہ آہ ونالوں کا فغان سناتی ہی ہنسی کے بجای رولاتی ہی۔ یہ باتیں ہمیشہ سی ہوتی آئی ہیں اور ہمیشہ ہوتی رہینگی۔ جب تک انسان زندہ رہیگا اُس کی زندگی میں شادی وغم کا دور رہیگا ایک کے پیچھے دوسرا آئیگا۔ اس حالت ناگزیر سے کوئی بچنے کا چارہ نہیں ہی۔ ایک حکیم کا قول ہی کہ جو بات ضرور اور ناگزیر ہو اُس پر آدمی کو رنج کرنا نہیں چاہئے بلکہ اپنے تئیں تسلی اور تشفی دینی چاہئے۔ اسلئے کہ اُس کی تو خواہ نخواہ برداشت کرنی پڑیگی۔ پھر صبر وتحمل کرکے اپنے تئیں متحمل بناؤ۔ جو رنج بہت دنوں رہتے ہیں وہ امتداد زمانہ سے خفیف ہو جاتے ہیں۔ جو رنج بھاری ہوتے ہیں وہ زیادہ دیرپا نہیں ہوتے خود ختم ہو جاتے ہیں یا دوسرے کا خاتمہ جلد کر دیتے ہیں رنج کو وقت دور کر دیتا ہے۔ عادت اُس کے اثر کو مٹا دیتی ہے۔ سب رنجوں کی عالم دوا فراموشی ہی۔ جب یہ رنج گذر جاتے ہیں تو دل کو ایسا چین اور آرام آتا ہی کہ لطف زندگی کا بڑھ جاتا ہی۔ بعض اوقات کسی چیز کی محرومی باعث مسرت ہوتی ہی۔ ہم کو یہ خیال کرنا بھی نہیں چاہئے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا خوش ہی کہ اُس کو رنج کبھی نہ ہوا ہو ع۔ تو نکر معقول بفرما کہ گل بیخار کجاست + آسمان کو ستاروں سے آرائش ہی۔ زمین کو آدمیوں سے۔ آسمان پر ستاروں کی گردش کا کوئی مانع اور حارج ایسا نہیں کہ اُن کی حرکت کو روک دے یا بدل دے مگر زمین پر آدمیوں کی یہ حالت نہیں ہی۔ اسکے کاموں کے واسطے بہت سی مشکلات سد راہ ہو

سعی و کوشش میں بہت سی مزاحمتیں پیش آتی ہیں کوئی انسان خالی اس قانون فطرت سے بری نہیں ابتدای آفرینش سے آج تک ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اُس کی آرزوؤں اور خواہش کے موافق کُل کام ہوئے ہوں اور قسمت نے اُس کی آرزوؤں کی مزاحمت نہ کی ہو۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی صاف نہیں کہ جسمیں گرد نہ ہو۔ جو چیز چاند کے نیچے ہیں اُس میں تغیر اور بربادی ضرور ہے۔ انسان کی تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ جب تک وہ دُنیا میں زندہ رہے۔ خوشی و رنج دونوں کا دور چلے۔ وہ دُنیا میں تغیر انجام و نوچیز کے رہ نہیں سکتا۔ آسمان پر ستاروں کی حرکتوں کو دیکھو کہ کبھی ان کی حرکت سیدھی کبھی اُلٹی کبھی مشرق کو کبھی مغرب ہوتی رہتی ہے ایسے ہی دُنیا میں آدمیوں کا حال رہتا ہے کہ مد و جزر اُس میں ہوتے رہتے ہیں جیسے زندگی طرح ہوتی ہے حادثات و واقعات بہت نشیب و فراز دکھاتے ہیں طرح طرح کے دل میں جوش اُٹھاتے ہیں اپنا اور اوروں کا ضعف بوقلمونی رنگ دکھاتا ہے +

روشنی خدا کا سایہ ہے

روشنی جیسی ہزارہا اشیا کو دکھائی ہے ایسے ہی سیکڑوں چیزوں کو نظر سے چھپاتی ہے۔ اگر زمین کا سایہ نہ ہوا اور اُس پر تاریکی نہ ہو تو خالق جہان کی مخلوق کا وہ حصہ نظر سے پنہاں ہو جو سب سے زیادہ ذی شان ہے۔ پھر اُن کا وہ حال ہو جو آفرینش عالم کے روز چہارم میں تھا کہ خدا نے اُن کو افق پر آفتاب کے ساتھ بنایا تھا۔ جب کوئی آنکھ اُن کو دیکھنے والی نہ تھی۔ سایہ کے نام سے چیزیں بیان ہو سکتی ہیں مذہبی اسرار سایہ ہی سے تعبیر ہوئی ہیں عیسائی مذہب نے اپنا سایہ یہودیوں کے مذہب میں دکھایا ہے۔ موت کا سایہ حیات ہے۔ جو روحیں جسم سے جدا ہو گئی ہیں وہ حیات کا سایہ ہیں آفتاب خود سیاہ سایہ ہے اور روشنی خدا کا سایہ ہے +

محبت و تزویج۔

مرد جو عورت سے عقد نکاح باندھتا ہے وہ نہایت اپنی ضرورت اور غرض کا پاسہ پھینکتا ہے اگر وہ پلٹ گیا تو پھر جینا مرنا دونو خراب ہیں اس عقد کی گرہ میں ساری خوشیاں و رنج اُس کے

وابستہ ہیں۔ جب نیا نیا بیاہ ہو تو دونو میاں بیوی کو اُس کا بڑا لحاظ اور پاس چاہئے کہ کوئی بات ایسی نہ کریں کہ جس سے ایک دوسری سے خفا اور رنجیدہ ہوں تازی کلی ذراسی ہوا کے جھونکے سے گر جاتی ہی جب انگور کے چھوٹے چھوٹے حلقے ایسے نکلتے ہیں جیسے نئی دودھ چھوٹے ہوئی بچے کے گھونگر والے بالوں میں ہوتے ہیں تو اُن کو جھونکی ہوا برباد کر دیتی ہے مگر جب کچھ دن اُن پر گذر جاتے ہیں تو وہی مضبوط شاخیں ہو جاتی ہیں اور جب آفتاب اُنکو بغل میں لیتا ہی اور آسمان اُن پر بوسے دیتا ہی تو اُن میں وہ خوشے پکتے ہیں کہ شمالی ہوا کے جھکڑ بھی نہیں گرا سکتی۔ وہ آندھی اور ہوا کے طوفان کی آواز بھی نہیں سنتی۔ بس یہی حال نئی بیاہ کا ہی کہ ابتدا میں دونو کو بہت احتیاط چاہیے کہ ایک دوسری کے کاموں کو دیکھیں اور حالات کو تحقیق کریں۔ اپنی محبت میں ایک دوسرے پر رشک کریں کام میں مصروف رہیں اور نامہربانی کا جو لفظ کسی کے منہ سے نکل جاوی تو اُس کی خبر رکھیں۔ مگر جب بیاہ پر مدت گذر جاوی اور میاں بیوی کا دل ایک ہو جائے اور ایک کو دوسرے کا تجربہ محبت ہو جائے اور باہم اعتبار ہو جائے اور وہ تکلف برطرف ہو جائیں جو تصنع و مکاری کے سبب سے ہوتے ہیں تو پھر بہت سی باتیں جو بالفعل موجود ہوتی ہیں اور بہت سی پہلی یاد ہوتی ہیں کہ اُن کی سبب سے جو باتیں چھوٹی چھوٹی نامہربانیوں کی اب واقع ہوتی ہیں تو اُنکا کچھ خیال بھی نہیں ہوتا۔

دنیا میں کوئی چیز بغیر محبت کے لطف نہیں دیتی اگر کوئی شخص مقدمن عاقلانہ و غلط سننے سے کہ میں تھک جاتا ہوں اور امن و عافیت سی نفرت رکھتا ہوں تو وہ شخص فردوس کا ٹکڑا اپنے دامن میں چن کر رکھتا ہی کیونکہ اُس میں محبت نہیں ہے۔ آسائش و آرام کی شیریں کرنے والی کوئی شے سوا محبت کے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی بیوی سے محبت رکھتا ہی تو وہ اپنے گھر کو قبلہ و کعبہ جانتا ہی اپنے باغوں کو بہشت سمجھتا ہی۔ بیوی کو ایک چشمہ سربند جانتا ہے جو اُس کی تشنگی کو بجھاتی ہی اُس کے تردداتِ کو فارغ البالی سی بدلتی ہے اُس کی آنکھیں آسمان کی روشنی سی زیادہ خوشنما معلوم ہوتی ہیں اُس کے سینہ کو اپنی آرام گاہ جانتا ہی وہ اپنی سارے رنج و الم

اُتار کے اُس کی گودی میں رکھ دیتا ہے جو لوگ بچوں سے محبت رکھتے ہیں وہ ان کیفیتوں کی لذتوں کو سمجھتے ہیں کہ بچوں کی پھدک پھدک چلبلا پن کیا پیارا معلوم ہوتا ہے۔ اُن کے بولنے کی نرمی اور اُن کا توتلا پن۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ کا کہنا کانوں کو کیا خوش لگتا ہے۔ ان کا تھوڑی سی بات پر غصہ ہونا۔ پھر جلدی سے من جانا۔ اور ان کا ناز اٹھانا جان کو توانا کرتا ہے۔ ان کا معصوم اور خام ہونا دل کو آرام دیتا ہے +

مصائب زندگانی۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے + ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

آہ افسوس دُنیا میں کتنے تھوڑے آدمی خوش حال ہیں بیشمار آدمی بھیک مانگتے ہیں غلامی کرتے ہیں آفت مصیبت بلا میں مبتلا ہیں زمین میں کوئی کونہ نہیں جہاں اُن کی آہ و فغاں کا غل نہ ہو رہا ہو۔ بلکہ اُن کی فریادیں۔ رونے کی چیخیں۔ دعاؤں کے غل آسمان تک پہنچتے ہیں ایک سخت لڑائی دیکھو کہ وہ کیسی صوبے اور ضلع غیر آباد کر دیتی ہے۔ کبھی نہ کبھی اُس کی خونخواری سے سارا ملک بے چراغ ہو جاتا ہے بعض ملکوں میں موقت امراض وبائی آیا کرتے ہیں جو اُن کو ناک سیاہ کر دیتے ہیں ان کے سواء ہزاروں آدمیوں کو بھوت پلید نظر آتے ہیں جن سے اُن کا ناک میں دم ہوتا ہے جن اور پری کا سایہ اُن کو دیوانہ بنا تا ہے۔ تم آسمان پر چڑھ کر نیچے زمین پر نگاہ کرو تو تم کو نظر آئیگا کہ کتنی عورت و مرد غش میں پڑی ہیں۔ بھوکے مرے جاتے ہیں کتنے نوجوان تلوار سے کٹے پڑے ہیں۔ کتنے یتیم بچے اپنے ماں باپوں کی قبروں پر کھڑے رو رہے ہیں جن پر ان کی زندگی بسر کرنے کا مدار تھا۔ کتنے ملاح اور مسافر سمندر میں طوفانوں سے غرق ہو رہے ہیں اور چیخیں مار رہے ہیں کتنے جہاز پہاڑوں سے ٹکرا کے پاش پاش ہو رہے ہیں اور اہل جہاز غرقاب فنا ہو رہے ہیں کتنے آدمی اپاہج پڑے رو رہے ہیں بہت سے ایسے ستم رسیدہ ہیں کہ دیوانے ہو گئے ہیں۔ بعض کی آسودگی چھن گئی ہے اس سے بے چین ہو رہے ہیں۔ بہت سے بیمار بیڑی

مرتب ہے پس غرض چاروں طرف تم کو انسان کے مصائب نظر آئینگے اگرچہ تمھارا دل اس وقت خوش ہوگا کہ خدا نے ہم کو ان مصائب سے بچا رکھا ہے مگر خوب سمجھ لو کہ دنیا بڑی مصیبت کی جگہ ہے اس سے چلے جانے کا جلد سامان تیار کرو +

ہر جگہ موت

کہیں بھی آدم کا قدم نہیں پڑتا جہاں کسی مردہ کی ہڈی اسکے پاؤں نیچے نہ آئے۔ ایک شخص جہاز میں بیٹھا چلا جاتا تھا کہ وہ جہاز شکستہ ہوکر تباہ ہوا اس کو ایک تختہ ہاتھ لگ گیا۔ اس پر سوار ہوکر یہ ساحل پر اترا۔ وہاں پہاڑی پر بیٹھا۔ دھوپ میں اپنے تئیں سکھا رہا تھا کہ اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی کہ وہ امواج پر الٹ پلٹ ہوتا چلا آتا ہی اسکے کپڑوں کی شکنوں میں ریت بھرا ہے۔ اس کا دشمن بھلا مانس سمندر اُسے کنارے پر لیئے ساحل کی طرف قبر میں دفن کرنے کے لئے لاتا ہی۔ یہ دیکھکر اس کے دل میں جوش اُٹھا اور اس مردہ کے کنبے کی طرف خیال دوڑا کہ اس کی بیوی چین آرام سے کہیں اس ملک میں بیٹھی ہوئی دن گن رہی ہوگی کہ اگلے مہینے میں میرا میاں گھر آجائیگا۔ اس کے لڑکے کو خیال بھی نہ ہوگا کہ اس طوفان میں باپ غرقاب فنا ہوا ہوگا باپ کے گالوں پر بوسہ رخصت کی گرمی ہنوز باقی ہوگی اور خوشی کے مارے اُس کی آنکھوں میں آنسو بھرے آتے ہونگے کہ اب میرا میاں آئیگا اور میری باہوں کے حلقے میں محبت گلے ملے گا۔ انسان فانی کے خیالات اور ارادوں کا مجموعہ اور اُن کا انجام یہی ہوا کرتا ہے۔ ایک اندھیری رات۔ ایک غلط رہ نما۔ ایک متلاطم سمندر۔ جہاز کے ایک پرزے کی شکستگی۔ ایک سخت پہاڑ۔ ایک جھکڑ کی ہوا نے اس سارے کنبے کو ڈبو دیا گو خود اس طوفان میں نہیں آئے مگر ان پر وہی مصیبت گذریگی جو جہاز کی تباہی سے گذری وہ اس حادثہ کو سن کر خوب روکر چیخیں ماریں گے۔ جب وہ لاش میرے پاس آئی اور اُس کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ خود مالک جہاز کی لاش ہی جو ایک رو پہلے اپنی دولت اور تجارت کا حساب لوگوں سے تیار کرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ فلاں

تاریخ میں پڑھ کر پہنچ جاؤ نگا اب دیکھو کہ وہی شخص جو دو روز پہلے غصے ہو رہا تھا کیونکہ تیس
رہا ہے اس کے تمام دل کے جوش و جذبے طوفان نے آ تا دیئے۔ اس کے سارے سا بقہ نقشے
بر آب کر دیئے۔ اس کی تمام عقل و ہوش کو ختم کر دیا۔ سفر کو سفر آخرت پر تمام کر دیا۔
معلوم نہیں کہ وہاں پر کیا بری بھلی ہی۔ جو زندہ ہیں وہ مردوں کی بری بھلی سے کیا
کام رکھتے ہیں۔ انسان کی حالت میں موت سے زیادہ کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں زندہ
کو مردہ سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ بچپنے کی خوشیوں اور بے فکریوں کو رخساروں کی تازگی کو
آنکھ کی چمک دمک کو اور پھر پچیس برس کی عمر میں جسم کی توانائی اور جوڑوں کی خوشنمائی
اور پٹھوں کے کس کو اور پھر مرنے کی زرد رنگی اور ضعف ناتوانی کو دیکھو کہ ان حالتوں میں
کیا بعد بین ہے۔ انسان کا حال گلاب کا سا ہے کہ ابھی وہ ٹہنی سے ٹوٹا صبح کو کھلا۔ شبنم
اوس پڑی جس سے وہ بھیڑ کے بچہ کی اون کی طرح سفید ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا
یہ رنگ بدلا شگفتگی کا جامہ اترا۔ پتیاں جھڑیں خود زمین پر گرا خاک ہو گیا۔ یہی انسان
کی پیدائش و نمو اور توقف و انحطاط و فنا کا حال ہے۔ آدمی کا یہ حصہ ہے کہ کیڑوں اور
سانپوں کا ورثہ ہو۔ سڑی ایسی مٹی خوار ہو۔ مرنے کے بعد آدمی کا سارا حسن و جوبن
ایسا بدل جاتا ہے کہ دوست آشنا بھی اس کو نہیں پہچان سکتے۔ مرنے کی ساتھ ہی مردہ
خوف سب کو لگنے لگتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی محبت و الفت سے یا عالی ہمتی سے اس کی
خدمت کرتے تھے وہ ایسے خائف ہو جاتے ہیں کہ اس کمرہ میں نہیں آتے کہ جس میں
اس کا جسم بے جان رکھا ہوتا ہے۔ ایک جرمن کا حال لکھا ہے کہ وہ بہت حسین تھا۔
دوست اس کی تصویر کے بڑے خواستگار تھے مگر وہ اپنی تصویر کھچوانے سے انکار کرتا تھا
اور دوستوں سے کہتا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو تیسرے روز میری قبر پر مصور کو بھیجنا
کہ وہ مجھ مردہ کی تصویر کو زندہ کرے۔ جب وہ مر گیا تو مصور اس کی قبر پر تصویر
کھینچنے گیا اور تصویر اتاری۔ اس کا آدھا چہرہ جانور کھا گئے تھے۔ پیڑو اور پیٹ

ہڈی میں سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ غرض کہ حسینوں کی صورتیں قبر میں آکر ہو جاتی ہیں کیا
تبدیلی عظیم ہے کہ ہر ایک حسین صورت کی یہ صورت بد ہو جاتی ہے۔ نہ کوئی نوکر خدمت کرنے
آتا ہے نہ کوئی دوست ملاقات کرتے۔ نہ کوئی قبر کے گنبد کو جھاڑو دے کے صاف کرنے
اگر کوئی آدمی بادشاہوں کے قبرستان میں چلا جائے تو وہاں قبروں کو دیکھ کر ایک عظیم
سیاسی سکتا ہے جو کبھی نہ سنا ہو سلطنت کے بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جس مکان میں وہ اپنی شاہانہ
شوکت و عظمت کو دکھاتے ہیں وہیں اُن کے باپ دادا کا قبرستان ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے
سر پر افسر شاہی جب رکھا جاتا ہے تو اُن کو اپنے باپ دادا کے سروں پر قدم رکھنا پڑتا ہے
قبرستان اس تبدیلی عظیم کی ایک نقل ہوتی ہے۔ جس میں فقیر و غنی ضعیف و قوی چھوٹے
بڑے سب پڑے ہوئے ہیں اُس کے دیکھنے سے شہوت پرستی کی آگ بجھ جاتی ہے۔
غرور کا سر نیچا ہو جاتا ہے۔ ہوا و ہوس کی خارش مٹ جاتی ہے۔ خیالی مصنوعی شہوت خیز
خوبصورتی مٹی میں ملجاتی ہے۔ جنگ جو امن خواہ۔ خوش نصیب۔ بدنصیب۔ عزیز و مردود
سب اپنے تئیں خاک میں ملاتے ہیں اور اپنے فنا ہونے کی نشانیاں دکھاتے ہیں و تمام دنیا
سے کہتے ہیں کہ یہاں ہماری خاک بادشاہوں کے برابر ہوگئی وہاں ہمارا محاسبہ آسان ہوگا

ظاہرا ناممکن

یہ کاہلی اور سستی کا کام ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کو ناممکن بناتی ہے جہاں کسی کام
کے کرنے کے لوگوں کو پروا نہیں ہوتی تو اُس کے لئے یہ بہانہ بناتے ہیں کہ بھلا یہ کام کہیں
ہو سکتا ہے کسی کام کے ممکن ہونے کا مختصر اور تحقیق طریق یہ ہے کہ ہمہ تن اُس کے سرانجام دینے میں
مصروف ہو جائیں پھر دیکھ لیں کہ وہ کیسا ناممکن سے ممکن ہو جاتا ہے۔ اکثر ایسا تجربہ ہوا ہے کہ
جو کام ظاہر میں ناممکن معلوم ہوتا ہے وہ محنت سے سرانجام ہو جاتا ہے +

خاندان میں نفاق

سلطنت ایک بڑا خانداں ہوتا ہے اور خاندان چھوٹی سلطنت ہوتی ہے جیسا کہ

سلطنت کے لئے لازم ہی کہ فتنہ و فساد سے خالی نہ ہو اس میں انقلابات پیش آتے
رہیں اور جھگڑے بکھیڑے اٹھتے رہیں ایسے خاندان میں ضرور ہی کہ ایسی باتیں ہوتی رہیں مجھے
تصور کرنا نادانی ہی کہ اولاد اور والدین کے درمیان محبت ہمیشہ یکساں رہتی ہے عہد طفلی
بعد اس الفت کی صورت بدلنے لگتی ہی۔ جب اولاد جوان ہوتی ہی تو وہ ماں باپوں کی تنبیہ
اور تاکید کو نہیں سنتی۔ اور بجای شکرگزار ہونے کے شکایت کرنے لگتی ہی۔ ہر اولاد یہی چاہتی
ہی کہ ماں باپ مجھہ ہی کو زیادہ چاہیں اور میری ہی ساتھہ ان کی بہت سی باتیں مخصوص ہوں
مگر ماں باپ اپنے تئیں ساری اولاد کے حوالہ کرتے ہیں بعض اولاد ماں کی لاڈلی اور بعض باپ کی
پیاری ہوتی ہی۔ اس لئے بہن بھائیوں میں رشک کا آغاز ہوتا ہی ان میں مکر و حیلے بہانے کی
جلی کٹی باتیں ہونے لگتی ہیں آخر کو نوبت فساد و عناد پر پہنچ جاتی ہی۔ ماں باپ مسن ہوتے
ہیں اولاد جوان ہوتی ہے۔ بوڑھے جوان ہم رای نہیں ہوتے۔ پیری اور جوانی کے خیالات
کا اور اوضاع و اطوار کا اختلاف ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بہار و خزاں میں باغ کے
درختوں کا۔ دونوں کی حرکات مختلف ہوتی ہیں اور اس سبب سے باہم اعتماد اٹھ جاتا ہی ایسے
ماں باپ گو گرد و سرخ کا حکم رکھتے ہیں کہ جو اپنی نصیحت کے موافق خود عمل کریں بڑھاپے میں کسی
ایجاد کی قدرت نہیں ہوتی۔ تھوڑی ترقی پر صبر ہوتا ہے۔ دولت سے محبت ہوتی ہے
غور و تامل کے ساتھہ کام ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جوانی میں دل امنگوں سے بھرا ہوتا ہی
اپنے اوضاع و اطوار کو عقل روز بروز سرعت سے درست کرتا ہے۔ عزت پر مرتا ہی
نیکی کی تعظیم کرتا ہی۔ عالی ہمتی اور خوش نصیبی کے حوالہ اپنے تئیں کرتا ہی۔ اولاد جو اپنی نیک
نیتی سے کوئی نیک کام کرنا چاہتی ہے تو بوڑھا باپ اپنے تجربہ کے سبب سے اس میں شک
پیدا کرتا ہے۔ اس کی تیزی و سرعت سے ناراض ہوتا ہے۔ اولاد کو باپ کا یہ تامل
اور شک ناپسند ہوتا ہے غرض اس طرح رفتہ رفتہ ان کی باہمی محبت والفت میں فرق ہوتا
جاتا ہی گو یہ اس طرح کا نفاق ضروری نہیں ہی لیکن ایسا کم اتفاق ہوتا ہی کہ کسی خاندان میں

کل آدمی نکوکار اور پرہیزگار ہی ہوں۔ اگر خاندان میں ایک بھی بد ہوگا تو رشتہ اتفاق گسستہ ہو جائیگا۔ ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کرتی ہی۔ اس سے زیادہ دشوار امر یہ ہے کہ بروں ہی میں ناموافقت نہیں ہوتی بلکہ بھلوں میں بھی اتفاق نہیں رہتا۔ جب نیکیاں حد اعتدال سے تجاوز کرینگی تو اُن میں اختلاف پیدا ہوگا۔ نیکیاں بھی آپس میں متضاد ہوتی ہیں ایک کفایت شعار ہو۔ دوسرا سخاوت شعار۔ تو دونوں میں ضرور اختلاف ہوگا۔ ایک شخص کی نیک عقل اور صلاحیت سے اتنے آدمی خوشی نہیں حاصل کر سکتے جتنی ایک آدمی کی شرارت یا حماقت سے رنج و مصیبت اُٹھاتے ہیں غرض خاندان میں نفاق فقط ایک آدمی کے بُرا ہونے سے پھیل جاتا ہی۔ اسی لئے خاندان کا اتفاق اس پر موقوف ہی کہ کوئی ایک بھی خاندان میں بُرا نہ ہو۔ ایسا ہونا مشکل ہے اس لئے خاندان کا اتفاق دشوار ہے کو سعادتمند اولاد نیک اعمال والدین کی عزت و تعظیم کرتی ہو +

زندہ جو مُردہ ہیں

بعض عاقلوں کی رای یہ ہی کہ انہیں آدمیوں کو سچ مچ زندہ کہ سکتے ہیں جو اوروں کے فائدہ کے لئے مستحسن کام کرکے اور مفید صنائع بناکے شہرت دوام حاصل کرتے ہیں اس طرح مردوں اور زندوں میں آدمیوں کا تقسیم کرنا لوگ ایک خیالی مضمون جانینگے اور ہم کو کہینگے کہ ہم مضامین فقط خوش کرنے اور دل بہلانے کے لئے لکھتے ہیں کچھ یقین دلانے اور تعلیم کرنے کے لئے نہیں لکھتے ہیں بھی ایک ڈھکوسلا گھڑ دیا کہ جس شخص کی زندگی سے اوروں کو فائدہ پہنچتا ہے وہ زندہ ہی اور نہیں مردہ۔ اس ہمارے خیال کو لوگ بہت پڑھینگے مگر یقین کم کرینگے اس لئے ہم اپنے خیال دانش آموز کی تائید میں بڑی شہادتیں پیش کرتے ہیں کہ بیکار و نکما آدمی مُردہ ہوتا ہی۔ فیثاغورث کے مدرسہ کا قاعدہ تھا کہ جو طالب العلم علم کے سیکھنے میں ہمت ہار دیتا اور سست کاہل ہوکر مدرسہ چھوڑکر چلا جاتا تو اور طلبہ اس کی قبر بناتے اور قبر کی لوح پر یہ لکھ دیتے کہ وہ مرگیا تاکہ اور طلبہ کو اس سے عبرت آئے

کہ وہ اپنے تزکیہ و تکمیل نفس کی تحصیل کو چھوڑ کر ایسی کم بخت زندگی جو موت کی برابر ہی نہ اختیار کریں رومن کیتھولک عیسائیوں میں جو عورتیں نن تارک الدنیا - بیراگن ہوتی ہیں وہ کعن اپنی ساتھ لیتی ہیں جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اب ہم دنیا کے کسی کام کے نہیں رہیں - مذہبی کتابوں میں اکثر مقامات پر نیک و مقدس آدمیوں کو زندہ اور جاہل اور بدکاروں کو مردہ سے تعبیر کیا ہے +

مردوں کی تعداد میں وہ سب آدمی شامل ہیں خواہ وہ کسی قوم ملت مذہب مرتبے و شان کے ہوں جو اپنا سارا وقت کھانے پینے کے درستی میں اور لباس بدن کی آرائش اور زیبائش میں بسر کرتے ہیں - گو جاہل گنوار انہیں کو اصل مرد و زن جانتے ہیں غرض جو شخص اپنی حیات کے مقصد کو نہیں سمجھتا - کوئی کام فائدہ مند نہیں کرتا وہ مردہ ہے زندہ ہونے کے معنے یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس کی تہذیب میں اور اوروں کی فائدہ رسانی میں اور لوگوں کے دلوں کے پاک کرنے میں سعی کرے اگر زندگی کے معنے یہ لئے جائینگے تو دنیا کی بہت آبادی زندہ درگور ہو جائیگی اور سارا عالم گورستان بن جائیگا - یہ معلوم ہوگا کہ کوئی بیس برس کوئی تیس برس کا پیدا ہوا ہے - بعض مرنے سے پہلے فقط ایک ہی گھنٹہ زندہ رہے ہیں - لاکھوں کروروں بغیر زندہ ہونے کے مردہ ہو گئے - گو جاہلوں کی نظروں میں وہ زندہ نظر آتے ہوں مگر درحقیقت ان میں زندہ تھوڑے ہی ہیں گو ان آدمیوں کو مردہ سمجھتے ہیں مگر بہت سے ان میں اچھی رعیت ہیں گھروں میں صلح و خیر کے ساتھ رہتے ہیں محصول ادا کرتے ہیں ان کی عمریں بھی برسوں کی ہیں مگر ان کی زندگی انہی چند گھنٹوں یا دنوں کی ہوتی ہیں جو کارہائے خیر میں گذرتی ہے - ہمارا ان مضامین کے لکھنے سے بڑا مطلب یہی ہے کہ جو آدمی ایسے مردہ ہو رہے ہیں ان کو سکھا کر وہ اوروں کو اپنی زندگی کے فائدہ پہنچائیں زندہ کریں +

زرکسیس شاہ ایران اپنے لشکر فراواں کو دیکھ کر اس لئے رویا تھا کہ سو برس کے اندر کوئی ان

سپاہ میں سے زندہ نہیں رہیگا۔ مگر ہم بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر کے کہتے ہیں۔ کہ ابھی ہمارے بے شمار آدمیوں میں تھوڑے زندہ ہیں ہم دل سے کوشش کرتے ہیں کہ ان مُردوں کو زندہ بنائیں سستی و کاہلی کی وبا جو انکو بیجان کر رکھا ہے اس کو دفع کر کے اُن میں جان ڈالیں اس اپنے کام میں نوجوانوں کے زندہ کرنے کی تو نہایت قوی امید ہے۔ لیکن بوڑھوں سے کچھ امید نہیں وہ مرے ہی بھلے +

نیکی و عیش

ہرکولیز (یعنی یونانیوں کا دیوتا) کی نوجوانی کا عالم تھا وہ اس دھن میں رہتا تھا کہ زندگی کا کیا دستور العمل تجویز کروں کہ جس کے موافق عمل کرنے سے میری عمر خوشی کے ساتھ بسر ہو۔ اسی سوچ بچار میں وہ ایک دن کسی سنسان جنگل میں جا نکلا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے سے بڑی تنومند و قد آور دو عورتیں اس کے پاس چلی آتی ہیں ایک عورت کا لباس نفیس و پاکیزہ برف سے زیادہ اُجلا تھا۔ وہ عجب حُسن خدا داد رکھتی تھی اس کے سارے ادا و انداز و حرکات و سکنات میں حیا و شرم کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی حیا کے مارے آنکھیں نیچے کئے ہوئے تھی اوپر نظر نہ اُٹھاتی تھی۔ دوسری عورت کی پوشاک بھڑکیلی رنگ برنگ کی چمکتی تھی۔ چہرہ میں سُرخی جھلکتی تھی۔ غازہ و گلگونہ کے رنگوں نے اور زیادہ سُرخ و سفید بنا دیا تھا صحت و تندرستی اس کے چہرہ پر برستی تھی۔ حرکتیں ایسی شوخ شوخ کرتی تھی کہ جن سے اُس کی صورت اور بھی بھلی لگتی تھی۔ وہ ایسی خوبصورت نہ تھی۔ جیسی وہ اپنے تئیں خوبصورت دکھانا چاہتی تھی۔ بار بار مُڑ مُڑ کر اپنے سایہ کو دیکھتی تھی ہر حرکت اپنی کسی مطلب کے لئے کرتی تھی۔ پندار و تکبر سے بھری ہوئی تھی پہلے اپنے تئیں دیکھتی تھی پھر اپنے دیکھنے والوں پر اس نظر سے نظر ڈالتی تھی کہ کس قدر و قعت کی نگاہ سے اُسے دیکھ رہے ہیں۔ اس نے پہلے آگے قدم بڑھا کے نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ ہرکیولیز سے یہ عرض کی کہ میری جان تم جو یہ بیٹھے تردد کر رہے ہو کہ

کیونکر زندگی بسر کروں۔ اسے چھوڑ کر بے تامل میری ہمدم اور ہم قدم بنو۔ میں تم کو
خوشی کے خزانہ کا مالک بناؤں گی۔ رنج و غم دُکھ درد کو کبھی پاس پھٹکنے نہ دوں گی
سارے کاموں کے بکھیڑوں سے بچاؤنگی۔ صلح یا جنگ کے معاملات میں ترددات کو پاس نہ
آنے دونگی۔ جو اس خمسہ کو یوں محظوظ کرونگی۔ دسترخوان پر طرح طرح کے مزہ دار کھانے
چنونگی جن کی خوشبو سے دماغ مہک جائیگا۔ سوتی کے پھولوں کی سیجیں بچھاؤنگی
خوشبوؤں کا مینھ برساؤنگی۔ پریوں کا جمگھٹ آپکے گرد لگاؤنگی۔ مطربان خوش نوا
کے نغمے سنواؤنگی۔ بس تمام تردد اور تفکر کو سلام کرکے میری ساتھ اس عالم مسرت میں چلا آ۔
جہاں کوئی تکلیف و رنج نہیں۔ ہرکیولیز نے جب اس عورت کی یہ خوش بیانی سنی تو۔
اس نے نام اس کا پوچھا جس کا جواب اس نے یہ دیا کہ میرے قدرشناس عزیز دوست تو
میرا نام راحت لیتے ہیں میرے دشمن مجھ کو بدنام کرنے کے واسطے عیش کہتے ہیں دوسری
عورت عیش کی یہ باتیں سنکر ہرکیولز کے سامنے یوں سخن آرا ہوئی کہ میں تجھ سے اس لئے
مخاطب ہوتی ہوں کہ تو دیوتاؤں کی اولاد ہے تو نیکی کو عزیز رکھ کہ جس سے تیرا ایک نہایت
ہونا ثابت ہو اور ان کاموں پر توجہ کر۔ جو تیری عمر کے مناسب حال ہوں تو اپنے
کاموں سے اپنے تئیں بھی اور مجھے بھی بقاء دوام بخش۔ میں پہلے اس سے کہ تجھے اپنا ہم صحبت اور
ہمراہ بناؤں۔ اپنی صاف دلی کے سبب سے یہ کہے دیتی ہوں کہ یہ سچا مسئلہ مسلم ہے کہ
کوئی قیمتی چیز ہاتھ نہیں لگتی جب تک اس کی قیمت میں محنت مشقت نہ دی جائے۔ دیوتاؤں نے
تمام اصلی خوشیوں کے واسطے ایک قیمت مقرر کی ہے۔ خدا کی مہربانی جب تک نہیں لگتی کہ
عبادت میں ریاضت نہ کی جائے نیک آدمیوں کے دلوں میں محبت نہیں پیدا
ہوتی جب تک اُن پر کوئی احسان نہیں کیا جائے۔ ملک میں عزت و آبرو نہیں پیدا ہوتی ۔
جبتک کوئی اس کی محسن خدمت نہ بجالائی جائے صلح یا جنگ میں عظمت و بزرگی جب تک
نہیں حاصل ہوتی کہ کوئی کار بزرگ نہ کیا جائے۔ غرض جو مسرت و نشاط میری سبب سے

حاصل ہوگی اُسکے واسطے بعض شرائط ضرور ہیں۔ یہہ وہ کہہ ہی رہی تھی کہ عیش نے اُس کی
بات کاٹ کے عرض کی کہ حضور یہہ عورت خود یہ کہتی ہے کہ اُس کی خوشی کی راہ طویل اور مشکل گذار
ہے جسنے جو خوشی کی راہ بتائی ہے وہ مختصر اور آسان گذار ہے۔ عیش کی یہ باتیں سنکر وہ عورت
طیش میں بھر آئی اور اُس کو رحم اور حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر ایک آہ بھری اور یہہ بات کہنے لگی کہ
عیش یہ بتا کہ کون سی خوشی تو پیش کرتی ہے۔ کیا کوئی نئی اشتہا جو خدا نے انسان میں نہیں پیدا
کی وہ تو پیدا کرتی ہے۔ کیا بغیر اشتہا کے کھانا کھلا سکتی ہے۔ بغیر پیاس کے پانی پلا سکتی ہے۔ بغیر تکان کے
سلا سکتی ہے۔ جب تک اشتہائیں اُٹھی نہیں اُنکو بجھاتی ہے۔ تجھے تو کوئی راگ اپنی تعریف کے سوا اچھا ہی
نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی کام اپنے ہاتھ کے کام کے سوا بھلا نہیں لگتا۔ جو تیرا چیلا بنا اُس نے اپنی
نوجوانی جھوٹی خوشیوں کی نیند میں گنوائی اور بڑھاپے کے لئے عذابات مول لیا۔ میں دیوتاؤں کی
نیک خصائل پاکیزہ شمائلوں کی سچی وفادار دوست ہوں۔ کاریگروں کی مددگار۔ کنبے کے
سرپرستوں کی محافظ۔ نوکروں کی سرپرست۔ سچی فیاضی اور دوستی کی رفیق۔ میرے مریدوں کے
دسترخوانوں پر بڑے مزہ دار کھانے چنے جاتے ہیں گو وہ گراں بہا نہیں ہوتے اور کوئی
شخص اُن پر بلایا ہی نہیں جاتا۔ جب تک کہ اُس کو بھوک پیاس نہ ہو۔ ان کی نیندیں گہری
تندرستوں کی سی ہوتی ہیں۔ وہ خوشی کے ساتھ چلتے پھرتے پڑھتے ہیں واقف کار آشنا اُن کو
عزیز رکھتے ہیں جب ان کی محنت مشقت ختم ہوجاتی ہے تو آئندہ نسلیں اُن کی ممنون ہوتی
ہیں سارا مُلک ان کی عزت کرتا ہے بوڑھے اُن کی تعریف کرتے ہیں جوان اُن سے محبت رکھتے
ہیں ٭ خلاصہ اس تشبیہ کا یہ ہے کہ عیش اپنی صورت کو دلکش و دلربا بناتا ہے مگر آخر کو وہ مسخ ہوکر
مار و اژدھے کی شکل کا ہو جاتا ہے کوئی حقیقی حُسن اُس میں ہوتا نہیں جو پائدار ہو بناؤ سنگار
کا حسن اُس کا مستعار ہوتا ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے جوبن دکھا دیتا ہے پھر کچھ نہیں
اسی کو لوگ اصل حُسن سمجھ کر فریفتہ ہونے لگتے ہیں اور آخر کو خراب خستہ ہوتے ہیں اس تشبیہ میں
نام ہرکیولیز کا لیا گیا ہے جس نے ابتداہی عمر سے گرز ہاتھ میں لے کر اور شیر کا پوستین پہن کر

ظالموں اور راکھشسوں کا مارنا شروع کیا تھا۔

اگرچہ تم ہرکیولیز سے عالی رتبہ و ذی جاہ نہیں ہو سکتے کہ کام بڑی دھوم دھام کے کرو جس سے نام ہو۔ مگر تم چاہے کوئی کیسا ہی غریب۔ منصف۔ ایمان دار۔ راست گفتار اعتدال شعار بن سکتا ہے۔ پس ایسے تم ہو تو گو ہرکیولیز سے عالیجاہ نہ ہو +

مستحق کو اپنا حق عدالت سے ملنا ہے

ایک باغ مجھے پسند تھا۔ اُس میں سیر کرنے ایک دن گیا۔ وہاں مجھے اپنے دوست آشنائی والے ہمسایوں کا خیال آیا کہ بعض ان میں ایسے کم نصیب تھے کہ عمران کی ختم ہونے کو آئی۔ مگر ایک دن بھی کوئی ترقی کا نصیب نہ ہوا۔ بعض ایسے خوش نصیب تھے کہ ان کو نوجوانی میں دولت۔ عزت شہرت۔ حاصل ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ انسانوں میں دولت عزت خداتعالے کی نعمتیں انصاف نہیں تقسیم ہوتیں اسی سوچ بچار میں رات ہو گئی کہ دفعتہً نظر آسمان پر جا پڑی جہاں شان کبریائی جلوہ فرما تھی صحیفہ فطرت کے مطالعہ سے جو خوش ہونے والے ہیں ان کو آسمان کا ورق زراندود جو صانع قدرت کی حکمت بالغہ کا سبق پڑھاتا ہی وہ کوئی اور ورق نہیں سکھاتا ہی۔ یہی حکمت مذہب کی اور مذہب اس حکمت کی باہم معاونت کرتے ہیں سطلع صاف تھا آدھی آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ برج صاف نظر آتے تھے۔ چند گھنٹے میں اس تماشے کو دیکھتا جس طرح حیوان ناطق کو چاہئے۔ پھر میں اپنے گھر جا کر سو رہا۔ بیداری میں جو آسمان کا نقشہ دیکھا تھا۔ قوت متخیلہ نے خواب کی صورت میں پھر اُس کو دکھایا۔ میں بہت غور سے بروج آسمانی کو دیکھنے لگا کہ برج میزان پر نظر جا پڑی۔ وہاں دفعتہً ایسی عجیب و غریب روشنی ہوئی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آدھی رات کو سورج نکل آیا جب یہ روشنی وسعت اور تیزی میں بڑھی تو وہ زمین کی طرف چلی پھر مجھ کو ایک سایہ بڑی شان کے ساتھ پھرتا ہوا نظر آیا۔ میں نے غور سے اُس کو دیکھا تو تھوڑی دیر کے بعد اُس میں ایک عورت نظر آئی میں نے خیال کیا شاید یہ کوئی فرشتہ ہی یا خود عقل ہی جو برج میزان کی رہنمائی کرتی ہی مگر میں نے اُس کو پاس جا کر دیکھا تو اُسکی

شکل میں وہ تمام علامتیں دیکھیں جو عدالت کے دیبی میں اکثر بیان کی جاتی ہیں اُسکے
چہرہ پر وہ جاہ و جلال برستا تھا کہ جن کی آنکھیں اُس کے جلال کی متحمل ہو سکتی ہیں اُنکو وہ نہایت
حمیدہ دکھائی دیتی تھی آدمیوں کو اُس کا تبسم عبرتناک بنا کے ہنساتا تھا اور اُس کی تیوری
چڑھانا مایوسی سے ڈرا کر رُلاتا تھا۔ اُسکے ہاتھ میں راستی کا آئینہ تھا جس میں سے ایک روشنی
کی رَو رواں تھی۔ کہ دوپہر کو بجلی کی چمک معلوم ہوتی تھی۔ جس وقت آئینہ کو وہ ہلاتی تو زمین
آسمان سارا روشن ہو جاتے تھے جب وہ میرے پاس ایسی آئی کہ اُس کی صورت دکھائی
اور آواز سنائی دینے لگی تو اُس نے اس لیئے کہ خلق اسے اچھی طرح دیکھے تاریکی اور بادلوں کو اپنے
اوپر چھا لیا۔ اس طرح اُس کی روشنی کیا نظر کو خیرہ کرتی تھی یا اُس میں ہزاروں رنگ اور
سائے نظر آنے لگے۔ خلق اس تماشے کو دیکھ کر متحیر ہوئی اور ایک وسیع میدان میں جمع ہوئی۔
اُس میں بھی سب قسم کے آدمی نظر آتے تھے۔ بادلوں سے اُس کی ایک آواز آئی کہ میں یہاں اس لیئے
آئی ہوں کہ حق داروں کو حق دلاؤں اور جن کی حق تلفی ہو گئی ہے ان کی حق رسائی کروں
اس اعلان سے جو خلق میں خوف و امید اور خوشی و رنج پیدا ہوئے وہ بیان نہیں ہو سکتے
پہلا حکم یہ صادر ہوا کہ جن کے پاس دولت و جائداد ہے وہ اُس کی دستاویزیں لائیں اصلی
مالکوں کو وہ دلائی جائینگی۔ یہ حکم سنکر ساری خلق اپنی تمام دستاویزیں جائداد کی جو
چمڑے۔ کاغذ۔ موم پر لکھی ہوئی تھیں یا کچھ اور طرح کی تھیں لائی۔ [illegible] راستی کے
آئینہ کو ہاتھ میں لیا۔ جونہی اُس کی روشنی ان دستاویزوں پر پڑی۔ وہ جو جعلی
دغا و فریب کی دستاویزیں تھیں اُن میں آگ لگ گئی بعضی تو بالکل جل کر خاک ہو گئیں
بعض کی دو تین سطریں جل کر رہ گئیں کسی کا بین السطور جلا کسی کا آخر خاتمہ۔ غرض جو حصہ
جعلی تھا وہ سلامت نہ رہا۔ کاغذوں کا جلنا۔ موم کی مہروں میں سے شعلوں کا اٹھنا۔ چمڑے کا
چرمر ہونا ایک عجب تماشا دکھاتا تھا۔ پھر اُس کی روشنی دنیا کے تاریک سے تاریک حصول
میں چمکی اور جہاں جہاں تفاقات اور درازی زمانہ کے ہاتھ سے چھپی ہوئی دستاویزیں

پڑی تھیں وہ اس روشنی میں سب نکل آئیں اس سے عجب انقلاب عظیم واقع ہوا کہ جو غضب اور مکر دغا جعل فریب چوری غارت گری - رشوت دینے سے نعمتیں ملی تھیں انکا ڈھیر لگایا گیا۔ اور ان کا نام کوہستان بحالی رکھا گیا ستم رسیدہ مظلوم سب بلائی گئی جو ان کا مال تھا وہ ان کو دلایا گیا۔ حق بحق دار رسید کا معاملہ ہوا۔ بہت سے آدمی جیتھڑی لگائی لیتری پہنے آئے تھے جنہوں نے ان آدمیوں سے کپڑے بدلے جو زردوزی کے لباس پہنی ہوئی تھی۔ غرض اس حکم سے بعض امیر متوسط حال میں ہو گئی بعض بڑی صاحب جائدادوں کے پاس تنا سرمایہ تھا کہ جس سے اپنی اوقات گذاری کر سکیں سب سے زیادہ افسوس کا مقام یہ تھا کہ ایک بازار کا بازار جس کی بڑی ساکھ تھی وہ دیوالیہ ہو گیا۔ بعد اسی حکم کے دوسرا حکم یہہ صادر ہوا کہ لوگ اپنی اپنی خاندانوں کو ساتھ لیکر جدا جدا اکھٹے ہوں جب وہ سب کھڑے ہوئے۔ جب آئینہ ان پر جھکا تو ہر بچہ میں کچھ سمجھ آگئی کہ وہ اپنے اصلی ما باپوں پاس چلا جا۔ جب یہ بچے اپنے ما باپوں پاس جانے لگے تو بڑا تہلکہ مچا۔ یہہ واقعہ بھی بڑا غمناک و ہولناک تھا کہ ابھی ایک شخص بہت سے بچوں کا باپ بنا ہوا کھڑا تھا کہ اس کے بیٹے بیٹیاں سب چھن گئیں وہ اکیلا رہ گیا۔ ایک بچہ جسکو امید تھی کہ ایک بڑی جائداد کا وارث ہوگا اب وہ ایک کوچوان کی مہربانی کا متوقع ہے۔ ایک امیر کا لڑکا اپنے گھر کے خدمتگار کا بیٹا بن گیا۔ بہت سے آدمی جو اپنے تجرد پر فخر و ناز کرتے تھے وہ بہت سے بچوں کے باپ بنگئے۔ ان مربیوں کی تبدیلی سے چاہیے تھا کہ آہ و فغاں کا بڑا غل شور مچتا مگر یہہ ایک مصیبت عام تھی سوا اس کے جن کے بچے چھٹتے تھے وہ اکثر ان کے دوستوں ہی کے پاس جاتے تھے جن سے ان کی تسلی ہوتی تھی۔ پھر تیسرا حکم یہہ صادر ہوا کہ تمام معزز و اعلی عہدے و خدمتیں ان آدمیونکو دی جائینگی جو سب سے زیادہ لائق و فائق صاحب کمال ہونگے - خوبصورت - زورآور - دولتمند - ان عہدوں کے لینے کے لئے لپکے مگر جب آئینہ کی روشنی ان پر پڑی تو وہ اس کے متحمل نہ ہوئے اور الٹے پاؤں ہٹ کر ہجوم خلائق میں شریک ہو گئے۔ پھر عدالت نے اپنے آئینہ کی روشنی میں ہر ایک کا امتحان

اس طرح شروع کیا جیسے کہ عقاب اپنے بچوں کا آفتاب کی روشنی میں کرتا ہے تو جو لوگ علم
نیکی۔ کارکنی۔ ملکی جنگی مہمات میں ممتاز نہ تھے۔ سب نے اپنا منہ پھیر لیا۔ جو اُس کے بعد باقی
رہی اُن کی منتخب جماعت وسط ازدحام میں کھڑی ہوئی اور آدمی چاروں طرف اُن کو
گھیرے ہوئے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کاہل سست آدمی پلٹن کی قواعد کو چاروں طرف
کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں۔ اب اس جماعت کی تین صفیں بنائی گئیں ایک نیک آدمیوں کی
دوسری علم والوں کی۔ تیسرے کارگزاروں کی۔ اوّل صف کی طرف مشکل تھا کہ کوئی ادب
کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ ان کے چہروں پر صدق وصفا کا نور چمکتا تھا۔ اُن کی نگاہ میں عجز وخلوص
موجود تھے صورت سے استقلال وثبات۔ جرأت وہمت۔ دکھائی دیتی تھی۔ نیکی کی مخفی
عادت نے ان کے اوضاع واطوار کو نہایت پسندیدہ بنایا تھا۔ دوسری صف میں صاحب
علم تھے اُنھوں نے آگے پیچھے کھڑے ہونے میں اور ترتیب مراتب میں بڑا جھگڑا کھڑا کیا۔ اور جب تک
نچلے نہ بیٹھے کہ عدالت نے یہ حکم قطعی نہیں نافذ کیا۔ کہ عالم جو ذکاوت اور عقل ایسی رکھتے ہیں۔
کہ خود موجد ہیں وہ صف کے سرے پر کھڑے رہیں۔ اور جو ایسے عالم ہیں کہ اُنھوں نے اوروں
کی تصنیفات کے مطالعہ میں موشگافی کی ہے وہ ان کے بعد کھڑے ہوں سب سے پیچھے ان عالموں کی
صف ہو جو ذکاوت زیادہ عقل سے اور علم زیادہ فہم سے رکھتے ہیں۔ تمام زندہ مصنف
ایک صف میں کھڑے کئے گئے جن میں بہت سے اخباروں کے اڈیٹر عیب بین نکتہ چین اور
شارح۔ نجومی تھے۔ ان سب نے مل کر دعویٰ کیا کہ ہم کو اوّل صف میں جگہ ملنی چاہئے۔ مگر
عدالت نے اس درخواست کو نامنظور کر کے حکم یہ فرمایا کہ تم اپنے تئیں عالم نہ جانو بلکہ
اپنے تئیں عالموں کا خدمتگار سمجھو اُن کے پیچھے کھڑے رہو۔ جو صف کارگزاروں کی تھی۔ اُن میں
ملکی وجنگی مہمات کے کارگزار اہل سیف واہل قلم آگے بڑھے اور باقی اور اُن کے سامنے کھڑے ہوئے
اگرچہ اس پیش قدمی پر بہت آدمیوں نے سر ہلائے۔ مگر جھگڑا ان سے کرنا مناسب جانا
جب یوں صفوں کی ترتیب ہو چکی تو پہرہ دیکار سُنایا گیا کہ جن آدمیوں میں تینوں صفتیں خواہ

وہ کسی درجہ کی ہوں پائی جاتی ہیں وہ اعلیٰ عہدے پائیں اور بعد ان کے جو دو صفتیں
ان تینوں میں سے رکھتے ہوں وہ دوسرے درجے کے عہدے پائیں جن میں صرف ایک ہی
صفت ہو تو وہ اپنے مناسب حال نوکریاں پائیں اس طرح بہت سی خدمتیں ایسی کہ
جس میں صرف اعتبار و اعتماد کی ضرورت ہوتی ہے خالی رہیں تو اُن کے واسطے یہ تجویز
ہوئی کہ جن آدمیوں میں یہ صفات ثلاثہ ظاہری پائی جائیگی۔ یا جن کی وہ صفات
ثلاثہ رکھنے والے سفارش کریں وہ کسی خدمات پر مامور کئے جائیں۔ اس طرح بہت سے نئے
آدمی ان عہدوں پر مقرر کئے۔ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ اکثر اُن میں سے میرے دوست تھے

غرور۔

انسان کی طبیعت کے ساتھ جیسا غرور کو اختلاط ہے ایسا کسی اور خصلت کو
نہیں ہے۔ وہ ہزاروں روپ بدلتا ہے لاکھوں طرح سے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے
ہر شخص جانتا ہے کہ وہ میرے دل میں ہنستا ہے مگر اپنے ہمسایہ کے دل میں اسے دیکھ کر
تعجب کرتا ہے۔ نہایت ذلیل اور رذیل آدمیوں میں بھی وہ اپنے جلوے دکھاتا ہے۔
ایک جوتیاں گانٹھنے والا چمار تھا جس کو بالطبع اپنی تعظیم پسند تھی اُس نے ایک لکڑی
کی پتلی بنائی جو اُس کے آگے بڑے ادب سے جھکی ہوئی کھڑی رہتی گویا یہ معکوس بت پرستی کی
تھی یعنی قاعدہ ہی کہ آدمی بت کو پوجتا ہے یہاں آدمی کو اُلٹا بت پوجتا تھا جب چمار
تک میں یہ شوق ہو تو اُن سے اوپر کے درجہ کے آدمیوں میں اور اُن سے اعلیٰ
مرتبہ کے آدمیوں میں اور زیادہ کیوں نہ ہو۔ چمار میں غرور جب ضحکہ کے قابل
ہو تو اور بڑے آدمیوں میں کیوں نہ وہ ہنسی کے قابل ہوگا۔ ہر بُرائی کے
مقابل میں ایک نیکی ہوتی ہے۔ پاکی کو ناپاکی دُور کرتی ہے آزادی کو طمع
کھوتی ہے مگر غرور مرض متعدی کی طرح سارے تندرست اعضا کو خراب کرتا ہے
اور ہر نیک کام کو بگاڑتا ہے اور اُس کی خوبی و خوشنمائی کو بدنما بناتا ہے

غرور کی بنیاد حماقت ہی۔ اور اس کے اوپر گی ذریوانگی ہوتی ہی جیسا احمقوں کا بنانا آسان ہے۔ ویسا ہی مغروروں کا۔ مغرور اگر سربلند ہو جاتا ہے تو تھوڑی دیر کے بعد گھٹ کر خاک میں ملجاتا ہی +

(۲) یہ بھی ایک بڑی غرور کی بات ہے۔ کہ کوئی شخص کہے کہ مجھ میں غرور نہیں۔ اگر آدمی گناہ گار نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مغرور ہوتا۔ اگر جاہل نہ ہوتا تو بھی غرور نہ کرتا۔ اگر وہ کم بخت مصیبت زدہ نہ ہوتا تو نخوت کے پاس نہ جاتا۔ انہیں تین سببوں سے آدمی مغرور ہوتا ہے اور انہیں کے سبب سے اُس کو مغرور ہونا نہیں چاہیے +

(۳) مغروروں کے سوا سب اس مقولہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ مخلوقات میں مغرور نہایت حقارت کے قابل ہے جس نے غرور کو اپنے دل کا ہمصحبت بنایا۔ اُس نے اپنی مسرت کو گھٹایا۔ اور ذلت کو بڑھایا۔ غرور مغالطے میں ڈالتا ہی۔ سرکش ہیکڑ بناتا ہے۔ گو غرور کرنا احمقوں کا کام ہی۔ مگر بعض اوقات عقلمندوں کے پیچھے بھی یہ بلا لگ جاتی ہے۔ مگر وہ ذرا سمجھانے سے یا خود سمجھنے سے اُس سے اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ ایک یونانی حکیم کا مقولہ قدیم سے چلا آتا ہے کہ اگر تم مغرور ہو تو بڑے احمق ہو۔ غرور انسان کے واسطے نہیں بنایا گیا۔ مشت خاک کو غرور کب زیبا ہے۔ یوں تو سب جگہ غرور بُرا ہے ہمیشہ مغرور ذلیل ہوتا ہی۔ مگر خاص کر اب ہندوستان میں مغروروں کی بڑی مٹی پلید ہوتی ہی۔ اس زمین میں جو لوگ بستے ہیں وہ روز بروز اپنی آزادی سے آشنا ہوتے جاتے ہیں۔ آزادی کا مقتضا یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے بے خوف و خطر ہو جائے۔ گو کوئی طعن و تشنیع اُسے دے۔ تو وہ اُس کے انتقام میں زیادہ سرگرم و زباں دراز ہو۔ غرض اب اس ملک کی حالت ایسی ہوتی جاتی ہی کہ مغروروں کے معدے کے لیئے غذا بہم پہنچنی اور ان کی ضیافت ہونی دشوار ہوتی جاتی ہی۔ اس لیئے اُن کو رونا پڑتا ہے۔ اب وہ دن گئے کہ اہل نخوت کو لوگ جھک جھک سلام کریں۔ اور وہ اُن کے جواب میں مکھیاں اُڑائیں۔

اعوام الناس اپنے حقوق اور قوت کو جانتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہمکو کسی طرح کا
آزار نہیں دے سکتے - نہ ہم سے غلامی کرا سکتے ہیں نہ وہ ہم پر مکا چلا سکتے ہیں نہ لات مار سکتے ہیں
نہ ہم پر جوتی اٹھا سکتے ہیں نہ اپنی پالکی کے آگے سے ہم کو ہٹا سکتے ہیں غرض اب نخوت
سراسر ذلت ہی نہیں بلکہ محل خوف و خطر ہے - مغرور کا کوئی آدمی دوست نہیں ہوتا
لیئے کہ دوستی میں مساوات کی ضرورت ہی جو اس کو پسند نہیں اس کو کوئی نصیحت
نہیں کر سکتا - اسلئے کہ ناصح ہونے میں برتری کی ضرورت ہے جس سے اُسے نفرت ہے - غرض وہ
یوں عقل و علم دونوں سے محروم رہتا ہے - غرور سے جہالت اور جہالت سے غرور پیدا ہوتا
ہے - اس لئے مغرور زمانہ کی شکایت ہمیشہ کیا کرتا ہے - غرور نہ اپنی ذات کے لئے
نہ اوروں کے لئے نہ خدا کے نزدیک اچھا ہے - غصہ کو تو تھوڑی دیر کی لوگ دیوانگی
کہتے ہیں مگر غرور ہمیشہ کی دیوانگی ہوتی ہی - اب مغرور کو سوچنا چاہئے کہ غرور کر کے
کیوں لوگوں کی نظروں میں حقیر بنوں - احمق دیوانہ کہلاؤں - ناحق غلط اپنے تئیں
برتر سمجھ کر اپنے بھائی بندوں کی نظروں میں کمتر بنوں +

(۴) مغرور - اُلّو ہوتا ہے - جو اپنے پروں کو پُھلاتا ہی کہ میرا جسم بڑا معلوم ہو -
وہ احمق ہوتا ہے کہ دلئے کی ہانڈی کی طرح اُبلتا اور پھولتا ہے بر خود غلط ہونے کا ایسا
پھوڑا اور ورم دل میں ہوتا ہے کہ اُس کا کوئی عضو چین سے نہیں رہتا - خود ہی کا
گلگونہ وہ اپنے چہرہ پر ملکر اپنا آپ صنم بن جاتا ہے وہ خود بہادر بن کر اپنی مخاطبت
میں اپنی خوبیوں کی تحسین و آفریں کا قصیدہ پڑھتا ہی وہ اپنی ذات کو بت بنا کر
بت پرست و خود پرست ہو جاتا ہے - وہ اپنا آپ ہی پیارا عزیز ہوتا ہی - وہ
اپنی لیاقتوں کو بنی آدم سے آگے بڑھا ہوا جانتا ہے وہ اوروں کو اپنے پاس
بیٹھنے کے لائق نہیں سمجھتا - اُن کو دور بٹھاتا ہے اور آپ صدر پہ بیٹھتا ہے - اگر
کسی سے کہتا ہی کہ میرے پاس بیٹھو تو جانتا ہی کہ میں نے اُس پر بڑا لطف و کرم کیا تھوڑی کی

قیمت اصطبل میں بہ نسبت نخاس کے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ اپنی خودی میں اپنی قیمت زیادہ سمجھتا ہے۔ غرور کے سبب سے وہ اپنی حقیقت سے بھی ایسا ناآشنا ہوتا ہے جیسے اور غیروں سے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ بھولا ہوا ہے کہ میں کیا ہوں جیسے چھوٹے ندی نالے پانی کی ذراسی طغیانی سے اپنے کناروں سے باہر ہو جاتے ہیں اور غل شور مچاتے ہیں اور جھاگ لاتے ہیں مگر جو گہرے دریا اور سمندر ہوتے ہیں کسی طغیانی سے اپنی حد سے باہر نہیں ہوتے ایسی ہی متکبر بہتر ذرا سر بلند ہونے سے پھولے نہیں سماتے اچھلتے ہیں اور غل مچاتے ہیں اور اپنی حد سے باہر قدم نکالتے ہیں مگر جب نیچے اترجاتے ہیں تو سوائے کیچڑ اور دلدل کے کچھ اور نہیں ہوتا۔ مغرور کے دماغ کو جسم سے کچھ مناسبت نہیں ہوتی اس لئے وہ بڑ سرا دیو معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد چھوٹی ہوتی ہے اور اُس پر عمارت بہت بڑی بنی [illegible]ی ہے۔ ہم کبھی اپنے تئیں نہیں دیکھ سکتے جبتک نیچے نہ دیکھیں یہ نیچے دیکھنا ہم کو ہماری قدر بتلاتا ہے۔ مادہ جتنا خفیف اور سبک ہوگا اُتنا ہی وہ زیادہ جگہ گھیریگا جیسے کہ تکئے جب ہی پھولے ہوتے ہیں کہ پر دار روئی سے بھرے جاتے ہیں وہ کسی سخت چیز سے بھرے جاتے تو ایسے نہ ہوتے ایسی ہی مغرور کے دماغ میں سبکی اور خفت بھری ہوتی ہے اُس سے وہ پھولا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

(۵) مغرور۔ نامراد ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ادب اپنا چاہتا ہے جس کی عوض میں اُس کو ذلت و خواری ملتی ہے۔ غرور فقط سوسائٹی کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ خود مغرور کے حق میں کانٹے بوتا ہے۔ غرور کی قیمت پہاڑ کی برابر دینی پڑتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی لعنت کا طوق گلے میں پڑا رہتا ہے +

(۶) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ اور انسان کے پیارے بنو تو غرور سے دور رہو غرور دل میں ایک پھوڑا ہوتا ہے جو پھوٹ کر اپنا زہر تمام تیرے افعال میں پہنچاتا ہے وہ تیرے خزانہ کے لئے گھن ہے جو تمام تیری جائداد کو کھا جاتا ہے وہ کسی کا محب

ہوتا ہے - نہ محبوب - نیکیوں کی بعزتی کرکے نیکوں کو ذلیل کرتا ہی - وہ اپنی بیہودہ شیخی سی بہلائی کو اپنی انعام سے محروم کرتا ہی - وہ اپنی خوشامدیوں کا دوست ہوتا ہی نخوت حسد کی ماں ہے - غضب و قہر کی دایہ - وہ گناہ شیطانی اور شیطان انسانی ہی وہ بزرگوں سی عداوت - خردوں سی نفرت - ہمسروں کی حقارت کرتا ہی خلاصہ یہ ہے کہ جبتک آدمی غرور سے نفرت نہیں کرتا خدا اُس سے نفرت رکھتا ہے +

(۷) عناد و فساد جو دُنیا کو رنج و تکلیف پہنچاتے ہیں اگر اُن کو غور سے دیکھیں تو اُن کا سبب غرور ہی معلوم ہوتا ہے - غرور خود رائی سے خود پرستی پیدا کرتا ہی جس کے سبب سے آدمی ان چیزوں کو جانتا ہی کہ میں سمجھتا ہوں جن سی بالکل وہ جاہل ہوتا ہے مغرور جنگلی چوہی کی طرح اپنے کانٹوں دار خول میں اس طرح لڑکتا ہی کہ اُس کے پیچھے نہیں دکھائی دیتے - وہ بی ایمانی کی جڑ ہے - وہ ایمان دار جبتک نہیں ہوسکتا کہ وہ غرور کو بوکھلڑی کی طرح اُس سے چمٹ رہا ہو نہ اُتارے - نہ ہل چلانے سی نہ ہنگا پھیرنے سی اُس کی زمین صاف ہوتی ہی اُس میں مینھ برسنے سے کانٹے اُگتے ہیں - سب گناہوں سی زیادہ وہ پیٹھ پر کوڑی مارتا ہی - ایسا چھچھڑ ہے کہ آدمی جانتا نہیں کہ کس طرح اُس سی پیچھا چھڑائے - آدمی کبھی اُس سے عداوت کرتا ہے کبھی محبت - کبھی اُس سی جھگڑتا ہی کبھی گلے لگاتا ہی - اُس سے ڈرتا ہی - مگر اُس کو اپنے سینہ میں جگہ دیتا ہی - بنی آدم دل میں کاشتکار سورو ٹی ہونے کا دعوی غرور کرتا ہے اور عجب کھاؤ ہی کہ مرغن کہانوں سے بھی پیٹ بھرتا ہے اور اوجھڑی سے بھی وہ جیسا جھونپڑوں میں گرم اور ہوشیار رہتا ہے - ایسا ہی محلوں میں - جیسا کہ اچھی نماز سے خوش ہوتا ہی ایسا ہی غلیظ قسموں سے +

(۸) غرور اور غصہ کا حال اُس لومڑی کا سا ہے کہ جس کا پیٹ ایسا بھرا ہو کہ وہ جس رستہ میں چلنا چاہتی ہو اُس سے بڑا اُس کا جسم ہو جائے کہ اس کو بھرنا اور نادم ہونا

برتے۔ غرور کے سبب سے جن لوگوں کو ترجیح دیجاتی اُن کا حال ان آدمیوں کا سا ہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پر زینہ لگا کر سوار ہوں۔ غرور و غصہ دونو اپنی کمینگی یوں بھی دکھاتے ہیں کہ وہ ڈرپوک ہوتی ہیں آدمی اُس سے غرور نہیں کرتا جس کو جانتا ہی کہ وہ سزا دے سکتا ہی اور اُس پر غصہ نہیں ہوتا جس کو اپنے سے بڑا جانتا ہی۔ جیسے جلتے ہوئے گھر سے ہر شخص بھاگتا ہی ایسے ہی مغرور اور غصیلے سے مفرور ہوتا ہے کیونکہ غرور دل میں اور غصہ چہرہ میں آتش سوزاں ہوتے ہیں۔

آدمی اُس جانور کی طرح ہی جس کو بلندی کے سبب سے ساری دُنیا دیکھے۔ نہ بھڑ کی طرح کہ جو کوئی چھوئے اُسے ڈنک مارے۔

(۹) غرور سے بڑائی کے کاموں میں بیشک سعی اور کوشش کرنے کے لئے ایک تحریک پیدا ہوتی ہی۔ مگر اُس سے جتنی بُرائی پیدا ہوتی ہی اتنی بھلائی نہیں۔ جو شخص اپنی لیاقت کا اندازہ ناحق غلط زیادہ کر لیتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ اُسکی کامیابی کی بھی کوشش کم کریگا جس کے سبب سے ناکام رہیگا۔ اور جب لوگ اُس پر اس سبب سے لعنت ملامت کرینگے تو وہ غصہ میں آن کر اور غلط کاری زیادہ کرنے لگے گا۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ جن قوموں کی مہمات کی اصل یہی غرور تھا اور اُنھوں نے اپنی فتح مندی کی حالت میں یا اوروں سے انتقام لینے کی صورت میں اپنی قوت کو بڑا جانا تو اور غلطیوں پر غلطیاں کرتی ہوئی چلی گئیں اور آخر کو اُن کا سارا گھمنڈ ناک کے رستہ نکل گیا۔

(۱۰) یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو مغرور ہو وہ بد اور شریر ہو۔ بہت سے محقق صاحب علم بد وضع نہیں ہوتے اور ایسا چال چلن رکھتے ہیں کہ جو تعظیم کے قابل ہی مگر اُن کی تحقیق اور علم کا دائرہ ایسا فراخ ہوتا ہی کہ وہ اپنی عقل و دانش کی بزرگی کی سامنے کلام الٰہی کی توقیر نہیں کرتے وہ ان عقائد کے پابند نہیں ہوتے کھلا کھول

ہم مذہب اُن کے تسلیم کرتے ہیں وہ کچھ اپنی تحقیق اور علم سے اور ہی گھڑتے ہیں
اور اپنے عقل و علم پر اُن کو وہ غرور ہوتا ہے کہ اُس کے آگے وہ کسی اور محقق کے تحقیق کی
حقیقت نہیں گنتے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اور محققوں کی تحقیق کو مغرورانہ نمانتا الف بے تے
ان علموں کی پڑھنی ہے جنکی زبان میں ہم قدرت کامل حاصل کرنی چاہتے ہیں +

(۱۱) دانشمندوں میں جب مقابلہ ہوتا ہی تو ایک دوسرے کی بات مان لینے کو
اپنا فائدہ جانتے ہیں۔ اور اُن میں جتنا مقابلہ سخت ہوتا ہی اُس کی برداشت
اس طرح کرتے ہیں جیسے کہ اُون کا ڈھیر پتھر کی کرتا ہے کہ اُس کو وہ اٹھاتا ہے اور
اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر دو مغروروں میں جب مقابلہ ہوتا ہی اُس کا حال ایسا ہوتا ہے
جیسا کہ ایک پتھر پر پتھر گرتا ہی کہ ایک بڑا آوازہ ہوتا ہی۔ آگ نکلتی ہی اور شکستگی
ہوتی ہی۔ بس ایک مغرور دوسرے سے ہمیشہ لڑتا رہتا ہے اور اُن کی حقارت کرتا رہتا
ہے۔ اُن کے دلوں میں ایک طوفان بھرا ہوتا ہی جو باہر نکل کر غل مچاتا ہی کچھ غرور
میں ہی ایک بات ہی کہ دوسری بُرائی میں نہیں۔ یہ اپنا آپ دشمن نہیں ہوتا
ہے بلکہ عقل کا بھی بڑا دشمن ۔ اس میں اور دانشمندی میں سخت بیر ہے۔

(۱۲) دانائی تو صناعت کو میمون نیچر کا بناتی ہی اور غرور نیچر کو میمونِ صناعت کا
بناتا ہے۔ دانشمند اپنا لباس اپنے جسم کے موافق تیار کرتا ہی۔ مغرور اپنے جسم کو
لباس کے موافق بناتا ہے یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ مغرور اپنے تئیں بھلانے کیونکہ جو
وہ کل تھا آج اس کی اصل نہیں ہی اور یہ کم تعجب کی بات ہی کہ نیک آدمی اپنی
خودی کو بالکل فراموش کردے۔ مجھے خوف کرنا چاہئے کہ میں اپنے ڈھانچ کو بدل لوں گو
خدا میرا مجھ سے بدلجائی اور اپنی مخلوق سے مجھ کو اس وجہ سے خارج کردی کہ میں اُس کا بنایا ہوا
نہیں رہا کچھ اور ہو گیا +

(۱۳) مغرور میں صرف خودی ہی خودی ہوتی ہی اُس کا سارا خیال اس میں بسا

رہتا ہے کہ میں کیا ہوں اور کیا خوبیاں اوروں سے زیادہ رکھتا ہوں وہ اپنی آنکھوں کے سامنے
چاروں طرف جہاں جاتا اپنی خودی کے سایہ کو دیکھتا ہے تم ان خیالات سے ایسے
بھاگو جیسے کہ ریچھ سے بھاگتے ہو +

(۱۴) جب نخوت کی ہمراہ عزت ہوتی ہے تو وہ سربلندی میں اپنی خوبی عمدگی کھاتی
ہے۔ مگر زمین پر خاکساری میں بڑی سربلندی ہے۔ جتنے خوش الحان پرندہ ہیں وہ زمین کے
نزدیک رہتے ہیں۔ جتنے پھول خوش نما ہیں وہ زمین کے متصل ہوتے ہیں بس اگر ہم بھی
سعادتمندی کی قدر جانیں تو زمین کی طرف جھکیں یعنی خاکساری اختیار کریں۔ تجھے
اپنے دوست اور دشمن دونوں سے اپنے عیب و نقص دریافت کرنے چاہئیں کبھی غرور
کرنا نہیں چاہئے۔ وہ تجھے ایسا اندھا کر دیگا کہ پھر عقل و رائے کی غلطیاں نہیں سجھائی دینگی
جسم میں جہاں خون نہیں ہوتا وہاں ہوا بھرتی ہے۔ جو دماغ عقل سے خالی ہوتا ہے
وہ غرور سے پُر ہوتا ہے غرور ندامت کا سبب ہوتا ہے مگر ندامت غرور کا سبب
نہیں ہوتی +

(۱۵) فرصت کے وقت نہایت غور سے تم آدمی اور غرور کو خیال کرو تو معلوم ہوگا کہ
انسان ایک بالشت برابر پتلا ایک بیحد و پایان فضا میں اکڑا پھرتا ہے۔ وہ اس عالم کے
ایک ذرہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ ہوائے آسمانی کا ہر جھونکا موت کی سردی اس کو پہنچاتا ہے
جیسے تار سے نغمہ نکلتا ہے اس طرح اس کی روح جسم سے نکل کر رات دن تیر رہی ہے۔
جیسے پہیہ پر گرد غلطاں ہوتی ہے اس طرح وہ آسمان کے ساتھ عالموں کی بھول بھلیاں
میں چکر کھا رہا ہے اور تمام مخلوق الٰہی اس کے اوپر اور نیچے شعلہ زن ہے۔ جب یہ
حال ہو تو انسان کو کیا زیبا ہے کہ وہ غرور کا تاج سر پر رکھ کر اپنے ہم جنسوں پر جو اس کے
ساتھ وہ تھوڑے دنوں کے اندر خاک میں مل کر برابر ہو جائیگا برتری پر فخر کرے۔
کیا مغرور آدمی غلطی نہیں کرتا ہے۔ کیا وہ مرتا نہیں؟ کیا اس کو استدلال میں شوار یاں

نہیں پیش آتی؟ کیا وہ کام اس لئے نہیں کرتا کہ خوش ہو؟ کیا کوئی اس کو دکھ درد نہیں ہوتا؟ کیا مرنے کے بعد وہ قبر میں دفن ہونے سے بچ جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بات بھی اُس کو حاصل نہیں ہے۔ بس غرور انسان کی میراث نہیں ہے عجز و انکسار اسکی ناتوانی کے ساتھ رہنے چاہئیں تاکہ اُس کی جہالت۔ غلط کاری نقصوں کا کفارہ ہو سکے

(۱۶) جو مغرور عاجزوں کو دباتا ہے۔ وہ عاجز کیا جاتا ہے۔ مگر خود کچھ نہیں خدا یاد کرتا غرور محبت کا خون کرتا ہے۔ مغرور کو ہنسی کے قابل بناتا ہے۔ منکسر غرور و خود ستائی سے دور بھاگتا ہے۔ جان بنیان وعظ کہہ کر ممبر پر سے جب اُترا تو لوگ اُس کی فصاحت بلاغت کی تعریف کرنے لگے۔ اس نے ان کو روک کر کہا کہ تم کو ضرور نہیں کہ مجھے فصاحت بلاغت کی تعریف سناؤ۔ شیطان نے پہلے ہی ممبر پر اترنے سے میرے کان اس سے بھر دیئے ہیں

خاموشی۔

بعض وقات خاموشی فصیح بلیغ تقریروں سے زیادہ بکار آمد ہوتی ہے۔ اور روشن ضمیری اور عالی دماغی کو ظاہر کرتی ہے ع خموشی معنئے دارد کہ در گفتن نمی آید سخت کلامی سے زیادہ خوف دلاتی ہے بہت سی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں اور روزمرہ وہ تجربہ میں آتی ہیں کہ ایک خاموشی ہزاروں جوابوں سے بہتر ہوتی ہے۔ ایک چپ سو کو ہراتی ہے ۔ جواب جاہلاں باشد خموشی بہت مشہور ہے۔ دانشمند وہاں چپ ہی ہو جاتے ہیں جہاں اُن کے برخلاف تعصب و جہالت کا زور شور ہوتا ہے۔ ان کی خاموشی سے خود بخود یہ زور شور کم ہو جاتا ہے۔ بت خانوں میں جو تھم تھم کر باجے بجتے ہیں تو اُن کی خاموشی میں ان کے بجنے سے کچھ کم لطف نہیں آتا۔

(۲) خاموشی بڑے زبردست کام کرتی ہے۔ اُسی کا کام ہے کہ دل میں خیالات پر خیالات جماتی ہے اور اُن کو آفتاب کی طرح چمکاتی ہے

دلیوں کے ہونٹوں کے پٹ جب تک بند رہتے ہیں فیض الٰہی کا دروازہ

ان پر کھلا ہوتا ہے۔ راستی اور حق کی بارگاہ آسمانی تک رسائی خاموشی سے ہوتی ہے ہی اسکی سرح بڑی مضبوط قلعہ کے بنانے ہی ہی تمام قوائے روحانیہ کو تقویت دیتی ہے۔ حسینوں کی خاموشی حسن کو دو بالا کر دیتی ہے۔ ایک حسین عورت کی خاموشی مردوں کے بولنے کی برابری کرتی ہے ایک خاموشی تو یہ ہے کہ زبان سے کچھ نہ بولے۔ یہ بھی ایک نیکی ہے اور حد سے زیادہ بولنا بدی میں داخل ہے۔ دوسری خاموشی وہ ہے جو غیظ و غضب میں خواہش نفسانی کے روکنے میں کی جائے۔ اس سے دل کو بڑی راحت پہنچتی ہے۔ تیسرے خاموشی وہ ہے جو پریشان حالی میں کی جائے۔ اس سے دل میں انتظام باقاعدہ ہو جاتا ہے جب آدمی جلی کٹی باتیں کسی سے کرتا ہے تو خود گرم ہوکر چہرہ کو انگارہ بناتا ہے۔ جن کو ایسی باتیں سناتا ہے اگر وہ سن کر خاموش ہو رہیں تو خوف کرتا جائے۔ ان کے دل میں اندر ہی اندر یا تو شیطنت کے منصوبے ہوتے ہونگے۔ یا نیک خیال دکھہ درد رنج و تکلیف میں جو لوگ خاموش رہنا چاہتے ہیں وہ بڑے ضابطہ اور بڑی خوبیوں کے آدمی ہوتے ہیں اور جو غیظ و غضب میں آن کر غل مچا کے اپنے چہرہ کو پژمردہ کرتے ہیں وہ بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ جہاں سچ باتیں نہ ہوتی ہوں اور بیوقوفی اور حمق کے کلام ہوتے ہوں وہاں تم چپ رہو۔ دیوتاؤں کی سرگوشی کی باتیں جب ہی سنائی دینگی کہ تم چپ ہوگے۔ جن کے زبان نہیں ہوتی وہ ذی ہوش سرتا پا چشم و گوش ہوتے ہیں۔

مسئلہ تناسخ

آج صبح کو میں بہت سویرے مرغ کی کوکڑوں کوں کا غل سنکر جاگا۔ اس کی آواز بھی عجب تری تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بالقصد اپنی آواز ایسی نکالتا ہے کہ دور دور کے مخلوق کے آدمی جاگ اٹھیں اس سے میرے دل میں مسئلہ تناسخ کا خیال آیا کہ اگر وہ سچ ہو تو ضرور اس مرغ میں روح اس گھڑیالی کی ہوگی جو ہمیشہ سو جاتا ہوگا اور گھڑیال نہ بجاتا ہوگا اس کو یہ سزا دی گئی ہے کہ اس مرغ کے پروں کے

قفس میں قید کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ رات کی گھڑیاں گنا کرے اور سویرے اٹھ کے غل مچایا کرے کہ جس سے سارا محلہ جاگ اٹھے +

جانوروں پر ظلم۔

ہم اپنی جان کی حفاظت اور راحت اور غذا کے لئے جانوروں کا خون کیا کرتے ہیں۔ یہ امر تو مجبوری کرنا پڑتا ہے مگر سوا اس کے فقط اپنے دل بہلانے اور تماشا دیکھنے کے لئے ان بیچاروں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں بہت سے پرندوں اور جانوروں کو لڑاتے ہیں اور اُن کا تماشا دیکھتے ہیں مرغوں کو دیکھا ہوگا کہ پالی میں لڑنے سے وہ کیسے زخمی ہوتے ہیں۔ یہ ایسے تمام کھیل بیرحمی و سنگدلی کے ہوتے ہیں۔ اُن کے دیکھنے سے آدمی کا دل سخت ہوتا ہے۔ مگر جس چیز کا رواج ہو جاتا تو اُس کا روکنا مشکل ہے۔ ہر قوم کے خاص و عام میں اس قسم کے کھیلوں کا رواج ایسا ہو گیا ہے کہ اُن کا روکنا مشکل ہو گیا ہے۔ گو ان کی جان بچانے کے لئے اور تکلیف سے چھڑانے کے لئے بعض رحمدل اپنا روپیہ خرچ کرتے ہیں جیسا تم نے ہندوؤں کو دیکھا ہوگا کہ وہ چڑی ماروں کے ہاتھ سے۔ چڑیوں۔ کوؤں۔ چیلوں اور جانوروں کو چھڑاتے ہیں۔ اور جب دو جانوروں کو لڑتے دیکھتے ہیں تو اُن میں بیچ بچاؤ کر دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی سیکڑوں آدمی اُن کو ناحق اذیت پہنچاتے ہیں اور اسے اپنی مردانگی اور دلاوری سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں وہ نامردی اور بیرحمی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا قتل ہے گو وہ انسان کے قتل بالعمد کی برابر جرم نہ ہو +

(۲) خدا تعالیٰ نے جیسی جان انسان کو دی ہے ویسی جانوروں کو۔ تو جان کے لحاظ سے انسان اور حیوان دونو برابر ہیں۔ بس جو انسان حیوان کی جان کا زیان ناحق کرتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں۔ اس ظلم کے روکنے کے واسطے رحمدل آدمیوں کی بہت سی سوسائٹیاں ہیں اور وہ محافظ حیوانات کے نام سے موسوم ہیں مگر وہ سب

چوپایوں کے لئے ہیں پرندوں کے لئے نہیں ان پرندوں کا جینا زیادہ تر درختوں
پر موقوف ہی وہ انہیں پر بسیرا لیکر زندہ رہ سکتے ہیں. درختوں کے احسان کی برابر
کل جانداروں پر علی العموم کسی کا احسان نہیں ہی اور علی الخصوص پرندوں پر ہے
اب کسان اپنے کھیت پر ان کو بیٹھنے نہیں دیتا۔ غلوں سے اڑاتا ہی۔ باغبان
باغ میں ان کے آنے کا روادار نہیں کھٹکے سے ڈراتا ہی غلیل سے اڑاتا ہی۔ اب رہا جنگل
ان کا حال یہ ہی جہاں ہزاروں میل میں جھاڑی بوٹی اور جنگلی درخت تھے اور
لاکھوں بیشمار پرند ان میں رہتے تھے وہ اب سب کٹ کٹا کر برابر ہو گئے۔
ان کے بن چٹیل میدان اور کھیت بنگئے۔ جہاں پرندوں کا جمگھٹ اور غل شور رہتا تھا
وہاں اب کسانوں کا غول و غل رہتا ہے پہلے ان زمینوں کو کوئی کوڑی کو
نہیں پوچھتا تھا۔ اب روپیوں کی تھیلیوں کے منہ ان کی خریداری کے واسطے
کھلے ہوئے ہیں۔ غرض ان جھاڑیوں اور جنگلوں کی صفائیوں نے پرندوں کی صفا صفا
کر دیا۔ کچھ عجب نہیں کہ بعض پرندوں کی نسلیں قطع ہو گئی ہوں اور جو پرند پہلے لاکھوں
ملتے تھے اب وہ ڈھونڈھے نہیں ملتے اب جو درختوں کے لئے جنگل رکھائے جاتے
ہیں وہ ان پہلے جنگلوں اور جھاڑیوں سے کچھ نسبت نہیں رکھتے۔ یوں پرندوں کے
گھروں کو اجاڑ کر ان کو برباد کر دیا اور کچھ کسی نے ان کے آباد کرنے کی تدبیر
نہیں کی۔ وہ ہزاروں آندھی مینہ اور اولوں اور برف سے مر جاتے ہیں مگر ان کی
جان بچانے کی تدبیر انسان نہیں کرتا۔ اگر بڑے بڑے شہروں میں دو چار رحمدل لوگوں نے
چھت پر سیر دو سیر اناج ڈلوا دیا یا کونڈے میں پانی دانہ ڈالدیا تو اس سے کیا
ہوتا ہے وہاں بھی ان کی جان کی پیچھے بلیاں آن لگتی ہیں جو دو چار کو کھا جاتی
ہیں اور سب کا کھانا پینا تلخ کر دیتی ہیں۔ غرض چوپایوں پر ظلم کے انسداد کی لئے
بہت سی تجویزیں آدمی کرتے ہیں مگر پرندوں کے لئے نہیں ہوتیں یہ بھی بیچ، ہی

کہ اگر انسان اُن پر ظلم نہ کرے تو پھر وہ انسان پر ایسا ظلم ڈھانے لگیں کہ اُسکا جینا دشوار کریں نہ کھیت میں دانہ چھوڑیں نہ باغ میں پھل +

(۳) کوئی مُلک دُنیا میں ایسا نہیں ہے کہ جس میں خیالی رحم اور عملی ظلم جانوروں پر ایسا ہوتا ہو جیسا کہ ہندوستان میں - مُرغ بازی - بُلبل بازی - لال بازی بیٹر بازی اور کبوتر بازی - غرض اور بہت سی بازیاں جانوروں کے لڑانے کی یہاں ہندوستان میں ہیں ایسے کھیل اور دُنیا کے پردہ پر کسی مُلک میں نہیں اُن میں جو ظلم جانوروں پر ہوتا ہے اُس کو سب جانتے ہیں +

قدیم و جدید آزاد خیال

آزادی سے خیال کرنے کے یہ معنے ہیں کہ جو امر پیش ہو اُس کے مخالف مُوافق شہادت کو دیکھیں اور اُس کے ضعیف قوی ہونے کے موافق فیصلہ اپنی عقل و فہم سے کریں - اس لئے آزاد خیال وہ ہوا جو تقلید کا مقید نہ ہو اور خود محقق ہو - دُنیا میں جو قدیم زمانہ میں آزاد خیال گزرے ہیں وہ بڑے تعظیم و ادب کے مستحق ہیں انھوں نے پہلے یورپ کی قوموں میں وہی کام کئے ہیں جو بڑے مصلحان مذہب نے کئے ہیں - بُت پرستی اور باطل پرستی کے خلاف ان سے جہاں تک ہو سکا انھوں نے کوشش کی یُونانی حکما میں سے سُقراط اور اُس کے شاگردوں نے اور رومی فضلا میں سے سسرو اور سنیکا نے اپنے اپنے زمانہ کی تاریکیوں کو دُور کر کے روشنی پھیلائی اور ہدایت کر کے راہ مستقیم دکھائی - اپنی دلالت سے ضلالت سے نجات دلائی - ان آزاد خیالوں کا اصول اعظم یہ تھا کہ خالق عالم کو انسان مانیں اور اُس کی صفات اور ذات کو اکمل جانیں روح کی بقا اور قیامت کے دن سزا و جزا کا یقین کریں انھوں نے اپنے ملک کے مذہب کی موافقت وہاں تک کی جہاں تک کہ اُس میں اصول مذکور کے برخلاف کوئی بات نہ تھی بعد ازاں ایسے آزاد خیال پیدا ہوئے کہ جنھوں نے اپنی عبارت آرائی اور

اور دلائل سوفسطائیہ سے ان اُصول کی بیخ کنی میں سعی کی جن کے قائم کرنے میں پہلی آزاد خیالوں نے بہادرانہ ستائش کے قابل کوشش کی تھی یہ لامذہب عالم کی شاندار خلقت کو عقل سے دیکھتے مگر اس کے خالق کے قائل نہ ہوتے وہ اُس قادر مطلق کی قدرت کو نہیں مانتے جو اس عالم میں انقلابات و حادثات عظیم پیدا کرتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انسان کے معاملات میں خدا کو دخل ہی نہیں وہ انسان کو اور جانوروں کی برابر اس طرح کرتے کہ مرنے کے بعد نہ اُس کو سزا کا خوف ہے نہ جزا کی امید۔ دوزخ کو ناحق کے دھڑکے اور جنت کو خالی ڈھکوسلے بتاتے وہ اعتقادات دین کے مکر و فریب یا دغا جلیم بیان کرتے ان کے سننے سے کان کھڑے ہوتے وہ تمام معزز عالموں کے نیک کاموں کو خاک میں ملاتے جاہلوں کے دلوں میں جو روشنی قدرتی ہی اُسکو تاریک کرتے۔ اور جو اصول جاگرفتہ تھے اُن کو اکھیڑتے۔ غرض یہ آزاد خیال انسان کے لئے روحانی وبا کا حکم رکھتے تھے سسرو نے بڑی فصاحت سے ان حکیموں کا ذکر کیا ہی جنھوں نے اپنی دلاوری اور بہادری سے روح کی بقا کے مسئلہ کو ثابت و قائم کیا ہے ان کے مقابل میں ان حکیموں کی بڑی حقارت کی ہی جنھوں نے اس کے برخلاف دلائل لکھے ہیں وہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ کے اندر میں افلاطون کی غلطیوں کے ساتھ ہونے کو پسند کرونگا۔ مگر اس گروہ فلاسفہ کے سچ کی ساتھ نہیں ہونگا +

ایک اور عاقل کا قول ہی کہ اگر روح کی بقا کا مسئلہ غلط بھی ہو تو ایسی مسرت آگین غلطی کو اپنے دم کے ساتھ لے جاؤنگا۔ گو ان حکیموں کا مذہب سچ ہی کیوں نہ ہو جو روح کی بقا کے قائل نہیں مجھی ابھی اس خطا پر ان مردہ حکیموں کے ہنسنے کی پروا نہیں روح کی بقا کو نہ ماننا انسان کو ایک بڑی مسرت سے محروم کرتا ہی۔ ایک ایمان دار اس خیال کے دور کرنے کی نسبت موت کو اچھا جانتا ہی۔ جو حکیم اس مسئلہ کو رد کرتے ہیں وہ باولے ہیں نہ وہ اس سے نیکی کو بڑھاتے ہیں نہ بدی کو گھٹاتے ہیں نہ خوشی کی فرائش کو

کرتے ہیں شریح کی گدازش کرتے ہیں اگر اُن کی دلائل مستحکم بھی ہوں تو وہ اخلاق اور نیکی کو کم کرتے ہیں بڑھاپے اور بیماری کے رنجوں کی تسکین کو گھٹاتے ہیں مگر ہاں اُن دلوں کو خوش کرتے ہیں جو برائیوں سے بھرے ہوئے ہیں چوری ۔ زنا ۔ فریب دغا پر ملے بیٹھے ہیں جن سے انسانوں کو ضرر پہنچاتے ہیں +

تقریر کی برائیاں ۔

بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہیں کہ وہ اپنی تقریر میں ایک لفظ کی جگہ دس لفظ بولتے ہیں اور فقرہ کے فقری ایسی بولتی ہیں جو اُن کے مطلب سے تعلق نہیں رکھتے بعض بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں اور کفر کے کلمے کہتے ہیں استعارات و تشبیہات کی بھرمار کرتے ہیں ہر عاقل جانتا ہے کہ جو شخص اپنے دل کی بات کسی شخص سے کہتا ہے اُس کو وہ بڑا خلیق معلوم ہوتا ہے مگر تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دس آدمیوں میں سے ایک آدمی شائد ہوتا ہوگا جس کا مطلب بولنے سے یہہ ہوتا ہوگا کہ اپنے دل کی بات دوسرے کو سمجھائے باقی کا مقصد گفتگو سے یہ ہوتا ہے کہ ان کی تعریف ہو ۔

بہت سے الفاظ زائد فقط تحسین کلام کے لئے بڑھاتے ہیں بات بات میں اوروں کی شہادت اور سند پیش کرتے ہیں بعض کلام سے پہلے اپنے عجز و انکسار کی باتیں بناتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں کہ میری رائے ناقص میں یہ آتا ہے ۔ اصل یہ ہے کہ تقریر میں یہ تمام عیب اس سبب سے پیدا ہوتے ہیں کہ معانی کی طرف خیال نہیں کرتے اس لئے زبان سے فضول الفاظ نکالتی ہیں یہ بھی شعر پر گفتار چاہتے ہیں کہ الفاظ کے طمطراق سے معانی کی دھوم دھام مچادیں مگر یہ اُن کی حماقت ہے کہیں الفاظ کی دھوم دھام سے خیالات کی بلندی کا اظہار ہو سکتا ہے ۔

(۲) بہت سے آدمیوں کو فصاحت کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ابھی پورا بولنا بھی نہیں آیا کہ فصاحت کا دعوی کرتی ہیں ہنوز اقسام کلام سے ناآشنا ہیں مگر مدعی اعلی کے

ہیں کہ ہم اپنی زبان سے گل افشانی اور دُر فشانی کرتے ہیں۔ غرض بولنے میں یہاں تک دستور ہوگیا ہے کہ بہیں ہیں۔ ایک آدمی سمجھانے کے لئے بولتا ہوگا باقی سب اپنی طلاقت لسانی کے اظہار کے لئے بولتے ہیں کہ ہم خوب بولتے ہیں بڑے مزے کی باتیں بناتے ہیں لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ شاعر کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے لیکن لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فصیح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور ہم ان میں سے ہیں۔ غرض اب شاعروں سے زیادہ لوگوں کو شوق سجع کا ہو گیا ہے اس میں وہ اپنی فصاحت کے دعوی ایسے ہی جھوٹے کرتے ہیں جیسے شاعر اپنی شاعری کے +

(۳) ایسی تقریروں میں کیا لطف ہے کہ طول طویل چلی جاتی ہیں۔ ایک گھنٹے کی تقریر کے بعد کوئی لطیفہ یا چٹکلا آتا ہے جس سے دل خوش ہوتا ہو۔ آدھ گھنٹہ فقط اس بیان میں گذر گیا کہ کیا بجا ہے اصول یہ ہے کہ آدمی باتیں اپنے خوش کرنے کے لئے نہ کرے بلکہ اوروں کے خوش کرنے واسطے اس اصول کی پابندی سے آدمی اس بات پر غور کریگے کہ میں ایسی باتیں کروں کہ جو لوگوں کے سننے کے قابل ہوں +

(۴) اگر کوئی عام قسم کی گفتگو کرنے والوں کا ایک مرقعہ بنائے تو وہ بہت متشابہ اس مرقعہ کے ہوگا جس میں تمام باجے بجانے والوں کی تصویریں ایک دائرہ میں بنائی جائیں اور وہ اپنے مناسب حال باجے بجائیں اس جمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض آدمی گفتگو میں بڑا غل شور مچاتے ہیں اور مکان کو سر پہ اٹھا لیتے ہیں ان کو ہنسی نہیں آتی۔ مگر وہ یونہیں قہقہوں کی آوازوں سے اہل دانش کا دماغ پریشان کرتے ہیں ان کی اس سخت آواز سے لوگ بھاگتے ہیں نہ ان کی گفتگو میں فصاحت ظرافت لطافت۔ شرافت کچھ نہیں ہوتی۔ ان کی تقریر کا حال ڈھولکے کا سا ہوتا ہے کہ جس کی دھوں دھوں کی آواز سے عاقلوں کا دماغ اُڑا جاتا ہے مگر جاہلوں کا ہجوم اسکے گرد لگا رہتا ہے وہ اس کو پسند کرتے ہیں اس کا اندر سے خالی ہونا اس کی آواز کو

پڑتا ہے۔ بس ایسے ہی بتی مغز ہونا تقریر کو پُر زور کرتا ہے۔ اب طنبورہ کی آواز بالکل ڈھولک کی آواز کی ضد ہے۔ اس کی آواز نرم و شیریں ایسی ہوتی ہے کہ پاس ہی کے آدمیوں کو سنائی دیتی ہے۔ ڈھولک کی آواز کی طرح دور دور سیکڑوں آدمیوں کے کانوں میں نہیں جاتی بس طنبورہ کی آواز سے ان کی تقریر پر مشابہ ہے جو ذہن مستقیم رکھتے ہیں اور بات کو خوب تول کر پسندیدہ ادا و انداز سے ادا کرتے ہیں جن کو خوش مذاق بڑے شوق سے سنتے ہیں اور راگ کا سامزا اٹھاتے ہیں ایک اور باجا تُرہی ہے جو ایک ایسا آلہ موسیقی ہے کہ گو اس میں بہت سے راگوں کی آوازیں نہیں نکلتیں مگر پھر بھی جتنی نکلتی ہیں وہ کانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں بس اس آواز سے مشابہ اُن شرفا کی تقریریں ہیں جو شرافت خاندانی رکھتے ہیں اور تعلیم مروجہ پانے کے سبب سے گفتگو کرتے ہیں گو ان میں عالی دماغی اور روشن ضمیری نہیں ہوتی مگر ایک شرافت ان سے ایسی ٹپکی پڑتی ہے کہ وہ دلوں کو لبھاتی ہے۔ وہ اکثر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بیان بڑی ظرافت و لطافت سے کیا کرتے ہیں جیسے محفلیں ہوتیں۔ باغ۔ تماشے ہوتے ہیں جیسے تُرہی کے راگ محدود ہوتے ہیں برا توں اور بادشاہوں کی نوبتوں میں تُرہی کی ضرورت ہوتی ہے گو اس سے راگ بہت سے نہیں نکلتے ایسی ہی ایسے گفتگو کرنے والوں کی بادشاہی درباروں اور محافل و جلسوں میں حاجت ہوتی ہے ایک باجہ سارنگی ہے کہ اس کی آواز بہت کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے مگر جس وقت دل راگ کی طرف مائل نہ ہو تو سب باجوں سے زیادہ وہ ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ اس کی آواز کے مشابہ ان لوگوں کی گفتگو ہے جو اپنی ذکاوت کو ہجو و ظرافت و لطافت کے پردہ میں دکھاتے ہیں کبھی کبھی انکے منہ سے بڑی ذکاوت کی باتیں نکل جاتی ہیں غرض اسی طرح اور باجوں سے گفتگو کی تشبیہ ہو سکتی ہے گنواروں کی باتیں دوتارے اور پونگی کی آواز سے بہت مشابہ ہے

پس جب تم کسی مجلس سے اٹھو تو دل میں سوچو کہ ہم نے لوگوں کی تقریر دل میں کن باجوں کی آوازیں سنیں

لوگوں کی رائے

یہہ آدمی کے نیک طینت اور روشن ضمیر ہونے کی دلیل ہے کہ وہ ان رایوں سے جو اس کے باب میں ہوں ایسا اپنے تئیں علیحدہ کر لے کہ پھر لوگوں کے اختلاف رائے کے پھندوں میں ایسا نہ پھنسے کہ اپنی عقل اور رای کے برخلاف کام اوروں کی رائے کے اتباع کے لئے کرنے لگے گو دنیا میں علے العموم عوام کا یہ مقولہ مسلم ہے کہ ہم ایسا کریں جیسا کہ اور کرتے ہیں نہیں تو ہماری ہنسی اڑیگی۔ تماشا گاہ میں جب ہی تماشا اچھا تماشا گر سے ہوتا ہے کہ وہ بالکل تماشائیوں کو بھول جاتا ہے۔ کہ یہہ میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ جہاں ان کا خیال ہوتا ہے وہاں وہ اپنے ہر قدم پر ہر حرکت پر ہر ادا و انداز پر اس سبب سے رکتا ہے کہ کہیں دیکھنے والوں کو برا نہ معلوم ہوں اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ ساری خرید کر میرے پسند کرنے والے ہی بیٹھے ہیں تو اس کی ہر حرکت میں ایک مسرت نظر آتی ہے یہہ تماشے پر کیا موقوف ہے اسی طرح بہت سے کام بے تکلف نہایت خوبصورتی سے آدمی کرتا ہے بعض آدمیوں کو اس درجہ پر اپنی تعریف کا شوق بڑھ جاتا ہے کہ اپنے ادنے ادنے روزمرہ کے کاموں کے لئے بھی وہ تعریف کی توقع کرتے ہیں کوئی کام ان سے برا بھلا بغیر تعریف کے نہیں ہو سکتا۔ بات بات پر اپنی داد چاہتے ہیں ادھر کسی نے داد نہ دی تو ادھر وہ کام سے رک گئے۔ جب وہ پبلک میں کھڑے ہو کے بولتے ہیں تو ان کے چہرہ کے ہر رگ و ریشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعریف کے خواہاں ہیں۔ کم ظرفوں اور اوچھے آدمیوں میں یہ باتیں ہوتی ہیں عالی دماغ

بلند خیال اس بات پر خیال بھی نہیں کرتے۔ اگر انسان کی قدرت میں یہہ ہوتا کہ وہ اپنی مرضی کے موافق سارے کام بغیر اسکے کر سکتا کہ کوئی دوسرا دنیا میں اُسے دیکھے۔ تو بھی اُس کو اپنے کاموں کا انصاف کرنا بغیر اس خیال کے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے نہایت مشکل ہوتا۔ افلاطون نے کائی جس کے چھلے سے اس مضمون کو تشبیہ دی ہے کہ گو ہمارے افعال کی لوگ مذمت کرتے ہیں تو بھی ہم اپنے سے آپ کم واقف ہوتے ہیں اگر ہم اپنی خواہشوں کے موافق اپنے کام اسطرح کرتے کہ کوئی اُن کو نہ دیکھتا تو ہم اپنی اصلی حقیقی وصفت سے بآسانی واقف ہوتے۔ اس چھلے کا حال یہہ ہے کہ کائی جس نے ایک چھلے پر منتر پھونکا کہ جس کے سبب سے اُس میں یہ صفت پیدا ہو گئی کہ جو اُس کو پہنے وہ کسی کو نہ دکھائی دے اور جب اُتار ڈالے تو نظر آنے لگے وہ اپنی مطلب برآری کے لئے اُس چھلے کو کام میں لایا۔ چنانچہ ایک دفعہ اُس نے ایک ملکہ کی عصمت کی بہار لوٹی اور بادشاہ کو مار ڈالا۔ ٹلی اس تمثیل پر لکھتا ہے کہ جن آدمیوں کے پاس یہ چھلا ہو اُسے پہن کر ہزاروں نیک کام کرنے چاہئیں جس کے سبب سے اُن کا اظہار نہ ہوا اور برے کاموں سے احتراز کرنا چاہئے۔ کہ گویا یہہ چھلا پاس ہی نہ تھا عدالت اور نیکی کے قوانین کے برخلاف نہ کام کرنا بڑی نیکی ہے۔ انسانوں پر مخفی احسان و مہربانی کرنا ایسا ہی بھلا ہے جیسا کہ چپکے چپکے لوگوں کو مضرت پہنچانا بُرا ہے۔ مخفی نیکی کرنا خدا کا کام ہے۔ مخفی ضرر پہنچانا شیطان کا کام ہے ہم اپنے زمانہ میں بہت سے نیک آدمی دیکھتے ہیں کہ اُن کے نیک کاموں کی بڑی تعریف دھوم دھام سے ہوتی ہیں مگر نیک کاموں کی عظمت پردہ اخفا میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کو اپنی تحسین و آفریں کی بڑی خوشی چھوڑنی پڑتی ہے اُس کا چھوڑنا فرشتہ خوئی ہے۔ غرض نیک کام کرنے میں لوگوں کی

رائے کا کچھ خیال کرنا نہیں چاہئے کہ وہ ہم کو کیا کہتے ہیں +

عورتوں میں ترقی کی قابلیت مردوں سے زیادہ ہوتی ہے +

بڑی ہیچ سیچ دُنیا کی اصلاح ہوتی ہے۔ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کے دلوں میں پند و نصیحت و تہذیب شائستگی کا نقش آسانی سے جم جاتا ہے۔ اس لئے کہ کاموں کی کثرت اور بلند سودائی مردوں کے دلوں میں نسبت عورتوں کے بہت کم جگہ چھوڑتی ہے۔ جو لوگ مصلح قوم بنا چاہتے ہیں۔ اُن کو عورتوں کے۔ اخلاق۔ عادات۔ لباس۔ وضع و انداز کی اصلاح پر زیادہ توجہ کرنی چاہئے۔ جن باتوں میں وہ غلطیاں اور خطائیں کرتی ہیں اُن کو بھی بتلانا چاہئے۔ عورتوں کے حسن و جمال کی بڑی تعریف مرد کرتے ہیں عورتوں کی حسن و جمال کی تعریف پر مرد مرتے ہیں اُن کی خوشامد میں لوٹے جاتے ہیں اس خوشامد ہی سے عورتیں پندار اور غرور کے نشہ میں مست ہو جاتی ہیں۔ اس سے بہت سی حماقتیں اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں اگر مرد اپنی یہ خوشامد موقوف کر دیں تو پھر عورتوں کے مزاج میں خوشامد پسندی نہ رہے اور بہت سی ابلہانہ حرکتیں وہ چھوڑ دیں +

عیب بینی و نکتہ چینی۔

جنھوں نے خود اپنے تئیں کسی کام میں ممتاز نہ بنایا ہو اُن کو اوروں کے کاموں کی نکتہ چینی اور عیب بینی زیبا نہیں ہے۔ بہت سے نکتہ چین عیب بیں ایسے ہوتے ہیں کہ خود کچھ کام نہیں کرتے مگر اوروں کے کاموں کے تلف کرنے کے واسطے اُن کے مُنہ میں دانت سانپ کے سے ہوتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے جو نیک نہاد ستودہ صفات مصنف ہوتے ہیں گو انھیں اپنی تعریف کا شوق ہوتا ہے مگر دوسرے سے حسد اُن کو نہیں ہوتی وہ متاخرین و متقدمین مصنفوں کی تعریف نہایت دریا دلی سے کرتے ہیں ایک مصنف ارسطو کی یہ تعریف کرتا ہے کہ وہ سونے کا دریا بہتا ہوا تھا۔ افلاطون کی نسبت لکھتا ہے۔ اگر جوپیٹر بولتا تو افلاطون سے زیادہ اچھی تقریر نہ کرتا۔ بعض

اپنی ہیچی و منو میں یاوہ گوئی کرتے ہیں مگر اوروں کو بُرا نہیں کہتے - نکتہ چین اور عیب بین اس کہانی کے مصداق ہیں کہ ایک سایہ کی جگہ میں اُلّو - چمگادڑ - اور اور پرند جن کو رات کو نہیں دکھائی دیتا جمع تھے - اور اپنے ہمسایہ کے پرندوں پر طعن کرتے رہتے پھر آخر کو آفتاب کو بُرا کہنے لگے - جب آفتاب نے اُن کا یہ بُرا کہنا سُنا تو اُس نے یہ کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ تم اُس کی بدگوئی پر دلیری کرتے ہو جو ابھی چاہے تو تمھیں اور تمھاری ساری اولاد کو ایک لمحہ میں جھلس کر راکھ کر دے - مگر میں باوجود اس اقتدار کے یہ جواب دیتا ہوں کہ خواہ تم مجھ کو کتنا ہی بُرا کہو میں چمکتا ہی رہونگا - بس مصنفوں کو چاہئے کہ وہ ان نکتہ چینوں کو کوئی جواب سوائے اس کے نہ دیں کہ اپنی تصنیفات سے ہاتھ نہ اُٹھائیں اور اُن کو جلائے جائیں - قاعدہ ہے کہ دُنیا اپنا خود ہی شکار کرتی ہے - ایک مکھی ہمکو دق کرتی ہے اُس کے گرد ہزاروں کیڑے دق کرنے والے لپٹے ہوئے ہیں ایک جوں سو جوؤں سے بھری ہوئی ہے ایک ہویل کے پیٹ میں اتنے جانور ہیں کہ شاید دُنیا میں اتنے آدمی نہ ہونگے - بس اسی طرح مصنفوں کی تصنیفات کے اوراق میں ہزاروں کیڑے لگے ہوئے ہیں جو اپنا پیٹ اُن ہی سے پالتے ہیں بس ایسے ہی نکتہ چین عیب بین کم سمجھ اپنی عیب بینی سے کچھ کما کھاتے ہیں بڑی بڑی آدمیوں کی تصنیفات پر اعتراض کرتے ہیں ان اعتراضوں کے پڑھنے والے بہت سے احمق دُنیا میں موجود ہو جاتے ہیں اس حیلہ سے رزق انکو ملجاتا ہے پس عالی دماغ مصنفوں کو ان سے ایسا سلوک کرنا نہیں چاہئے جیسے ایک قسم کی لومڑی کی نسبت مشہور ہے کہ جب اُسکی کھال میں بہت سے کیڑے پڑ جاتے ہیں تو وہ پانی کے اندر مُنہ میں اُون کو لیکر چلی جاتی ہے اور مُنہ کو باہر رکھتی ہے - ساری کیڑے اس اون میں جب آجاتے ہیں تو وہ اُس کو پانی میں چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور کچھ پروا نہیں کرتی کہ وہ کیڑے جئینگے یا مرینگے - عالی درجہ مصنفوں کو یہ خیال بھی کرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنی تصنیفات کو ان پاجی بدبینوں کے خوف سے چھوڑ دیں تو علم کا قحط پڑ جائے چھاپے خانے بند ہو جائیں کتاب فروشوں کا روزگار جاتا ہے +

(۲) آدمی کو چاہیئے کہ وہ تمام معاملات زندگی میں اصل حقیقت اور ظاہری صورت میں اور
فعلی اور جعلی کمالات میں اور سچی اور جھوٹی لیاقتوں میں تمیز کیا کرے۔ جاہلوں میں یہ
تمیز نہیں ہوتی۔ سونا اور سونے کا ملمع دونوں یکساں سمجھتے ہوئے نظر آتے ہیں علم وفضل سے
وہ بے بہرہ ہوتے ہیں اس میں کیا تمیز کر سکتے ہیں بہت سے ڈینگئے ہوتے ہیں شیخی مارنے
والے جھوٹے عالم آپس میں ایک دوسرے کی تعریف کر کے اپنے تئیں جہلا میں چمکا دیتے ہیں اور بعض
سچے عالم جو عالی دماغ ہوتے ہیں۔ خواہ حیا کے سبب سے جو ان کی جبلت میں داخل ہوتی ہے
یا اپنی تعریف کی ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی اپنے علم کے سرمایہ میں مخفی خزانہ کو چھپائے بیٹھے
رہتے ہیں اور چپکے چپکے اپنے دل میں مسرور ہوتے ہیں جو اترانے والے اور بیہودہ طور پر
علم کے ظاہر کرنے والے ہیں ان کا حال علم میں ایسا ہے جیسا کہ ریاکاروں کا مذہب میں
جو علم کی صورت دکھاتے ہیں مگر اس میں قدرت نہیں رکھتے۔ وہ نقارہ کی طرح اپنی علم کی
نوبت جھوں دھوں مچا کے جاہلوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے ہیں مگر ان کو دلی مسرت نہیں
حاصل ہوتی فقط لوگوں کی تعریف کی خوشی ہوتی ہے۔ غرض جانوروں میں بھی کوئی ایسا
بے مغز اور مکار جانور نہیں ہے جیسے کہ وہ نکتہ چین اور عیب بین کہ کسی مصنف کے مغز سخن کو
پہنچتے نہیں اور مطلب کو سمجھتے نہیں اعتراضوں کی پوٹ کی پوٹ اس کے سر پر رکھ دیتے
ہیں انھوں نے اپنے چند قاعدے مقرر کر رکھے ہیں ان کے موافق وہ مصنفوں کی تصنیفات
کو برا بھلا کہہ دیتے۔ وہ اپنے ذہن کی کل اس طرح چلاتے ہیں جیسے کہ مزدور کل کو چلاتا
ہے اور سمجھتا نہیں کہ کیا ہے۔ چند اصطلاحیں طوطے کی طرح یاد کر رکھی ہیں وہی اپنی حرف
گیری میں کام میں لاتے ہیں۔ کتاب کو پڑھیں یا نہ پڑھیں مگر یہ لکھ دینگے کہ اس کی عبارت
میں ضعف تالیف ہے ـ لفظی اور معنوی تعقید سے وہ بھری ہوئی ہے سخن بے استقامت
جسے کہتے ہیں وہ نہیں رایوں میں کجی ہے۔ یہ تماشا اکثر انگریزی خوانوں کی
نکتہ چینی میں دیکھا کہ وہ بعض حکام کی جو زبان سے ناآشنا ہوتے ہیں لال بجھکڑ بن گئے

ہیں اور اردو زبان کی غلطیوں کا ہاہی لیز گریمر کے قاعدوں سے اُن کو یقین دلاتے ہیں۔

اشتہار

جو چیز مروج ہو جاتی ہے اور روز دیکھنے میں آتی ہی اس کی موجد کی ذہانت کی طرف بالکل خیال نہیں جاتا نہ اُس کی داد دی جاتی ہے۔ اخباروں کی ساتھ اشیا اور روزمرہ واقعات شادی و غمی کے اشتہاروں کا طومار ہم دیکھتے ہیں اور کبھی یہ نہیں خیال کرتے کہ وہ شخص کیسا طباع و عالی دماغ ہوگا۔ جس شخص نے پہلے پہل یہ بات سوچی ہوگی کہ جس کاغذ میں میدان جنگ کی لڑائیوں کی اور سپاہیوں کے حملوں کی اور قلعوں کے محاصروں کی خبریں مشتہر ہوں اس کے ساتھ دکانوں کی عمدہ تراشیا کے اشتہار دئے جائیں جس سے میدان رزم کے ساتھ ایسا بازار لگ جائے۔ کہ عقل و ذہن کی اصلاح کی متاع اور جسم کی آرائش و آسائش کے اسباب فروخت ہونے لگیں ایک صفحہ میں یہ لکھا ہو کہ اس فاضل اجل نے علم اخلاق میں یا علم طبیعات میں ایک نادر کتاب چھاپی ہی۔ اور دوسرے صفحہ میں آنکھوں کی عمدہ دواؤں کے اوصاف اور قیمت کا بیان ہو۔ غرض بصارت و بصیرت دونو کے لئے اشتہار ہو۔ مگر ان اشتہاروں کا فائدہ عوام کو جب پہنچتا ہے کہ اُنمیں راستی اور صداقت ہو۔ اگر کسی صابن کا اشتہار ہو تو اُس کے ساتھ یہ نہ بیان ہو کہ پچاس برس کی بڑھیا چہرہ پر لگانے سے بارہ برس کی بن جاتی ہی۔ کوئی نسخہ مقوی ہو تو یہ اس کے ساتھ نہ ہو کہ پیر کو جوان بناتا ہے۔ بعض آدمی اشتہار دینے میں خبث طینت ظاہر کرتے ہیں کہ اپنی چیزوں کی تعریف میں اور دوسروں کی چیزوں کی مذمت میں مبالغہ کرتے ہیں اپنی چیز کی تعریف کرنے کا مضائقہ نہیں مگر دوسرے کی چیز کی مذمت کرنی بڑی خباثت ہی۔ غرض اشتہار میں جتنا صداقت کا اظہار ہوگا اتنا ہی فائدہ مند ہوگا۔ مصنف کو چاہئے کہ وہ اپنے کتابوں کا اشتہار ایسا بے معنی اور لغو نہ چھپوائیں کہ خریداروں کو سخت ندامت اٹھانی پڑے اور زمانہ آئندہ میں نیکنامی کی جگہ بدنامی ہو۔ اشتہار نویسی

آسان نہیں ہے۔ اس کو اس طرح لکھنا چاہیئے کہ جمہور انام کو اس سے فائدہ
پہنچے نہ کہ نقصان۔ ہم کو بڑی خوشی ہے کہ دیسی زبان کے اخباروں میں اشتہاروں کا
رواج روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر اشتہاروں کا اعتبار
نہیں ہوتا۔ اس لئے تجارت کو جس کی جان اشتہار ہے جیسا فائدہ پہنچنا چاہیئے نہیں پہنچتا
ہم کو ابھی اشتہاروں کے لکھنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ نہ ہم اُن کی عبارت میں سچ گل پھول
لگا سکتے ہیں نہ اُن کی تصویریں اشتہاروں کی پیشانی پر بنا سکتے ہیں جیسی کہ مہذب
ملکوں میں بنائی جاتی ہیں خالی نقطوں کی مطلق دکھاتے ہیں جو تصویر بغیر بھیکے اور
بے لطف معلوم ہوتی ہے کوئی مضمون دل چسپ اشتہار کی ساتھ ایسا نہیں لکھ سکتے کہ
جس سے خریداروں کے دلوں میں شوق خریداری پیدا ہو۔ عوام الناس کو یہ اشتہار
ایسی چھوٹی چھوٹی خبروں سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ کہ پشاور میں دو گدھا چوری
گئے بمبئی لکھنؤ میں ایک سپاہی پلٹن سے بھاگ گیا +

کاموں کے گھنٹوں کا اختلاف

تمام جانوروں کو دیکھو تو وہ اپنے کام معمولی وقت پر ہمیشہ کرتے ہیں اور
برسوں سے اپنی اوقات کے پابند ہوتے ہیں مرغ صبح ہی کو اُٹھ کر اذان دیتا ہے۔
درختوں پر چہچہانے والے پرند صبح ہی کے وقت ہمیشہ سے بولتے چلے آئے ہیں اور بولتے چلے
جائینگے۔ غرض جانور اپنے تمام کاموں میں باقاعدہ ہوتے ہیں۔ جب سے دُنیا ہے اور
جب تک رہیگی وہ سب کام اپنے باقاعدہ ہی کیا کرینگے مگر انسان کی ایجادوں کو دیکھو
کہ وہ اپنے کاموں کے قاعدوں اور وقتوں کو کیسا بدلتا رہتا ہے۔ بہت سے
آدمیوں نے رات کو جو آسائش و آرام کے لئے بنائی گئی ہے دن بنا رکھا ہے وہ سارے کام
رات ہی کو کرتے ہیں دن کو سوتے ہیں اپنے تئیں آدمی سے اُلّو چمگادڑ بنا لیا ہے کہ
کبھی صبح کو آفتاب طلوع ہوتے دیکھتے ہی نہیں اُن کو آفتاب کی روشنی سے زیادہ

شمع اور چراغ کی روشنی پسند ہوتی ہے۔ اگر آدمی کو اپنی تندرستی رکھنی منظور ہو تو وہ اپنے سارے کام دن کو کیا کرے۔ رات کو چپ چاپ پڑکر سو رہے۔ شب کو بُری بخارات زمین سے اُٹھ کر پھیلتی ہیں جن کے دفع و مغلوب کرنے کے واسطے آفتاب نہیں موجود ہوتا جب آدمی رات کو سو کر صبح اُٹھتا ہے تو وہ تازہ دم ہوتا ہے۔ ساری دُنیا کو تاریکی سے روشنی میں نکلتے ہوئے دیکھتا ہے اس وقت ایک خدا کی قدرت کا جلوہ پیش نظر ہوتا ہے۔ صبح ہی کو انسان کے تمام قوائے ظاہری اور باطنی تر و تازہ ہوتے ہیں۔ کام جیسا اچھا اس وقت ہو سکتا ہے ایسا کسی اور وقت نہیں ہو سکتا۔ گویا صبح انسان کے قوا کی نوجوانی کا وقت ہوتا ہے۔ جس میں قوت بہ نسبت اور وقت سے زیادہ ہوتا ہے۔ پھولوں کی بہار سے فرحت ہوتی ہے۔ جانوروں کے چہچہانے کی آوازوں سے دل خوش ہوتا ہے۔ یہ خوبیاں کسی اور وقت میں نہیں ہوتیں۔ بس جو ایسے وقت سوتے ہیں وہ اپنی خوشی کو کھوتے ہیں

شکایت کی مختلف صورتیں اُن کا بیان بطور تمثیل

دُنیا میں شکایت کرنے والے آدمی بہت سے ہیں۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات کی شکایت ہوتی ہے۔ یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ انسان نے ہر چیز سے اپنے خیالی رنج پیدا کر لئے ہیں۔ زمین۔ مکانات۔ مویشی۔ بیل بھیڑ وغیرہ انسانوں کی خوشی کے واسطے بنے ہیں۔ مگر ان سے اپنے لئے کتنے رنج اس نے پیدا کر لئے ہیں عوام الناس کو ایسے رنج ہوتے تو تعجب کی بات نہ ہوتی۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ خواص کے پیچھے بھی یہ بلا لگی ہوئی ہے۔ ایک مصنف اسی رنج میں بیٹھا ہے کہ ایک شخص نے جس کو وہ بڑا کودن جانتا تھا اس کی تصنیفات پر اعتراض جڑ دئے۔ ایک جوانمرد اس پر خفا ہو رہا ہے کہ بازار میں لوگوں نے کھڑے ہو کر جھک کے اُسے سلام نہیں کیا۔ پھر خوشیاں ہیں تو ایسی ہیچ پوچ کہ آج ہمارا گھوڑا بازار میں خوب ناچا کودا تھا۔ سارے میلہ میں جیسی ہمارے سر پر شوخ رنگ پگڑی تھی دوسری کے پاس نہ تھی ہماری رتھ پر کلسہ خوب چمکتا تھا۔ اُس کے جھنک کی آواز کوسوں جاتی تھی۔ غرض ایسی

بیہودہ خوشیاں اور رنج بیشمار ہیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ رنج کا اندازہ خود رنج سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ رنجیدہ خاطر کی طبیعت سے ہو سکتا ہے کہ وہ اُس کو بڑا سمجھتا تھا یا چھوٹا۔ میں اس مضمون کو بطور تمثیل نیچے بیان کرتا ہوں +

میں اپنی آرام چوکی پر ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ اُس میں یہ ایک فقرہ میری مطالعہ میں آیا کہ جیو پیٹر پاس دو بڑے برتن تھے۔ ایک میں خوشیاں دوسرے میں رنج بھرے ہوئے تھے — ان دونو کو ملا کر ہر انسان کو جو دنیا میں آتا وہ دیدیتا۔ اس فقرہ کو پڑھ کر میں ایسا خوش ہوا کہ مجھے نیند آ گئی اور میں نے یہ خواب دیکھا کہ جب جیو پیٹر نے سلطنت عالم کی عنان ہاتھ میں لی اور تخت پر جلوس فرمایا تو مخلوق کے ہر حصہ نے اپنے اپنے دیوتا کی معرفت تحفہ نذر کے لئے بھیجے ایک نے ہواؤں کی بہار۔ دوسرے نے اولوں کے خزانے تیسرے نے کڑک گرج کا انبار۔ ستاروں نے اپنی تاثیرات۔ زمین نے میوے۔ آفتاب نے موسم۔ قسمت نے آگے قدم بڑھا کے تخت کے دونو طرف دائیں بائیں دو برتن رکھ دئے۔ جن میں ایک کے اندر خوشیاں تھیں دوسرے میں رنج۔ ابتداء سلطنت میں جیو پیٹر نے دیکھا کہ دنیا میں بدکاری اور گنہگاری ایسی پھیلی ہے جیسی کہ اس زمانہ میں۔ تو اُس نے پہلے برتن میں سے خوشیوں کو لے کر انسانوں میں پھیلایا۔ مگر جب اُس نے یہ دیکھا کہ انسان اپنے دامن پر گناہ کا غبار جمایا۔ پیرہن میں بدی کا داغ لگایا تو اُس نے دوسری ظرف میں سے کچھ مصائب انسان پر انڈیل دی۔ رنج۔ افلاس۔ لڑائی۔ بیماری حسد جھوٹ ناوقت موت اُس پر بھی اُس نے یہی دیکھا کہ انسان تو بالکل گناہوں میں ڈوب ہی گیا۔ تو اُس نے یہ چاہا کہ میں ساری نوع بشر کو غارت ہی کر دوں۔ تو اُس نے قسمت کو حکم دیا کہ تو نے جو خوشیاں دنیا میں بنی آدم کو دیکر ضائع کی ہیں ان کو پھر وہاں سے لاکر جمع کرتی رہو جبتک کہ دنیا نیک مخلوق سے آباد ہو۔ اس حکم کے سنتے ہی میں تھیں دنیا میں اتریں تاکہ زمین پر سے خوشیاں جو ضائع ہو رہی تھیں اٹھا کر لے جائیں

مگر کچھ کام ایسا دشوار نکلا جس کا اُن کو سان گمان بھی نہیں تھا سب سے پہلے وہ
شہروں محلوں و بازاروں میں گئیں جہاں اُنھوں نے خیال کیا تھا کہ بہت آسانی سے
وہاں خوشیوں کو جمع کر لینگے۔ مگر برخلاف اپنی امید کے وہاں خوشیوں کی جگہ ہر
طرف طرف میں یہ رنج دیکھے حسد۔ حسرت۔ بے آرامی۔ مایوسی۔ اور ایسے اور رنج
برخلاف اس کے اُس پر اور ان کو زیادہ حیرت ہوئی کہ جھونپڑوں گپھوں۔
ویرانیوں میں یہ اصلی خوشیاں دیکھیں قناعت۔ زندہ دلی۔ تندرستی۔ بیگناہی۔
اب یہاں سے زیادہ اور مایوسی آگے اپنے کام کرنے میں یہ ہوئی کہ انھوں نے دیکھا
کہ بہت سی خوشیوں کا تنزل ایسا ہو گیا ہے کہ وہ رنج بن گئی ہیں اور بہت سے
رنج ایسے مروج ہیں کہ وہ خوشیاں ہو گئے ہیں جو دانشمندوں کے حصہ میں رنج آئے
تھے وہ تو خوشی بن گئے ہیں اور احمقوں کے ہاتھ میں جو خوشیاں آئیں تھیں وہ
رنج ہو گئی ہیں + بعض آدمیوں نے حکومت ایسی گستاخیوں اور بیباکیوں سے
جھٹ کر حاصل کی کہ وہ عذاب جان ان کے لئے ہو گئی۔ نوجوانی میں بے عتدالیوں
کے سبب سے بیماریوں نے انہیں وہ گھیرا کہ بڈھوں سے بدتر وہ ہو گئی۔ دولت
کے حاصل ہونے سے وہ حرص بڑھی کہ افلاس کے برابر دولت دنیوی رنج پہنچانے لگی۔
برخلاف اس کے اُنھوں نے دیکھا کہ لوگوں کی مستقل مزاجی سے رنج بڑی شان دار
خوشیاں بنگئی۔ قناعت نے افلاس کا ستیاناس ملایا۔ بدصورتی کو نیکی نے خوبصورت
بنایا۔ غرض خوشیوں کا حال تو ایسا ہوا جیسے کہ نہایت لذیذ میووں کے بیج خراب زمین
میں بوئی جائیں جن کا بتدریج ایسا تنزل ہو کہ وہ بے مزہ پھیکے دیر ہضم ہو جائیں
اور رنجوں کا حال اُن بے لذت میووں کا سا ہوا کہ جو اچھی زمین میں بوئی جائیں
اور اُن میں ایسی قلمیں لگائی جائیں اور ایسی چھانٹ کی جائے کہ جن سے وہ خوش ذائقہ
ہو جائیں۔ اب تیسری اور بدصورت اُن کو پیش آئی کہ جن سے وہ تینوں تاہین بہت

سمجھ ہوئیں کہ انھوں نے بہت سے رنج و خوشیاں پہلے ایسی دیکھیں جو آن ظرفوں میں
نہ تھیں جو جیوپیٹر کے تخت کے گرد رکھی ہوئی تھے۔ غرض یہ فضول رنج و راحت تھے۔
جو یہ قدرت نے نہیں بنائے تھے بلکہ انسانیت نے اپنے خیالات اور طبیعت سے
ایجاد کئے تھے تفصیل ان کی یہ ہے کہ ہوس۔ القاب خطاب۔ مکانات۔ جلو کا
اسباب جھوٹی شرم۔ ناحق کا خوف۔ اور ایسی طرح کی باتیں جو بیہودہ خیال او تنگ
ظرفوں کے تصور سے ہیں پیدا ہوں ÷

غرض جب یہ دشواریاں اور دقتیں دیکھیں تو انھوں نے جان لیا کہ جیوپیٹر کی حکم کی
بجا آوری محال ہے اس لئے انھوں نے رنج اور خوشیوں کو سمیٹ سماٹ ملا جلا کر ایک
ظرف میں بھرا اور لیجا کر جیوپیٹر کے قدموں تلے رکھ دیا۔ بڑی بہن نے آگے قدم بڑھا کر
جو حال تھا وہ عرض کیا کہ ہم نے انسانوں کے رنج و راحت کو ملا جلا کر اس ظرف میں
جمع کیا یہ تیری ہی عقل ہے کہ ان کو جدا کرے اور پھر انسانوں میں ان کو الگ الگ
تقسیم کرے۔ تو ہی اس بات کو جان سکتا ہے کہ انسان کو کس موقع پر رنج دینا
چاہئے اور کس موقع پر خوشی اور کیونکر ان کے دلوں میں یہ تیری عطا رنج یا راحت
پہنچائیگی ÷

اخباروں کے اڈیٹروں کے نام خطوط۔

اخباروں کے اڈیٹروں کے نام جو ان کے اپنے ملک کے چاروں طرف سے
اور غیر ملکوں سے خطوں کے طومار کے طومار آتے ہیں۔ اڈیٹر انھیں سے اندازہ کرتا ہے کہ میری
شہرت کہاں کہاں پھیلی ہوئی ہے اس خیال سے وہ خوش ہوتا ہے اور جانتا ہے
کہ میری برابر کوئی ڈاکخانہ کی آمدنی بڑھانے والا نہیں ان خطوں کے مضامین عجب
ایک ست نجا ہوتا ہے کہ جس کی برابر شاید کسی مکتوب الیہ کے پاس ایسے مختلف
مضامین کے خطوط آتے ہونگے۔ ان کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شہر میں ایک ہی
ملک میں کیسے آدمی مختلف مذاق کے رہتے ہیں۔ ایک اڈیٹر کو صلاح دیتا ہے کہ تم ہمیشہ

متانت وسنجیدگی سے مضامین لکھا کرو۔ دوسرا ہدایت کرتا ہی کہ تم ہمیشہ ظرافت
ولطیفہ سنجی کے مضامین تحریر کیا کرو۔ اسکے بغیر اخبار پھیکا ہوتا ہی۔ تیسرا فرماتا ہے
کہ جاگنے کی نسبت سویا زیادہ کیجیے۔ جو آپنے اپنے خواب لکھے ہیں اُن میں زیادہ
لطف آپ کی بیداری کے مضامین سے آتا ہے۔ کوئی کہتا ہی کہ آپ رات بھر آسمان
سے آنکھوں کو لگائے رکھئے اور نجوم کے مضامین لکھا کیجئے جس سے لوگوں کو معلوم ہو کہ آئندہ
کیا ہونے والا ہے کوئی شکریہ ادا کرتا ہے کہ آپنے متقدمین کے کلام کا خوب لب لباب انتخاب
کیا ہی۔ کوئی تعریف کرتا ہی کہ آپنے مُردوں کی تصنیفات کی نکتہ چینی اور زندوں
کی تصنیفات کی نکتہ چینی خوب کی ہے اخبار نویسوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اخبار میں
عنوان ایسے رکھیں کہ سب لوگ اپنے خطوں کی تحریر کے موافق مضامین اُن میں لکھ لیا
کریں اور اُن کو پڑھ کر خوش ہو جایا کریں۔ زیادہ تر جو خط آتے ہیں اُن میں یہ
دو بڑے مضمون ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ
وہ اپنے ہمسایوں کی ہجو اور اپنی اور اپنے دوستوں کی مدح زیادہ اخباروں میں
مشتہر کیا چاہتے ہیں۔ ہجو کے مضامین کو تو پڑھ کر ایسے خوش ہوتے ہیں کہ پھولے
نہیں سماتے اور جانتے ہیں کہ ہم نے اخبار کے دام بھر پائے اگر ان کی مدح کے خطوط نہ
چھاپیے تو پھر بعض اُن میں سے کچھ ٹیڑھے خط لکھ بھیجتے ہیں کہ جن کی پیشانی پر الف
کی جگہ لاف کاف ہوتا ہے لکھتے ہیں کہ اے اعوجن تو نے کیوں ہمارا خط نہیں چھاپا کیا
تیرا مغز چل گیا ہے۔ غرض جب ایڈیٹر اپنی ڈاک کو کھول کر پڑھتا ہی تو بعض خطوں
سے خوش ہوتا ہے۔ بعض سے ملول جن کے سبب وہ غرور و پندار جو تعریف کے خطوں سے
پیدا ہوا تھا کم ہو جاتا ہے۔ رومیوں کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی نامور فتحیاب ہوتا تو
اُسکے جوانمردانہ کاموں کی ساتھ اُس کی بُرائیاں بھی بیان کر دیتے تھے جن سے
اُس کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں آدمی عاجز و ناتواں ہوں دیوتا نہیں بن گیا۔ پس ایڈیٹر اخبار

ایسے خطوط کے ممنون ہوں کہ انھوں نے نخوت کی بلا سے انھیں بچایا ۔عیبوں اور نقصوں پر مطلع کیا ۔خوشامدیوں کی خوشامد پر اچھلنے سے روکا ۔انھوں نے متنبہ کیا کہ اپنے کاموں کو احتیاط سے کرو ۔اور اوروں کے کاموں کا حال نہایت ہوشیاری سے لکھو کہ جس سبب سے ان پر اعتراض نہ ہوں ۔بعض کاتب خطوں میں گالیوں سے بڑھ کر ایسی دھمکی کے خط لکھ دیتے ہیں کہ اگر آئندہ ایسا اخبار میں لکھو گے یا اس ہماری تحریر کو نہیں چھاپو گے تو ہم تمھاری خوب خدمت کرینگے اور چہرہ پر سے ناک اڑا کر تم کو نکٹا بنا دینگے ۔اگر اڈیٹر میں جوانمردی نہیں ہوتی تو وہ گھر میں چھپکا ہو بیٹھتا ہے یا پہرہ ساتھ لے کر چلتا پھرتا ہے اور اپنا کام چھوڑ دیتا ہے بعض دفعہ خطوں میں اڈیٹر کے ذاتی عیب ہی نہیں بیان کرتے بلکہ اس کے باپ دادا کی سات پیڑی میں جو کوئی نقص وعیب ہوتا ہے اسے لکھ کر بھیجدیتے ہیں غرض ایسے خطوط بڑی جانکاہ اور دل آزار ہوتے ہیں یہی حال مصنفوں کا ہے کہ ان کی کتابوں کی نسبت لوگ مخالف خطوط تحریر کرتے ہیں اس ملک میں یہ شیوہ ہر شہر میں دس پانچ آدمیوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ وہ اخباروں کے کارسپانڈنٹ بنتے ہیں ہر ہفتہ میں کاغذ کو دو طرف اناپ شناپ اپنے کسی مخالف کی ذمہ تہمت بہتان افترا باندھ کر بیرنگ اڈیٹر پاس بھیجدیا ۔اکثر ہوشیار اڈیٹر ایسے خطوں کو واپس دیتے ہیں اور اشتہار دیدیتے ہیں کہ ہم کوئی بیرنگ خط نہیں لینگے +

ناٹک ۔

ناٹک سے جیسا یہ علم دل پر نقش ہوتا ہے کہ انسان میں کون کون سی باتیں مفید اور عظیم الشان ہیں اور ان کا ظہور کس طرح ہوتا ہے وہ نہ شاعروں کی سحر بیانی سے نہ واعظوں کے موعظے سے نہ حکماء کی دلائل اور براہین سے حاصل ہوتا ہے جیسے وحشی جاہل آدمیوں پر بے مثل اثر سزا اور تعزیر کے دکھانے سے ہوتا ہے ۔اسی طرح تعلیم یافتہ

اہل علم کے دل پر انسانیت کا اثر ناٹک میں اہل کمالات کے کمال دیکھنے سے ہوتا ہے اسکے واسطے کچھ ضرور ہے کہ ناٹک کرنے والوں میں یہ خوبیاں ہوں کہ آواز خوش۔ قد و قامت موزوں۔ حرکات ملائم۔ جو کام وہ کریں یہ معلوم ہو کہ اصل حقیقت میں اُسی کا کرنیوالا ہی کر رہا ہے یعنے نقل کو اصل کر کے دکھا دیں اس ناٹک نے جو نیکیاں انسانوں میں پیدا کی ہیں وہ کسی اور انسان کی ایجاد نے نہیں کیں یہ رائے ناٹک پسند کرنے والوں کی ہے اس ملک میں جو انگریزی ناٹکوں کی تقلید میں ناٹک شروع ہوا ہے اُس کا اثر اب تک کوئی نیک دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ ان سے بھی کچھ برائیاں پھیلی ہیں۔

زمینداروں کی شرافت۔

انسان بڑی غلطیاں اس سبب سے کرتا ہے کہ وہ اشیا اور اشخاص میں تمیز نہیں کرتا۔ اسٹامپ کے کاغذ کے چند تختے جن کے اوپر کچہری کی مہر اور حاکم کے دستخط ہوں دولتمند گھروں میں جائداد کے وارث بننے کے لئے کافی ہوتے ہیں مگر کوئی شخص کسی جائداد کا مالک نہیں کہلا سکتا جبتک وہ اُس سے کوئی حظ اور تمتع نہ حاصل کرے۔ جو مالک میں ناشائستہ ہوگا اُس کی زمین افتادہ رہیگی یس جو زمیندار کہ جائداد رکھتا ہے وہ محافظ جائداد ہے۔ اگر وہ مالک بننا چاہتا ہی تو اس کو اشراف بننا چاہئے اشرافانہ مالک بننے سے جائداد سے روحانی انبساط حاصل ہوتی ہے اور محافظ جائداد ہونے سے پیٹ پلتا ہے۔ محافظ جائداد کا کام تو فقط بسیار خواری اور لڑائی جھگڑے عدالت میں مقدمہ بازی ہی اور اشراف مالک جائداد کا کام فیاضی۔ خوش خلقی۔ حسن سلوک۔ نکوکاری۔ تمام حقوق انسانی کا ادا کرنا۔ جو شخص اپنے ملک سے محبت رکھتا ہی وہ جب دیکھتا ہی کہ میری ملک کا بڑا حصہ زمینداروں کے قبضہ میں ہی کہ جو جائداد سے متمتع نہیں ہوتے سوا ظلم و ستم کے کچھ اور نہیں کرتے اپنی آزادی کو بُری طرح سے کام میں لاتے ہیں تو وہ اُس کو

بہتر جانے گا کہ کوئی اُس کی ملک کو دوسرا فتح کرلے۔ جو زمیندار اشراف سے
وہ تو اپنے گانوں یا قصبہ میں اس طرح رہتا ہے جیسے کہ فردوس میں اور جو اشراف
نہیں ہے گنوار ہے وہ اپنے جذبات نفسانی کو کام میں لاتا ہے اور لوگوں کو ستاتا
اور فساد مچاتا ہے اُس کے واسطے گانوں یا قصبہ جس میں رہتا ہے جہنم ہے صبح
اُٹھ کر اُس پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں اور اُس کی زمینداری چھننے کی دعا مانگتے ہیں
کوئی عمدہ خصلت دہاتی یا قصباتی اشراف کی برابر نہیں ہوسکتی جو یہ جانتا ہے کہ
مجھے خدا نے یہ جائداد دی ہے کہ میں اپنی رعیت کا مائی باپ بنوں اپنے ہمسایوں کے
ساتھ مربیانہ نیک سلوک کروں اور اپنے سے چھوٹوں پر زیادہ تر برتری اپنی
دیانت سے پاؤں نہ اپنی جائداد کی برتری سے وہ اپنے وقت کو خلوت و جلوت
میں اس طرح بانٹتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں وہ اپنی ساری زندگی
نیک کاموں کے لئے وقف کردیتا ہے۔ وہ مظلوموں کا حامی۔ کمزوروں کا محافظ۔
جھگڑالوؤں کا بیچ بچاؤ کرنے والا سب کا دوست ہوتا ہے جو جاہل کم فہم سادہ
لوح اُس کے ماتحت رہتے ہیں اُن کی تائید میں وہ اپنے علم و مشورہ کو صرف کرتا ہے
اور جو اُس کی برابر کے دوست ہوتے ہیں اُن کی دعوتیں کرتا ہے اُن کی خوشی
کرنے میں سعی کرتا ہے۔ بس جو زمیندار ایسی خوشحالی میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے
اُس کو وہ خوشیاں حاصل ہوتی ہیں جو شاعرانہ خوش بیانی اور عارفانہ خلوت و
حکیمانہ عزلت کی مسرتوں سے بھی زیادہ ہوتی ہیں دریاؤں کے کنارہ پر وہ
کھڑا ہو کر سبزہ و پانی کی سیر کرتا ہے درختوں کے گھنے سایہ میں چلتا ہے جس
میں طرح طرح کی بہاریں نظر آتی ہیں سورج کی جب روشنی چمکتی ہے تو وہ ساری قدرت
کی چیزوں کو چمکتی ہوئی دیکھتا ہے جس میں اپنے تئیں زیادہ خوش سمجھتا ہے اس لئے کہ وہ
ان سب چیزوں سے حظ اٹھاتا ہے ❖

انسان کی زندگی کی حالات -

ان لوگوں نے دنیا کی بڑی خدمت گزاری کی جو یہ بتلا گئے ہیں کہ جن امول اور طریقوں پر ہم چلتے ہیں اُن میں تجربہ نے یہ برائیاں اور بھلائیاں ہم کو بتلائی ہیں سنیکا ایک بڑا رومی حکیم ہے وہ یہ لکھتا ہے کہ گو لوگوں کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ ہمارے خوشی چین و آرام کے واسطے یہ امر کیا زبون ہے کہ ہم اپنے دل کو ان چیزوں میں لگائیں جو دولت سے حاصل ہوتی ہوں جانوروں کے واسطے تو یہ عذر ہے کہ ان کو عقل نہیں جو وہ دانہ کے لیئے دام میں پھنستے ہیں مگر دانشمند کیوں دولت - شان و شوکت حکومت کے جال میں پھنسیں سب سے زیادہ انسان کی کوشش خورش و پوشش کی چیزوں کے حاصل کرنے میں ہوتی ہے اگر ہم اپنے جسم کو ناز و نعمت سے پالیں اور اپنی شہوات نفسانی کی باگ کو نہ روکیں تو پھر دل کا اختیار جسم پر سے بالکل اٹھ جاتا ہے - بس آدمی کو اس سے زیادہ خیال کرنا نہیں چاہیئے - کہ بقدر ضرورت پیٹ کو بھر لے - پیاس بجھا لے - بدن کو ڈھک لے - گرمی سردی سے بچا لے - سوا ازیں ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ساری چیزیں اس قابل نہیں ہیں کہ ہم اُن کے لیئے فکر و تردد کریں - تھوڑا چاہنا حقیقت میں سچی بزرگی ہے تھوڑی سی چیزیں بزرگ منشوں کے نزدیک بہت ہوتی ہیں - بس جو بزرگ اس طرح کے خیالات کر کے تارک الدنیا ہوتے ہیں وہ حرص و دولت کی ادا کو پسند نہیں کرتے اُس کی مہربانی و نامہربانی دونو کو ذلیل جانتے ہیں گو اس طرح سے لوگ تارک الدنیا ہو جاتے ہیں اور دنیا کے کاموں کی تجارت کو چھوڑ دیتے ہیں مگر وہ اہل دنیا کو اس طرح فائدہ پہنچاتے ہیں کہ وہ اپنے مطالعہ اور تصنیفات سے اُن کو ہدایت کرتے ہیں - کہ دنیا کی جن چیزوں کے حاصل کرنے میں تم بڑی سرگرم ہو اور محنت مشقت سے حاصل کرتے ہو اُن کو بہت کم قیمت جانو - ایسے آدمی بڑے کاہل سمجھے

سمجھے جاتے ہیں مگر وہ بڑے کام کرنے والے ہوتے ہیں وہ تمام چیزوں کو جو خدا اور انسان سے متعلق ہیں اپنی خیال اور ذہن میں رکھتے ہیں خوب سمجھ لینا چاہئے جو عقلی و روحانی اشیاء ہمارے قبضہ میں ہیں وہی تو ہماری ہیں اور باقی اور سب چیزیں ہمارے پاس مستعار ہیں۔

دولت جو چیزیں ہم کو دیتی ہے وہ پھر لے لیتی ہے اپنی چیز کسی کے پاس چھوڑنے کی نہیں ان خیالات کو دل میں رکھ کر اگر کوئی دنیا کو دیکھے تو بالکل برعکس معاملات نظر آئیں گے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ دولت حاصل کرنے کے فکر میں ساری دنیا سرگرداں ہے۔ ہر ایک کو اس کی لو لگی ہوئی ہے ہر ایک کا طریقہ اس کے حاصل کرنے کا جدا ہے۔ بعض اس کے شوق میں کسی طرح بیتاب ہیں اس کے حاصل کرنے میں کسی بات کو ناجائز نہیں جانتے۔ بعض سلامت روی سے اس کی تحصیل کرتے ہیں اس غرض سے اس کی خدمت اپنے اوپر مہربان کرنے کے لئے کرتے ہیں اس کے مطیع بنانے کے واسطے غلامی پہلے اختیار کرتے ہیں دولت کی امید میں جو بیٹھے ہیں وہ اس پر بڑبڑا رہے ہیں اور جن کو حسب تمنا حاصل ہو گئی ہے وہ اس کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں جب وہ کسی کو اوروں پر ترجیح دے کر پسند کرتی ہے تو اسے ہر شخص اندھا کہتا ہے۔ اور جب وہ اپنے تئیں پسند کرتی ہے تو اس کو اپنی لیاقت اور قابلیت پر محمول کرتا ہے +

جذبات نفسانی کی شرارت یا نفس امارہ کی شامت

جب آدمی سنجیدگی کے ساتھ اپنی زندگی کے پچھلے کاموں پر غور کرتا ہے۔ کہ کیا کیا کئے ہیں تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے بری کام اپنی جذبات نفسانی کے اور نفس امارہ کے غلبے کے سبب سے کئے ہیں۔ اب وہ تجربہ کرتا ہے کہ آئندہ پھر ایسے غلط کام نہ کئے جائیں مگر اس کے ارادے کے خلاف اس کی طبیعت پھر اس کو مغلوب کر لیتی ہے اور ویسی ہی کام پھر کراتی ہے اور عقل و طبیعت میں ایک جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے کہ کون ہم پر مسلط ہو۔ اکثر ہم سے یہ جذبات دفعۃً بڑے زبون اور زہریلے کام کرا دیتے ہیں

کراتے ہیں ہم کو سخت حیرت ہوتی ہے کہ کیا ہم گھنٹہ بھر پہلے محبت شفقت عقل
مذہب کے احکام کے محکوم تھے یا اُن سے دفعتہً رشتہ تعلق توڑ کر ایسے سرکش
ہو گئے کہ انسان سے حیوان بن گئے۔ نفس امارہ نے وہ سر پر شیطان چڑھا یا کہ
کچھ سے کچھ اور ہو گئے ہم اکثر لفظ جذبہ کا کام میں لاتے ہیں جس کے معنے عربی
زبان میں غلبہ کرنے کے منازعت سخت میں اور کھینچنے کے ہیں مگر وہ ایک انگریزی لفظ
پیشن کا ترجمہ کیا جاتا ہے جسکے معانے مختلف انگریزی زبان میں آتے ہیں مگر
ہم نے جہاں اُس کو لکھا ہے اُس کے معنے یہ لئے ہیں کہ ہمارے احساس کی وہ حالت
جو ایک اضطراب ایسا پیدا کرے کہ ہم اپنے تئیں ضبط نہ کرسکیں اور اپنے اختیار سے باہر
ہو جائیں غرض جذبہ عقل کا مقابلہ کرنا ہے۔ وہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی
دوسری روحانی +

آسودہ حالوں کی زندگی۔

اس وقت ہم آسودہ حالوں کی زندگی کا ذکر باعتبار مذکر و مونث ہونے
کے کرتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کی زندگی کا دھیان اس سبب سے اول کرتے
ہیں کہ اُن سے کمتر آدمیوں کے حال پر بھی قیاس ہو جائیگا اس سبب سے گویا کل
انسانوں کا حال معلوم ہو جائیگا۔ بڑے آدمیوں کے ہاں لڑکیاں بہ نسبت لڑکوں کے
زیادہ چین اور آرام سے رہتی ہیں۔ جس وقت لڑکیاں اپنے گھروں سے نکلتی
ہیں اور ادھر اُدھر پڑی پھرتی ہیں پھولوں کے درختوں سے دل بہلاتی ہیں اس وقت
اُن کے بھائی مکتب میں اُستادوں کی نگاہ کے نیچے بیٹھے ہوتے ہیں اور اُن کے
ایک ایک لفظ پر گرفت ہوتی ہے۔ اُستاد کی ہدایتوں کے بوجھ سے اُن کی
گردن جھکی جاتی ہے۔ جن باتوں کو ان کی طبیعت چاہتی ہے وہ کر نہیں سکتے
جب لڑکیاں کچھ بڑی ہو جاتی ہیں تو ماں باپوں کی بڑی لاڈلی ہوتی ہیں اُنکی

باتیں بڑی پیاری پیاری معلوم ہوتی ہیں - سارا گھر اُن کو چاہتا ہے اُن کی
صورت - وضع - انداز - نیکی صفائی سے ماں باپوں کا دل ایسا خوش ہوتا ہے
جیساکہ بہشت سے ہوگا - اب ان کے بھائیوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ان
اصول کو سیکھ رہے ہیں کہ جسنے اُن کو فائدے حاصل ہوں اور لوگ اُن کی قدر
کریں اس آرزو میں کہ تعریف ہو - وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں -
اگر اس نوعمری میں ناموری اور شہرت کا شوق پیچھے پڑگیا تو پھر بہت سے خوف
آگے آتے ہیں - جب لڑکیوں کی شادی ہو جاتی ہے تو فقط اُن کا یہ کام ہوتا
ہے کہ خاوندوں کو اپنے تئیں پسند کرائیں - خوبصورت بنائیں - بچّوں کی پرورش
کریں - نوکروں کے ساتھ خوش خلاقی برتیں اب مرد اس حالت میں اپنی سب ارادوں کی
تکمیل سے باز رہتا ہے - اُس کو اوروں کے لئے وہ کام کرنے پڑتے ہیں جو
خود اپنے لئے وہ اپنی ذاتی معاملات میں محنت و کفایت کرتا ہے - سرکاری نوکری
میں تن دہی اور دیانت کرتا ہے - اپنی اور لیاقتوں کو بھی سنبھالنا پڑتا ہے -
اُس کو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ کار و بار خانگی اُن میں خلل نہ ڈالیں - جیسی اُس کو
اپنی آسودہ حالی کے لئے جان کھپانی پڑتی تھی اُس سے زیادہ اُس کو اپنی اولاد کے لئے
فکر کرنی پڑتی ہے + خلاصہ سب کا یہ ہے کہ عورت کا کام یہ ہے کہ وہ
پسندیدہ اور خوش کرنے والی ہو - مرد کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے عاقل ہونے
کا خیال رکھے - جو عورت و مرد ان کاموں کو چھوڑتے ہیں وہ اپنی زندگی کا اصل
مقصد ہاتھ سے کھوتے ہیں - جو عورتیں تکلف و وضع سے خوش کرنا چاہتی ہیں وہ
لوگوں کو مکروہ معلوم ہوتی ہیں اور جو مرد تصنع سے اپنی عقل کو دکھاتے ہیں اُنکی
ہنسی ہوتی ہے ایسی حالت میں یہ دونو جھوٹی محنت کے جیلخانہ میں اپنی غفلت سے
قید ہوتے ہیں +

مصیبت میں شجاعت۔

بعض آدمی ایسے بدمزاج ہوتے ہیں۔ کہ جہاں اُن پر ذرا سی مصیبت پڑی بیمار ہوئے آپے سے باہر ہوئے کبھی گھر والوں کو بُرا کہتے ہیں۔ کبھی کپڑے پھاڑتے ہیں کسی کو مارتے ہیں حکیم کو گالیاں دیتے ہیں بعض وہ بہادر جوانمرد ایسے مستقل مزاج ہوتے ہیں کہ خواہ وہ کیسے ہی سخت علیل ہوں اور اُن پر کیسی ہی بلا نازل ہو لیکن کبھی اپنے منہ سے بُرا لفظ نہیں نکالتے اور اُنکی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ وہ کسی طرح سے اپنے طیش و غضب کو جوش میں نہیں آنے دیتے۔ کبھی ان کی مستقل مزاجی متزلزل نہیں ہوتی۔ بس جو شخص اس طرح اپنے مزاج کو قابو میں رکھتا ہی اور اپنے نفس پر قادر ہوتا ہی وہ بڑا صاحب کمال اور صاحب استقلال شجاع ہوتا ہی۔ ایسے کام گو اپنی کارروائی کے لئے ضروری ہوتے ہیں مگر اس سے اوروں کی نظر میں بھی کمال وقعت اور عزت پیدا ہوتی ہی۔ یہ ادب اوروں کے دلوں کو تسخیر کر لیتا ہی۔ اور سب پر اپنا غلبہ رکھتا ہے۔ جہاں وہ ظاہر ہوتا ہی اُس کی تقلید شرم سے یا رشک سے کر کے اُس کا ادب لوگ کرنے لگتے ہیں یہ وہ نیکی ہی جس کی ضرورت ہر ساعت میں۔ ہر مقام پر۔ ہر گفتگو میں پڑتی ہی۔ وہ بڑے درجہ کی دانائی اور ہوشیاری باقاعدہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ اگر آدمی اپنے تمام عمر کے واقف کاروں کو دیکھے تو اُس کو معلوم ہو گا کہ جو لوگ بڑے ضابطہ و مستقل مزاج تھے اُنھوں نے بھی بڑے بڑے کام اور خدمتیں کیں ہیں جو اپنے خواہشہائے نفسانی کی غلام بن کے متلون مزاج تھے اُن سے کوئی بڑا کام نہ ہو سکا جو نیک مزاج موم کی ناک تھے اُن سے کام وہی ہوتے ہیں جو بدمزاجوں سے۔

خود آدمیوں پر خیال کرنا نہیں چاہئیے۔ بلکہ اُن کے خصائل و افعال پر بعض آدمی پاک نہاد ہوتے ہیں مگر ایسے نرم مزاج ہوتے ہیں کہ وہ اپنی فیاضی کو محدود نہیں رکھتے ہیں

بلکہ عام کر کے سب کو خوش کرنا چاہتے ہیں مگر اُن سے کوئی خوش نہیں ہوتا اُنکی میلان طبع کا مقتضائے یہ ہوتا ہے کہ وہ سب کو خوش کریں اس کے لئے وہ کچھ جھوٹ بھی نہیں بولتے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جن آدمیوں میں موجود ہوتے ہیں اُنکو بُرا خوش رکھتے ہیں جس مزاج کے سبب سے وہ ملاقات میں عمدہ ہیں خط و کتابت میں خراب ہیں یہ افسوس کی بات ہے کہ جن آدمیوں کو ہم نہایت شیریں کلام دیکھتے ہیں وہ حکومت پاکر بڑے سخت دل ہو جاتے ہیں اور اُنکی دوستی پر کچھ اعتبار نہیں ہوتا یہ بات کچھ اُن کی اپنی بدمزاجی کے سبب سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ ایسی نرم دلی کے سبب سے کہ وہ اوروں کے کہنے میں چلتے ہیں۔ اور جو شخص اوروں کے کہنے پر چلتا ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے کہ بدمزاج نہ ہو جاوے اور اچھی طرح زندگی بسر کرے۔ غرض نرم مزاجی سے جو تلون پیدا ہوتا ہے وہ ہماری نیکی و بدی کو ایک کر دیتا ہے۔ ایک شخص نے بڑی نیک خو جوان دولت مند کو کہا کہ میں اُس کے ہاتھ میں اپنا روپیہ اسلئے سے نہ دونگا کہ وہ اپنے روپیہ کو کسی سے دریغ نہیں رکھتا۔ اُس کا قول تھا کہ معاملات میں محبت کو دخل دینا نہیں چاہئے بلکہ دوستوں سے بھی اجنبیوں کی طرح معاملہ کرنا چاہئے۔ جو مستقل مزاج اور شجاع ہوتے ہیں اُن کے اکثر کاموں میں ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ذات کی محبت کو وہ گھٹاتے ہیں۔ جو نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ اپنی ذات کی محبت انسان پر بڑا غلبہ رکھتی ہے۔ جب مستقل مزاجی آدمی کی مرضی کو عقل کا تابع بناتی ہے تو وہ خود خوب روشن ہوتی ہے اور آدمی خواہ کیسا ہی ادنےٰ درجہ کا ہو اُس کو اعلیٰ درجہ کا بنا دیتی ہے مریض جو شدت مرض میں استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیتے ہیں۔ اُنکی صورت خواہ کیسی ہی مرض سے قابل رحم ہو گئی ہو لوگ بڑے ادب کی نگاہ سے اُنہیں دیکھتے ہیں اور اُنکی صورت سے سمجھتے ہیں کہ اپنے تئیں خدا کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے اسی کو علم حکمت میں نفس امارہ کا مغلوب

کرنا کہتے ہیں چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی اپنے اوپر آپ حکمراں ہونا اور نفس کو
زیر فرمان کھنا تعریف کے قابل ہوتا ہی۔ کیونکہ اس حالت میں آدمی سب کام اپنی
عقل کی اور اور آدمیوں کی نیک عقلی کی پابندی ہی کرتا ہے مستقل مزاج آدمی ساری کام ایسے
باقاعدہ اور باضابطہ کرتا ہے جیسے کہ کل اپنا کام کرتی ہی۔ اس کے دل میں سب
طرح کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں مگر کوئی اُس پر غالب نہیں ہوتی وہ کبھی گفتگو میں
اپنی برتری اوروں پر ثابت نہیں کرتا بلکہ برابری وہ اپنی ذہنی دلائل سے
لوگوں پر دباؤ نہیں ڈالتا۔ وہ اپنے سب کاموں میں کسی کا طرف دار نہیں ہوتا
یہاں تک کہ اپنی نیک مزاجی کا بھی +

تصنیفات کسی کے نام پر لکھنا۔

زمانہ قدیم میں قاعدہ تھا کہ مصنف اپنی تصنیفات کو سلاطین اور امراء کی نذر
کیا کرتے تھے اور انھیں کے نام نامی سے اپنی کتابوں کو زینت دیا کرتے تھے۔ یہ
امرا اور سلاطین بھی مصنفوں کی قدر و منزلت کیا کرتے تھے اور ان کی محنت کے
عیوضانہ میں بڑے صلے اور انعام ملتے تھے۔ اس طرح دونوں کی یادگار زمانہ ہوری
کے ساتھ قائم رہتی تھی اور یوں اہل کرم و اہل فضل میں تجارت ہوتی تھی۔
ابتدا میں تصنیفات میں ناحق کی تعریفیں مصنف نہیں بھرا کرتے تھے بلکہ جو قدرشناسی کا
مقتضاء ہوتا تھا اُس کے موافق تعریف کیا کرتے تھے جسکو کتاب کا مربی قبول کرتا
تھا۔ اور لوگ بھی اُس کو حق جانتے تھے مگر بعد ازاں مصنفوں کی طرف ممدوح
کی مدح میں یاوہ گوئی کا ظہور ہونے لگا۔ اور اُس کے کاموں کا بیان جن مضمون
کتاب سے کچھ متعلق نہ ہو مبالغہ کے ساتھ ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ
ہوگیا کہ ممدوح اور مداح دونوں کی ہنسی اُڑنے لگی۔ تعریف وہی ہی جو تعریف
کے قابل آدمیوں کی کی جای۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر نیکنامی اور بدنامی دونوں مساوی

ہو جاتے ہیں۔ غرض کچھ اس کام میں افراط و تفریط ایسی ہوئی کہ اب جو رہے تو یہ رسم بالکل مفقود ہو گئی مگر یہاں ایشیا میں ابھی تک موجود ہے۔ مگر ہندوستان میں نہیں۔ کسی حاکم کو کوئی مصنف اپنی کتاب نذر کرے تو کوئی صلہ اُس کو نہیں ملتا۔ تصنیفات کو حکام سے کچھ تعلق ہی نہیں رہا ہے۔ عوام کی قدر شناسی صرف مصنف کا سہارا رہ گیا ہے +

عدالت

عدالت ان فضائل اربعہ میں سے ایک ہے جن پر تمام اخلاق کی بنا رکھی گئی ہے ارسطو اور اُس کے پیرو اُس کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ ہر شخص کو اُس کا اپنا حق دینا عدالت ہے۔ فیثاغورث اور افلاطون کہتے ہیں کہ عدالت میں کُل فضائل شامل ہو جاتی ہیں ایک عدالت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ فقط آدمی ہونے کے لحاظ سے کرے۔ دوسری یہ کہ اپنے گھر کے آدمیوں کے درمیان عدالت کرے۔ تیسری یہ کہ جمہور کے درمیان عدالت کرے + عدالت قانون میں نہیں ہوتی بلکہ ہمارے تصور میں جو حق کا خیال ہو۔ قانون کا عدل وہ عدل اتنا ہی ہوتا ہے۔ جتنا کہ وہ اس خیال حق کی موافقت کرتا ہے یہ کہنا کہ قانون ہی کے امر و نہی کا نام عدالت ہے اور اس کے سوا عدالت کوئی چیز نہیں ہے ایسا ہی جیسے کوئی کہے کہ دائرہ کے نصف قطر آپس میں برابر جب تک نہیں ہوتے کہ محیط نہ کھینچا جائے +

(۲) ہم یہ تو اکثر لوگوں کے منہ سے سنتے ہیں کہ کام مصلحت کے موافق کرو یا اس طرح کرو کہ منفعت ہو یا اُس میں آسانی ہو۔ یا نہایت عمدہ طرح سے ہو مگر یہ کبھی سننے میں نہیں آتا کہ کام اس طرح کرو کہ اُس میں عدالت ہو۔ عدالت سب نیکیوں کی بنیاد ہے بس جس نیکی کی بنیاد عدالت نہیں اُس کا قائم رہنا ایسا ہی جیسا کہ بالاخانہ کا بغیر بنیاد کے شجاعت جب تک نیکی نہیں کہ اُس میں عدالت نہ ہو۔ چور۔ راہ زن۔ بہت بہادریاں کرتے ہیں مگر اس سبب سے کہ اس کی بنا عدالت پر نہیں ہے وہ نیکی نہیں شمار ہوتی۔ شجاعت فقط وہ

ظاہر ہو۔ اور اُس کے ساتھ دل میں عدالت کا خیال نہ ہو وہ فضیلت نہیں سخاوت نیکی نہیں جس میں عدالت نہ ہو۔ عدالت تو اس اعتدال کا نام ہے جس کو عقل تجویز کرتی ہے۔ بس جس نیکی میں یہ اعتدال یعنی عدالت نہیں وہ نیکی نہیں ہے

(۳) عدالت کی برابر کوئی نیکی عظمت و شان نہیں رکھتی۔ اس میں جو صفت خدا کی پائی جاتی ہے وہ کسی اور نیکی میں نہیں ہے۔ اکثر اور نیکیاں انسانوں کے مناسب حال بنائی گئی ہیں وہ مخلوق سے متعلق ہیں۔ مگر عدالت خود خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ کوئی اور اُس کو تکمیل کے ساتھ نہیں کر سکتا ہے۔ ہمہ جا و ہمہ وقت ہونا خیالات و اقوال و افعال میں جو راستی اور بدی ہو اُس کے ہر ایک درجہ کا معلوم ہو جانا پھر اُن کا اندازہ کرکے سزا و جزا دینا عدالت کی تکمیل کی لئے ضرور ہے اور یہ صفات خدا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے کوئی اور عدالت تکمیل کے ساتھ سوائے اُس عالم الغیب کے نہیں کر سکتا عادل کامل ہونا خدا ہی کی خاص صفت ہے۔ جس قدر انسان سے عدالت ہو سکے وہ اس کی شکوہ و عظمت ہے۔ جو آدمی انفصال حقوق کا اختیار ہاتھ میں رکھتے ہیں وہ گویا نائب خدا ہیں جو بدیوں کی تعزیر اور نیکیوں کی توقیر کرتے ہیں۔

جب کسی قوم میں سے عدالت کا پاس و لحاظ جاتا رہتا ہے تو اُس کا ادبار آجاتا ہے اس میں حاکم عادل نہیں ہوتے ظلم کرتے ہیں۔ اور یہ ظلم اس قوم کو غارت و تباہ کر دیتا ہے سلطنت کی بنا عدالت پر ہوتی ہے۔ جب بنیاد نہیں تو مکان ہی نہیں عدالت نہیں تو سلطنت بھی نہیں۔ جو بادشاہ عدالت کرنے بیٹھیں وہ یہ جانیں کہ ہم تجارت کرنے بیٹھے ہیں۔ جتنی منفعت اُٹھا سکیں اُٹھائیں اور یہ نہ جانیں کہ خدا عادل ہے اور اُس کے گماشتے ہم یہاں مقرر ہوئے ہیں تو ضرور ایسی بلائیں اُن پر نازل ہونگیں کہ اُن کو خاک میں ملا دینگی۔ حکومت کی طمع غصہ و انتقام کے جوش عدالت کو ضعیف کر دیتی ہیں مگر آخر کار عدالت ہی کو غلبہ رہتا ہے۔ اسی کی میزان کے پلڑے برابر ہو کے اپنی ڈنڈی کی

استحکام کو دکھاتے ہیں۔ عدالت آدمی کو رحم سے باز رہنے پر مجبور نہیں کرتی۔
جسکے سبب سے کوئی عادل کو ظالم کہے۔ جو عادل عاقل ہی وہ جانتا ہی کہ انسان خطاؤ
جرم کرنے میں کیتنا اپنی طبیعت کے سبب سے مجبور ہے وہ اس خیال کو اپنے ذہن میں
عدالت کے لئے ملحوظ رکھتا ہی جو وہ فتویٰ دیتا ہے اُس میں رحم اور عدل دونو شامل
ہوتے ہیں کوئی سختی اور ظلم نہیں ہوتا +
(۴) عدالت کا حال بجلی کا سا ہوتا ہی کہ وہ ڈراتی سب کو ہی مگر غارت بہت
ہی تھوڑوں کو کرتی ہی +

آتش بازی میں مظاہر قدرت

انسان کو بڑا شوق یہہ لگا رہتا ہے کہ اس عالم میں جو مظاہر قدرت و مناظر
فطرت ہیں ان کی نقل اُتاروں۔ چنانچہ اُس نے بہت سی چیزوں کی نقل اُتاری اور
خوب اُتاری۔ چنانچہ وہ چھوٹا سا آسمان بناتا ہی۔ اور اُس میں گھنٹوں بادلوں کو
کڑکاتا ہے۔ اُن کی گرج سنواتا ہی۔ بجلی کو چمکاتا ہی۔ برف اولوں کا مینہ برساتا ہے
مینہ کی جھڑی لگاتا ہے۔ آتش بازی میں بھی وہ آسمان کا سماں دکھاتا ہے۔
ستاروں کو دکھاتا ہے۔ شہاب ثاقب چھوڑتا ہے دہوؤں کے بادلوں کو چھاتا ہی
قلموں اور ہوائیوں کو چھوڑ کر بروج آسمانی بناتا ہی۔ شعلوں کے مینار کی مینا
چمکاتا ہی۔ غرض آتش بازی بھی ایک عجیب الخلقت ہی جو رات کو بے شمار ستارے
و پھول جنتی ہی۔ گو بعض کفایت شعار مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے آتش بازی
سے دل جلائیں اور جلے پھپولے پھوڑیں۔ اور لال پیلے رنگ چہرہ کے دکھائیں اور زبان
فرمائیں کہ روپے میں آگ لگانے سے کیا فائدہ۔ مگر آتش بازی سی زیادہ کوئی چیز
اہل دانش کو یہہ سبق پڑھانے والی نہیں کہ انسان اپنی قدرت
صناعت کو خواہ کیسا ہی معراج پر پہنچاوے۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اُسکی

کچھ ہستی و حقیقت نہیں۔ آتش بازی اپنے ستاروں میں خواہ کیسی ہی زنگ دکھائے مگر وہ آسمان کے ستاروں سے کیا نسبت رکھتی ہی۔ صناع حقیقی کی قدرت بے انتہا ہے اسکے آگے انسان کی قدرت کا وجود نہیں۔ آتش بازی کی اصل حقیقت کیا ہے جو ستاری روشن ہیں اُن سے آتش بازی کے ستاروں کو کیا نسبت ہے۔ اگر آدمی کو تابش خرد منظور ہو تو اس آتشبازی سے سمجھ لے کہ خدا کی دانائی اور قدرت بے انتہا ہے انسان کی تمام دانائی و قدرت کی کچھ بھی حقیقت اُسکے روبرو نہیں ہے +

خدمات عظیم کے صلے و انعام

گو ہر قوم میں حسن خدمات ملکی کے صلے اور انعام دینے کے مختلف طریقے ہیں مگر تمام مدبران ملکی کے نزدیک یہ مسئلہ مسلم ہے کہ جو اولو العزم عالی ہمت والا ہمت اپنی قوم کی ایسی خدمت کرے جس سے ملک کی خوبیاں زیادہ ہو جائیں تو وہ احترام و اکرام کا مستحق ہے اور یہ اعزاز جسقدر کم خرچ ہو اُسی قدر بالانشین مستحق کو کرتا ہی اور اُس کے حق میں مفید ہوتا ہے +

رومیوں کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی بڑا الو العزم عالی حوصلہ بزرگ منش خدمات ملکی بجالاتا تو اُس کے صلہ میں دولت اور جاگیریں دے کر ممتاز نہیں بناتے تھے۔ بلکہ کسی درخت کے پتوں کا ہار بنا کے گلے میں ڈالدیتے تھے یا کسی درخت کے پھول سر پر رکھ دیتے تھے۔ مجلسوں میں کوئی خاص جگہ اُن کے بیٹھنے کے واسطے مقرر کردیتے تھے۔ یہ مردان دلاوران کم قیمت انعاموں کے واسطے اپنی جانیں لڑا دیتے تھے چینیوں کے ہاں حسن خدمات کے صلہ کا ایک اور طریقہ تھا کہ مرنے کے بعد اس شخص کو خطاب دیتے تھے جس نے اپنے ملک کی وفاداری اور بادشاہ کی خیر خواہی میں جان دیدی یہ انعام کا طریقہ ایسا تھا کہ آدمی تادم مرگ ملک کی اور بادشاہ کی خدمت گزاری میں سعی کرنے سے باز نہ آتا تھا وہ جانتا تھا کہ میری بعد میری اولاد کو

عزت وعظمت اُس خطاب سے حاصل ہوگی۔ انگریزوں کے ہاں انعام کا طریقہ ایک یہ تھا کہ جب مہم عظیم میں کامیابی وفتحیابی ہوتی تھی تو اُس مہم کے نام کے تمغے بنائے جاتے تھے اور اُن افسروں اور سپاہیوں کو دئے جاتے تھے جنھوں نے اس مہم کو ختم کیا تھا۔ رومیوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ ایسی مہمات کے نام سے اپنے ملک میں سکے جاری کیا کرتے تھے تمغوں سے ایسی شہرت اور ناموری نہیں ہوسکتی جیسی کہ سکوں سے۔ ان مہمات کے سکوں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان سکوں کا رواج پانا ہی اس مہم کی شان وعظمت کو بڑھاتا تھا +

ایشیا میں حسن خدمات کے صلہ میں خطاب القاب کے ساتھ دولت جاگیر دی جاتی تھی اور ابتک یہ طریقہ چلا جاتا ہے ان کے ہاں نواب بے ملک اور راجہ بے راج کے نہیں بنائے جاتے ہیں +

اہل خیال واہل کار یعنی سوچنے والے اور کام کرنے والے۔

انسانوں کا بڑا حصّہ وہ ہے جو محسوسات سے محفوظ ہوتا ہے۔ جو چیز کسی حس کو اچھی لگے وہ اُس کو اچھا جانتے ہیں۔ تھوڑے ہی ایسے آدمی ہیں کہ عقل و قوت فطری کے نزدیک جو چیز اچھی ہو اُس سے محفوظ ہوں بعض کا یہ وحشیانہ خیال ہے کہ کام کرنے والے بہ نسبت سوچنے والے آدمیوں کے سوسائٹی کے حق میں زیادہ بکار آمد اور سودمند ہوتے ہیں اور سوچنے والوں کا فرقہ تو بیکار ہے۔ یہ رای غلط ہے۔ سپہ سالار اور مدبر جو ملکی اور جنگی خدمات بجالاتے ہیں وہ ایک سرزمین کے خاص مکان ومقام میں مقید ہوتے ہیں جیسے وہ اپنے ملک اور قوم کی ترقی اور بہبودی میں کوشش کرتے ہیں ویسی ہی وہ دوسرے قوموں کی ضرر رسانی اور نقصان پہنچانے میں سعی کرتے ہیں۔

برخلاف اس کے جو سوچنے والے آدمی ہوتی ہیں ان کے خیالات علمیہ کسی مکان اور زمان کے ساتھ مقید نہیں ہوتے بلکہ وہ ساری دُنیا کے لئے یکساں ہوتے ہیں سوا اس کے عمل کرنے والوں کے کارہا نمایاں کی شہرت نسل بعد نسل فقط ایک نسل میں چلتی ہے اور جب وہ منقطع ہو جاتی ہی تو وہ ناموری بھی جاتی رہتی ہے۔ برخلاف سوچنے والوں کے کاموں کے کہ وہ دُنیا میں ہزاروں برس قائم رہتی ہیں۔ اسکندر اور قیصر کی فتوحات سے ہم کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے لیکن فیثا غورث نے جو سینتالیسویں شکل مقالہ اوّل اقلیدس ایجاد کی اُس سے ہمیشہ انسان تجارت میں دولت اور منفعت حاصل کریگا شائد لوگ اُس پر تعجب کرینگے کہ اُس شکل کو دولت و تجارت سے کیا تعلق ہی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ تمام جہاز رانی علم مثلث پر موقوف ہی اور علم مثلث اس شکل پر۔ جہاز رانی سے جو تجارت کا بازار گرم ہوتا ہی وہ اس شکل کی بدولت علم ریاضی ایسا علم ہے کہ جس نے انسان کو مہذب بنایا ہی اور وحشیوں سے اُسے ممتاز کیا ہے۔ تمام زیب و زینت اور منفعت انسان کو اُس کی بدولت حاصل ہوئی ہے اور ہوتی ہے یہ علم تو انسان کے ظاہری حال کو اچھا کرتا ہی مگر بہت سے علم ایسے ہیں کہ وہ انسان کے باطن کو مہذب بناتے ہیں تمام بزرگوں اور ولیوں پیغمبروں کے کلام اور علم نے بھی انسان کے دلوں میں نیکی اور اخلاق کا بیج بویا ہے کیا ان عمل کرنے والوں سے جنھوں نے لاکھوں آدمیوں کے خون کے ندی نالے بہائے۔ کوئی نیکی کا سکہ انسان کے دماغوں میں جمایا ہے۔ اگر یہ سوچنے والے بیکار ہی ہوں تو اُن عمل کرنے والوں سے اچھے ہیں جو ہزاروں انسانوں کو تکلیف اپنی ناموری کے واسطے پہنچاتے ہیں + ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالی نے ایسے آدمی جو اپنے

سوچنے سے دُنیا کو فائدہ پہنچائیں۔ بہت تھوڑی پیدا کی گئی ہیں اور ایسے آدمی جو اپنے عملی کاموں سے دُنیا کو فائدہ پہنچاتے ہیں کثرت سے پیدا کئے ہیں٭

پابندی اوقات

انسان کے واسطے گو ہزاروں کام ہیں مگر اُس سے حیوان فقط اپنے شعور طبعی کے ذریعہ سے زیادہ محنت کرتے ہیں اور اُن کا وقت زیادہ کام میں بہ نسبت انسان کی صرف ہوتا ہے۔ انسان میں ایسی عقل ہے کہ اُس کے واسطے ایک بڑا وسیع میدان کاموں کے واسطے وہ پیش کرتی ہے کہ جو جانوروں کے واسطے نہیں ہے۔ شکاری جانور اپنا وقت کھانے سونے میں کاٹتے ہیں یا جاگنے کا وقت شکار کی تلاش اور کھانے میں صرف کرتے ہیں اب انسان کو دیکھو کہ وہ شکایت کیا کرتا ہے کہ دن کاٹنا بھاری ہو رہا ہے۔ وقت پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی کام نہیں جو میں کروں۔ حیوان عاقل کو ایسی باتوں کہنے سے شرم کرنی چاہئے اس کے جسمانی اور عقلی محنت کے لئے ہزاروں کام موجود ہیں اور ہنر کے کاموں کے سوا، مذہبی خیالات میں فائدہ مند کتابوں کے پڑھنے میں اور تقریروں میں وہ وقت اپنا اچھی طرح کاٹ سکتا ہے علم و نیکی کا میدان ایسا وسیع ہے کہ اُس کی حد و پایان نہیں جو شخص اس میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے وہ ہر گھنٹہ میں زیادہ عاقل اور پہلے سے بہتر ہو جاتا ہے۔ کاہلی کے گھنٹوں کی برابر کوئی بُرا وقت زندگی کا نہیں ہوتا۔ اگر ہر شخص اپنا امتحان اس طرح کیا کرے کہ میں کیا کرتا ہوں اور آج میں نے کیا کیا تو وہ ضرور کاہلی سے دور رہے گا اور دل کو بُرے کاموں سے ہٹائیگا۔ نیک کاموں میں لگائیگا۔ غرض جو شخص اپنے وقت کو بیکار کھونا نہ چاہے وہ اس خطا سے بچیگا کہ میں نے وہ آج کام کئے ہیں جو مجھے نہیں کرنے چاہئیں اور وہ کام نہیں کئے ہیں جو مجھے کرنے چاہئیں تھے۔ یہ خطا ایسی ہے کہ بڑے بڑے عاقل بھی اس سے نہیں بچتے +

(۲) جیسے نجومی اجرام فلکی کے سعادت و نحوست ان کے مکان اور زمان کے لحاظ سے مقرر

کرتے ہیں اسی طرح علم اخلاق کے عالم آدمیوں کی نیکیوں کے انواع زمان و مکان کے لحاظ
سے تجویز کرتے ہیں وہی ایک آدمی جو ایک وقت اور مقام پر شیخی بگھارتا ہی دوسری
وقت اور دوسرے مقام پر خاموش بیٹھا ہی۔ غرض حقارت و قدر و منزلت۔
مدح۔ و ذم۔ نیکیاں اور برائیاں وقت و زمانہ پر موقوف ہیں مگر آدمی کو چاہئی
کو وہ نیکیاں اپنے میں پیدا کرے جن کی تعریف زمان و مکان سے مقید و مخصوص نہ ہوں
بلکہ وہ ہمہ وقت اور ہمہ جا ستائش سے مستحق ہوں تاجر کی بڑی تعریف یہ ہوتی
ہی کہ سارے کام اُس کے پابند اوقات ہوں۔ وہ تجارت میں جو وعدے کرے
اُن کو وقت پر پورا کرے وہ کسی اور بات سے ایسا خائف نہ ہو جیسا کہ اس
بات سے کہ لوگ اُس کو کہیں کہ وہ اپنے وعدوں کو وقت پر ایفا نہیں کرتا ہیں جیسی
یہ پابندی اوقات تاجر کے لئے ضرور ہے ایسی ہر شخص کو اپنے کاموں کے واسطے
نظم اوقات ضرور ہی۔ اکثر آدمی اس پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے اور جانتے
ہیں کہ یہ قید آزادی اور امارت کے خلاف ہی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں پابند
اوقات نہ ہونے سے آدمی بڑی باتوں میں بھی وقت کا پابند نہیں رہتا۔ جو
وقت کسی کام کا ٹھیراتا ہی اُس وقت نہیں کرتا اس سبب سے اُس کا اعتبار کم ہوجاتا
ہے۔ اور لوگ شبہ کرتی ہیں کہ جو اس نے وعدہ کیا ہی وہ وقت پر معلوم نہیں پورا
کریگا یا نہیں دعوتوں اور جلسوں میں اُس کو بلاتی ہیں مگر یہ جانتی ہیں کہ وہ وقت پر
نہیں آئیگا اِس لئی اُس کا انتظار نہیں دیکھتے ہیں جس سی وہ ذلیل ہوتا ہی +

(۳) جن چیزوں کو انسان اپنے نزدیک ایسا مضبوط اور مستحکم بناتا ہی کہ وہ قیامت
تک قائم رہیگی اُن کو وقت غارت کرکے نیست و نابود کر دیتا ہی۔ لوہے اور
پتھر کے ہتھیاروں کا نشان باقی نہیں رکھتا کتابوں اور پُرانے نوشتوں کو کیڑوں کو
کھلاتا ہی اور ایسا محسن کش ہی کہ نیکنامیوں کا نام مٹاتا ہی +

تنہا نشینی۔

ہمیشہ روشن دماغوں کو جنکا علم وسیع اور ذہن عالی ہوتا ہے تنہائی پسند ہوتی ہے جن کو یہ ملکہ ہوتا ہے کہ زمانہ حال اور ماضی کا آپس میں مقابلہ کرکے یہ دریافت کرلیتے ہیں کہ ہمیشہ سے آدمی کی ایک ہی سی خوشیاں اور آرام اور امیدیں اور ناخوشیاں متواتر واقع ہوتی رہتی ہیں وہ خلوت میں خوشی سے بیٹھتے ہیں اور اپنے خیالات کو وسیع کرکے اُن کی بوقلمونی سے وہ مسرت حاصل کرتے ہیں کہ جلوت میں اپنے حواس خمسہ سے نہ حاصل کرسکتے۔ جو لوگ صاحب دولت اور ثروت حکومت ہوتے ہیں وہ بھی ان آدمیوں کی صحبت سے گھبرا کر خلوت میں جا بیٹھتے ہیں جو اُن کو ہر وقت اس لیئے گھیرے رہتے ہیں کہ جو چیز اُن کی مسرت کے لئے مخل ہو اُسے دور کریں وہ یہی کہتے ہیں کہ اگر اس طرح سے ہم کو خلوت نہ نصیب ہوا کرے تو لطف زندگی جاتا رہے غرض خواہ انسان کیسا ہی عالیشان اور باساز و سامان ہو وہ اس تنہائی کی آرزو سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر اُس کو سوچ بچار کرنا آتا ہے تو وہ ہزاروں طرح کی تحقیقات اور خیالات سے اپنے تئیں باز نہیں رکھ سکتا۔ وہ ضرور خلوت میں بیٹھکر یہ کام کریگا مگر ایک امر جو عظیم الشان اُسکا مانع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تالیف قلوب کے لئے رسوم تعظیم و تکریم میں اُس کا بڑا وقت ضائع ہوتا ہے۔ گھر میں تو یونانی ضرب المثل کے موافق آقا اور غلام دونو برابر ہوتے ہیں اس لیئے شان امارت کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ جلوت میں وقت صرف کیا جاے۔ ایک بادشاہ نے اقلیدس سے کہا کہ اُس کو مختصر طور پر علم ہندسہ سکھاوے۔ تو اقلیدس نے جواب دیا کہ حضور علم ہندسہ کے واسطے کوئی راہ شاہی نہیں ہے۔ اور چیزیں حکومت و دولت سے حاصل ہوسکتی ہیں مگر علم مطالعہ اور تنہا نشینی سے حاصل ہوتا ہے +

تصنیفات میں عیب و صواب دیکھنا

مصنف کا کام یہ ہی کہ آدمیوں کو وہ باتیں سکھاے جو لوگوں کو معلوم نہ ہوں یا جو اُن کو پہلے سے معلوم ہوں اُن کا پیرایہ تازہ بدل کر خوش اسلوبی اور حسن ادا کی خوبی اداا ایسا پیدا کرے کہ وہ لوگوں کے دلوں کو ایسا لبھاے کہ پھر لوگ اُس کو دوبارہ شوق سے دیکھنے لگیں یہہ دونو کام بڑی محنت کے ہیں لوگوں کو چاہیے کہ وہ تصنیفات میں ان دونو باتوں کو دیکھیں اور چاہیں فقط مصنفوں کی غلطیوں پر نظر نہ ڈالیں بلکہ اُن کی خوبیوں پر بھی۔ ان کی جہالت ہی پر نظر نہ کریں بلکہ ان کی خوش کرنے والی صفتوں پر بھی۔ اور یہ سمجھیں کہ جو ہم کو سکھاتے ہیں وہ ہم سے زیادہ علم رکھتے ہیں بس جو لوگ اپنا وقت و خیال تصنیف میں صرف کرتے ہیں جس کے اندر ناکامی میں جوکھوں بڑی اور کامیابی میں منفعت تھوڑی ہے۔ ان کی ترقی کو جو روکتی ہیں وہ بڑی بد اندیش۔ تیرہ دروں۔ کور باطن ہیں نسل کی نسل ایسی ہی ہے کہ وہ اپنا فرض یا دل لگی سمجھتے ہیں کہ جس کتاب میں علمی خوبی اور ذکاوت پائی جائے اُس کی شہرت کے دروازہ کو بھیڑ دیں اور سنتری بن کر اُس پر کھڑی ہو جائیں اور اُس پر اُن کو بڑا ناز و فخر ہوتا ہے کہ ہم اپنی جہالت اور حسد کو آشکارا کر کے اوّل اطلاع دیں۔ اس فرقہ کو اور لوگ عیب بین کہتے ہیں اور وہ اپنے تئیں نکتہ یا دقیقہ شناس کہتے ہیں مصنفوں کو چاہیے کہ تصنیف سے پہلے اُن لوگوں کا علاج کریں سے دہن سگ بہ لقمہ دوختن بہ + پھر ان کی دعوت کر کے راضی کر دیں یا خوشامد کا افسانہ سنا کر خواب غفلت میں سلائیں ان لوگوں کی ضرور یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر مصنف اُن کو کچھ ما بہ الاحتظاظ پہنچا دے یا خوشامد کر دے تو پھر اُسی کے ہو رہتے ہیں۔ اگر وہ اخبار نویس ہوں تو اُن کا اخبار اٹھا لے پھر دیکھیے کہ اُن کی مدح سرائی میں کیا بھٹائی ہوتی ہے۔ اگر محنت و صداقت کے ساتھ تصنیفات کی

عیب صواب دیکھی جائیں اور عدالت کے حوالہ ہوں اور دانائی کے محل میں پرورش پائیں تو تصنیفات کے حق میں کوئی امر اس سے زیادہ مفید نہیں ہو سکتا لیکن افسوس تو یہ ہے کہ تصنیفات کو راستی کی شمع سے نہیں دیکھتے جن سے کچھ ہاتھ لگ گیا یا آیندہ امید منفعت ہے اُن کی خوشامد کے مارے غلام بن گئے اُن کے پیچھے پیچھے جھاڑو کرتے کی طرح لپٹ گئے۔ اس سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اُن کے خوف سے بعض مصنف اپنی تصنیف کو نہیں دکھلاتے اور بعض دل شکستہ ہو کر اس کام سے ہاتھ اٹھاتے ہیں +

خوشی پابند کسی فرقہ انسان کے ساتھ نہیں

انسان کے ہر فرقہ کو اپنا فن۔ ہنر۔ پیشہ۔ حرفہ۔ پسند ہے اور اس کے برتر و بزرگ ہونے کا ادعا ہے۔ خواہ اُس کو کیسی ہی مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں وہ اپنے پیشہ کی طرف داری کرتا ہے اور اُس سے خوش رہتا ہے۔ یہ طرف داری وہاں بڑی دھوم دھام سے ظاہر ہوتی ہے۔ جہاں تہذیب و شائستگی و تصنع کم ہوتا ہے۔ چھوٹی اُمّت کے پیشہ وروں کو بھی دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے پیشوں کی تعریف اور اوروں کے پیشوں کی ہجو ادا کیا کرتے ہیں ایک لُہار جانتا ہے کہ مجھے سارے دن ہتھوڑے مارنے پڑتے ہیں اور سخت محنت کرنی پڑتی ہے پھر بھی وہ اپنے پیشہ کو مردانہ جانتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرا بیٹا گلی میں نکلے گا تو کوئی اُس کو یہ نہیں کہیگا کہ وہ درزی کا لڑکا ہے بلکہ ایک جوان مرد پیشہ ور کا بیٹا کہے گا۔ بری اور بحری سپاہیوں میں بھی آپس میں یہی جھگڑا رہتا ہے۔ بحری لڑائیوں کی فتحیابی پر جب افسروں و سپاہیوں کے اعزاز کے تمغے ملتے ہیں تو بری سپاہی کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ کیا بیہودہ حرکت ہوگی کہ یہ سپاہیانہ عزت بحری سپاہیوں کو دی جائے۔ بہادری کے سبب سے سپاہی عزت کا مستحق ہوتا ہے سو یہ سب جانتے ہیں کہ بحری لڑائیوں میں کوئی کام بہادری کا نہیں ہوتا ہے۔

پیشہ وروں میں جو محاسدت ہوتی ہے اس سے ہر پیشہ ور کو اختراع اور ایجاد کی طرف

خیال ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میری چیزوں پر لوگوں کو التفات ہو۔ اسلئے ہر پیشہ میں بڑی ترقی ہوتی ہے +

رازداری۔

کہتے ہیں کہ جو شخص رازداری کے قواعد کے خلاف افشاء راز کرتا تھا اس سے ایرانیوں کو سخت نفرت ہوتی تھی ان کا قول یہہ تھا کہ ایک شخص صفات سے تو وہ گو ناقص ہو مگر اس کے اختیار میں یہہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی کام نیکی کے منافی نہ کرے مثلاً ایک شخص کو اچھی طرح بولنا نہ آتا ہو مگر اس کو چپ رہنا تو ضرور آتا ہے بہت سے آدمی مخفی باتوں کو اس سبب سے نہیں ظاہر کر دیتے کہ کوئی اُن کو دھمکاتا ہے یا رشوت دیتا ہے بلکہ فقط اپنی بکواس کی عادت کے سبب سے ساری باتیں دل کی کہہ دیتے ہیں وہ پیٹ کے ہلکے ہوتے ہیں کہ کوئی بات اُنکو ہضم نہیں ہوتی منہ پر آئے بغیر وہ نہیں رہتی۔ اُن کا حال کیتلی کا سا ہوتا ہے کہ جس کی پیندی ٹپکتی ہو اگر اُس کے نیچے کے سوراخ بند کئے جائیں تو بھی سر پر سے اُس کے اندر کی چیز نکل جاتی ہے اُن کے اختیار میں نہیں ہے تاکہ وہ اپنے راز کو یا دوسرے کے راز کو مخفی رکھیں +

بہت سے طریقے ہیں کہ آدمی راز کی باتیں کہہ دیتا ہے اور یہہ جانتا ہے کہ کوئی میں نے گناہ نہیں کیا وہ اپنی مربیوں اور دوستوں کے رازوں کو ان لوگوں کے سامنے کہہ دیتا ہے جن سے کہ وہ اپنے راز نہیں چھپاتا۔ ان لوگوں پر بھی اُن کا اعلان کر دیتا ہے جن کو چاہتا ہے کہ وہ کچھ غرض رازوں کے افشا سے نہیں رکھتی باوجودیکہ اُس کو یہ خوف ہی لگا رہتا ہے کہ اگر یہہ راز شائع ہو جائیگا تو اُس سے دوستی میں فرق آجائیگا۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ میں جن سے محبت رکھتا ہوں یا جن سے باتیں کیا کرتا ہوں یا جن سے دل لگی کرتا ہوں یا جن سے فرصت کے وقت ملتا ہوں وہ میری قدر و منزلت کریں اس لئے محبت اور مہربانی کے جوش میں آن کر وہ اپنا رازنہ

دوست سے اس لئے کہدیتا ہی کہ جس سے بیر یا دوستی اور الفت ثابت ہو۔ اور اس وجہ سے قدر و منزلت ہو۔ غرض جو آدمی راز کہتا ہے اس میں اُس کی شیخی اور نمود پائی جاتی ہی۔ اپنا راز کسی دوست سے کہہ دینا فقط حماقت ہے۔ مگر دوسرے کے راز کا افشا کر دینا سوا حماقت کے مکاری بھی ہی۔ بعض آدمی دوستی کے ایسے پکے اور دیوانے ہوتے ہیں کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دوستی کے معنے یہ ہیں کہ من تو شدم تو من شدی۔ جو دوست کا ہے ہمارا ہی اور جو ہمارا ہی وہ دوست کا ہی۔ بس اس لئے اُس سے کسی بات کا مخفی کرنا دوستی سے بعید ہے۔ دوست کوئی غیر نہیں ہے وہ بمنزلہ اپنی ذات کے ہے اُس سے راز کہنے سے کوئی دوسرا راز دان زیادہ نہیں ہوتا۔ بس اگر دوستی کے معانے یہ سمجھے جائیں تو یہ ہوگا کہ میں نے اپنا راز ایک اپنے دوست سے کہا اور اس دوست نے یہ راز دوسرے دوست سے اور دوسرے نے تیسرے سے غرض رازداری کا دورہ چلتے چلتے طشت از بام افتادہ کا نقشہ ہو جائے گا۔ اور اُس شخص کو راز معلوم ہو جائیگا جس سے چھپانا منظور ہے۔ اس کا حال بجلی کا سا ہوگا کہ زنجیر کے ایک حلقہ سے دوسرے حلقہ میں فوراً کھینچتی چلی جاتی ہی وہی باتیں جو دوستوں کی سرگوشیوں میں ہو رہی ہیں وہ بازاروں میں مشتہر ہوتی ہیں غرض رازداری کا مسئلہ بڑا مشکل ہی کہ آدمی کس پر اعتبار کرے اور کس پر نہ کرے۔ گو اسکے قاعدے بہت سے بیان ہوئے۔ مگر سب سے اچھا یہ قاعدہ ہی کہ کبھی آدمی کسی کے راز پر واقف ہونا ہی نہ چاہے۔ جب کوئی شخص اپنا راز کہنے بیٹھے تو اُس کے سُننے سے انکار کردے اس میں آدمی کا بڑا اعتبار رہتا ہی نہ اپنا راز کہے نہ دوسری کا سُنے۔

(۲) جب دو یار محرم اسرار آپس سے جدا ہوتے ہیں تو اُن کے حافظوں میں ایک دوسرے کے اسرار مقفل ہوتے ہیں جن کے قفلوں کی کنجیاں ایک کی دوسرے کے پاس ہوتی ہیں

(۳) اکثر ہم اس مقولہ کو نقل کرتے ہوئے سُنتے ہیں کہ جب اپنے راز کو ہم خود نہیں چھپاتے تو دوسرے سے اُس کے چھپانے کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ اس مقولہ کی بنا بالکل خود غرضی

اور ناراستی پر ہے۔ وہ بالکل غلط ہی۔ دنیا میں ساری دوستی آدمیوں میں اسی پر موقوف ہی کہ ہم ایک دوسرے کے راز سے واقف ہوں اور اُن کو نیک نیتی کے ساتھ مخفی رکھیں اور عقل مندی کے ساتھ اُن کو بلاپ جلاپ میں کام میں لائیں دوستی کے اصلی کام یہی ہیں۔ آدمی کی نیک نہادی کی یہ علامت ہی کہ ہم اپنے راز دل سے زیادہ دوستوں کے اسرار کی حفاظت کریں دوست کو اپنے راز سے محرم کرنے کے یہ معنے ہوتی ہیں کہ ہم اُس پر اعتماد اور اعتبار کرتے ہیں دوستی جس کا نام ہی وہ اس باہمی اعتبار ہی کا نام ہی۔ دوست کو دوست اپنا اصلی حال دکھاتا ہی۔ اُس سے اپنی بات کو مخفی نہیں رکھتا۔ دوستی کا معیار راز داری ہی۔ ہمیشہ دوستوں میں اُس کی تجارت کا بازار گرم رہتا ہی۔ جن آدمیوں کو راز داری کی خصلت نہیں ہوتی جب اُن سے زیادہ راز کی بات کہی جاتی ہی اور اُس کے خفا کی تاکید تو وہ اُن کے دل پر ایسا بار معلوم ہوتا ہی کہ اُس کو وہ زبان پر لاکر ہلکا کر دیتے ہیں ہم میں راز داری کی عادت بہت کم ہی۔ یہ ہماری تعلیم کا نقص ہے ہم بچپنے میں جب کسی نوکر کی یا رشتہ دار کی مخفی بات کو ماں باپوں یا استاد پر ظاہر کرتے ہیں تو ہماری ذہانت کی تعریف ہوتی ہے اور بہت پیار کیا جاتا ہے +

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۴	ہوبٹ	ہونٹ	۱۶	۱۳	تشخیص	تشخص
۴	۱۱	نیجے	نیچے	۱۸	۱۴۰	نقرایر	تقریر
۶	۶	وبھی	وہ بھی	۲۰	۲۱	دولیے	دوے
۱۰	۱۵	انگار	افگار	۳۰	۱۷	تنادرخت	تناور درخت
۱۵	۴	طمع	طمع	۳۲	۲۱	جنگ	جنگہر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۵	۵	چوئوں	جوئوں	۱۵۷	۳	کی بُرائی	کسی بُرائی
۳۶	۱۱	ہو	ہوگی	"	۵	سُنا	سنا
۴۹	۱۲	ماہر	باہر	۱۵۸	۱	ت	بات
۵۳	۳	دخود	وہ خود	۱۵۹		اٹھیے	اسیٹے
"	۱۳	پڑھائی کے	پڑھائی کرنے	"	۱۳	کرتے	کرے
۶۲	۱۰	تامعقول	نامعقول	۱۶۲	۱۷	بنانے ہی	بنانے سے
۷۲	۱۰	تعلیم ہیں	تعلیم میں	۱۶۶	۱	ہوئی	ہوتی
۷۵	۱۲	تعلیم ہے	تعلیم کا	۱۷۷	۲۰	درستی	دوستی
"	۱۷	نظر آئے	نظر آئیں	۱۸۱	۵	اگر	آکر
۷۶	۱۰	مہرہ	مہر	۱۸۱	۲۱	چھایا	پنھایا
۹۱	۱۵	وہ س کی	وہ اس کی	۱۸۶	۲۱	ہوتا	ہونا
۱۰۱	۱۰	ایک	ہر ایک	۱۹۱	۲۰	تر	قبر
۱۱۳	"	بنے	بنتے ہیں	۱۹۷	۸	عقائد	عقلیہ
۱۲۸	۱۵	اسباب پہ	اسباب کی	۱۹۸	۲۰	۰	(۳۳)
۱۳۶	۱۳	گل	کل	۱۹۹	۱۰	عضا	عضو
۱۳۹	۵	میں ہیں	ہیں میں	۲۱۰	۱	(۲۲)	(۲۴)
۱۴۱	۴	بیٹھے تھے	بیٹھتے تھے	۲۱۲	۲	لیاجاے	لیا جائے
۱۴۶	۹	عم	عمر	۲۳۷	۵	کہتا	کہنا
۱۴۷	۱۲	بسیجتا	بھیجنا	"	۱۷	ہی ہو	ہی رہو
۱۵۰	۴	انتقام	انتقام کا	۲۵۱	۱۲	بنت	ہنت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۱	۱۳	بڑا	بُرا	۳۱۸	۱۲	کی	کی خزاں
۲۵۲	۱۷	معنف و مجلد	مصنفا و مجلا	۳۱۹	۷	بڑا	بُرا
۲۵۳	۱۸	دوست	دوست کی	۳۲۵	۱۰	یوں معبد	یوں معب
۲۵۶	۶	گورہاہی	کر رہا ہی	۳۳۲	۳	نوچینی	چینی
۲۶۳	۱۱	کہرے	کرو	۳۴۴	۱۷	۱۸-۱۹ ۲۰-۲۱	۱۳-۱۴ ۱۵-۱۶
۲۷۱	۹	جربہ	چربہ	۳۵۵	۱۲	چھڑی	چھوڑی
۲۷۲	۱۷	بُلسان	بلسان	״	۱۷	وقعة	وقفہ
۲۷۸	۸	زور	کا زور	״	״	برائے ترغیب	پرائی ترغیب
۲۷۹	۱	سِڈول	سُڈول	۳۵۶	۱۴	سلاخ	سلاخ
۲۸۰	۳	ذوجلال	ذوالجلال	۳۵۸	۱۶	پیوتا	پیوند
۲۸۴	۲	گئے	گئے ہے	۳۵۹	۸	ہیں	نہیں
״	۱۲	پہلے	میلے	۳۶۱	۵	آپ	اپنے
۳۰۵	۱۳	وہ تب	تب	۳۶۲	۴	جان	بیان
۳۱۳	۱	اس میں	آپس میں	۳۶۳	۱۱	کاگر	کاریگر
۳۱۶	۲	جھوٹ	چھوٹ	۳۶۶	۱۶	جیسے	جیسی
״	۱۷	حبت	محبت	۳۶۸	۹	کسروری	سردچہر
״	۲۱	ذلت	ذات	۴۰۰	۱۶	گر	مگر
۳۱۷	۲	ہوکری	کرے	۴۰۶	۱۸	ہوکیا	ہوگیا
״	۱۴	درستی	دوستی	فقط			

تمت